

قصص الانبياء

قرآن و احادیث صحیحہ کی روشنی میں



ماخوذ از البیان والنبیاء

تالیف / امام ابو العلاء ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ

دار السلام



لقد كان في قصصهم عبرة لأولئك الذين

يوقنون ان کے بیان میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔

قصص الانبياء

قرآن و احادیث صحیحہ کی روشنی میں

ماخوذ از البدایہ والنہایہ

تالیف

امام ابو الفداء ابن کثیر الدمشقی

اعداد
شعبہ تصنیف و تالیف
دائرۃ اسلام لاہور

ترجمہ
مولانا عطاء اللہ صاحب
پیشہ نویس



دائرۃ اسلام

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی اور
ترکیبی، جدید و شگرتیہ و لائحہ
عمل کی روشنی میں پیش کردہ



- طوفان کی آمد اور نجات پانے والوں کو شکر ادا کرنے کا حکم..... 90
حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد اور ان کی اپنے بیٹوں کو وصیت..... 96
نباہج و فوانہد..... عبرتیں و حکمتیں..... 99

حضرت ہود علیہ السلام

- نام و نسب اور بعثت..... 107
حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا رویہ..... 112
حضرت ہود علیہ السلام کا بتوں سے اعلان براءت..... 117
حضرت ہود علیہ السلام کی فریاد اور نوعیت عذاب..... 119
نباہج و فوانہد..... عبرتیں و حکمتیں..... 129

حضرت صالح علیہ السلام

- حضرت صالح علیہ السلام کا نام و نسب اور قوم شمود کا علاقہ..... 133
حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت و دعوت اور سرداران قوم کا رویہ..... 135
قوم شمود کی طرف سے معجزے کا مطالبہ اور اس کی بے حرمتی..... 138
قوم شمود پر نزول عذاب اور صالح علیہ السلام کا اٹکھار افسوس..... 144

حضرت ابراہیم علیہ السلام

- نام و نسب، بعثت اور والد کو دعوت تو حید..... 149
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نظام کائنات میں نور و تدریس..... 155
بت پرستوں سے مناظرہ اور دعوت غور و فکر کے لیے شاندار تدبیر..... 157
قوم کا تشکیک اور ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی..... 162
حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے الاؤ میں..... 165
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ..... 168
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملک شام کی طرف ہجرت مصر میں داخلہ اور ارض مقدس میں قیام..... 171
حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت..... 175
حضرت ہاجرہ علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام مکہ میں..... 178

فہرست مضامین

- عرض ناشر..... 15
اہتمامیہ..... 19

حضرت آدم علیہ السلام

- تحقیق آدم علیہ السلام کا اعلان اور اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مکالمہ..... 21
تحقیق آدم علیہ السلام و حواء علیہما السلام اور فرشتوں کا سجدہ..... 25
ابلیس کا تکبر اور اس کا انجام بد..... 31
آدم اور حواء علیہما السلام و دخول جنت سے خروج تک..... 34
اولاد آدم علیہ السلام اور قصہ ہابیل و قابیل..... 43
آدم علیہ السلام کی وفات اور بیٹے شیت علیہ السلام کو وصیت..... 53
نباہج و فوانہد..... عبرتیں و حکمتیں..... 56

حضرت اور لیس علیہ السلام

- نام و نسب، جائے پیدائش اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ..... 64
دوران معراج نبی ﷺ اور اور لیس علیہ السلام کی ملاقات..... 66
قلم کے موجد..... 66

حضرت نوح علیہ السلام

- نام و نسب، پیدائش اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ..... 68
دنیا میں بت پرستی کا آغاز..... 79
نوح علیہ السلام کی قوم کو دعوت تو حید..... 81
جب قوم نے خود عذاب مانگا..... 86
طوفان نوح کے اسباب اور کشتی بنانے کا حکم..... 87

حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہ السلام

- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند ارجمند 269
 حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد اور ان کی باہمی عداوت اور سبب 270
 حضرت یعقوب علیہ السلام کی حراں آمد اور شادی 271
 حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے نام 275

حضرت یوسف علیہ السلام

- احسن القصص 278
 حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب 280
 برادران یوسف کا قصہ 282
 یوسف علیہ السلام سرزمین مصر میں 286
 یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر میں 288
 عزیز مصر کی بیوی کا شہر میں چہ چا اور زنان مصر کی ضیافت 292
 حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں 295
 بادشاہ کا خواب اور اس کی تعبیر 299
 حضرت یوسف علیہ السلام بے قصور ثابت ہوتے ہیں 301
 حضرت یوسف علیہ السلام منصب حکومت پر 303
 برادران یوسف علیہ السلام مصر میں 304
 بنیامین کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات 306
 حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اور انعامات ربانی پر اظہار شکر 319
 حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹوں کو وصیت اور حضرت یعقوب اور یوسف علیہ السلام کی وفات 322
 نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں 325

حضرت ایوب علیہ السلام

- نسب نامہ اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ 334
 حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش اور مصر کی انتہا 336

- حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی 180
 حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت 184
 بیت اللہ کی تعمیر اور اہل مکہ کے لیے دعائے ابراہیم علیہ السلام 189
 قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ 195
 حضرت ظیل اللہ علیہ السلام کی عمر اور وفات 206
 نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں 209

حضرت لوط علیہ السلام

- نام و نسب جائے نبوت اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ 217
 حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ 224
 حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان اور قوم کا کردار 225
 عذاب کا نزول 231
 اہل خرد کے لیے مقام عبرت 234
 نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں 238

حضرت شعیب علیہ السلام

- حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت ودعوت اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ 242
 خطیب الانبیاء می قوم ”مدین“ 246
 حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کوفضیحت اور قوم کا اعلان بغاوت 248
 عذاب کی آمد اور قوم کی ہلاکت پر نبی علیہ السلام کا اظہار افسوس 254
 نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں 260
 آل ابراہیم کے انبیاء علیہم السلام 263

حضرت اسماعیل علیہ السلام

- سیرت حضرت اسماعیل علیہ السلام 264
 حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی اور اولاد 267

- 376 حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبیلے کی اتفاقی ہلاکت
- 379 حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین شریف لے جاتے ہیں
- 381 حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محفوظ مقام میسر آ گیا
- 383 حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر
- 386 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور معجزات
- 391 موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں
- 397 فرعون پر اتمام حجت
- 399 فرعون کا چادو گروں کے ذریعے مقابلے کا چیلنج
- 413 قوم فرعون کے ایک مؤمن کا اعلان حق
- 419 محل تعمیر کرنے کا فرعون بنی مذاق
- 420 مرد مؤمن نے بھلائی کا راستہ دکھایا
- 424 پے در پے عذاب اور قوم فرعون کی وعدہ شکنیاں
- 429 فرعون اور اس کی فوجوں کی تباہی و بربادی
- 430 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کی قوم کو بددعا
- 432 فرعون بنی اسرائیل کے تقاب میں
- 434 مومنوں کی نجات اور فرعون بنیوں کی غرقابی
- 436 فرعون کی آخری لمحے ایمان لانے کی ناکام کوشش
- 439 فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کے حالات
- 444 بنی اسرائیل میدان تیس میں
- 445 بنی اسرائیل پر انعامات ربانی کی بارش
- 448 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدار الہی کی خواہش
- 453 چھترے کی پوجا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سخت سرزنش
- 458 سامری کا چھترہ اندر آتش کر دیا گیا
- 463 گائے ذبح کرنے کا واقعہ

- 336 اپنے رب سے صحت کی دعا
- 341 نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں
- حضرت ذوالکفل علیہ السلام
- 344 قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ
- عمومی تباہی سے دوچار ہونے والی اقوام
- 348 اصحاب الرس
- 351 قوم ہمس
- 352 قوم کا رسولوں سے مکالمہ
- حضرت یونس علیہ السلام
- 356 قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ
- 358 حضرت یونس علیہ السلام وطن چھوڑتے ہیں
- 359 یونس علیہ السلام پھنسی کی پےٹ میں
- 361 اور پھنسی نے یونس علیہ السلام کو اگل دیا
- 362 نبی علیہ السلام کی فرمودہ عظیم دعا
- 363 حضرت یونس علیہ السلام کے فضائل و مناقب
- 365 نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں
- حضرت موسیٰ علیہ السلام
- 367 نام و نسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ
- 369 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور فرعون کا خواب
- 370 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آپ کی حفاظت
- 372 حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں
- 373 حضرت موسیٰ علیہ السلام کو والدہ کی طرف لوٹانے کی الٹی تدبیر
- 375 حضرت موسیٰ علیہ السلام پر انعامات ربانی

- 531 قوم کی نافرمانی پر عذاب الہی.....
534 حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات.....

حضرت خضر علیہ السلام

- 535 وجہ تسمیہ اور دلائل نبوت.....

حضرت الیاس علیہ السلام

- 542 نام و نسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ.....
545 حضرت حزقیل علیہ السلام.....

حضرت یسع علیہ السلام

- 548 نام و نسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ.....

حضرت شمویل علیہ السلام

- 550 نام و نسب اور بعثت.....
552 بنی اسرائیل کی خواہش جہاد اور ان کی آزمائش.....

حضرت داود علیہ السلام

- 557 نام و نسب اور حلیہ مبارک.....
558 حضرت داود علیہ السلام پر انعامات ربانی.....
560 معاملہ یمنی اور قوت فیصلہ.....
562 حضرت داود علیہ السلام کی عمر اور وفات.....
565 نتائج و فوائد..... عبرتیں و حکمتیں.....

حضرت سلیمان علیہ السلام

- 572 نام و نسب اور حضرت داود علیہ السلام کے جانشین.....
574 بدد اور ملکہ بلقیس کا واقعہ.....
581 حضرت سلیمان علیہ السلام کا اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ اور بیت المقدس کی تعمیر.....
582 سلیمان علیہ السلام کے شاہکار فیصلے.....

- 466 موسیٰ و خضر علیہ السلام کے سفر میں پڑا سرا و واقعات.....
472 دولت کے پجاری قارون کا واقعہ.....
478 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان و عظمت قرآن وحدیث کی روشنی میں.....
485 حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ مبارک اور ان کا حج کعبہ.....
486 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات.....
489 نتائج و فوائد..... عبرتیں و حکمتیں.....
498 حضرت شعیا بن امیصا علیہ السلام.....
500 حضرت ارمیا بن حلقیا علیہ السلام.....
504 حضرت دانیال علیہ السلام.....

حضرت عزیر علیہ السلام

- 508 نام و نسب اور آپ کا تذکرہ.....
511 حضرت عزیر علیہ السلام کا زمانہ نبوت.....

حضرت زکریا اور یحییٰ علیہ السلام

- 512 نام و نسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ.....
515 آل یعقوب کے وارث.....
517 یحییٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت.....
518 یحییٰ علیہ السلام کو کتاب اور حکمت و دانائی عطا کی.....
520 مسجد اقصیٰ میں قوم کو دعوت توحید.....
522 حضرت یحییٰ علیہ السلام کا زہد و تقویٰ.....

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام

- 525 نام و نسب اور قرآن وحدیث میں آپ کا تذکرہ.....
525 حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی نبوت.....
528 بلعام بن باعورا کا واقعہ.....

- 584 ہوا اور جنات پر سلیمان علیہ السلام کی حکمرانی
- 586 ان شاء اللہ نہ کہنے کا نتیجہ
- 588 حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات
- 589 نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

- 595 قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ خیر
- 597 حضرت مریم علیہا السلام حضرت ذکر یا علیہ السلام کی کفالت میں
- 599 حضرت مریم علیہا السلام کی خواتین عالم پر سر فرازی
- 603 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت
- 611 عقیدہ تثلیث کی تردید
- 612 عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ اور اس کی طرف سے ایک روح تھے
- 613 الہیت الہی کے عقیدہ کی قرآنی تردید
- 615 عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنی الوہیت کی تردید
- 619 چار الہامی کتب کا وقت نزول
- 620 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات
- 623 حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت دی
- 624 نزول مائدہ
- 626 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند فرمودات
- 627 رفع آسمانی یا صلیب پر موت؟
- 630 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل
- 634 عیسائیوں میں عقیدہ تثلیث کب رائج ہوا؟
- 636 نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں

عربی زبان وغیرہ میں وسیع الاطلاع اور بے پایاں معلومات کے حامل تھے۔ وہ تاحیات مسنفی و مؤرخ اور مسند مدرس و تدریس پر متمکن رہے اور فی الواقع اس کے اہل بھی تھے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ 774 ہجری میں دمشق میں انقلاب فرما گئے۔ انہوں نے "تقریر حدیث" سیرت اور تاریخ وغیرہ میں نہایت گراں قدر اور معرکہ آرا کتب تحریر فرمائی ہیں مثلاً:

❖ تفسیر القرآن الکریم: یہ شہرہ آفاق کتاب "تقریر ابن کثیر" کے نام سے معروف ہے جو تفسیر القرآن بالماثور کے اصول پر لکھی گئی ہے۔ دارالاسلام نے اس گراںمایہ تقریر کو گھر بی بی میں ترجمہ کر کے شائع کیا ہے اور اس کی "تہذیب" کر کے "المصباح المنیر" فی تہذیب تفسیر ابن کثیر کے نام سے شائع کرنے کی سعادت بھی حاصل کی ہے نیز اس عظیم الشان تقریر کے اردو ترجمے کا کام آخری مراحل میں ہے جس کی اشاعت کا شرف عترتِ عرب دارالاسلام کو حاصل ہوگا۔

❖ جامع المسانید: اس میں کتب سترمسند امام احمد بن حنبل، مسند البزار، مسند ابی یعلیٰ الموصلی اور طبرانی کی مجموعہ روایات کے علاوہ دیگر کتب کی ایک لاکھ سے زیادہ احادیث بیان کی گئی ہیں۔

❖ البدایہ و النہایہ: یہ ایک معرکہ آرا تاریخی تصنیف ہے جس میں امام صاحب نے قرآن کریم اور حدیث شریف میں مذکور انبیاء و رسل اور سابقہ اقوام و امم کے قصے اور واقعات ترتیب وار بیان کیے ہیں نیز سیرت النبی خلافت راشدہ اور اپنے عہد تک کی مکمل تاریخ بیان کر دی ہے۔ قصص الانبیاء بھی اسی تصنیف لطیف سے ماخوذ ہے۔

❖ الاجتہاد فی طلب الجہاد: یہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین صلیبی جنگوں اور ان جہادی معرکوں کی مفصل داستان ہے جو سلطان نور الدین زنگی سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کے جانشینوں نے بیت المقدس، فلسطین اور شام و مصر کے ساحلی علاقوں کو یورپی بیسیوں کے ناپاک تسلط سے چھڑانے کے لیے سر کیے۔

امام موصوف کی تصانیف کی مجموعی تعداد 23 سے زائد ہے۔

ہماری درخواست پر فضیلۃ الشیخ مولانا عطاء اللہ ساجد رحمۃ اللہ علیہ فاضل مدینہ بنیورسٹی نے قصص الانبیاء کو عربی سے اردو میں ڈھالا اور بہت خوب ترجمہ کیا۔ مولانا محمد اجمل رحمۃ اللہ علیہ فاضل مدینہ بنیورسٹی نے کتاب کی تخریج کی اور ابواب کے اختتام پر "نتائج وفوائد عبرتیں و حکمتیں" لکھ کر اس کی افادیت بہت بڑھادی ہے۔

قصص الانبیاء (اردو) کی ترتیب و تصنیف حافظ اصفہا قبل اللہ نے کی ہے۔ پروف ریڈنگ کی ذمہ داری مولانا عثمان منیب رحمۃ اللہ علیہ اور فارابی صاحب نے نبھائی اور آخر الذکر نے بعض مختصر حواشی لکھے ہیں۔ محمد ندیم کامران جاوید اقبال اور عبد الجبار نے کتاب کی کیورنگ اور ڈیزائننگ کے فرائض احسن طور پر ادا کیے۔ اس طرح انبیائے کرام کے پاکیزہ حالات پر یہ گراں قدر تصنیف بہت بہتر شکل میں قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، چنانچہ قارئین اللہ تعالیٰ کے انبیائے کرام رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہِ زندگیاں ان کے مجاہدوں اور ان کی تبلیغی کارکنوں کے حالات پر پڑھ کر معریت و حکمت کے گراں قدر نعمتوں سے اپنی

عرضِ شہرہ

خالق کائنات نے آدم و حواہ علیہما السلام اور بنی آدم کو روئے زمین پر بسایا تو موروں یام کے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان میں گمراہیاں در آئیں حتیٰ کہ وہ خالص توحید چھوڑ کر اصنام پرستی میں گھوم گئے۔ ان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے پے پے انبیاء و رسل علیہم السلام بھیجتے ہوئے جنھوں نے رشد و ہدایت کی راہیں روشن کیں و صداہیت کا پرچار کیا اور گمراہ انسانوں کو رب تعالیٰ کے راستے پر چلنے میں اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ ان نفوسِ قدسیہ نے انسانیت کو شرک و طغلات اور بت پرستی کے اندھروں سے نکال کر توحیدِ خالص کی راہ دکھائی۔ وہ انسانوں کے لیے بشیر و نذیر تھے اور ان کے خیر خواہ تھے۔ وہ ان کی روحانی و جسمانی آلائشیں دور کر کے انہیں پاکیزگی اور صدق و صفا والی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ وہ گمراہوں کو اللہ کے غیظ و غضب سے بچانا چاہتے تھے وہ باطل پرستوں کو اللہ اور صرف اللہ کی عبادت و اطاعت کا درس دیتے تھے۔ تبلیغ و اصلاح کے اس فریضے کی ادائیگی میں انہیں بے پناہ مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ اور اس کے دین کے باغیوں نے ان مقدس ہستیوں کے آگے مخالفتوں کے پہاڑ کھڑے کیے ان کا قتل و غارتگریاں ان کے در پہنے آزار ہوئے۔ کفر و شرک کے علبرداروں نے اپنی جھوٹی خدائی قائم رکھنے کے لیے اللہ کے پیغمبروں کو ستانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور انہیں لعن کے آکر کاربٹنے ہوئے انبیاء پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے میں کوئی عار محسوس نہ کی حتیٰ کہ کسی نبی کو جلتی آگ میں پھینک دیا گیا کسی کا سر قلم کیا گیا اور کسی کو آسے سے چیرا گیا لیکن آفرین ہے ان پاکیزہ نفوس پر کہ ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی اور وہ کلمہ حق کی سر بلندی اور توحیدِ خالص کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ہر حال میں زندگی کے آخری سانسوں تک کوشاں رہے۔

قصص الانبیاء میں مقدس انسانوں کا ذکر جمیل اور ان کی پاکیزہ زندگیاں کا خوبصورت مرقع ہے۔ یہ کتاب مشہور مفسر قرآن اور محدث و مؤرخ فام ابوالقاسم عطاء الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تالیف البدایہ و النہایہ سے ماخوذ ہے۔ آپ امام حافظ ابن کثیر کے نام سے معروف ہیں۔ آپ 701 یا 704 ہجری میں لعری الشام میں پیدا ہوئے۔ شافعی خاندان کی عمر میں والد ماجد کے ہمراہ دمشق منتقل ہو گئے۔ حصول علم کے لیے انھوں نے مختلف مقامات کے سفر کیے اور ابن الکرم کاح ابن عساکر، عقیف الدین اللہی جمال الدین یوسف المرزی، تقی الدین احمد ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قربت اور مصاحبت کا خصوصی تعلق تھا جس نے ان مشائخ سے اکتساب فیض کیا۔ انھیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قربت اور مصاحبت کا خصوصی تعلق تھا جس نے ان کی زندگی پر گہرے نقوش مرتب کیے۔ انھوں نے تقی غفرلہ، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں: "انھوں نے علم اور مطالعہ حدیث کو اودھنا چھیننا بنانا سے رکھا..... وہ فقہ، تفسیر اور حدیث میں ممتاز مقام پر فائز ہوئے..... حدیث، تفسیر، فقہ اور

تھو لیاں بھر سکتے ہیں جن کی آب و تاب سے ان کی زندگی کے روز و شب مستحضر ہوں گے۔

✽ **قصص الانبیاء (اردو) کی خصوصیات:** ○ عربی کتاب کا اسلوب سہاٹ اور عنوانات کے بغیر تھا جسے آسان بنایا گیا ہے۔

○ جاہل زمانہ میں قائم کیے گئے ہیں جن سے مطالعے میں بہت سہولت ہو گئی ہے۔

○ دو رنگوں میں خوبصورت طباعت جاذب نظر اور افادیت کی حامل ہے۔

○ کتاب مفید نکتوں سے مزین ہے جن میں انبیاء علیہم السلام کی جائے پیدائش، مقامات ہجرت، مسکن اور جائے وفات ظاہر کیے گئے ہیں۔ ان معلوماتی نکتوں سے کتاب کی افادیت دو چند ہو گئی ہے۔

○ تخریج و تحقیق کے ذریعے صحیح اور مرفوع احادیث پیش کی گئی ہیں اور ضعیف روایات نکال دی گئی ہیں۔

○ کتاب کا طرز بیان نہایت سادہ اور دلنشین ہے۔

○ ابواب کے آخر میں ”نتائج و فوائد اور عبرتیں و محنتیں“ کے عنوان سے جو مفید اضافے شامل کیے گئے ہیں ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہم اپنی عملی زندگی میں ان قرآنی قصص سے کس طرح استفادہ کر سکتے ہیں۔

○ کتاب میں بعض مقامات پر حسن ترتیب کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

○ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصص پر مشتمل متن قرآن مجید خوبصورت خطاطی میں کتاب کی زینت بنایا گیا ہے۔

ان خصوصیات کی بنا پر قصص الانبیاء کا یہ ایڈیشن بلا مبالغہ علمی تحقیقی اور جدید اسلوب کا حامل بن گیا ہے جسے قارئین یقیناً پسند فرمائیں گے۔

قصص الانبیاء (اردو) کی تیاری و طباعت کا کام عزم و حافطہ عبدالعظیم اسد، مدیر دارالسلام لاہور کی نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچا ہے، میں ان کا اور اس کتاب کی تیاری میں شریک دارالسلام کے جملہ کارکنان کا بہت ممنون ہوں اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے!

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو پسند فرمائیں تو ارحم الراحمین سے ہمارے حق میں قبولیت و مغفرت کی دعا ضرور فرمائیں۔

خادم کتاب و سنت

عبدالملک مجاہد

مدیر: دارالسلام، ارباض لاہور۔

يَذِيهِ وَ تَقْصِيكَ عَنْ شَيْءٍ وَ هَدَى وَ رَحِمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

”ان کے بیان میں متل والوں کے لیے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے۔ یہ قرآن جھوٹ بنائی ہوئی بات نہیں، بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے کی ہیں، ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والا اور ایمان دار لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔“ (یوسف: 111/12)

غور و فکر کی دعوت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاَقْصِصْ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١١٢﴾﴾

”(اے نبی! ان لوگوں کے سامنے) واقعات بیان کیجیے، تاکہ وہ غور و فکر کریں۔“ (الأعراف: 176/7)

اِبْتِكَالِيَه

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے بہترین اور خوبصورت واقعات بیان فرمائے ہیں جن میں بے شمار حکمتیں اور عبرتیں پوشیدہ ہیں۔ ان واقعات کو بیان کرنے کی مقاصد ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

﴿يَا كَرِيمُ﴾ کو گزشتہ اہم کے حالات سے آگاہ کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَحْشُرْ نَفْصٌ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنُ ۖ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنَّ الْغَافِلِينَ﴾

”ہم آپ کے سامنے بہترین بیان پیش کرتے ہیں، اس لیے کہ ہم نے آپ کی جانب یہ قرآن وحی کے ذریعے سے نازل کیا ہے اور اس سے پہلے آپ یقیناً بے خبر تھے۔“ (یوسف: 3/12)

﴿يَا كَرِيمُ﴾ اور اقوام کے قصص سے باخبر کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ قَصَصَاتُكَ عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾

”یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں، جن میں سے بعض کے واقعات ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں اور ان میں سے بعض کے قصے تو ہم نے آپ کو بیان ہی نہیں کیے۔“ (المؤمن: 78/40)

اسما کی کتب کی بابت فرمایا:

﴿يَحْشُرْ نَفْصٌ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ﴾

”ہم ان کا صحیح واقعہ آپ کے سامنے بیان فرما رہے ہیں۔“ (الکہف: 13/18)

﴿يَا كَرِيمُ﴾ کو تسلی اور تسکین پہنچانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا نَقْصُصْ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَنْثِقُ بِهِ فَمَا كَانَ مِنْ أَنْبَاءِ الْبَاقِي ۚ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرٌ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾

”رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے آپ کے دل کی تسکین کے لیے بیان فرما رہے ہیں۔ آپ کے پاس اس صورت میں حق پہنچ چکا، جو مومنوں کے لیے نصیحت اور وعظ ہے۔“ (ہود: 120/11)

﴿يَا كَرِيمُ﴾ کا اہتمام: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ ۚ لِأُولَى الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾

عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۚ فَتَنَّا أَدَمَ مِنْ ذِيهِ جَنَّتْ فَنَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۖ فَلَمَّا اضْطَبَّ مِنْهَا جَنِينًا قَالَا يَا رَبَّنَا إِنَّهُ فَعَايَ هَدَىٰ سَبْعَ هَدَىٰ فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَلَنَذَبُنَا أَوْلِيَاءَ لَكُمُ اللَّهُ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٩﴾

”اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا: کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور شقت و خون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تہلیل کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ؟ انہوں نے کہا: تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے شک تو وانا (اور) حکمت والا ہے۔ (تب) اللہ نے (آدم کو) حکم دیا: آدم! تم ان کو ان (چیزوں کے) نام بتاؤ! جب انہوں نے ان کے نام بتائے تو (اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے) فرمایا: کیوں! میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر ہو گیا اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (چو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (پیش و نشاط) میں تھے، اس سے ان کو نکلوا دیا۔ جب ہم نے حکم دیا کہ (نبشت بریں سے) چلے جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک کھانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے پھر آدم (یا گیا) اپنے پروردگار سے کچھ کلمات لکھے (اور معافی مانگی) تو اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا بیشک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے۔ ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔“ (البقرہ: 39-30)

ہم نے ان آیات کی مفصل وضاحت ”تفسیر“ میں کر دی ہے یہاں ہم صرف ان آیات کا مختصر مفہوم بیان کرتے ہیں:

﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ ”میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں“ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد کی تخلیق کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ جس کی ہرسل پہلی نسل کی جگہ لے گی۔ جیسے کہ ایک اور مقام پر فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ﴾ ”اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔“ اور فرمایا: ﴿وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ﴾ ”وہ تمہیں



تخلیق آدم علیہ السلام کا اعلان اور اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مکالمہ

قرآن مجید میں بیان ہونے والے بہترین قصوں میں سے ایک قصہ بنی نوع انسان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی ہیں۔ آپ کا قصہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں متعدد پیرائے میں بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں اس قصے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۖ قَالُوْۤا اَلَا تَعْلَمُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَیَنْحَنُّ سَبۡیۡحَ یَّصۡدِیۡكٍ ۚ وَتَقۡدِشُ لَکَۢ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوۡنَ ۝ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوۡنِیْ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنۡتُمْ صٰدِقِیۡنَ ۝ قَالُوْۤا سُبْحٰنَکَ لَاۤ اَعْلَمُ لَٰنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیۡمُ الْحَكِیۡمُ ۝ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِۦمۡ ۖ فَلَمَّۤ اَنۢۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِۦمۡ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمۡ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تَدۡبُرُوۡنَ وَمَا کُنۡتُمْ تَتَخَوۡنَ ۝ وَۤاِذْ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ اِنِّیْ وَاسْتَغۡدِرُۤکَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیۡنَ ۝ وَفَلَمَّۤ اٰدَمُ اَسۡسَرُ اَنْتَ وَرَبُّکَ الْعَزِیۡزُ وَکَلَّمَآ مِنْهَا رَجُلًا حَیۡثُ یُشۡتَکٰۤی ۚ وَلَا تَقۡدِرَا عَلٰی الشَّجَرَةِ فَتَضَوَّۡا مِنَ الْغُلٰوۡیۡنَ ۝ فَآٰۤاَهُمَا الشَّیۡطٰنُ عَنۡهَا فَخَرَجَهُمَا مِمَّا کَانَ فِیۡهِ ۚ وَفَلَمَّا اضۡطَبَّا بِعَصۡمِ الْخَصۡفِ

سکھایا۔ حضرت سعید بن جبیر، قتادہ اور دیگر علماء رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے انہیں فرشتوں کے نام سکھائے۔“ حضرت عبدالرحمن بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ان کی اولاد کے نام سکھائے۔“^① زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ انہیں چھوٹی بڑی اشیاء اور ان کے افعال و حرکات کے نام سکھائے گئے۔ جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن مومن جمع ہو کر کہیں گے کہ اگر ہم کسی سے اللہ کے سامنے سفارش کریں (تو اس مشکل مرحلہ سے نجات مل جائے) چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: آپ تمام انسانوں کے جدا امجد ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ پیدا فرمایا اور اپنے فرشتوں سے آپ کو کعبہ کروایا اور آپ کو تمام اشیاء کے نام سکھائے اپنے رب کے سامنے ہماری سفارش فرمائے تاکہ ہمیں اس مرحلے سے نجات نصیب ہو۔“^②

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُوا بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: اگر تم بتاؤ گے تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔“ کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ جو مخلوق بھی پیدا فرمائے گا، ہمارے پاس اس سے زیادہ علم ہوگا چنانچہ ان کا امتحان لیا گیا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾“ ”اگر تم سچے ہو۔“

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا بِأَسْمَائِكَ إِنَّا كُنَّا نَعْبُدُكَ كَمَا كُنَّا نَعْبُدُكَ﴾ ”فرشتوں نے کہا: اے اللہ! تیری ذات پاک ہے، ہمیں تو صرف اتنا علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے۔ تو ہی پورے علم و حکمت والا ہے۔“ کا مطلب یہ ہے: ”اے اللہ! تو پاک ہے، کوئی بھی تجھ سے علم حاصل نہیں کر سکتا سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا۔“ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَخِيطُونَ لِي فِي عَصِيِّي وَفِي عَصِيِّي إِلَّا مِمَّا شَاءَ﴾

”وہ اس کے علم میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے مگر جو وہ (خود بنا) چاہے۔“ (البقرہ: 255)

اسی طرح درج ذیل فرمان الہی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر اور پوشیدہ امور کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے:

﴿قَالَ يَوْمَ إِتْمَعْتُمْ سَأَسْأَلُكُمْ عَنْ آثَانِهِمْ سَأَسْأَلُكُمْ عَنْ آثَانِهِمْ قَالُوا أَفَلَا نَقُولُ لَكُمْ إِنَّا أَعْلَمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

① تفسیر ابن کثیر: 1/130:131 تفسیر سورة البقرة: آیت 31-33

② صحيح البخاري، التفسير باب قول الله تعالى ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“ حديث: 4476 وصحيح مسلم، الإيمان باب

أدنى أهل الجنة منزلة فيها“ حديث: 193

زمین میں غلیفہ بناتا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تخلیق کی خبر دی، جس طرح کسی بھی عظیم کام کو وجود میں لانے سے پہلے خبر دی جاتی ہے۔ فرشتے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں مزید معلومات اور اس کی حکمت جاننے کے خواہش مند تھے اس لیے انہوں نے عرض کی: ﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَثَوْنًا فَقَدْ دَسَّخْتُهَا دَسَّاسًا﴾ ”کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے۔“

اس سوال کا مقصد نہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا تھا نہ ہی آدم کے مقام و مرتبہ کا انکار مقصود تھا اور نہ انہیں انسانوں سے حسد تھا جیسے کہ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے بلکہ اس سوال کا مقصد شخص اس کی حکمت معلوم کرنا اور مزید معلومات حاصل کرنا تھا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”فرشتوں کو معلوم تھا کہ یہ صورت حال پیش آنے والی ہے کیونکہ انہوں نے آدم علیہ السلام سے پہلے زمین میں آباد ہونے والی مخلوقات (مثلاً جنات) کے حالات دیکھے تھے۔“^①

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”جن آدم علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے سے زمین پر آباد تھے۔ انہوں نے قتل و غارت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا لشکر بھیج دیا، جنہوں نے ان (فسادی جنوں) کو سمندروں کے (دور دراز) جزیروں کی طرف دھکیل دیا۔“^②

اس ترجمے کے پیش نظر انہوں نے کہا: ﴿وَمَنْ تَسْبَحْ بِحَمْدِكَ وَتُقَرَّبُ إِلَهُكَ﴾ ”اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہمیشہ تیری عبادت کرتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی تیری نافرمانی نہیں کرتا۔ اگر انسانوں کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ تیری عبادت کریں تو ہم موجود ہیں جو دن رات کسی کوتاہی یا آسائش کے بغیر تیری عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”جو کچھ میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔“ یعنی مجھے ان کی تخلیق کی وہ حکمت معلوم ہے، جو تم نہیں جانتے۔ یعنی ان میں نبی، رسول، مہدی، شہداء اور نیک لوگ پیدا ہوں گے۔

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ ”اور آدم کو تمام نام سکھا دیے۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”اس سے مراد ان چیزوں کے نام ہیں، جن سے لوگ ان چیزوں کو پہچانتے ہیں اور ایک دوسرے کو پانی بات سمجھتے ہیں۔“ (یعنی وہ چھوٹی بڑی اشیاء جن سے روزمرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے مثلاً: انسان، حیوان، زمین، میدان، سمندر، پہاڑ، اونٹن اور گدھا وغیرہ۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”اللہ نے انہیں رکابی اور ہتھکڑیا کا نام بھی سکھایا۔ ہر جانور، ہر پندے اور ہر چیز کا نام

① تفسیر ابن کثیر: 1/129:1 تفسیر سورة البقرة: آیت: 30

② المستدرک للحاکم: 2/261

خَلَقْنَاهُ مِنْ صَالِبٍ مِنْ حِمَا مَسْنُونٍ ۖ قَالَ فَارْجِعْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيعٌ ۖ وَإِنْ عَلَيْكَ الْبَعْثَةُ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ۖ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يَجْعَلُونَ ۖ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۖ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۖ قَالَ رَبِّ بِنَا أَعُوذُ بِكَ لَا ذِيْنَ كُنْ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا فَوْقَهَا أَجْمَعُونَ ۖ إِنْ عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخَلَصُونَ ۖ قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۖ إِنَّ عِبَادِي لَكِنَّ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۖ إِنْ مِّنْ أَتْبَعَكَ مِنَ الْغَوِينَ ۖ وَإِنْ هَاجَمُوا لَنُوحِدَهُمْ أَجْمَعُونَ ۖ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ۖ

”اور ہم نے انسان کو کھنکھاتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے۔ اور جنوں کو اس سے پہلے بے دھوکوں کی آگ سے پیدا کیا تھا اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھاتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنا دلا ہوں۔ تو جب میں اس کو (صورت انسانیت میں) درست کر لوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اس کے آگے تجھ سے میں گہرنا تو فرشتے سب کے سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس! اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ (اس نے کہا:) میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو، جسے تو نے کھنکھاتے سڑے ہوئے گارے سے بنایا ہے سجدہ کروں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: یہاں سے نکل جا! تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برے گی۔) (اس نے) کہا کہ پروردگار! مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) زندہ کیے جائیں گے فرمایا کہ تجھے مہلت دی جاتی ہے وقت مقرر (قیامت) کے دن تک۔ اس نے کہا کہ پروردگار! جیسا تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے بھی جی زمین میں لوگوں کے لیے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بھڑکاؤں گا۔ ہاں ان میں سے جو میرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو پانا مشکل ہے)۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا راستہ ہے۔ جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت حاصل نہیں (کہ ان کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں گمراہوں میں سے جو میرے پیچھے چل پڑے اور ان سب کے وعدے کی جگہ ہم ہے، اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر ایک دروازے کے لیے ان میں سے جہان میں تقسیم کردی گئیں ہیں۔“ (الحجر: 44-46:15)

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۖ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدٰتٍ ۚ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّہُمْ اَجْمَعُوْنَ ۚ اِلَّا الْیٰسٰیۓ وَكَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ۚ قَالَ یٰۤاٰیٰیٰیٰیٰی مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِیْدَیْ ۙ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعٰلِیْنَ ۚ قَالَ اَتَاخٰذُ فِتْنَتَہٗ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ ۙ﴾

﴿وَعَلَّمَ مٰٓئِدُوْنَہٗمَا مَا كُنْتَ تَكْتُمُوْنَ ۚ﴾

”اللہ تعالیٰ نے (آدم کو) حکم دیا کہ تم ان کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ جب انہوں (آدم) نے ان کے نام بتائے تو اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں سے) فرمایا: کیوں! میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے۔“ (البقرة: 33:2)

ایک قول کے مطابق ﴿وَعَلَّمَ مٰٓئِدُوْنَہٗمَا﴾ ”میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو“ سے مراد فرشتوں کا یہ کہنا ہے: ﴿اَتَجْعَلُ فِیْہَا مَن یُّفْسِدُ فِیْہَا﴾ ”کیا تو زمین میں وہ مخلوق پیدا کرے گا جو اس میں فساد کرے۔“ اور ﴿مَا كُنْتَ تَكْتُمُوْنَ﴾ ”جو تم چھپاتے تھے۔“ اس سے مراد ابلیس کا اپنے دل میں کبر کا جذبہ رکھنا اور آدم علیہ السلام سے افضل ہونے کا خیال ہے۔ حضرت سعید بن جبیر، مجاہد، سدی، جھاک، ثوری اور ابن جریر رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿مَا كُنْتَ تَكْتُمُوْنَ﴾ سے فرشتوں کے اس خیال کی تردید مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا جو ہم (فرشتوں) سے زیادہ ظالم والی اور زیادہ معزز ہو۔^①

تخلیق آدم وحواء علیہما السلام اور فرشتوں کا سجدہ

اللہ تعالیٰ عیسائیوں کے عقیدہ و اہیت کے رد کے ساتھ ساتھ آدم علیہ السلام کی تخلیق کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ مَثَلُ اٰدَمَ ۚ خَلَقْنٰہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَاَیْکُوْنُ ۙ﴾

”یعنی کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ انسان ہو گئے۔“ (آل عمران: 59/3)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ حجر میں آدم علیہ السلام اور جنوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ہے۔ نیز ابلیس کے سجدے سے انکار کے بعد اس پر لعنت کی ہے۔ ابلیس نے لعنتی قرار پانے پر بنی آدم کی دشمنی کا اعلان کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے تا قیامت اس کی مہلت طلب کی۔ اس واقع کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صٰلِبٍ مِّنْ حِمٰی مَسْنُوْنٍ ۚ وَالْحٰجَّۃَ خَلَقْنٰہٗ مِنْ قَبْلِیْ مِنْ نَّارِ السُّوْمِ ۚ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صٰلِبٍ مِّنْ حِمٰی مَسْنُوْنٍ ۚ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدُوْنَ ۚ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّہُمْ اَجْمَعُوْنَ ۚ اِلَّا الْیٰسٰیۓ اَبٰی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السَّجِدِیْنَ ۚ قَالَ یٰۤاٰیٰیٰیٰی مَا لَکَ اَنْ تَکُوْنَ مَعَ السَّجِدِیْنَ ۚ قَالَ لَہٗ اَنْ اُنْجَسَ لِشَیْءٍ

”انسان تو جلد بازی کا بنا ہوا ہے۔“ (الانبیاء: 37/21) یعنی جلد بازی اس کی فطرت میں شامل ہے۔^①

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو جب تک چھاپا، انہیں (بلایہ جسم کی حالت میں) پڑا رہنے دیا۔ انہیں آپ کے ارد گرد پکر لگا تا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ جسم کھلا ہے تو اسے معلوم ہو گیا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے گی۔“^②

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب آدم علیہ السلام میں روح ڈالی گئی اور روح سر تک پہنچی تو آپ کو چھینک آ گئی۔ آپ نے فرمایا: [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ] ”تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔“ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [يَزُحْمُكَ اللّٰهُ] ”اللہ تجھ پر حرجت فرمائے گا۔“^③

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ پھر فرمایا: جا کر ان فرشتوں کی جماعت کو سلام کہیے اور سنے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ تیرا اور تیری اولاد کا یہی سلام (کا طریقہ) ہوگا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: [وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ] ”وَرَحْمَةُ اللّٰهِ“ یعنی جواب میں [رَحْمَةُ اللّٰهِ] کا اضافہ ہو گیا۔ جنت میں جو بھی داخل ہوگا، وہ آدم علیہ السلام کی صورت پر (یعنی ساٹھ ہاتھ قد کا) ہوگا۔ اس کے بعد اب تک مخلوق (کے قد کا ٹھہ) میں کمی ہوتی آئی ہے۔“^④

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے اس دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اس دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا اس دن انہیں اس سے نکالا گیا اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔“^⑤

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام جمعہ کے دن آخری گھڑی میں پیدا کیے گئے۔^⑥

② آدم علیہ السلام کی عزت و تکریم: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ مبارک سے تخلیق فرما کر بلند مرتبہ عطا کیا پھر فرشتوں سے آپ کو کچھ کروا کر اس شرف و منزلت کا اظہار فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَۤیۡنَ اٰتٰیۡسُكُوْۤرًا وَّكَانَ مِنَ الْكَٰفِرِیْنَ ۝۱۷﴾

① تفسیر الطبری، تفسیر سورة الانبیاء: آیت: 37

② مسند احمد: 152/3 و صحیح مسلم: البر و الصلة، باب خلق الإنسان خلقا لا یتعالمک، حدیث: 2611 و المستدرک

للحاکم: 542/2، حدیث: 3992

③ صحیح ابن حبان (الإحسان): 14/8، حدیث: 6132

④ صحیح البخاری، احادیث الانبیاء: باب خلق آدم و ذریئہ، حدیث: 3326 و صحیح مسلم، الجنة و نعيمہ، باب یدخل الجنة اقوام افندتهم مثل افندة الطیر، حدیث: 2841

⑤ صحیح مسلم، الجمعة، باب فضل يوم الجمعة، حدیث: 854

⑥ صحیح ابن حبان (الإحسان): 11/8، حدیث: 6128

”جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے تجھ سے میں گر پڑنا تو تمام فرشتوں نے عہدہ کیا مگر شیطان اُڑ بیٹھا اور کارفروں میں ہو گیا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس! جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے عہدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آ گیا یا اونچے درجے والوں میں تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسی مٹی سے بنایا۔“ (ص: 76-71/38)

⑤ تخلیق آدم علیہ السلام احادیث کی روشنی میں: حضرت ابو یوسف اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام زمین سے جمع کی گئی مٹی بھر خاک سے پیدا فرمایا۔ آدم علیہ السلام کی اولاد بھی (طرح طرح کی) مٹی کے مطابق پیدا ہوئی۔ ان میں سفید فام بھی ہیں، سرخ بھی اور سیاہ فام بھی اور ان کے درمیانی رنگوں کے بھی (اسی طرح) نیک اور بد، نرم خور اور سخت طبیعت اور درمیانی طبیعت والے۔“^①

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا تاکہ ابلیس آپ علیہ السلام سے بڑا نہ کہے۔ چنانچہ اس نے آپ کو انسانی صورت میں پیدا فرمایا۔ آپ جمعہ کے دن جس کی مقدار چالیس سال تک تھی، مٹی کے بنے ہوئے ایک جسم کی صورت میں پڑے رہے۔ فرشتے پاس سے گزرتے تھے تو اس جسم کو دیکھ کر ڈر جاتے تھے۔ ابلیس سب سے زیادہ خوف زدہ تھا۔ وہ گزرتے وقت اسے ضرب لگاتا تو جسم سے اس طرح آواز آتی جس طرح مٹی کے بنے ہوئے برتن سے کوئی چیز نکلنے سے آواز آتی ہے۔ اس لیے جب وہ بہتا تھا: ﴿مِنْ صٰلٰٓصٰلٍ کَافُکَآرًا﴾ (الرہفہ: 14/55) ”خشمگیری کی طرح جتنے والی مٹی سے۔“ تو کہتا: ”تجھے کسی خاص مقصد سے پیدا کیا گیا ہے۔“ وہ اس خاک کی بدن میں مذکر کی طرف سے داخل ہوا اور دوسری طرف سے نکل گیا اور اس نے فرشتوں سے کہا: ”اس سے مت ڈرو، تمہارا رب صمد ہے لیکن یہ تو کھولا ہے اگر مجھے اس پر قابو دیا گیا تو اسے ضرور تباہ کر دوں گا۔“

جب وہ وقت آیا جب اللہ تعالیٰ نے اس جسم میں روح ڈالنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے ارشاد فرمایا: ”جب میں اس میں روح ڈال دوں تو اسے عہدہ کرنا۔“ جب روح ڈال دی گئی تو وہ سر کی طرف سے داخل ہوئی۔ یہی آدم علیہ السلام کو چھینک آ گئی۔ فرشتوں نے کہا: ”کہیے: [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ] ”سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔“ انہوں نے فرمایا: [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ] اللہ نے فرمایا: [زُحْمُكَ رُبَّكَ] ”تیرے رب نے تجھ پر حرجت فرمائی ہے۔“ جب روح آنکھوں میں داخل ہوئی تو آپ علیہ السلام کو جنت کے پھل نظر آئے۔ جب روح پیٹ میں داخل ہوئی تو آپ کو کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ آپ جلدی سے جنت کے پھلوں کی طرف لپکے جب روح آنکھی آپ کی ناگوں میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۝۱﴾

کی۔ ایلیس نے جس کی وجہ سے آپ نے دشمنی رکھتے ہوئے آپ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے وار سے نکال دیا اور سحکارہ یا اس پر لعنت ڈال کر مردود شیطان بنا کر زمین پر اتار دیا۔

﴿حَضْرَتُ حَوَّاءِ عَلَیْہَا السَّلَامُ کی پیدائش: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَنْحَاءَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝﴾

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلادیا۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو اور قطع رحمی (سے بچو)۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ (النساء: 1/4)

سورۃ اعراف میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۚ﴾

”وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا ایک جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے راحت حاصل کرے۔“ (الأعراف: 189/7)

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ذکر کیا کہ حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی بائیں طرف کی چھوٹی پبلی سے پیدا کیا گیا، جب کہ آپ علیہ السلام سورہ تہ سے اوپر پبلی کی جگہ کو گوشت سے پر کر دیا گیا۔^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عورتوں سے حسن سلوک کی نصیحت قبول کرو کیونکہ وہ پبلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور سب سے گھریلی پبلی وہ ہے جو سب سے اوپر والی ہے۔ اگر تو اس (پبلی) کو سیدھا کرنا چاہے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اگر اسے چھوڑ دے گا تو گھریلی رہے گی اس لیے عورتوں سے حسن سلوک کی نصیحت قبول کرو۔ (یعنی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ عورتوں سے نرمی اور حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔“)^②

﴿اَسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾“ اور تیری بیوی جنت میں رہو۔“ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے تخلیق کیا جا چکا تھا۔ لیکن امام سدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”ایلیس کو جنت سے نکال دیا گیا اور آدم علیہ السلام کو وہاں آباد کر دیا گیا۔ آپ جنت میں اکیلے گھومتے پھرتے تھے۔ ان کا کوئی ساتھی نہ تھا جس سے انہیں تسکین حاصل ہوتی۔ ایک بار وہ سوئے۔ جب جاگے تو دیکھا کہ ان کے سر

① تفسیر الطبری: 328/1، حدیث: 595

② صحیح البخاری: احادیث الأنبياء: باب خلق آدم و ذریئہ: حدیث: 3331 و صحیح مسلم: الرضاع: باب الوصیۃ بالنساء

”اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافریں کیا۔“ (البقرة: 34/2)

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کی بہت بڑی عزت افزائی کا بیان ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس میں اپنی روح ڈالی۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا سَأَلَ سَائِلٌ بِهِنَّ فَقَالَ رَّبُّهُنَّ فَذُنُوبُهُنَّ فَغَفَلَ لَهُ لِحْدَيْنِ ۝﴾

”تو جب میں اسے پورا بیان کیا اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔“

(الحجر: 15/29)

یہ چار انداز سے عزت افزائی ہے۔ اپنے دست مبارک سے پیدا کرنا، اپنی روح ڈالنا، فرشتوں کو حکم دینا کہ انہیں سجدہ کریں اور چیزوں کے ناموں کی تعلیم دینا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے ملا علی میں ایک دوسرے سے ملاقات کی اور آپس میں بات چیت کی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ”آپ آدم ہیں جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ کے اندر اپنی روح ڈالی، آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو ہر چیز کے نام سکھائے۔“^①

قیامت کے دن میدانِ محشر میں موجود لوگ بھی آدم علیہ السلام سے بات کرتے ہوئے ان کی یہی صفات بیان کریں گے، جیسے کہ پہلے بیان ہوا اور آئندہ بھی بیان ہوگا۔

﴿حَبَدہ کرنے والے فرشتوں کا بیان: آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم کن فرشتوں کے لیے تھا؟ اس بارے میں علماء کی دو آراء ہیں:

① اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حکم تمام فرشتوں کے لیے تھا۔ آیات کے الفاظ میں جو محمول پایا جاتا ہے، اس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔

② بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس سے مراد صرف زمین کے فرشتے ہیں۔ لیکن آیات کے سیاق و سباق سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے۔ اور اس حدیث میں بھی عموم ہے: ﴿وَأَسْجُدْ لَكَ مَلَائِكَةُ﴾ ”اللہ نے آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا۔“ (واللہ اعلم)

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، تو انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل

① صحیح البخاری: احادیث الأنبياء: باب وفاة موسى و ذكره بعد: حدیث: 3409 و صحیح مسلم: القدر: باب حجاج آدم و موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: حدیث: 2652 و مسند أبي داود السنه: باب في القدر: حدیث: 4702 واللفظ له و جامع الترمذی: حدیث: 2134

② صحیح البخاری: التفسیر: باب قول الله تعالى ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾: حدیث: 4476 و صحیح مسلم: الإيمان

جذباتیت، لپکا پن، جلد بازی اور جلانے کی خصوصیات ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرما کر ان میں اپنی روح پھوکی تھی۔ اسی لیے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ انہیں سجدہ کریں۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ قَالَ رَبُّكَ لِمَلَأْتُكَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَافِي خَالِقٍ يُشْكِرُ مِنْ صَالِحِ قَسْمُونِ ۖ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۚ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۚ إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۚ قَالَ يَا لَيْلَىٰ مَا لَكَ أَكَّا تَكُونُ مَعَ السَّاجِدِينَ ۚ قَالَ لَمْ أَنْتَ لَمْ أَسْجُدْ لَخَلْقَتِهِ مِنْ صَالِحِ قَسْمُونِ ۚ قَالَ فَاهْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۚ وَإِنْ عَلَيْكَ اللَّعْنَةُ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۖ﴾
 ”اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں تمہیں بناتے ہوئے ہوں گے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ جب میں اس کو (صورت انسانیت میں) درست کروں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو سب کے سب فرشتے سجدے میں گر پڑے مگر شیطان! تو اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (اس نے) کہا: میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو نبھتے ہوئے تمہیں بناتے ہوئے ہوں گے ہمارے سے بنایا ہے سجدہ کروں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: ”یہاں سے نکل جا! تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برے گی۔)“ (الحجر: 32-15)

ابلیس اس لیے لعنت کا مستحق ہوا کہ اس کے طرز عمل میں آدم علیہ السلام کی تنقیص و تحقیر اور ان پر فخر و تعلیٰ کا اظہار ہے، حکم الہی کی مخالفت ہے جب کہ آدم علیہ السلام کا نام لے کر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر اس نے جو عذر پیش کیا، وہ بھی بیکار بلکہ ”عذر گناہ برتر از گناہ“ کا آئینہ دار ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں اس کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿وَلَوْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِادَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ قَالَ أَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتُ طِينًا ۚ قَالَ أَسْجُدُ لِمَنْ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَكِنَ أَخُو بَدِئْتُ إِلَىٰ يَوْمِ الْفَيْصَةِ ۚ أَكْتَخِيكُنْ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ۚ قَالَ أَهَؤُلَاءِ مِمَّنْ تَبَعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُ كُلِّ جَزَاءٍ مُقَوَّرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُ مِنْ سَلَطَتٍ مِنْهُمْ بِصُوتِكَ وَاجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْبِكَ وَجِجِلِكَ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِذْهُمْ وَمَا يَئِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا عُتُورًا ۚ إِنَّ عِبَادِي لَكِنَّ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۖ﴾

”اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ کہنے لگا: بھلا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے، (پھر ارادہ طر) کہنے لگا: تو کیجئے تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تمہو سے ہر شخص کو سوا اس کی (تمام)

کے پاس ایک خاتون بیٹھی ہیں۔ انہیں اللہ نے آپ کی پسلی سے پیدا فرمایا تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تو کون ہے؟ انہوں نے کہا: عورت ہوں۔ فرمایا: تجھے کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ کہا: تاکہ آپ مجھ سے تسکین حاصل کریں۔ فرشتوں نے، جو آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت معلوم کرنا چاہتے تھے، کہا: آدم! اس کا نام کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ”حواء“ انہوں نے کہا: اس کا نام حواء کیوں ہے؟ فرمایا: کیونکہ وہ ایک زندہ وجود سے پیدا کی گئی ہے۔“

ابلیس کا تکبر اور اس کا انجام بد

اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے تکبر میں آ کر سجدے سے انکار کیا اور پھر اپنے اس عمل بد کی انتہائی قبیح دلیل پیش کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لیے لعنتی قرار دے دیا۔
 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَاكَ ثُمَّ صَوَّرْنَاكَ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِادَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۚ قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۚ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۖ﴾

”اور ہم ہی نے تم کو (ابتدا میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری شکل و صورت بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔ تو (سب نے) سجدہ کیا، ہوا کے سوا ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: ”جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کسی چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔“ (الأعراف: 12-11)
 امام محمد بن ہریرہؒ کا ارشاد ہے: ”ابلیس نے قیاس کیا اور سب سے پہلے اسی نے قیاس کیا۔“

امام محمد بن ہریرہؒ فرماتے ہیں: ”ابلیس نے قیاس کیا اور سورج، چاند کی پوجا بھی قیاس ہی سے شروع ہوئی۔“
 اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا اور آدم علیہ السلام کا موازنہ کرتے ہوئے، اپنے آپ پر نظر ڈالی تو اسے اپنی ذات آدم علیہ السلام سے افضل معلوم ہوئی اس لیے وہ انہیں سجدہ کرنے سے رک گیا۔ حالانکہ تمام فرشتوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ نص کے مقابلے میں قیاس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور یہ قیاس تو ویسے بھی غلط ہے کیونکہ مٹی آگ سے بہتر اور زیادہ نفع بخش ہے۔ مٹی میں پختگی، برادری، تحمل اور بڑھنے پھولنے کی صفات پائی جاتی ہیں جب کہ آگ میں

یہ درخت کون سا تھا؟ اس کے بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں:

بعض علماء کے نزدیک وہ انجور کی بیل تھی۔ یہودی کی رائے میں وہ لہند تھی۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”اس کا دانہ مکھن سے نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔“ ابوہامزہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”وہ سمجھو کہ درخت تھا۔“ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ ابوہامزہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”یہ کوئی ایسا درخت تھا کہ اس کو کھانے سے قضاے حاجت کی ضرورت پیش آتی تھی اور جنت کی زمین میں قضاے حاجت مناسب نہیں۔“^①

یہ اختلاف معمولی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کا تعین نہیں فرمایا۔ اگر اس کے تعین میں کوئی حکمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ متعین طور پر بیان فرمادیتا۔ لہذا اس میں رائے سے اعتنا بہتر ہے۔

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ آدم علیہ السلام کو جس جنت میں ٹھہرایا گیا تھا، کیا وہ آسمان والی جنت ہے یا وہ زمین میں کوئی باغ تھا؟

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ جنت آسمان میں ہے اور اس کا نام ”جنت الماویٰ“ یا ”جنت الخلد“ ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویہ کے الفاظ کا ظاہری مفہوم اس کی تائید کرتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَنَاذَرْنَاكَ بِهَذَا الْكَوْنِ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾

”ہم نے کہا: اے آدم! تو اور میری بیوی جنت میں رہو۔“ (البقرة: 35/2)

اس آیت میں **الْجَنَّةُ** کا لفظ عام معنی نہیں دیتا بلکہ عہدِ وحی (یعنی خطاب کو پہلے سے معلوم چیز کی طرف اشارہ) کے لیے ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد وہی جنت ہو سکتی ہے جو شریعت نے بنائی ہے یعنی ”جنت الماویٰ“ جیسے آدم اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان بات چیت کے دوران میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”آپ نے اپنے آپ کو اور ہم سب کو جنت سے کیوں نکلوا دیا؟“^②

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا۔ جب جنت مومنوں کے قریب لائی جائے گی تو وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ وہ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: ابا جان! ہمارے لیے جنت (کا دروازہ) کھلوا دیتے۔ وہ فرمائیں گے: تمہیں جنت سے تمہارے والد کی غلطی ہی نے نکلوا دیا تھا۔“^③

اس حدیث میں بظاہر ایک قوی دلیل موجود ہے کہ وہ جنت الماویٰ ہی تھی، جس سے آدم علیہ السلام کو نکالا گیا۔ تاہم اس استدلال پر تنقید کی گنجائش موجود ہے۔

① تفسیر ابن کثیر: 83، 82، 1۔ تفسیر سورة البقرة“ آیت: 35

② صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله ﴿فَلَا يَخْرُجُ مِنْهَا﴾، حدیث: 4738 و صحیح مسلم، القدر، باب حجاج آدم و موسیٰ صلی اللہ علیہما وسلم، حدیث: 265

③ صحیح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، حدیث: 195

لَيْسَ النَّصِيبُ ۖ قَدْ لَهَا بِهَذَا الشَّجَرَةِ بَدَتْ لَهَا سَوَاتِئُهَا وَ طَفَافٌ يَخْصُفُنَ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَ تَادِبُهُمَا رُيْهَمًا ۖ أَمْ أَنَهَكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَ أَقَلَّ لَكُمَا إِنَّ الصَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِينٌ ۖ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا ۖ وَ إِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۖ قَالَ أَهْطُوا بِعَصَاكُمْ لَبِئْسَ عَدُوًّا وَ لَكُم فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَ مَتَاعٌ ۖ إِلَىٰ حِينٍ ۖ قَالَ فِيهَا تَجِبُونَ وَ فِيهَا تَمُوتُونَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُونَ ۖ﴾

”اور (ہم نے) آدم (سے کہا) کہ تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) نوش جان کرو مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گناہ کا رہو جاؤ گے۔ سو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ ان کی ستری چیزیں (شرم کا ہیں) جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے۔ اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارا پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض (مردود نے) دھوکا دے کر ان کو (معصیت کی طرف) کھینچ لیا۔ جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھالیا تو ان کی ستری چیزیں کھل گئیں اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (تو زو زکر) اپنے اوپر پکپکانے (سز چپانے) لگے۔ تب ان کے پروردگار نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور جتنا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا حکم کھلا دے گا۔ دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ (اللہ نے) فرمایا: (تم سب بہشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے ایک وقت (خاص) تک زمین پر رکھا جاؤ (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے۔ (یعنی) فرمایا کہ اس میں تمہارا جینا ہوگا اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔“ (الأعراف: 19/7-25)

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَنَاذَرْنَاكَ بِهَذَا الْكَوْنِ أَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كَلَّمَا مِنْهَا رَعَدًا ۖ حَيْثُ شَأْنُهَا ۖ وَ لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الْخَالِفِينَ ۖ﴾

”اور ہم نے کہا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا۔ ورنہ تم خالوں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔“ (البقرة: 35/2)

جنت میں جس درخت کے قریب جانے سے روکا گیا تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ﴾

”اس درخت کے قریب نہ جانا۔“

إِنِّي لَكُمَا لَكِنَ النَّاصِحِينَ ۖ قَدْ لَهَمَّا يَخُودُ ۖ” تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو اور اس لیے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض (مردود نے) دھوکا دے کر ان کو مصیبت کی طرف کھینچ لی۔“ (الأعراف: 22-207) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی جنت میں ان کے ساتھ موجود تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عین ممکن ہے وہ جنت میں سے گزرتے ہوئے ان سے ملا ہو، اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بھی جنت میں ٹھہرا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر یا آسمان کے نیچے سے آدم و حوا علیہ السلام کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا ہو۔ (واللہ اعلم)

آدم اور حوا علیہ السلام کے خلاف شیطان کی چال: شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے دشمنی کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں جنت سے نکال دیا نہایت کمر سے انہیں گمراہ کیا اور اپنے رب کی نافرمانی پر آمادہ کیا۔ جس کی سزا میں آدم علیہ السلام کو جنت اور اس کی نعمتوں سے محروم اور دیکھوں کی جگہ زمین میں آباد ہونا پڑا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَالَ لَهَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا ۖ﴾ ”شیطان نے انہیں اس سے بہکا دیا۔“ یعنی جنت سے ﴿فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ﴾ ”پھر انہیں اس سے نکال دیا جس میں وہ تھے۔“ (البقرة: 36/2)

یعنی نعمت، راحت اور سرور سے نکال کر سخت، مشقت اور مصیبت والی دنیا میں پہنچا دیا۔ وہ اس طرح کہ اس نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور اس کے اچھا ہونے کا احساس دلایا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْغَالِبِينَ ۖ﴾

”تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو۔“

(الأعراف: 207)

یعنی اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے نہ بن جاؤ۔ یعنی اگر تم اسے کھا لو گے تو ایسے بن جاؤ گے اور انہیں عقین دلائے کے لیے قسمیں کھا لیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَكِنَ النَّاصِحِينَ ۖ﴾ ”اس نے انہیں قسمیں کھا کر کہا: میں یقیناً تمہارا خیر خواہ ہوں۔“

(الأعراف: 217)

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا دُمُ هَلْ أَتَاكَ عَلَى شَجَرَةِ الْغُلِيِّ وَ مَلِكٌ لَا يُبَيِّنُ ۖ﴾

دوسرے علمائے کرام بھی فرماتے ہیں کہ جس جنت میں آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا، وہ جَنَّۃُ الْخُلْدِ ”ہمیشگی زندگی والی جنت“ نہیں تھی۔ کیونکہ انہیں ایک درخت کا پھل کھانے سے باز رہنے کا مکلف کیا گیا تھا، وہ اس جنت میں سوئے بھی تھے اور اس سے نکال بھی دیئے گئے نیز اس جنت میں ان کے پاس انہیں آیا۔ ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت الموائی نہیں تھی۔ اس قول کی تائید میں موجودہ تورات کے بیان کو بھی پیش کیا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ جنت جس میں آدم و حوا علیہ السلام رہے، اس کے بارے میں دو آراء ہیں:

✎ وہ جنت الخلد ہے۔

✎ وہ کوئی اور جنت تھی، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کی اور اس میں ان کی آزمائش ہوئی۔ وہ جنت الخلد نہیں اس لیے کہ جنت الخلد دارالامتحان نہیں، دارالجزاء ہے۔

دوسرے قول کے قائلین میں پھر اختلاف ہے:

✎ ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت آسمان میں تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے نیچے اتارا۔

✎ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زمین میں تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے طور پر انہیں ایک خاص درخت سے منع فرمایا تھا، دوسرے درختوں کے پھلوں سے نہیں۔ اور یہ واقعہ انہیں کو جہدہ کا حکم دینے کے بعد کا ہے۔ (واللہ اعلم)

دوسرے قول والوں کی طرف سے ایک سوال اٹھایا گیا ہے، جس کا جواب دینے کی ضرورت ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”یقیناً بات ہے کہ جب انہیں نے آدم علیہ السلام کو جہدہ کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور یہ حکم ”قانونِ غم“ کی حیثیت نہیں رکھتا تھا، جس کی قیبل بھی ممکن ہوتی ہے اور عدم قیبل بھی۔ بلکہ یہ ”تعمیدی حکم“ تھا، جس کی عدم قیبل اور اس سے سرپائی ممکن نہیں۔ اسے لے فرمایا: ﴿اُخْرِجْ مِنْهَا مَذْعُومًا مَقْدُورًا﴾ ”نکل جا یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر۔“ (الأعراف: 187) اور فرمایا: ﴿فَاخْلُصْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا﴾ ”اس سے اترا جا، تجھے کوئی حق نہیں اس میں رہ کر تکبر کرے۔“ (الأعراف: 137) اور فرمایا: ﴿فَاخْلُصْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ جَهَنَّمَ﴾ ”سوسا سے نکل جا، کیونکہ تو مردود ہے۔“ (الزمر: 77/38) ان آیات میں ﴿مِنْهَا﴾ ”اس سے“ سے مراد جنت یا آسمان یا درجہ ہے۔ جو مطلب بھی لیا جائے، بہر حال وہ اس جگہ میں موجود نہیں رہ سکتا، جس سے نکال دیا گیا اور رد کر دیا گیا ہے۔ وہ نہ وہاں رہ سکتا ہے نہ اس کا وہاں سے گزر ہو سکتا ہے

وہ یہ بھی کہتے ہیں: قرآن مجید کی آیات کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ انہیں نے آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا اور انہیں مخاطب کر کے کہا: ﴿هَلْ أَتَاكَ عَلَى شَجَرَةِ الْغُلِيِّ وَ مَلِكٌ لَا يُبَيِّنُ﴾ ”ہملاش تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو)

ہمیشگی زندگی کا (شرہ دے) اور ایسی بادشاہت کے کبھی زائل نہ ہو۔“ (طہ: 120/20)

اور کہا: ﴿مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْغَالِبِينَ ۖ﴾

جو ذکر بند بنائے۔^① اس میں یہ بیان ہے کہ وہ دونوں بے لباس تھے۔ وہب بن منبہ **رُحِلَتْ** نے بھی ایسے ہی فرمایا ہے کہ ان کا لباس نور تھا، جس نے پردہ کے اعضا کو چھپایا ہوا تھا۔^②

موجودہ تورات میں ذکر کردہ یہ بات غلط ہے، جس میں تحریف ہوئی ہے اور ترجمہ کرنے میں بھی غلطی ہوئی ہے۔ کسی کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ہر ایک کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ خصوصاً جو شخص دوسری زبان سے اچھی طرح واقف نہ ہو اور اپنی زبان میں لکھی کتاب کو بھی مکمل طور پر نہ سمجھ سکتا ہو۔ اسی وجہ سے تورات کے ترجمہ میں بہت سی لفظی اور معنوی غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ قرآن عظیم نے واضح کیا ہے کہ ان کے جسم پر لباس موجود تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَلْبَسُ عَظْمًا يَلْبَسُهَا لِيُفِيَهُمَا سَوَاتِيهَا﴾ ”اور ان سے اُن کے کپڑے اتروا دیے تاکہ اُن کے ستر اُن کو کھول کر دکھا دے۔“ (الأعراف: 27/7) اس لیے یہی بات صحیح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ﴿وَلَطَفًا يَخْصِفُ عَنْهُمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ﴾ ”وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (تو تو ذکر) اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔“ یعنی انجیر کے پتوں سے یہ معنی اہل کتاب سے ماخوذ ہے جبکہ آیت قرآنی میں تفصیل نہیں۔

④ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے خروج: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا لَآدَمَ مِنْ قَبْلِ أَن يَبْلُغَ أَكْمَالَهُ أَنْ لَا يَكُونَ مِنَ الْغَافِلِينَ ۖ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ ۖ فَقُلْنَا يَا أَدَمُ إِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجُكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۚ إِنَّ لَكَ أَكْثَرَ تَجَوُّعٍ فِيْهَا وَلَا تَعْدَىٰ ۚ أَتَذْكُرَ لَا تَقْظُمُوْهُ فِيْهَا وَلَا تَقْبَلِي ۚ فَتَوَسَّسَ الْيَهُودُ السُّنَّةَ فَلَمَّا يَأْتِمُرُ هَلْ أُذْهِبَ عَنْ شَجَرَةِ الْغُلْبَةِ وَمَلِكًا رَّحِيمًا ۖ فَلَا تَكُلَا مِنْهَا فَبَيَّتَ لَهَا سَوَاتِيْهَا وَطَافًا يَخْصِفُ عَنْهُمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَوَعَىٰ أَدَمُ رَبُّهُ فَقَوٰى ۖ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۖ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فَإِنَّمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى ۖ فَمَنِ اتَّبَعَ هٰذَا هُدًى فَلَا يَضِلَّ وَلَا يُفْتِنُ ۖ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذٰلِكَ فَمَا لِيَ غِيْثُهُ ۖ ضَلَّكَ وَمَنْ وَخَّشَهُ ۖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَغْنَىٰ ۖ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ أَغْنَىٰ وَقَدْ كُنْتُ يٰسِرًا ۚ قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيٰتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُلْقَىٰ ۖ﴾

”اور ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ (اسے) بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر و شہادت نہ دیکھا، اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے تجھ کو روکے تب جبر سے میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کیا۔ ہم نے فرمایا کہ

① موجودہ میں بھی ہے: ”اور خداوند خدا نے آدم اور اس کی بیوی کے واسطے چمڑے سے کرتے بنا کر ان کو پہناتے۔“ (پیوٹائش: 21/3)

② تفسیر ابن کثیر: 2152 تفسیر سورة الأعراف آیت: 22

”تو شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا (اور) کہا کہ آدم! بھلا تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ زندگی کا (شرہ دے) اور ایسی بادشاہت کے کبھی زائل نہ ہو۔“ (طہ: 120/20)

یہ جو اس نے کہا: میں آپ کو ایک ایسا درخت بتاؤں گا، جس کو کھانے کے نتیجے میں آپ ان موجودہ نعمتوں میں ہمیشہ رہنے کے مستحق ہو جائیں گے اور آپ کو ایسی حکومت حاصل ہو جائے گی جو کبھی تباہ ہوگی نہ ختم ہوگی، یہ بات محض دھوکے، فریب اور جھوٹ پر مبنی تھی۔

ممکن ہے یہ وہی درخت ہو جس کا ذکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں ایک درخت ہے، جس کے سارے میں ایک سو ار سال چل کر رہے تو اسے طے نہ کر سکے۔“^①

فرمان الہی ہے:

﴿قَدْ لَطَمْنَا بِخُورٍ فَلَمَّا ذَاكَ الشَّجَرَةَ بَيَّتَ لَهَا سَوَاتِيْهَا وَطَافًا يَخْصِفُ عَنْهُمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ﴾

”پس (مردود نے) دھوکا دے کر اُن کو (محبت کی طرف) کھینچ لیا۔ جب انہوں نے اس درخت (کے) پھل (کو کھا لیا تو ان کے ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (تو تو ذکر) اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔“ (الأعراف: 22/7)

اسی کی بات مزید فرمایا:

﴿فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَيَّتَ لَهَا سَوَاتِيْهَا وَطَافًا يَخْصِفُ عَنْهُمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ﴾

”مردودوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو اُن پر ان کی شرم کیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے۔“ (طہ: 121/20)

اس ممنوعہ درخت کا پھل آدم علیہ السلام سے پہلے حواء علیہا السلام نے کھا یا اور انہیں بھی اس کے کھانے کی ترغیب دی۔ (واللہ اعلم) ممکن ہے صحیح بخاری کی اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اگر نبی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی خراب نہ ہوتا، اگر حواء نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے خاوند کی خیانت نہ کرتی۔“^②

اہل کتاب کے پاس موجود تورات میں ہے کہ جس نے حضرت حواء علیہا السلام کو اس درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دی، وہ ساقط تھا۔ وہ بہت خوبصورت اور بہت بڑا تھا۔ حواء علیہا السلام نے ساقط کے کہنے پر پھل کھا لیا اور آدم علیہ السلام کو بھی کھلایا۔ اس میں شیطان کا ذکر نہیں۔^③ اس وقت ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ جگے جیں چٹانچہ انہوں نے انجیر کے پتے

① مسند احمد: 469/2

② صحيح البخاري، احاديث الانبياء، باب خلق آدم و ذريته، حديث: 3330

③ ويكيبيديا، كتاب پيدائش، باب: 3، فقرہ: 1 تا 7۔

مخاطب ہیں۔

علمائے کرام کا اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں کتنا عرصہ رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”آدم علیہ السلام کو جحہ کے دن پیدا کیا گیا اور اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن نکالا گیا۔“^①

اگر مذکورہ بالا حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ جس دن ان کو پیدا کیا گیا، اسی دن انہیں نکالا گیا اور یہ سمجھا جائے کہ جنت کے ایک دن سے مراد موجودہ دنوں جتنی مدت ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیا کے دن جیسے ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ لیکن یہ رائے نظر غلط ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی تخلیق اور دن ہوئی اور جنت سے کسی اور دن نکلے یا یہ کہا جائے کہ دن سے مراد چھ ہزار سال کی مدت ہے جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جنت میں طویل عرصہ ٹھہرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ”دحنا“ نامی مقام پر اتارا گیا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آدم علیہ السلام کو ہند میں اتارا گیا، حواء علیہا السلام کو جدہ میں، ایلینس کو لہور سے چند میل دور و تیان نامی جگہ میں اور سانپ کو اصفہان میں اتارا گیا۔ جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”آدم علیہ السلام کو صفا پہاڑی اور حواء علیہا السلام کو مروہ پہاڑی پر اتارا گیا۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو آپ کو ہر چیز بنانا سکھایا اور جنت کے کچھ پھل عطا فرمائے۔ تمہارے یہ (زمین) پھل، جنت کے پھلوں میں سے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ان میں تبدیلی آتی ہے (خراب بھی ہو جاتی ہے) اور ان میں تبدیلی نہیں آتی۔“^②

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے زمین پر سب سے پہلے جو کھانا کھایا وہ یہ تھا کہ جبریل علیہ السلام کے پاس کدیم کے سات دانے لائے۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ اسی درخت کا پھل ہے جس سے آپ کو منع کیا تھا اور آپ نے کھالیا تھا۔ انہوں نے فرمایا: میں اس کا کیا کروں؟ فرمایا: اسے زمین میں بول دیجیے۔ انہوں نے بول دیے۔ ان میں سے ہر ایک دانے کا وزن (موجودہ دور کے) ایک لاکھ دانوں سے زیادہ تھا۔ وہ آگ آئے۔ (وقت آنے پر) انہیں کان، گاہمیں، سے دانے الگ کیے گئے، پھر انہیں چیسوا گوندھا، پھر اس (آٹے) کی روٹی پکائی، پھر کھائی۔ اسی طرح انہیں بہت محنت اور مشقت کے بعد کھانا ملا۔ اس آیت مبارکہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

﴿فَلَا يَخْرُجُكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى﴾

① صحیح مسلم: الجمعة باب فضل يوم الجمعة حديث: 854

② مصنف عبدالرزاق والمستدرک للحاکم: 543/2 حديث: 3996

آدم، یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو بہشت سے نہ نکلوا دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ یہاں تم کو یہ (آسائش) ہوگی کہ جو کچھ کے رہو نہ شگے اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔ تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا (اور) کہا کہ آدم! بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا شجرہ دے اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔ سو دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا تو ان پر ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (بدلوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے پھر ان کے پروردگار نے ان کو از تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔ فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے اٹھو نیچے اتر جاؤ۔ تم میں سے بعض بعض کے دشمن (ہوں گے) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ مکراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے ادھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ میرے پروردگار! تو نے مجھے ادھا کر کے کیوں اٹھایا، میں تو دیکھتا تھا جتنا اللہ فرمائے گا کہ ایسا ہی چاہیے تھا۔ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا، اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا۔“ (ملہ: 126-115:20)

دوسرے مقام پر یوں فرمایا:

﴿أَفِيضُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوًّا وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾

”تم سب بہشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے ایک وقت (خاص)

تک زمین پر ٹھکانا اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا ہے)۔“ (الأعراف: 24:7)

یہ ارشاد آدم، حواء علیہما السلام اور ایلینس کو مخاطب کر کے فرمایا گیا۔ ایک قول کے مطابق سانپ بھی اس میں شامل تھا۔ ایلینس حکم دے دیا گیا کہ جنت سے نکل جائیں، جب کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن اور مخالف رہیں گے۔

اس واقعہ میں سانپ کے ذکر کی تائید میں وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب سے ان (سانپوں) سے ہماری جنگ شروع ہوئی ہے، ہم نے ان سے کبھی صلح نہیں کی۔ اور جس نے ذر کی وجہ سے کوئی سانپ چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔“^③

سورہ طہ میں انہی کی بابت فرمایا:

﴿أَفِيضُوا مِنْهَا جُوعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوًّا﴾

”تم دونوں یہاں سے اٹھو نیچے اتر جاؤ! تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔“ (ملہ: 123:20)

”دونوں“ سے مراد آدم علیہ السلام اور ایلینس ہیں۔ حواء علیہا السلام کو سانپ بھوکا اور سانپ شیطان کے تابع ہو کر اس حکم کے

کا ذریعہ بناتے ہو اور قطع رحمی (سے بچو۔) کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔“ (النساء: 1/4)

تیز فرمایا:

﴿وَأَذِّنْ لِحَدِيثِ رَبِّكَ مِنْ بَيْنِ أَدَمَ مِنْ طُغْيَانِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ لَا شَكَّ فِيهِمْ﴾

”اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی بیٹیوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرالیا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے: کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے۔)“ (الأعراف: 172/7)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مذکورہ آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ بچیرا اور ان کی اولاد نکالی اور فرمایا: میں نے انہیں جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں والے عمل کریں گے۔ پھر ان کی پشت پر (دوبارہ) ہاتھ بچیرا اور (مزید) اولاد ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا: میں نے انہیں جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جہنمیوں والے عمل کریں گے۔“ ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! جب عمل کس لیے ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو جنت کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اسے جنتیوں والے عمل کی توفیق دیتا ہے اور وہ شخص ان کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کس بندے کو جہنم کے لیے پیدا کرتا ہے تو اسے جہنمیوں والے اعمال میں مشغول کر دیتا ہے اور وہ شخص ان کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔“

جمہور علماء یہ رائے رکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی اولاد سے وعدہ لیا گیا تھا، انہوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن ایک جہنمی سے کہا جائے گا کہ اگر تیرے پاس پوری دنیا کا مال و دولت ہو تو کیا تو فدیہ کے طور پر وہ سب دے دے گا؟ وہ کہے گا: ”ہاں!“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تجھ سے اس سے آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا۔ جب تو آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا، اس وقت میں نے تجھ سے ایک وعدہ لیا تھا کہ تو میرے ساتھ شرک نہیں کرے گا لیکن تو نے پھر بھی شرک کرنے پر ہی اصرار کیا۔“

مذکورہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اس دن ان سب کو جمع کیا جو آدم علیہ السلام کی پشت سے قیامت تک پیدا ہونے والے تھے۔ ان کو پیداکر کے اور ان کی صورتیں بنا کر انہیں بولنے کی طاقت

① سنن ابی داؤد السنۃ باب فی القدر: حدیث 4703 وجامع الترمذی تفسیر القرآن باب و من سورة الاعراف: حدیث: 3075 و صحیح ابن حبان: 14/8

② صحیح البخاری: الرقاق باب صفة الجنة والنار: حدیث: 6557 و صحیح مسلم: صفات المنافقین باب طلب الکافر الفداء بملء الأرض ذہبا: حدیث: 2805 و مسند أحمد: 129/3

”ایسا ہرگز نہیں ہوا چاہے کہ وہ (شیطان) تمہیں جنت سے نکلوا دے، پھر تمہیں سخت مشقت برداشت کرنی پڑے۔“ (طہ: 117/20)

⑤ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ: اللہ تعالیٰ نے جب انہیں جنت اور راحت و سکون والی جگہ سے نکال کر مشقت اور محنت والی زندگی مہیا کی تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں فرمایا ہے:

﴿أَلَمْ أَهْدِكُمْ عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَأَقْبَلْ تِلْكَ إِلَى الشَّيْطَانِ لَتَكُنَّ عَدُوًّا مُّبِينًا ۖ قَالُوا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾

”کیا میں نے تم کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور جتنا میں دیا تھا کہ شیطان تمہارا حکم کھلا دشمن ہے۔ دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔“ (الأعراف: 23/7)

آدم علیہ السلام نے یہ کلمات اللہ تعالیٰ سے ہی سکے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی وضاحت ہے:

﴿فَتَنَزَّلَ أَعْمَرُ مِنْ رَبِّهِمْ لِيُخَبِّرَ﴾

”پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سکھے۔“ (البقرة: 37/2)

ان الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف ہے، اللہ کی طرف توجہ ہے، اس کے سامنے بجز و نیاز اور تذلّل کا اظہار ہے اور اس مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاجی کا اقرار ہے۔ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے جس شخص کو یہ راز سمجھ میں آ گیا اس کی دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت بھی۔

اولاد آدم علیہ السلام اور قصہ بائبل و قاتیل

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو کثیرا اولاد عطا فرمائی۔ سورۃ نساء میں اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَجْعَلْ مِنْهَا دُجَاهًا وَبَيْنَهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا ۖ وَبَسَاءٌ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَنْصَارُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝﴾

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جہاں سے پیدا کیا اور اسی سے اُس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پیدا کرو اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری

⑥ یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔

”اور ہم نے ان میں سے اکثروں میں (عہد کا بھاء) نہیں دیکھا اور ان میں اکثروں کو (دیکھا تو) فاسق ہی دیکھا۔“
(الأعراف: 102/7)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو آپ کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ تب قیامت تک پیدا ہونے والی ہر جان آپ کی پشت سے ظاہر ہوگی۔ اللہ نے ہر ایک کی آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھ دی۔ پھر انہیں آدم علیہ السلام کو دکھایا۔ آدم علیہ السلام نے کہا: یا رب! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ تیری اولاد ہے۔“ آپ کو ان میں ایک آدمی نظر آیا جس کی پیشانی کی چمک آپ کو بہت اچھی لگی۔ فرمایا: یا رب! یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ تیری اولاد میں آخری زمانے کی قوموں میں سے ایک آدمی ہے، جس کا نام داؤد علیہ السلام (ہوگا۔) فرمایا: یا رب! تو نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ساتھ سال۔“ آدم علیہ السلام نے فرمایا: یا رب! اسے میری عمر میں سے چالیس سال عطا فرما دے۔ جب آدم علیہ السلام کی عمر مکمل ہوئی تو موت کا فرشتہ آ گیا۔ انہوں نے فرمایا: کیا میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں؟ اس نے کہا: کیا وہ آپ نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو نہیں دے دیے؟ آپ علیہ السلام نے انکار کیا، تو آپ کی اولاد میں بھی انکار کی عادت رہی۔ آدم علیہ السلام بھول گئے، آپ کی اولاد بھی بھولنے والی ہوئی۔ آدم علیہ السلام سے غلطی ہوئی، آپ کی اولاد بھی غلطیاں کرنے والی ہوئی۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم سے نعمان یعنی عرفات کے مقام پر عہد لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام اولاد کو جو اس نے پیدا کیا ہے، ان کی پشت سے نکالا۔ انہیں اپنے سامنے بیٹھائیں کی طرح نکھیر دیتے ہیں۔“ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مبادا تم قیامت کے دن کہو: ہمیں تو اس کا علم ہی نہ تھا۔) یا کہو: کہا: لے بیٹھنا ہے، ہم گواہی دیتے ہیں۔“ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مبادا تم قیامت کے دن کہو: ہمیں تو اس کا علم ہی نہ تھا۔) یا کہو: ہمارے باپ دادا نے شرک کیا تھا اور ہم تو انہی کی اولاد تھے (اس لیے ان کی راہ پر چل پڑے) کیا تو ہمیں جھوٹے لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تباہ کر دے گا؟“

کیا آدم وحواء علیہ السلام کے ہاں جنت میں اولاد ہوئی تھی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے:

✽ ایک قول یہ ہے کہ ان کی سب اولاد زمین ہی پر پیدا ہوئی۔

✽ دوسرے قول کے مطابق ان کے کچھ بچے جنت میں بھی پیدا ہوئے تھے، جن میں قاتل اور ان کی بہن بھی شامل

① ابن ابی حاتم: 1615/6، حدیث: 8537/1 ابن جریر الطبری: 154/6، حدیث: 11929/1 تفسیر ابن کثیر: 274/2، تفسیر سورة

الأعراف: آیت: 174/1 المستدرک للحاکم: 323/2

② جامع الترمذی: تفسیر القرآن/ باب و من سورة الأعراف/ حدیث: 3076

③ مسند أحمد: 272/1 المستدرک للحاکم: 544/2، حدیث: 4000/2 کنز العمال: 127/6، حدیث: 15124

دی۔ وہ بولے گئے تو ان سے عہد و پیمان لیا اور انہیں خونان پر گواہ ٹھہرایا۔ فرمایا: ”کیا میں تمہارا رب نہیں؟“ انہوں نے کہا: ”ضرور ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں تم پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں، قیامت کے دن یہ نہ کہنا: ہمیں اس کا علم نہ تھا۔ یا درکھو میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی مالک نہیں، میرے ساتھ شرک نہ کرنا۔ میں تمہارے پاس رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و پیمان یاد دلا کر تمہیں (اس کی خلاف ورزی کی سزا سے) ڈرائیں گے اور اسے تم پر اپنی کتاب نازل کروں گا۔“ انہوں نے کہا: ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی رب یا معبود نہیں۔“ چنانچہ اسی دن انہوں نے قیل الاحکام کا اقرار کیا۔

اللہ نے ان کے باپ آدم علیہ السلام کو بلند کیا، اس نے ان سب کو دیکھا، تو ان میں امیر، غریب، خوبصورت اور بدصورت افراد نظر آئے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رب! کاش! تو ان سب کو برابر کر دیتا۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر کیا جائے۔“

آدم علیہ السلام کو ان میں پیغمبر بھی نظر آئے جو دشمن چرافوں کی طرح منور تھے۔ ان سے رسالت و نبوت کا ایک خاص وعدہ بھی لیا گیا۔ اسی دوسرے جثاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَدَّ أَحَدُنَا مِّنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَيَعْقُوبَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا عَلِيمًا ۝﴾

”اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے یعقوب سے اور عہد بھی ان سے لیا کیا۔“ (الأحزاب: 7/33)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَهُمْ وَجَعَلَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فُطِرَتِ اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ﴾

”تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (اللہ کے راستے) پر سیدھا منہ کیے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔“

(الروم: 30/30)

اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿هَٰذَا نَدْعُكَ مِنَ الذِّكْرِ الْأَوَّلِيِّ ۝﴾

”(یہ) (محمد) بھی اگلے ڈرسانے والوں میں سے ایک ڈرسانے والا ہے۔“ (النجم: 56/53)

اور مزید فرمایا:

﴿وَمَا وَجَدْنَا لِأَدْنَاهُمْ مِنْ عَمٍّ ۚ وَإِنْ وَجَدْنَا لَهُمُ الْمُسْقِينَ ۝﴾

دے۔ اس نے انکار کر دیا تو آدم علیہ السلام نے دونوں قربانی کرنے کا حکم دیا۔ بائیل بھی بکریاں پالتا تھا، اس نے ایک موٹا تازہ جانور قربان کیا۔ قاتیل نے اپنی کھیتی میں سے مکی فصل کا ایک گٹھا قربانی کے طور پر پیش کیا۔ آسمان سے آگ اُتری، اس نے بائیل کی قربانی کو کھلایا لیکن قاتیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ اسے غصہ آ گیا۔ اس نے کہا: ”میں ضرور تجھے قتل کروں گا تاکہ تو میری بہن سے شادی نہ کر سکے۔“ بائیل نے کہا: اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں سے (قربانی) قبول فرماتا ہے۔“

ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب وہ دونوں قربانی دے رہے تھے تو آدم علیہ السلام بھی موجود تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ بائیل کی قربانی قبول ہو گئی ہے، قاتیل کی نہیں ہوئی۔ جب قاتیل نے آدم علیہ السلام سے کہا: اس کی قربانی اس لیے قبول ہوئی ہے کہ آپ اس کے حق میں دعا کی تھی اور آپ نے میرے حق میں دعائیں کی۔ اس کے بعد اس نے تنہائی میں بائیل کو جکڑی دی۔ ایک رات بائیل کو جانور چراتے ہوئے (واپس آنے میں) دیر ہو گئی۔ آدم علیہ السلام نے اس کے بھائی قاتیل کو بھیجا کہ معلوم کرے اُسے کیوں دیر ہوئی ہے۔ وہ گیا تو اسے بائیل مل گیا۔ اس نے کہا: تیری قربانی قبول ہو گئی ہے، میری نہیں ہوئی۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی تقویٰ سے (قربانی) قبول فرماتا ہے۔ اس پر قاتیل کو غصہ آ گیا۔ اس کے پاس لوہے کی کوئی چیز تھی۔

اس نے وہ مار کر بائیل کو قتل کر دیا۔
بعض علماء نے فرمایا: ”بائیل سورہا تھا، قاتیل نے ایک بڑا پتھر اس کے سر پر مار کر اس کا سر کچل دیا۔“ بعض علماء فرماتے ہیں: ”بلکہ اس نے زور سے اس کا گٹھا گھونٹا اور رندوں کی طرح اسے دانتوں سے کاٹا جس سے وہ فوت ہو گیا۔“ (واللہ اعلم) ﴿

﴿لَکِنْ بَسَطْتَ لَیْکَ یَدَکَ لِتَقْتُلُنِیْ اِنَّکَ لَافْتِنٰکَ﴾ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿﴾

”اگر تو قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا، مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔“ (المائدہ: 28/5)

اس سے اس کے اچھے اخلاق، خدا خوفی اور خشیت الہی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اس سے اس کا تقویٰ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بھائی نے جو یادتی کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس نے بدلے میں ویسی برائی کرنے سے پرہیز کیا۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب وہ مسلمان تواریں لے کر (لڑنے کے لیے) ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں (پھر جنگ کرتے ہیں) تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوتے ہیں۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ”اللہ کے رسول ﷺ ایسے تو قاتل ہے (اس لیے سزا کا مستحق ہے) مقتول کا کیا معاملہ ہے (کہ اس کو مظلوم کو بھی سزا ملی)؟“ آپ ﷺ نے فرمایا:

① تفسیر ابن کثیر: 44/43/2۔ تفسیر سورة المائدة: آیت: 27

② تفسیر ابن کثیر: 44/2۔ تفسیر سورة المائدة: آیت: 30، 27

③ تفسیر ابن کثیر: 47/2۔ تفسیر سورة المائدة: آیت: 30، 27

تھے۔ (واللہ اعلم)

تاریخ طبری میں ہے کہ ان کے ہاں ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے اور انہیں یہ حکم تھا کہ ہر لڑکے کی شادی، دوسرے لڑکے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے کریں اور دوسرے کی شادی پہلے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے کریں۔ یعنی اس لڑکی سے شادی کرنا جائز نہ تھا، بولنے کے ساتھ پیدا ہوئی ہو۔

﴿وَ قَاتِلْ اَوْرَ بَہَیْلَ کَا وَ اَقْعَدِ اللّٰہُ تَعَالٰی لَیْ نَہْ قَرَّ اَنْ عَجِدَہِ مَیْہَہِ فَرَمَیَاہِ﴾

﴿وَ اٰتٰی عَلَیْہِمْ نَبَآ اٰتٰی اَدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبٰنًا فَتَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنْ اَحَدِمَا وَلَمْ یَتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاقْتُلْکَ لَا قُتْلَکَ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱﴾ لَکِنْ بَسَطْتَ لَیْکَ یَدَکَ لِتَقْتُلُنِیْ مَا اَنَا بِسَاطِیْطٍ یَّدِیْ اِلَیْکَ لَا قُتْلَکَ﴾ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲﴾ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ یَّمُوْءَا بِرَافِیْیَ وَ اِلَیْہِ قَتْلُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَ ذٰلِکَ جَزَاُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳﴾ فَطَوَّعَتْ لَہٗ نَفْسُہٗ قَتْلَ اَخِیْہِ فَقَتَلَتْہٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الظّٰمِیْنَ ﴿۴﴾ قَبَعَتْ اللّٰہُ عَوْرَہَا یَبْتَغِیْ فِی الْاَرْضِ لَیْزًا یَّکْفِیْ یُوَارِیْ سُوْءَہٗ اَخِیْہِ قَالَ یٰوَسَّیْ اَحْصَیْتَ اَنْ اَکُوْنَ وَمِثْلَ هٰذَا الْغَرَابِ قَاوَارِیْ سُوْءَہٗ اَخِیْ فَاَصْبَحَ مِنَ الظّٰمِیْنَ ﴿۵﴾

”اور (اے محمد ﷺ!) ان کو آدم کے دو بیٹوں (بائیل اور قاتیل) کے حالات ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں نے (اللہ کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھا لیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی (حب قاتیل، بائیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو ایک کی نیاز تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی فرمایا کرتا ہے۔ اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے گناہ میں بھی، پھر (ذمرۃ) اہل دوزخ میں ہو، اور ظالموں کی بھی سزا ہے۔ مگر اس کے کش نے اس کو بھائی کی قتل ہی کی تڑغیب دی تو اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا۔ اب اللہ نے ایک کو بھائی جو زمین کو کریدنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ کہنے لگا: ہائے افسوس مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کو کسے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا، پھر وہ پشیمان ہوا۔“ (المائدہ: 27-31)

یہاں پر ہم علماء سلف کے ارشادات کا خلاصہ بیان کریں گے:

متحدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام ہر لڑکے کی شادی کسی دوسرے لڑکے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے کرتے تھے۔ بائیل نے قاتیل کی بہن سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ اور قاتیل کی بہن زیادہ خوش شکل تھی، چنانچہ قاتیل نے چاہا کہ اس کی شادی بائیل کی بجائے خود اس سے ہو جائے۔ آدم علیہ السلام نے اسے حکم دیا کہ بائیل کو اس سے نکاح کرنے

”آدم کے بیٹے (ہابیل) کی طرح بن جانا۔“^①

یہی حدیث حضرت خُذْ یٰقِدْنَہِ بَیْمانِ ۛۛۛ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: ”آدم ۛۛۛ کے بہتر بیٹے کی طرح بن جانا۔“ سنن اربعہ میں یہ حدیث حضرت ابوذر ۛۛۛ کی روایت سے موجود ہے۔^②

حضرت عبداللہ بن مسعود ۛۛۛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ۛۛۛ نے فرمایا: ”جو انسان بھی غلاماً قتل ہوتا ہے، اس کے (قتل کے) گناہ کا ایک حصہ آدم ۛۛۛ کے پہلے بیٹے کو بھی ملتا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ شروع کیا۔“^③

❏ قاتیل کوسزا: حضرت مجاہد ۛۛۛ فرماتے ہیں: ”جس دن قاتیل نے اپنے بھائی کو قتل کیا، اسی دن اسے سزا مل گئی، چنانچہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے چپک گئی۔ اس کو یہ سزا بھی دی گئی کہ سورج جس طرف ہوتا، قاتیل کا چہرہ اسی طرف رہتا۔ اس طرح اسے دوسروں کے لیے عبرت بنا دیا گیا اور اسے جلدی سزا مل گئی کیونکہ اس نے گناہ کا ارتکاب کیا تھا، مگر کسی کی جی اور اپنے سنگے بھائی سے حسد کیا تھا۔“^④

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ۛۛۛ نے فرمایا: ”عظم اور قطع جی سے بڑھ کر کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا دینا میں بھی دے اور آخرت کا عذاب بھی اس کے مرتکب کے لیے محفوظ رکھے۔“^⑤

اہل کتاب کے پاس جو کتاب ہے اور جسے وہ قرات قرار دیتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ اللہ عزوجل نے اس کی سزا مؤخر کر کے اسے سہل دی اور وہ عدن کے مشرق میں ”نوذ“ کے علاقے میں جا بسا۔ وہ اسے ”قنین“ کہتے ہیں۔ اس کا ایک بیٹا ”فخوخ“ ہوا۔ اور ”فخوخ“ سے ”عنذر“ عنذر سے ”مخادیل“، ”مخادیل“ سے ”متوشیل“ اور متوشیل سے ”لاک“ پیدا ہوا۔ اس نے دو گورتوں سے شادی کی: ایک کا نام ”نعدا“ اور دوسری کا نام ”صلا“ تھا۔ نعدا کے ہاں ایک بیٹا ”اہل“ پیدا ہوا۔ سب سے پہلے اس نے نیہوں میں رہائش اختیار کی اور مال جمع کیا۔ اس کے ہاں ”توبل“ بھی پیدا ہوا۔ اس نے سب سے پہلے بین اور ہانسری بھائی۔

① صحیح مسلم ’الفتن‘ باب نزول الفتن کما وقع القطر، حدیث: 2886 و سنن أبي داود ’الفتن و الملاحم‘ باب البهي عن السعي في الفتنة’ حدیث: 4256/4257 و جامع الترمذی ’الفتن‘ باب ماجاء انه تكون فتنة..... الخ’ حدیث: 2194 و مسند احمد: 1851

② سنن أبي داود ’الفتن و الملاحم‘ باب البهي عن السعي في الفتنة’ حدیث: 4259 و سنن ابن ماجه ’الفتن‘ باب التثبت في الفتن‘ حدیث: 3961

③ مسند أحمد: 383 و صحيح البخاري ’أحاديث الأنبياء‘ باب خلق آدم و ذريته’ حدیث: 3335 و صحيح مسلم ’القسماء و المحاربن‘ باب بيان إثم في من سن القتل‘ حدیث: 1677

④ تفسير ابن كثير: 48/2 تفسير سورة المائدة: آیت: 33

⑤ جامع الترمذی ’صفة القيامة‘ باب في عظم العبد على البهي و قطعة الرحم‘ حدیث: 2511 و سنن ابن ماجه ’الزهد‘ باب البهي‘ حدیث: 4211

”اس کی بھی شہید خواہش تھی کہ اپنے ساتھی کو قتل کر دے۔“

ہابیل نے مزید کہا:

﴿إِنِّي أُرِيدُ أَنْ مَنِّعَ بِي إِسْحَاقُ وَإِسْحَاقُ فَتَكُونُ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَ ذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝﴾

”میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی مانڈو ہو اور اپنے گناہ میں بھی۔ پھر (زمرہ) اہل دوزخ میں ہو اور ظالموں کی جہنم سزا ہے۔“

یعنی میں تجھ سے لڑائی نہیں کرنا چاہتا، حالانکہ میں تجھ سے زیادہ قوی اور مضبوط ہوں، باوجودیکہ تو نے ایک غلط کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو نے پہلے جو گناہ کیے ہوئے ہیں ان کے ساتھ میرے قتل کا گناہ بھی تیرے سر ہو۔ حضرت مجاہد، سدی، ابن جریر اور دیگر علماء ۛۛۛ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔^①

حضرت عبداللہ بن عمرو ۛۛۛ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”قسم ہے اللہ کی! ان دونوں میں سے مقتول زیادہ طاقتور تھا۔ لیکن اس نے دوسرے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تا گناہ کا مرتکب نہ ہو جائے۔“^②

اس کا یہ مطلب نہیں کہ قتل کرنے سے مقتول کے سارے گناہ قاتل کے نامہ اعمال میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ بعض لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے۔ ابن جریر ۛۛۛ نے فرمایا ہے کہ اس قول یعنی مقتول کے سارے گناہ..... کے غلط ہونے پر اجماع ہے۔^③

لیکن قیامت کے دن بعض افراد کے ساتھ یہ صورت حال پیش آ سکتی ہے کہ قاتل کی ساری نیکیاں دے کر مقتول کا پورا حق ادا ہو اس لیے مقتول کے اتنے گناہ قاتل کی طرف منتقل ہو جائیں، جن سے حساب برابر ہو جائے۔ جیسے کہ دوسرے مظالم کے بارے میں صحیح احادیث میں مذکور ہے۔^④ اور قول بہت بڑے مظالم میں شامل ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عثمان ۛۛۛ کے خلاف بغاوت کی گئی، تو اس فتنہ کے ایام میں حضرت سعد بن ابی وقاص ۛۛۛ نے فرمایا تھا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ۛۛۛ نے فرمایا ہے: ”ایک فتنہ برپا ہوگا۔ اس کے دوران میں بیٹھے والا، کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والے چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔“ حضرت سعد ۛۛۛ نے فرمایا: اللہ کے رسول ۛۛۛ! یہ فرمائیے کہ اگر کوئی مجھے قتل کرنے کے لیے میرے گھر میں گھس گئے تو کیا کروں؟ نبی ۛۛۛ نے فرمایا:

① صحيح البخاري ’الفتن‘ باب إذا التقى المسلمان بسيفيهما’ حدیث: 7083 و صحيح مسلم ’الفتن‘ باب إذا تواجہ المسلمان بسيفيهما’ حدیث: 2888

② تفسير ابن كثير: 46/2 تفسير سورة المائدة: آیت: 27

③ تفسير ابن كثير: 44/2 تفسير سورة المائدة: آیت: 27

④ تفسير ابن كثير: 47/2 تفسير سورة المائدة: آیت: 27

⑤ صحيح البخاري ’المظالم‘ باب من كانت له مظلمة..... الخ’ حدیث: 2449

گئے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجًا وَبَنَاتٍ وَمِنْهَا رِجَالٌ كَثِيرٌ مِمَّا تَسْتَعْبِدُونَ﴾

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اُس سے اُس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیے۔ (النساء: 1/4)

مورخین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے فوت ہونے تک ان کی اولاد اولاد کی اولاد و غیرہ کی تعداد چار لاکھ افراد تک پہنچ چکی تھی۔ (واللہ اعلم)

صحیحین کی جس حدیث میں سفر معراج کا ذکر ہے، اس میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے آسمان میں آدم علیہ السلام سے ملے۔ تو انہوں نے فرمایا: ”نیک نبی اور نیک بیٹے کو خوش آمدید۔“ آدم علیہ السلام کے دائیں طرف بھی بہت سے افراد تھے اور بائیں طرف بھی بہت سے افراد تھے۔ آپ جب دائیں طرف دیکھتے تو خوش ہو کر (بس پڑتے اور بائیں طرف نظر اٹھاتے تو رو پڑتے۔ (نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے کہا: ”جبریل! یہ کیا معاملہ ہے؟“ انہوں نے فرمایا: ”یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ جب وہ دائیں طرف جتنی روحوں کو دیکھتے ہیں تو مسکرا دیتے ہیں اور جب بائیں طرف جتنی روحوں کو دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں۔“^①

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرا، تو میں نے دیکھا کہ انہیں آدھا حسن و جمال عطا ہوا ہے۔“ اس کی وضاحت بعض علماء نے اس طرح کی ہے کہ انہیں آدم علیہ السلام سے آدھا حسن ملا تھا اور یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دست مبارک سے تخلیق فرمایا اور ان میں روح ڈالی۔ اللہ تعالیٰ (اس اجتماع کے ساتھ) جسے پیدا کرے، وہ بہترین اور سب سے خوبصورت ہی ہو سکتا ہے۔

الہدایہ و التنبیہ میں امام ابن کثیر لکھ کر روایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت پیدا فرمائی تو فرشتوں نے کہا: ہمارے مالک! یہ ہمارے لیے خاص کر دے کیونکہ تو نے نبی آدم کے لیے دنیا پیدا کی ہے۔ وہ اس میں کھاتے پیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میری عزت و جلال کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اس کی نیک اولاد کو ان (فرشتوں) کے برابر رکھوں، جنہیں میں نے [مُحَنِّ] کہا اور وہ وجود میں آ گئے۔“^②

① صحیح البخاری: احادیث الانبیاء: باب ذکر ادریس علیہ السلام..... الخ: حدیث: 3342 و صحیح مسلم: ’الایمان‘ باب الإسراء برسول اللہ ﷺ..... الخ: حدیث: 163

سوا کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا، اس کا نام ”توہلقتن“ تھا۔ سب سے پہلے اس نے تانا اور لوہے کی چیزیں بنائیں اور اس کے ہاں ایک بیٹی ہوئی جس کا نام ”نعنی“ تھا۔

اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ آدم علیہ السلام اپنی زوجہ حواء کے پاس گئے تو ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ حواء علیہا السلام نے اس کا نام ”شیث“ رکھا اور فرمایا: ”اللہ نے مجھے ”بائیل“ کا نعم البدل عطا فرمادیا ہے جسے ”قائیل“ نے قتل کر دیا تھا۔“ شیث کا ایک بیٹا ”انوش“ تھا۔

اہل کتاب کہتے ہیں: جب ”شیث“ کی ولادت ہوئی تو آدم علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس سال تھی۔ آپ اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہے۔ جب ”شیث“ کے ہاں ”انوش“ کی ولادت ہوئی تو ان کی عمر ایک سو پینسٹھ سال تھی۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو سات سال زندہ رہے اور ان کے ہاں ”انوش“ کے علاوہ اور بیٹے اور بیٹیاں بھی ہوئیں۔

”انوش“ کی عمر نوے سال تھی، جب اس کا بیٹا ”قیقان“ پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو پندرہ سال زندہ رہا اور اس کے ہاں بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جب ”قیقان“ ستر سال کا تھا تو اس کا بیٹا ”ہمیلانی“ پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو چالیس سال زندہ رہا اور اس کے ہاں بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب ہمیلانی کی عمر پینسٹھ سال کی ہوئی تو اس کے ہاں ”یرد“ پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب یرد کی عمر ایک سو بائیس سال ہوئی تو ان کا بیٹا ”خوش“ پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب خوش پینسٹھ سال کا ہوا تو اس کا بیٹا ”متوش“ پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب متوش ایک سو ستالیس سال کا ہوا تو اس کے ہاں ”لاک“ پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد سات سو بیالیس سال زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب لاک ایک سو بیالیس سال کا ہوا تو اس کے ہاں ”نوح علیہ السلام“ کی ولادت ہوئی۔ نوح علیہ السلام کی ولادت کے بعد لاک پانچ سو پچانوے سال مزید زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب نوح علیہ السلام کی عمر پانچ سو سال ہوئی تو ان کے بیٹے حام، سام اور یافث پیدا ہوئے۔ مذکورہ بالا تفصیلات بائبل کے بیانات کا خلاصہ ہے۔

ان معلومات کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ آسان سے نازل کردہ وحی میں سے (بغیر تہی لکے) محفوظ ہیں۔ اکثر علمائے کرام نے ان پر تنقید کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے بعض علماء نے تفسیر کے طور پر یہ تفصیلات اصل کتاب میں اپنی طرف سے شامل کر دی ہیں۔ ان میں بہت سی غلطیاں بھی ہیں، جیسے کہ ہم آئندہ انہیں ان کے مقام پر ذکر کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

امام ابن جریر طبرانی نے اپنی تاریخ کی کتاب میں کسی کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام اور حواء علیہما السلام کے ہاں دو دو کر کے چالیس بچے پیدا ہوئے۔ ایک قول کے مطابق ایک سو بیس جوڑے پیدا ہوئے۔ ہر بار ایک لڑکے اور ایک لڑکی کی ولادت ہوتی تھی۔ اس کے بعد انسانوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا گیا اور وہ زمین میں بکھر گئے اور دور دور تک آباد ہو

گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان کے موقع پر ان کی اور حضرت حماد علیہ السلام کی میتوں کو ایک تابوت میں ڈال کر کشمی میں رکھ لیا تھا۔ پھر (طوفان ختم ہونے کے بعد) انہیں بیت المقدس میں دفن کر دیا۔^①

آپ کی عمر کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے مرفوع حدیث ہے کہ نوح محفوظ میں ان کی عمر ہزار سال لکھی ہوئی تھی۔^② اس کے مقابلے میں طوالت کے اس بیان کو اختیار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ نو سو تیس سال زندہ رہے۔ اہل کتاب کا یہ بیان ناقابل قبول ہے کیونکہ یہ اس صحیح بیان کے خلاف ہے جو معصوم نبی (علیہ السلام) سے ہم تک قابل اعتماد طریقے سے پہنچا ہے۔

ویسے ان کے قول اور حدیث میں مطابقت بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔ تو رات کا بیان، اگر غلطی اور تبدیلی سے محفوظ رہ گیا ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر آنے کے بعد نو سو تیس سال زندہ رہے۔ قری حساب سے یہ مدت نو سو ستاون سال بنتی ہے۔ اس میں تینتالیس سال کی وہ مدت شامل کر لی جائے جو انہوں نے زمین پر آنے سے پہلے جنت میں گزار کر ہی قہری توکل مدت ہزار سال ہو جائے گی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیث علیہ السلام نے ان کے کام (رشد و ہدایت اور تبلیغ) کی ذمہ داری اٹھائی۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا، تو انہوں نے اپنے بیٹے ”انوش“ کے حق میں وصیت کی۔ چنانچہ انہوں نے یہ ذمہ داری اٹھائی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ”قین“ پھر ان کے بیٹے ”ہملامیل“ نے یہ منصب سنبھالا۔ ان کے بارے میں اہل فارس کا کہنا ہے کہ وہ ہفت اقلیم کے بادشاہ تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے درخت کاٹے شجر بسائے اور بڑے بڑے قلعے تعمیر کیے۔ وہ کہتے ہیں کہ بابل اور دوسری (ایران) کے شہر انہوں نے تعمیر کیے۔ انہوں نے اہلس کے لشکروں کو شکست دے کر زمین کے دور دراز علاقوں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں منتشر کر دیا۔ انہوں نے بہت سے سرکش جن اور بھوت قتل کیے۔ ان کا ایک بہت بڑا تاج تھا۔ وہ دو لوگوں سے خطاب فرماتے تھے۔ ان کی حکمت چالیس سال قائم رہی۔

ان کی وفات پر ان کے بیٹے ”مزد“ نے ان کا منصب سنبھالا۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے ”فرخ“ کے حق میں وصیت کی۔ مشہور قول کے مطابق انہی کو ”اوریس علیہ السلام“ کہا جاتا ہے۔



آدم علیہ السلام کی وفات اور بیٹے شیث علیہ السلام کو وصیت

”شیث“ کا مطلب ہے ”اللہ کا دیا ہوا تحفہ“ آدم علیہ السلام نے ان کا یہ نام اس لیے رکھا تھا کہ بائبل کے قتل ہو جانے کے بعد اللہ نے انہیں شیث عطا فرمایا۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنے بیٹے ”شیث“ کے حق میں وصیت کی۔ انہیں رات اور دن کے اوقات اور ان اوقات میں ادا کی جانے والی عبادات کی تعلیم دی اور انہیں بتایا کہ ایک طوفان آنے والا ہے۔

کہتے ہیں کہ آج کل جتنے انسان موجود ہیں، ان کا نسب شیث علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آدم علیہ السلام کے دوسرے بیٹوں کی اولاد ختم ہو چکی ہے۔ (واللہ اعلم)

جب آدم علیہ السلام فوت ہوئے اس دن جمعہ تھا۔ فرشتے اللہ کے پاس سے جنت کی خوشبو اور جنت کا کفن لے کر آئے اور ان کے بیٹے اور خلیفہ شیث علیہ السلام سے تعزیت کی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا، انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: ”بیٹو! میرا جنت کے پھل کھانے کو جی چاہتا ہے۔“ وہ تلاش کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ انہیں سامنے سے فرشتے آتے ملتے، جن کے پاس آدم علیہ السلام کا کفن اور خوشبو تھی اور ان کے پاس کلباڑے، کسایں اور نوکریاں بھی تھیں۔ انہوں نے کہا: ”آدم کے بیٹو! تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟“ یا کہا: ”تم کیا چاہتے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہمارے والد صاحب بیمار ہیں اور جنت کے میوے کی خواہش رکھتے ہیں۔“ فرشتوں نے کہا: ”واپس چلے جاؤ! تمہارے والد فوت ہوئے والے ہیں۔“ فرشتے جب (آدم علیہ السلام) کی روح قبض کرنے کے لیے آئے تو حواء علیہا السلام نے انہیں دیکھ کر پچھان لیا۔ وہ آدم علیہ السلام سے چٹ گئیں۔ وہ آدم علیہ السلام نے فرمایا: ”مجھے سے الگ ہو جاؤ، (پچھلے مجھے تمہارے ذریعے سے ہی مصیبت پہنچی تھی۔ مجھے میرے رب کے فرشتوں کے ساتھ رہنے دو۔“ فرشتوں نے ان کی روح قبض کی، غسل دیا، کفن پہنایا، خوشبو لگائی، آپ کی قبر خودی اور لحد تیار کی۔ پھر انہوں نے آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ ادا کی، پھر انہیں قبر میں رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ پھر انہوں نے کہا: ”آدم کے بیٹو! تمہارے لیے یہی طریقہ ہے۔“^①

حضرت آدم علیہ السلام کہاں دفن ہوئے؟ اس میں اختلاف ہے۔ مشہور ہے کہ انہیں ہندوستان (کے پاس سری لنکا) میں اس پہاڑ کے قریب دفن کیا گیا جہاں انہیں جنت سے اتارا گیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ کرمہ میں جبل امسی قبیس پر دفن کیا

نتائج و فوائد عبرت و وحکمتیں

✴ انسان کی عزت و تکریم: انسان کو مختلف کیڑے کوڑوں یا بندری ارتقائی شکل قرار دینے والے حکم عقل مستشرقین، اسلام کے چاند جیسے منور چہرے کو دھندلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”اسلام نے ابتدا ہی سے انسانی قدرومنزلت کا اعتراف نہیں کیا جبکہ قرآن انسانی اصل کو حقیر و ذلیل گردانتا ہے۔“

قرآن حکیم میں بیان کیے گئے حضرت آدم علیہ السلام کے قصے سے اس الزام کی زبردست تردید ہوتی ہے کیونکہ اسلام نے بنی آدم کو جو اعلیٰ و ارفع مقام دیا ہے وہ دوسرا کوئی بھی مذہب، دین یا فلسفہ اسے دینے سے قاصر ہے۔ قرآن مجید انسان کو اس کی اصل تخلیق مٹی اور نطفے کی طرف توجہ دلاتا ہے تاکہ وہ اپنی اصل کو یاد رکھے اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کرے اپنے مالک و رازق کا نافرمان اور ناشکر نہ بنے۔ اس کی نعمتوں کا شکر گزار رہے اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر کفر و سرکشی کا مرتکب نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کو اپنے مبارک ہاتھوں سے تخلیق فرمایا، اپنی روح ان میں پیوگی، پھر انہیں تمام علوم و معارف عطا کر کے فرشتوں پر ان کی برتری کا اظہار فرمایا اور آخر میں فرشتوں سے انہیں سجدہ کروا کے ان کے فضل و شرف پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ قرآن مجید کے مندرجہ ذیل ارشادات پر غور کرنے والے کو انسانی عز و شرف بخوبی معلوم ہو جاتا ہے:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾

”اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھائے۔“ (البقرة: 31/2)

﴿فَإِذَا أَسْمَوْنَا وَنَخَضَ فِيهِ مِنْ دُونِ فَتَعَا لِّلْجَنِّينَ﴾

”تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پیو تک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔“

(الحجر: 29/15)

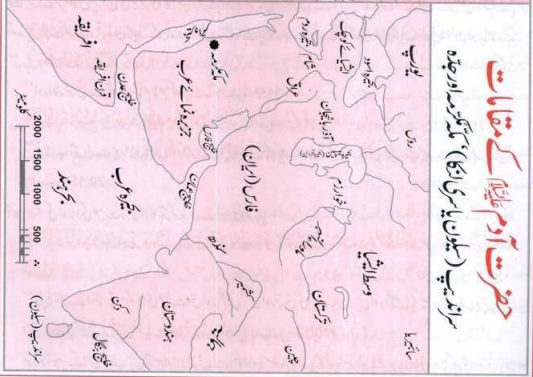
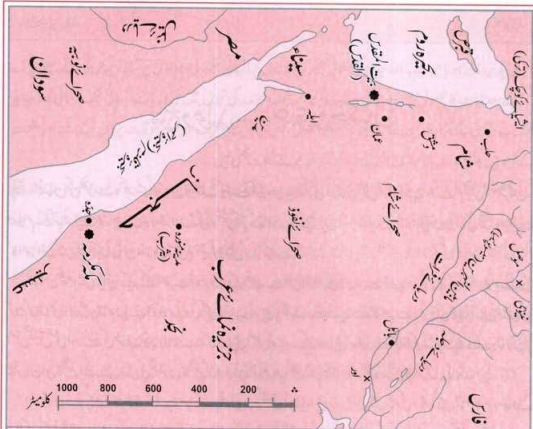
آدم علیہ السلام کی اولاد کی عزت و تکریم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَهُمْ فِي الْوُجُوِّ وَالْحَرِّ وَرَفَعْنَاهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾

”یقیناً ہم نے آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ روزیاں دیں اور

اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔“ (نبی اسرائیل: 70/17)

اولاد آدم کے اس شرف میں تمام اولاد شامل ہے، جو اوہ و مسلمان ہو یا کافر، امیر ہو یا غریب، ہکلی ہو یا گوری، ترقی یافتہ ہو



حضرت آدم علیہ السلام کے مقامات

سرازمیہ (مکہ یا یسریہ) کی قبر اور جہاد

اللہ تعالیٰ ہم کو اس جرم سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

✽ انسان کی روحانی بلندی: قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝۱۰ فَاِذَا سَوَّیْتُهُ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سَجْدًا ۝۱۱﴾

”جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں، سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔“

(ص: 71/38/72)

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی تخلیق دو چیزوں کا مرکب ہے۔ ایک مٹی اور دوسری روح۔ مٹی سے اس کے اعضا، گوشت اور خون کو بنایا گیا۔ دوسرے جہ سے انسان میں دو قسم کے میلانات پائے جاتے ہیں۔ کھانے، پینے، پسینے، بہتر مٹی مشتمل ہے۔ اس مادے سے تخلیق کی وجہ سے انسان میں دو قسم کے میلانات پائے جاتے ہیں۔ کھانے، پینے، پسینے، بہتر طرز زندگی، مال و جاہ اور جنسی خواہشات کی تکمیل کا رجحان اور دوسری طرف فقر و غرور، تکبر، انتقام، قتل و ضرب اور ایذا رسانی کے منفی رجحانات بھی پائے جاتے ہیں۔

انسانی جسم میں روح اللہ تعالیٰ کا وہ راز ہے جو اسے اپنے پروردگار پر ایمان لانے، اس کی نعمتوں کا شکر بجالانے اور اس کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور اسے پروردگار کے احکامات کو بجالانے اور اعلیٰ اخلاقیات جیسے عدل و احسان، سچائی و امتداری، خیر خواہی، سخاوت و محبت و مودت اور اخوت کو اپنانے پر ابھارتا ہے۔ لہذا قرآنی مفہوم میں انسان مادی اور روحانی مجموعے کا نام ہے جو ایک طرف اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اعلیٰ اخلاقیات کو اپناتا ہے تو دوسری طرف حیوانی خواہشات اور جذبات کی طرف بھی میلان رکھتا ہے۔ قرآن کے اس نظریے سے ان یہودی خیالات و فطریات کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اخلاقی قوانین کا انسانی ذات سے کوئی تعلق نہیں یا کہتے ہیں کہ اخلاقیات کا تعلق انسان کی اقتصادی، اجتماعی اور مادی ترقی سے ہے اور انسانی فطرت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

✽ آدم علیہ السلام سے پہلے زمینی آبادکار: ماہرین ادبیات، کہہ ارض پر ملنے والی ہڈیوں، ہگو ہڈیوں اور مختلف ڈھانچوں پر تحقیقات کرنے کے بعد یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے پہلے بھی زمین پر انسان آباد تھے نیز ان آبادیوں کی تاریخ لاکھوں سال پرانی ہے۔ آئیے اس بارے میں قرآن مجید کی رہنمائی ملاحظہ کرتے ہیں۔ قرآن مجید حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کے انسان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۝۱﴾

”اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔“ (البقرة: 30/2)

یا ترقی پذیر، مدبر، مکر ہو یا مومن۔ دور جدید کی خلائی تغیر، سمندروں پر انسانی حکمرانی، ہواؤں پر تسلط، پہاڑوں کے سینے چاک کر کے معدنیات کا حصول، صحرائوں کی سیال دولت پر قبضہ، سمندر کی تہوں میں ضروریات انسانی تک رسائی اور جدید تہذیب و تمدن کے شاہکار مومن نے نہ صرف عظمت انسانی، اس کی عزت و شرف اور دیگر مخلوقات پر اس کے غلبے اور سطوت کے گواہ ہیں بلکہ مندرجہ بالا فرامین الہی کی سچائی کے منہ بولے ثبوت بھی ہیں۔

✽ تکبر کا انجام بد: آدم علیہ السلام کے اس عبرت انگیز قصے سے حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ غرور و تکبر کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ اہلسن کا ایک مقام تھا مگر جب وہ فرمان ربانی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کرتا ہے اور تکبر و غرور کی مختلف حیلہ بازیان کرتا ہے تو اسے قلع جرم کی پاداش میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لعین و مردود قرار پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی اور اس کے دائمی عذاب کا حقدار بن جاتا ہے۔ کیونکہ کبر و ہدافت ہے جو پروردگار عالم کے سوا کسی کو زیبا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عزت میرا بندہ ہے اور کبرائی میری چادر ہے۔ جو شخص ان دونوں سے کسی کو کھجھ سے چھینے گا میں اسے عذاب میں مبتلا کروں گا۔“ (صحیح مسلم، البر الوصلة: حدیث: 2629)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شیطان کے فقر و غرور کے اظہار پر اسے لعنتی قرار دیتے ہوئے اپنے مقدس دربار سے نکل جانے کا حکم دیا:

﴿فَاٰتٰی خٰطَمٌ مِّنْہَا فَاٰتٰیكَ جَبۡنَہٗ ۝۱۰ وَ اَنَّ عَلَیْكَ لَٰعِنَۃً اِلٰی یَّوۡمِ الدِّیۡنِ ۝۱۱﴾

”فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برے لگے)۔“ (الحجر: 34/15)

تکبر کی حقیقت واضح کرتے ہوئے محسن انسانیت فرماتے ہیں: ”تکبر حق کو بھلائے اور لوگوں کو حق پر دلیل سمجھنے کا نام ہے۔“

(صحیح مسلم، الایمان: حدیث: 91)

تکبر کا ناپائیدار شمع جرم ہے جس کا انجام جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ”کیا میں تمہیں جہنمیوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہر اکھڑ مزاج حرام خورد و نوش، غرور و تکبر کرنے والا جہنمی ہے۔“ (صحیح البخاری، التفسیر: حدیث: 4918)

تکبر کے برعکس مجر و انکسار اپنانے والا اللہ کے ہاں بلند مرتبہ کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ تکبر سے بچانے اور تواضع اختیار کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔ تکبر کے مظاہر میں سے ایک چادر یا شلوار وغیرہ کو گھٹیت کر چلنا بھی ہے۔ یہ کتنا فحش جرم ہے، اس کی نوعیت رسول مقبول ﷺ کے اس فرمان سے بآسانی معلوم کی جاسکتی ہے:

”اس اثنا میں کہ ایک شخص اپنا ازار (چادر) گھٹیتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، اور وہ

تاقیامت زمین میں دھنسا چلا جائے گا۔“ (صحیح البخاری، اللباس: حدیث: 5790)

بھل کھایا تو جنت بریں کی تمام نعمتیں فوراً چھین لی گئیں۔ مکار دشمن اپنی چال میں کامیاب ہو گیا اور آدم علیہ السلام شرمندہ و تادم ہوئے۔ ان کی توبہ قبول ہوئی تاہم جنت سے نکال کر زمین پر بسا دیے گئے۔

❖ شیطانی تعلیمات: آدم علیہ السلام کے مبارک قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسان کا ازل سے کھلا دشمن ہے جو اب تک رہے گا۔ انسان کو گمراہ کر کے جہنم رسید کر اس کا اولین مقصد ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ یہ کین جھکنڈوں اور چالوں سے انسان کو بر باد کرتا ہے اور اس کی وہ کوئی مہلک تعلیمات ہیں جو دنیا اور آخرت میں انسان کی رسوائی کا باعث بنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے شر اور فتنے سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰۤاٰدَمُ لَا يَفْتِنَنَّكَ الشَّيْطٰنُ ۚ كَمَا اَخْرَجَ الْاَوَّلٰىكَ مِنْ الْجَنَّةِ ۚ

”اے اولاد آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر کر دیا۔“ (الأعراف: 27/7)

شیطان انسان کو ہر برے کام، بے حیائی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکساتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اَكْبَرَ مَا يُكْرَهُ اِلَالَهٗ وَ الْفَحْشَاۗءُ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلٰى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۰﴾

”وہ تمہیں صرف برائی، بے حیائی اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔“ (البقرة: 169/2)

قتل و غارت، فسادات، نفرت و عداوت، بغض و حسد کا حکم دینا اور اتفاق و اتحاد کو ختم کر کے انتشار و افتراق پھیلانا شیطان کا محبوب مشغلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اسی خصلت سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ وَاِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝۱۱﴾

”بلاشبہ شیطان آپس میں فساد ڈالو اتا ہے، جسے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔“ (بنی اسرائیل: 53/17)

وہ انسان کو صدقہ و خیرات، احسان، بھلائی، نیکی کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے کہ اس سے مال کم ہو جائے گا۔ اس طرح انسان کو بخل، کجی اور ظلم و ستم کی تعلیم دیتا ہے کہ اس سے مال بڑھتا ہے:

﴿اَلشَّيْطٰنُ يُعِدُّ لَكُمْ الْفَقْرَ ۚ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۝۱۲﴾

”شیطان تمہیں فقیروں سے دھمکتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔“ (البقرة: 268/2)

وہ شراب، جو اے اور قبر پرستی سے لوگوں کے عقائد کو اعمال میں بگاڑ پیدا کرتا ہے، ان میں باہمی نفرت کو فروغ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روک دیتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۚ وَ اَلَا لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۳﴾

لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُوْنَ ۝۱۴﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۚ وَ اَلَا لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۵﴾ وَ اَلَا لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۶﴾

خلیفۃ اللہ کے بارے میں مفسرین کرام کی دو آراء ہیں۔ ایک رائے کے مطابق آدم علیہ السلام اپنے سے پہلے انسان کا خلیفہ ہیں۔ ان انسانوں نے زمین میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور فسادات کیے تو یہ لوگ بالآخر مرمت گئے۔ فرشتوں نے خلیفہ سے اسی مخلوق کا جانشین سمجھا۔ لہذا انہوں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ خلیفہ بھی اپنے پیش رو کی طرح زمین میں قتل و غارت گری اور فساد کرے گا۔ اس لیے انہوں نے عرض کیا:

﴿اَتَجْعَلُ فِیْہَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ﴾

”کیا میں فیض کو پیدا کرے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔“ (البقرة: 30/2)

جبکہ دوسری رائے میں انسان اللہ کا خلیفہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اختیارات کو اس کے احکامات کے مطابق استعمال کرتا ہے تاکہ دنیا میں امن و سکون پیدا ہو۔ مذکورہ دلائل سے یہ واضح ہوا کہ جو بات سامعندان آج ثابت کر رہے ہیں، قرآن مجید نے سو اچودہ سو سال قبل ہی وہ عقدہ چل کر دیا تھا۔ سبحان اللہ!!

❖ شیطان انسان کا جانی دشمن: آدم علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان، انسان کا ازل سے کھلا اور جانی دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عظمت و رفعت عطا فرمائی تو یہی جس کی آگ میں جل اٹھا۔ پھر جب آدم علیہ السلام کو سجود نہ کرنے کی وجہ سے مردود العتبیٰ اور جہنمی قرار پایا تو اس نے تا قیامت مہلت طلب کر لی تاکہ آدم علیہ السلام کی اولاد کو گمراہ کر کے جہنم رسید کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اسی دشمنی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا حُطٰیۃَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۷﴾

”اور شیطان راہ پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“ (البقرة: 168/2)

انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی ہے۔ یہ دونوں صفات انسان سے اعلیٰ اخلاق، عیسے: عدل و انصاف، خیر خواہی، بھلائی، سخاوت، دیانت و محبت و ایثار اور نرم روئی کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ انسان کا ازل سے دشمن اسے برائی، بے حیائی، بخل، کجی، غرور، تکبر، جھوٹ، لالچ، ہوس، کینہ اور حسد جیسے برے اخلاق اپنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ حق اور باطل، خیر اور شر، نیکی اور بدی کی اسی جنگ میں انسان کی آزمائش، امتلا اور امتحان ہے۔ اگر خیر کو اپناتا ہے تو جنت اس کا مقدر ہے۔ اور اگر شیطانی کمر فریب کا شکار ہوتا ہے تو اس کا ٹھکانا شیطان کے ساتھ جہنم کی گہرائیاں ہوں گی۔ اعاذنا اللہ منها۔

❖ جنت الفردوس سے دیس نکالا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اپنی روح ان میں پھونکی، فرشتوں سے عہدہ کروا کے ان کی انضیلت و برتری کا اظہار فرمایا، پھر انہیں رہنے کے لیے جنت الفردوس کا رہائشی بنایا اور ساتھ ہی بطور آزمائش صرف ایک درخت سے منع کر کے ساری جنت کا مالک بنا دیا۔ حسدی آگ میں جلنے ہوئے شیطان کو یہ ساری بخشش کا نئے کی طرح چھہری تھیں، لہذا اس نے آدم علیہ السلام کو خیر خواہ بن کر انہیں پرودگار کے حکم سے گمراہ کر دیا۔ انہوں نے ممنوع

﴿وَأَنَا مِمَّا الصَّالِحِينَ وَمِمَّا دُونَ ذَلِكَ كُنَّا طَائِفًا قَدْ دَا﴾

”اور یہ کہ (بے شک) بعض تو ہم میں نیکوکار ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی ہیں۔ ہم مختلف طریقوں سے بے ہوئے تھے۔“ (الحج: 11/72)

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنَا مِمَّا السَّابِقِينَ وَمِمَّا الْفَاطِنُونَ فَكُنَّا سَلَمًا فَأُولَئِكَ تَحَرَّوْا زَحَدًا ۖ وَأَنَا الْفَاطِنُونَ فَكُنَّا لِيُحْتَمِلَهُمْ حَقَابًا﴾

”ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں۔ پس جو فرمان بردار ہو گئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا، اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایجنٹ بن گئے۔“ (الحج: 14/72)

انسانیت کا پہلا قائل: حدود و قیاس اور شیخ گناہ ہے جس کے ذریعے سے آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی پہلی نافرمانی کی گئی۔ ابلیس نے حسد کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کے مقام عز و شرف کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور حکم الہی کو پس پشت ڈالتے ہوئے آدم علیہ السلام کو حسد کرنے سے انکار کر دیا جس کی جزا میں وہ اور اس کی پیروی کرنے والے عذاب الہی کے تحت شہر ہے۔ حسد ہی وہ جرم تھا جس کے ذریعے سے زمین میں اللہ تعالیٰ کی پہلی نافرمانی کی گئی یعنی بائبل کا قتل۔

بائبل آدم علیہ السلام کی اولاد میں ایک نیک فطرت، خیر اور بھلائی سے محبت کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا مطیع اور اس کے احکامات بجالانے والا اور اس کی راہ میں عمدہ اور طیب مال خرچ کرنے والا فرد تھا۔ جبکہ دوسری طرف کا قائل تھا جو کجیوں، بخل، شیطانی راہ پر چلنے والا اور مال کی محبت میں گرفتار شخص تھا۔ دونوں نے اللہ کی رضا کے لیے قربانی کی۔ بائبل نے عمدہ مال قربان کیا جبکہ قائل نے انتہائی گھٹیا مال قربانی میں پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ اور عمدہ مال قبول کرتا ہے لہذا بائبل کی قربانی قبول ہو گئی اور قائل کی مسترد۔

قائل کو بھائی کی یہ قدر و منزلت پسند نہ آئی اور اس نے حسد میں آکر بھائی کو قتل کر دیا۔ اس طرح کہ ارض پر پہلا قتل واقع ہوا جو حسد کا نتیجہ تھا اور قائل انسانیت کا پہلا قائل بنا اور تباہ قیامت بے گناہ قتل ہونے والوں کے گناہ میں برابر کا شریک ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسد سے ہمیشہ بچنا چاہیے کیونکہ بے سر ہشتم گناہ ہے۔!!!

توبہ قرب الہی کے حصول کا اہم ذریعہ: جب سے شیطان نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا ہے، اس وقت سے نیکی اور بدی، خیر اور شر، بھلائی اور برائی کے درمیان کشمکش جاری ہے۔ شیطان اپنے لاؤ الفکر کے ساتھ رات دن بنی آدم کو گمراہ کرنے، انہیں اپنے رب کا نافرمان بنانے، برائی میں ملوث کرنے، نیکی سے دور اور بدی میں مبتلا کرنے کے لیے سرگرم ہے۔ آدم علیہ السلام کے قصے سے بنی آدم کو ان مشکلات کا حل میسر آتا ہے، ان کے جانی دشمن کے کارگروار سے صحت یاب ہونے کا انمول نسخہ انہیں ملتا ہے۔ شیطان کی چند لمبے کی خوشی کے بعد اسے ذلیل و خوار کرنے کا

عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۚ

”اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوار اور حقان وغیرہ اور پانے کے تیرے سب گندی باتیں ہیں، شیطانی کام ہیں“ اس سے بالکل الگ تھلک ربو تا کہ تم کفار حجاب ہو اور شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو اب بھی باز آ جاؤ۔“ (المائدہ: 91/5)

شیطان انسان کو لباس سے محرم کر کے بے شری اور بے حیائی کو فروغ دیتا ہے۔ آج دنیا میں شہوت پرستی کا جو سیلاب آیا ہوا ہے اور انسانیت جس شرمندگی سے دوچار ہے وہ شیطانی چال کے انتہائی کامیاب ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿يَبْقَىٰ وَجْهٌ لَّهُمْ فِي النَّارِ كَمَا أَخْرَجَ آبَاؤَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يُنْفَعُ عَنْهُمْ إِلَّا يُسَاءِلُهَا لِيرِيهَا سَاوِيهَا ۚ إِنَّكَ بِرَيْبِكَ هُمْ وَفَقِيلَهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوُهُمْ﴾

”اے اولاد آدم! شیطان تم کو خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے باپ مال کو جنت سے باہر کر دیا“ ان کا لباس بھی اترا دیا تاکہ وہ ان کو ان کی شرم کاہن دکھائے اور وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے ہو۔“ (الاعراف: 27/7)

ابلیس! ابوالعافطین: ابلیس تمام شیطانوں کا باپ ہے۔ ابلیس جنوں میں سے تھا، اپنی سرکشی، تکبر اور حسد کی وجہ سے اس کی الگ پہچان بنی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ابْلَيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾

”سوائے ابلیس کے، یہ جنوں میں سے تھا اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔“ (الکہف: 50/18)

جن ذی عقل مخلوق ہیں۔ انسانوں کی طرح جن بھی شریعت کے پابند ہیں۔ چونکہ یہ آگ سے پیدا کئے گئے ہیں اور ان کے ہادی جنہم نہیں ہیں اس لیے ہم انہیں دیکھیں سکتے جبکہ وہ ہمیں دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّكَ يَرُوكَ هُمُ وَفَقِيلَهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوُهُمْ﴾

”وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔“ (الاعراف: 27/7)

جنوں کی تحقیق کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْجَانَّ خَلْقَهُ مِنْ قَبْلِ مِنْ كَاوُ السُّمُورِ﴾

”اور اس سے پہلے جنت کو ہم نے لوہائی آگ سے پیدا کیا۔“ (الحجر: 27/15)

جنوں میں بھی نیک و بد ہیں۔ نیک جن شریعت کے پابند اور نیک کاموں میں مشغول رہتے ہیں جیسا کہ جنوں کی زبانی ارشاد فرمائی ہے:

مضبوط ترین ہتھیار نصیب ہوتا ہے۔ وہ علاج اور ہتھیار وہی ہے جو ان کے والد محترم حضرت آدم علیہ السلام نے اختیار کیا تھا اور وہ ہے توبہ و استغفار۔

جس طرح آدم و حواء علیہ السلام شیطانی مکر کا شکار ہوئے، اسی طرح ان کی اولاد بھی شیطان کے فریب میں آ سکتی ہے۔ لہذا انہیں بھی اپنے اس مرض کا علاج اس طرح کرنا چاہیے جس طرح ان کے والدین نے کیا تھا۔ وہ روتے ہوئے اور گڑگڑاتے ہوئے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾

”اے ہمارے رب! ہم نے اپنا برا نقصان کیا، اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم

نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“ (الأعراف: 23/7)

لہذا اے مسلم! اگر شیطان کا وارچھہ پر کامیاب ہو جائے، تو اپنے رب کی نارغمانی کر بیٹھے اور انعام ربانی سے محروم ہو جائے تو تیرے لیے قرب الہی کے حصول، گناہوں کی بخشش، رب کی رضا اور انعامات کے حصول کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ تو اپنی زندگی میں کسی بھی وقت اس دروازے سے داخل ہو کر اپنی سیاہ کاریوں کو نیکیوں میں تبدیل کر سکتا ہے۔



حضرت ادریس علیہ السلام

نام و نسب جائے پیدائش اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حضرت ادریس علیہ السلام مصر کے شہر ”منفیس“ یعنی ”منف“ میں پیدا ہوئے۔ لوگ انہیں ”ہزس الہرامہ“ کہتے تھے۔ یہ سریانی زبان کا ایک لفظ ہے۔ ہرمس کا معنی ہے ”تجربہ کار مضبوط رائے والا“، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ کا باہل شہر میں پیدا ہوئے پھر ہجرت کر کے مصر پہنچے۔

علم انساب کے اکثر علماء کے مطابق حضرت ادریس علیہ السلام نبی علیہ السلام کے سلسلہ نسب میں شامل ہیں۔ آدم اور شیت علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے انہیں نبوت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں دو مقام پر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَسْمِعْهُمْ وَأَدْبَسْهُمُ فِي الْأُكُلِ كُلٍّ مِنَ الطَّيِّبِينَ ۝ وَأَدْعُهُمْ فِي صَحْنِنَا ۝ إِنَّهُمْ مِنَ الطَّيِّبِينَ ۝﴾

”اور (اے نبی) اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کا ذکر کیجیے۔ یہ سب صابر لوگ تھے۔ ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل

فرمایا یا شاہد یہ نیک لوگ تھے۔“ (الانبیاء: 86، 85/21)

دورانِ معراج نبی ﷺ اور ادریس علیہ السلام کی ملاقات

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الیاس اور ادریس علیہ السلام ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔^① اس کی تائید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی معراج کی حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مذکور ہے کہ جب نبی ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ ﷺ کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”نیک بھائی اور نیک نبی کو خوش آمدید۔“ جبکہ حضرت آدم اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ”نیک نبی اور نیک بیٹے کو خوش آمدید۔“^② اگر ادریس علیہ السلام آپ کے اجداد میں سے ہوتے تو وہ ان دونوں کی طرح آپ کو (بیٹا) کہتے۔

لیکن یہ استدلال ایسا نہیں، جس کا جواب نہ دیا جاسکے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ راور کو الفاظ اچھی طرح یاد نہ رہے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کس نفی کرتے ہوئے خود کو باپ کی بجائے بھائی کہا ہو۔ آدم علیہ السلام کو تمام انسانوں کے باپ ہیں اس لیے ان کا نبی ﷺ کو بیٹا کہنا ہی مناسب تھا اور ابراہیم علیہ السلام کے شلیل ہیں، جو اولو العزم پیغمبروں میں نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان سب حضرات پر درود و سلام نازل ہو۔

قلم کے موجد

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام ہی نے سب سے پہلے قلم سے لکھا۔ ان کی پیدائش کے وقت حضرت آدم علیہ السلام زندہ تھے اور آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی عمر تین سو اٹھ سال تھی۔^③



اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت یوں فرمایا:

﴿وَاذْكُرْنِي الْكَلْبَ إِدْرِيسَ إِنَّكَ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۖ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝﴾

”اس مقدس کتاب (قرآن مجید) میں ادریس کا ذکر کیجیے۔ بلاشبہ وہ بھی نہایت سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا۔“ (مریم: 57, 56/19)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے انہیں نبی اور راست باقرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ ”اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا“، کی وضاحت صحیحین میں مذکور معراج کی احادیث سے ہوتی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ چوتھے آسمان پر ان سے رسول اللہ ﷺ کی ملاقات ہوئی تھی۔^①

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہلال بن یساف سے بیان کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے میری موجودگی میں کعب احبار سے فرمایا: ادریس علیہ السلام کے بارے میں اللہ کے اس فرمان: ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ کا کیا مطلب ہے؟ ”اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا۔“

کعب نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی: ”میں آپ کے اعمال میں روزانہ تمام نبی آدم کے اعمال کے برابر اضافہ کروں گا۔“

اس سے ظاہر ان کے زمانے کے تمام انسانوں کے اعمال کے برابر ثواب مراد ہے۔ ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ان کی نیکیوں میں بہت اضافہ ہو جائے۔ ان کے پاس ان کا ایک دوست فرشتہ آیا۔ انہوں نے اس سے کہا: ”میرے بارے میں موت کے فرشتے سے بات کیجیے تاکہ مجھے زیادہ مہلت ملے اور“ میں زیادہ نیکیاں کر سکوں۔“ فرشتے نے انہیں اپنے پروں میں چھپایا اور انہیں لے کر آسمان پر چلا گیا۔ چوتھے آسمان پر اسے ملک الموت اوپر سے آتے ہوئے ملے۔ اس نے ملک الموت سے اس معاملہ میں بات کی جو ادریس علیہ السلام نے کئی تھی۔ ملک الموت نے فرمایا: ”ادریس علیہ السلام ہیں کہاں؟“ اس نے کہا: ”وہ میری پیٹھ پر ہیں۔“ ملک الموت نے کہا: ”تجربہ! مجھے بھیجا گیا تھا اور حکم ہوا تھا: ”ادریس علیہ السلام کی روح چوتھے آسمان پر قبض کرو۔“ میں (دل میں) کہہ رہا تھا: ”وہ تو زمین پر ہیں، میں ان کی روح چوتھے آسمان پر کیسے قبض کروں؟“ چنانچہ انہوں نے وہاں ان کی روح قبض کی۔ اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے: ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ ”ہم نے اسے ایک بلند مقام پر اٹھایا۔“^②

① صحیح البخاری: الصلاة باب کیف فرضت الصلوة فی الإسراء: حدیث: 349 و صحیح مسلم: الإيمان باب الإسراء

برسول اللہ ﷺ الخ: حدیث: 164

② تفسیر الطبری: 121/9 تفسیر سورة مریم: آیت: 56

① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء باب ذکیر ادریس علیہ السلام الخ: قبل حدیث: 3342

② صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء باب ذکیر ادریس علیہ السلام الخ: حدیث: 3342

③ البداية والنهاية: 92/1

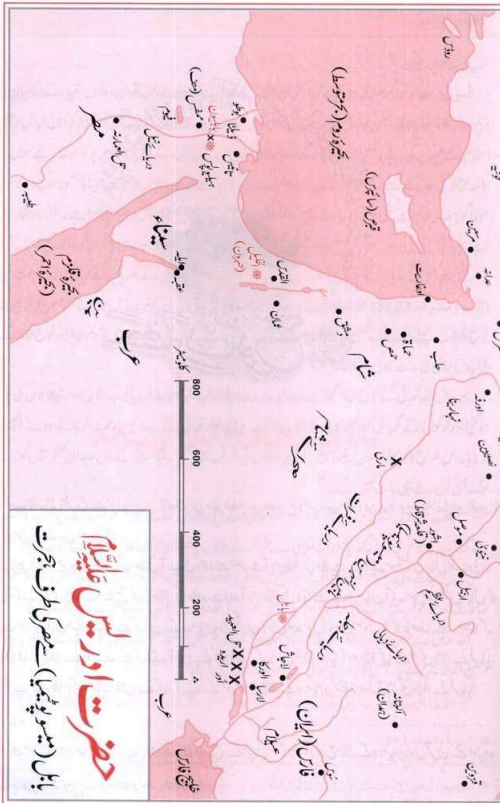


نام و نسب پیدائش اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے: [نوح بن لامح بن متوشلح بن خنوخ (ادریس علیہ السلام) بن یرد بن مہلایل بن قینن بن انوش بن شیت بن آدم علیہ السلام]

ابن جریر ڈاٹ نیٹ وغیرہ کے قول کے مطابق آپ کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات سے ایک سو چھتیس سال بعد ہوئی۔ اہل کتاب کی تاریخ کے مطابق نوح علیہ السلام کی ولادت اور آدم علیہ السلام کی وفات کے درمیان ایک سو چھیالیس سال کا فاصلہ ہے اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ ان کے درمیان دس قرن (دس صدیوں یا دس نسلوں) کا فاصلہ ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! آپ سے کلام کیا گیا۔“ اس نے کہا: آپ کے اور نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”دس قرن۔“ ❶

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: انہوں نے فرمایا: ”آدم اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن تھے اور وہ



أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٦٠﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي صَلِيلٍ مُّسْمِينٍ ﴿٦١﴾ قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ فِي صَلَاتِهِ وَلاَ كَيْفِي رَسُولٍ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٢﴾ أَلَيْسَ لَكُمْ رَسُولٌ أَرْسَلْتُ إِلَيْكُمْ يُرْسِلُكُمْ رَبِّي فَأُصْخِرْ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا أَتَعْلَمُونَ ﴿٦٣﴾ أَوْ عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِمَّنْكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلِتَعْلَمَ أَنَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٤﴾ فَكَذَّبُوهُ فَانْتَبِهْ وَالتَّائِبِينَ مَعَهُ فِي الْغَالِبِ وَاعْرِفْ أَنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أَهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَادِينَ ﴿٦٥﴾

”ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ تو انہوں نے (اُن سے) کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا (بہت ہی) ڈر ہے۔ تو جو ان کی قوم کے سردار تھے، وہ کہنے لگے کہ تم ہمیں صریح گمراہی میں (جدا) دیکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا: اے قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔ تمہیں اپنے پروردگار کے پیکارات پہنچانا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھ کو اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تم پر ہمیز کار بخواتم کفر پر دم کیا جائے۔ مگر ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے نوح کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، ان کو تو پہنچایا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں خرق کر دیا۔ کچھ شک نہیں کہ وہ اندھے لوگ تھے۔“ (الأعراف: 59-64)

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو دعوت حق دی تو انہوں نے اس کچی دعوت کو جھٹلایا۔ اس پر آپ نے قوم کو دلائل کی روشنی میں دعوت نور و فہم دی جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس میں یوں فرمایا:

﴿وَأَنذَرْتَهُمْ نَارًا تُبْدِي لَهُمْ إِذَا قَامُوا إِلَيْهِمْ يَوْمَهُ يُقِيمُونَ إِنْ كَانُوا لَكُمْ بِعَذَابٍ مِّمَّا تَتَدَوَّرُونَ بِطَايَاتٍ إِنَّهُ حَقَّقَ اللَّهُ قَوْلَهُ تَوَكَّلْ فَإِن مَّ لَكُم مِّن مَّشْرَكٍ مَّا أَصْرَكُمْ لَعَنَ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِهِ إِنَّهُ يُدْخِلُكُمْ فِي النَّارِ وَلََّا تَخْرُجُونَ ﴿٦٦﴾ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُمْهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِنَّ جَزَاءَ الَّذِينَ عَلَى اللَّهِ وَأُوتُوا أَن كُونُوا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٦٧﴾ فَكَذَّبُوهُ فَتَبَيَّنْهُمْ مَعَهُ فِي الْغَالِبِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلِيفَةً وَأَعْرِفْنَا أَنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أَنَّا نَفْظُ كَيْفَ كَانُ عَاقِبَةُ الْمُتَذَكِّرِينَ ﴿٦٨﴾﴾

”اور (اُسے نبی) ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنادو۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! اگر تمہیں میرا تمہارے ہاں رہنا اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں تو اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) مقرر کرو اور وہ تمہاری تمام جماعت (کو معلوم ہو جائے اور کسی) سے پوشیدہ نہ رہے، پھر وہ کام میرے حق میں گزر دو اور مجھے مہلت نہ دو۔ اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم

سب اسلام پر تھے۔“ ﴿٦٩﴾

قرنی سے مراد اگر صدی ہو، جیسے کہ اکثر حضرات کے کلام سے ظاہر ہے، تب تو ان دونوں انبیاء کے درمیان یقیناً ایک ہزار سال کا فاصلہ ہوگا۔ لیکن کہا جاسکتا ہے کہ اس میں اس سے زیادہ مدت کی نفی نہیں۔ لیکن ان کا ذکر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل اسلام کے طو پر کیا ہے۔ ممکن ہے ان کے بعد اور کئی صدیاں ہوں جن کے افراد اسلام پر قائم نہ رہے ہوں۔ البتہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف دس قرون تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”وہ سب اسلام پر تھے۔“ اور اگر (قرن) سے نسل مراد لی جائے، جیسے متعدد آیات میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِن بَعْدِ نُوحٍ﴾ اور ہم نے نوح کے بعد بہت سی امتوں کو ہلاک کر ڈالا۔“ (الإسراء: 17/17) اور مزید فرمادیا ہے: ﴿ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ﴾ ”پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی۔“ (المؤمنون: 31/23) اور ارشاد نبوی: ﴿خَيْرُ الْمَشْرُوقِ قُرْنِي﴾ ”بہترین نسل میرے ہم عصر افراد ہیں۔“ ﴿٦٩﴾ اور نوح علیہ السلام سے پہلے ایک ایک نسل کے لوگ صدیوں تک زندہ رہتے تھے۔ اس صورت میں آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان ہزاروں سال کی مدت ہوگی۔ (واللہ اعلم)

بہر حال اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو اس وقت نبوت سے سرفراز فرما کر مبعوث فرمایا جب بتوں اور شیطانوں کی پوجا شروع ہو گئی اور لوگوں نے گمراہی اور کفر کا راستہ اختیار کر لیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر رحمت فرماتے ہوئے انہیں مبعوث فرمایا۔ اس طرح وہ پہلے رسول تھے جنہیں زمین والوں کی طرف بھیجا۔ قیامت کے دن میدان محشر میں کھڑے ہوئے لوگ بھی ان سے یہی بات کہیں گے۔ ﴿٧٠﴾

﴿٧١﴾ مختلف سورتوں میں نوح علیہ السلام کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں متعدد مقامات پر آپ کا قصہ بیان کیا ہے کہ آپ کی قوم نے کیا کچھ کیا اور اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں پر طوفان کا کیا عذاب بھیجا۔ پھر آپ کو اور کشتی والوں کو کس طرح نجات دی۔ مثلاً: سورہ اعراف، سورہ یونس، سورہ ہود، سورہ انعام، سورہ مومنون، سورہ شعراء، سورہ عبس، سورہ صافات اور سورہ قمر میں آپ کا ذکر فرمایا اور ایک مکمل سورت (سورہ نوح) آپ کے نام سے نازل فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو پیغام ربانی دے کر ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا تو آپ نے قوم کو یہ پیغام بڑے احسن انداز میں پہنچایا۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں فرمایا:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي إِنِّي

① البداية والنهاية: 41: 94

② صحيح البخاري 'الشهادات' باب لا يشهد على شهادة جور إذا شهد: حديث: 2652

③ صحيح البخاري 'أحاديث الأنبياء' باب قول الله عز وجل 'ولقد أرسلنا نوحا إلى قومه'.....: حديث: 3340

وَتَأْذَى نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يُبَيِّنُكَ اُذْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۚ قَالَ سَأُوتَىٰ اِلٰى جَبَلٍ يَخَصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِذَا مِنْ جَحْمٍ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ۚ وَقِيلَ يَا اَرْضُ اْبْلُغِي مَاءَكَ وَارْجِعِي اِلٰى غِيصِ الْمَاءِ وَارْجِعِي اِلَى الْوَمْرِ ۚ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ۚ وَتَأْذَى نُوحٌ لِّبَنِهِ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِي مِنْ اَخْلَی ۚ وَرَاكَ الْخَلْقُ ۚ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَكَمِیْنَ ۚ قَالَ يُنُوحُ اِنَّكَ لَكَيْسٌ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّكَ عَمِلْتَ عِزًّا صَالِحٌ ۚ فَقَالَ تَسْتَكْبِرُ مَا لَكِیْسٌ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنِّیْ اَعْطَلْتُ اَنْ تَكُوْنُ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ ۚ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْأَلَكَ مَا لَیْسَ بِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۚ وَارَاكَ تَغْفِرُ لِيْ وَتَرْحَمُنِیْ اَكُنْ مِنْ الْخَاشِعِیْنَ ۚ وَقِيلَ يُنُوحُ اَهْبِطْ بِسَلَامٍ ۚ وَبِرَكَّتْ عَلَیْكَ وَعَلَىٰ اَمْرٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۚ وَامْرُؤٌ سَوِيْطُهُمْ ثُمَّ يَمْسُكُهُمْ فَمَا عَذَابُ اَلِیْمٍ ۚ تِلْكَ مِنْ اَنْبِیَآءِ الْغَیْبِ نُوْحٌ ۚ اِلَیْكَ مَا كُنْتُ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۚ فَاصْبِرْ ۚ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۚ ﴿۷۲﴾

”اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (تو انہوں نے ان سے کہا) کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈرسانے (اور پیغام پہنچانے) آیا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمہاری نسبت دردناک عذاب کے دن کا خوف ہے۔ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ ہم تم کو اپنے جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیروکار وہی لوگ ہوئے جو ہم میں ادنیٰ درجے کے اور موٹی قتل والے ہیں اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ ہو گئی ہے تو کیا ہم اس کے لیے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔ اور اسے قوم! میں اس (صحیح) کے بدلے تم سے مال و زر کا خواہاں نہیں ہوں، میرا اصل تو اللہ کے ذمے ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو نکالنے والا بھی نہیں ہوں وہ تو اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو۔ اور برادران ملت! اگر میں ان کو نکال دوں تو (عذاب) آہنی سے (پجانے کے لیے) (کون) میری مدد کر سکتا ہے؟ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟ اور میں تم سے یہ نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے فرمانے ہیں اور نہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں کی نسبت جن کو تم تجارت کی نظر سے دیکھتے ہو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ان کو بھلائی (یعنی اعمال کی جزا سے نیک) نہیں دے گا جو ان کے دلوں میں ہے اسے اللہ خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کہوں تو بے انصافوں میں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نوح! تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا، لیکن اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر لانا نازل کرو۔ نوح نے کہا

جانتے ہو کہ میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا۔ میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرما کر باروداروں میں رہوں۔ لیکن ان لوگوں نے تجھ کی بات کو ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے میں سوار تھے، سب کو (طوفان سے) چھاپا اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بنا دیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو غرق کر دیا سو دیکھ لو کہ جو لوگ ڈراتے تھے ان کے ساتھ ساتھ گمراہ قوم نے عجیب و غریب دلائل سے غاب آنے کی سعی حاصل کی۔ نوح! یہ دیکھنے والے ان کے ان باطل استدلال کا نہایت ثانی جواب دیا۔ جیسا کہ سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖ اِذۡیٰی لَکُمۡ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ اَنْ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْۤ اِتٰی اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۚ فَقَالَ الْمَلٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا تَزِکُّ لَکَ اِلَّا بَشَرًا مِّمَّنْ کُنَّا لَکَ وَاٰتِیَکَ اَتَّحٰکَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمۡ اٰرِدُنَا لِنَاۤیِۤ اِلَیْہِ الرَّآۤیِۤۃِ وَمَا تَزِکُّیۡ لَکُمۡ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلِ ۚ بَلْ تُظَکِّرُکُمۡ لَیۡتِیۡنَ ۚ قَالَ یَقُوْمُ اَرَءَیۡتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَبِّیۡ وَاٰتِیۡیَ رَحْمَةً مِّنْ عِنۡدِہٖ فَعِیۡدَتُ عَلَیْکُمۡ اَنْتُمْ اَنْتُمْ مَّکْبُوْہَا وَاَنْتُمْ لَہَا کٰرِہُوْنَ ۚ وَیَقُوْمُ لَا اَسْأَلُکُمۡ عَلَیْہَا مَآءَ اِنْ اٰجَیۡزِیۡ اِلَیَّ عَلَی اللّٰہِ وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوْا اِنَّہُمْ مُّغْلَقُوْا رِجْہِمۡ وَلَکِنِّیۡۤ اَرْسَلُکُمۡ قَوْمًا تَجْہَلُوْنَ ۚ وَیَقُوْمُ مِّنْ یُّضْرِیۡ مِنْ اللّٰہِ اِنْ طَرَدْتُمۡہُمْ اَفَلَا تَدْرَکُوْنَ ۚ وَلَا اَقُوْلُ لَکُمۡ عِنۡدِیۡ خَازِنٌ مِّنَ اللّٰہِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیۡبَ وَلَا اَقُوْلُ اِنِّیۡ مَلٰٓئِکَ وَلَا اَقُوْلُ لَیۡدِیۡنَ تَرَدَّدٰیۤ اَعِیۡنُکُمۡ لَیۡنَ یُؤْتِیَہُمُ اللّٰہُ خَبِیْرًا ۚ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا فِیۡ اَفْہِیۡہِمۡ ۚ اِنِّیۡ اِذَا لَیۡسَ الظّٰلِمِیۡنَ ۚ قَالُوْا یُنُوْحُ قَدْ جَدَلْتَنَا فَاَلْکَثَرُ جَدَلْنَا اِنَّا قَانِیۡنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ۚ قَالَ اِنَّمَا یَاۤتِیۡہِمۡ بِہِ اللّٰہُ اِنْ شَآءَ ۚ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیۡنَ ۚ وَلَا یَنْفَعُکُمۡ ضُحٰیۡہِۤ اِنْ اَرَدْتُ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمۡ اِنْ کَانَ اللّٰہُ یُؤِیۡدُ اَنْ یُّغَیۡبَہُمۡ ۚ ہُوَ رَجَمَکُمْ ۚ اِلَیۡہِۤ اَلِیۡہِۤ تَرْجَعُوْنَ ۚ اَمْ یَقُوْلُوْنَ اَفَرَأٰیۡہُمۡ قُلُۡۤ اِنْ اَفَرَأٰیۡہُمۡ عَلٰی اِجْرَآئِیۡ وَآنَا بِرِجْۡۃِیۡۤ اِمَّا عُجْمُۡہُمۡ ۚ وَآوَجِیۡ اِلٰی نُوحٍ اِنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنۡ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَتَّبِعِیۡسَ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۚ وَاصْنَعِ الْفُلَکَ بِاَعِیۡنِنَا وَوَحٰیۡنَا وَلَا تُخَاطِبُنِیۡ فِی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّہُمْ مَّغْفُرُوْنَ ۚ وَیَضَعُ الْفُلَکَ مَرۡۢ عَلَیْہِۤ مَلَاً مِّنۡ قَوْمِہٖ سَخِرُوْا مِنْہُۚ قَالَ اِنْ سَخِرُوْا مِنْہَا فَاَنَا سَخِرٌ مِنْکُمۡ لَکُمۡ تَسْخِرُوْنَ ۚ فَسَوِّیۡ تَعْلَمُوْنَ مَنۡ یَّأْتِیۡہُمۡ عَذَابٌ یَّخْزِیۡہِ وَیَحِلُّ عَلَیْہِ عَذَابٌ مُّبِیۡنٌ ۚ سَوِّیۡ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَاَلَ الْفُلُوۡرُ فَلَنَّاۤ اِجْمِلَ فِیۡہَا مَنۡ حَلَّ وَرَجَعِیۡنَا اِلَیۡہِۤ اَلَا مَنۡ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ ۚ وَمَنْ اٰمَنَ ۚ وَمَا اَمِنَ مَّعَہُۚ اِلَّا قَلِیْلٌ ۚ وَقَالَ اَرْکَبُوْا فِیۡہَا بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرَہَا وَمُرْسَہَا ۚ اِنِّیۡ رَافِعُ الْفُلُوۡدَ رَجِیۡمٌ ۚ وَہِیۡ تَجْرِیۡ بِہِمَّ فِیۡ مَوْجٍ کَآجِہَالٍ

اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ حکم ہوا کہ نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی ضمانتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ۔ اور کچھ اور جہانیتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) محظوظ کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے رہتے ہیں اور اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی۔) سو میرے کہہ کر انجام پر ہمیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔“ (ہود: 49-25)

اور سورہ انبیاء میں فرمایا:

﴿وَلَوْ اِذْ اَنَادُوا مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَاَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۚ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا سَوَآءًا فَاَعَزَّ قُلُوبُهُمْ جَمِيعًا ۝۱۱﴾

”اور نوح (کا قصہ بھی یاد کرو) جب (اس سے) بیشتر انہوں نے ہم کو پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں اور ان کے ساتھیوں کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے، ان پر نصرت بخشی۔ وہ بیشک برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔“ (الانبیاء: 77/21)

واللہ کے میدان میں شکست کھانے کے بعد نافرمان قوم نے آپ کو بھنوں اور پوانہ کہہ کر جھٹلایا تو نوح علیہ السلام نے دست دے دیا اور اڑ کر دیے۔ سورہ مومنوں میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ ۚ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۱ فَقَالَ الْمَلٰٓئِكَةُ الَّذِيْنَ نَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هَٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلٰیكُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَآ نَزَلَ مَلَٰئِكَةٌ مِّنَّا سَاعَةً يَهْدِيْهَا اِلَى الْبَابِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۲ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ يَّمُرُ بِكُمْ وَلَٰكِنَّكُمْ لَا تَمْلِكُوْنَ اَنْ تَعْبُدُوْهُ ۝۱۳ فَقَالَ رَبِّ اَنْصُرْنِيْ بِمَا كُنتُ بُوْنٌ ۝۱۴ فَاجٰۤءَتْهُ الْاَنْفَالُ يَٰعَبِيْدُنَا وَوَحِيْنًا ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَقَالَ الْقَوْمُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ الْاُنْثَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تَخَافُطِيْ فِى الْاَيِّمِْنَ قُلُوبُنَا ۝۱۵ اِنَّهُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝۱۶ كَذٰلِكَ اَسْتَوِيْۤىۡۤنَ اَنْتَ وَبَيْنَ مَعَكَ عَلَى الْفَالِكِ فَقَالَ الْاَصْحٰۤبُ يٰلَهُ الْاَيُّ نَجْدُنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّٰلِمِيْنَ ۝۱۷ وَقَالَ رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝۱۸ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاَنْ لَّا يَكُنَّا كَافِرِيْنَ ۝۱۹﴾

”اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اسے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم نے نہیں؟ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے: تو تم ہی جیسا آدمی ہے، تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو خوشتر آتا دیتا۔ ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی نہیں سنی تھی۔ اس آدمی کو تو دیوانگی (کا عارضہ) ہے لہذا اس کے بارے میں کچھ مت انتظار کرو۔ نوح نے کہا:

کہ اس کو تو اللہ ہی چاہے گا تو نازل کرے گا اور تم (اس کو کسی طرح) ہر انہیں سکتے۔ اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور اللہ ہی چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی، یہی تمہارا پروردگار ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر چاہنا ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے قرآن اپنے دل سے بنالیا ہے؟ آپ کہیں کہ اگر میں نے اس کو گھڑے یا تو میرے گناہ کا بدلہ لیجھ پر اور جو گناہ تم کرتے ہو اُس سے میں بری الذمہ ہوں۔ اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لائے (لاکچے) ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا تو جو کام یہ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ اور ایک کشتی تمہارے حکم سے ہمارے زور و ہوا بناؤ۔ اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیے جائیں گے۔ تو نوح نے کشتی بنائی شروع کر دی۔ اور جب ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے تو اُن سے تسخر کرتے۔ وہ (نوح) کہتے کہ اگر تم ہم سے تسخر کرتے ہو تو جس طرح تم ہم سے تسخر کرتے ہو اسی طرح (ایک وقت) ہم بھی تم سے تسخر کریں گے۔ سو تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اُسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے؟ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا کہ ہر قسم (کے جانداروں) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی) دو (ایک نر اور ایک مادہ) لے لو۔ اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اُس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو اُس کو کشتی میں سوار کرو اور ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے۔ (نوح نے) کہا کہ اللہ کا نام لے کر (کہ اس کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا (ہے) اس میں سوار ہو جاؤ، بیشک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ اُن کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگی (لہروں کی تھیں) گویا پڑا (تھے) اُس وقت نوح نے اپنے سینے کو جھکشی سے الگ تھا پکڑا کہ بنا، ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور جانداروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے کہا کہ مغرب پہاڑ کی طرف چلے چکوں گا جو کہ مجھے پانی سے بچالے گا۔ نوح نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر اللہ رحم کرے۔ اور اتنے میں دونوں کے درمیان لہر آجائل ہوئی سو وہ ڈوب کر رہ گیا۔ اور حکم دیا گیا کہ اسے زمین پر اپنا پانی نکل جا اور اسے آسمان قسم جا۔ تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جو دی پر جا بھری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت نازل ہو۔ اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے ہے (تو اُس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ناشائستہ افعال (والا) ہے تو جس چیز کی تم حقیقت معلوم نہیں، اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو۔ اور میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بنو۔ نوح نے کہا: پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی مجھے حقیقت معلوم نہیں اور اگر تو مجھے نہیں بخشنے گا

کر دیا۔ بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لائے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔“ (الشعراء: 122-105:2)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی فریاد قبول کر کے مومنوں کی نجات اور منکروں کی تباہی کا سامان کر دیا۔ سورۃ صافات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلْيَنْصَحْ الْمَعْشُورِينَ وَوَجَدْنَاهُ مِنْ الْكُذِبِ الْعَظِيمِ ۖ وَجَعَلْنَاهُ ذُرِّيَّتَهُ هُمْ الْبَاقِينَ ۖ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۖ سَلَّمَ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعِلْمِينَ ۖ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۖ إِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ ثُمَّ أَخَّرْنَا الْآخِرِينَ ۖ﴾

”اور ہم نوحؑ نے پکارا، سو (دیکھ لو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قول کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی اور ان کی اولاد کو ایسا کیا کہ وہی باقی رہ گئی اور پیچھے آنے والوں میں اُن کا ذکر (بمقامِ باقی) چھوڑ دیا۔ سلام ہے نوحؑ پر تمام دنیا والوں میں؛ کیونکہ وہ لوگ ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے پھر ہم نے دوسروں کو ڈوبوایا۔“ (الصافات: 82/75:37)

اور سورۃ عنکبوت میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ ۖ لَّا تَجِبُونَ عَنْمَا ۖ فَلَخَذَ هُمْ الظُّوْقَانَ وَهُمْ ظَالِمُونَ ۖ فَانْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً ۖ لِلْعَالَمِينَ ۖ﴾

”اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے پھر اُن کو طوفان (کے عذاب) نے آچکرا اور وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے نوحؑ کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو اہل عالم کے لیے نشانی بنا دیا۔“ (العنکبوت: 15, 14:29)

اور سورۃ قمر میں مزید فرمایا:

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ ۖ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا ۖ وَقَالُوا مَجْذُونٌ ۖ وَازْدَجَرُوا ۖ فَدَعَا رَبَّكَ إِلَىٰ مَلْعُونٍ ۖ فَنَنْصَرُ ۖ فَتَنَحَّيْنَا أَيْدِي السَّمَاءِ بِمَا هُمْ مُنْهَوُونَ ۖ وَفَجَعَلْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَبَسَ الْبَاءُ عَلَىٰ أُمِّهِ ۖ فَلَذِئْبَرٌ ۖ وَحَلَلْنَا عَلَىٰ ذَاتِ الْأَوْبَاقِ ۖ وَذُرِّيَّتُهُ يَبْعُثُهَا جَذَاءً ۖ لَيْسَ كَانَ لِقَوْمِ ۖ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً ۖ قَهْلٌ مِنْ مَّكَدٍ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عَدَابِي ۖ وَنُودُوا ۖ وَلَقَدْ يَسْرَنَ الْقُرْآنُ لِلَّذِي هُوَ قَهْلٌ مِنْ مَّكَدٍ ۖ﴾

”اُن سے پہلے نوحؑ کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ دیوانہ ہے اور انہیں دانتا جانتا بھی تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (باری تعالیٰ) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو

پروردگار انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر۔ پھر ہم نے اُن کی طرف دینی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بنادو پھر جب ہمارا حکم آپہنچے اور تمہارا جوش (ممانعت) جوش مارنے لگے تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی نر اور مادہ) دودو شیشی میں ڈھنسا دو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے اُن کے جن کی نسبت اُن میں سے (ہلک ہونے کا) حکم پہلے صادر ہو چکا ہے۔ اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا وہ ضرور ڈوب دے جائیں گے۔ اور جب تم اور تمہارے ساتھی شیشی میں بیٹھ جاؤ تو (اللہ کا شکر ادا کرنا اور) کہنا کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات بخشی اور (یہ بھی) ذکر کیا کہ اسے پروردگار! ہم کو مبارک جگہ اتارنا تو تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ بے شک اس (قسم) میں نشانیاں ہیں اور ہمیں تو آزمائش کرنی تھی۔“

(المؤمنون: 30-23:23)

جاہل اور قدر ناشناس قوم نے مشتاقانہ نصیحت کے مقابلے میں سنگین و جھکیاں دیں تو نبی مکرم نے اپنے رب سے فریاد کر دی۔ سورۃ شعراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجُورِي إِلَّا رِزْقَ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَالْيُحْيُونَ ۖ قَالُوا أَأَتُومِنُ لَكَ وَالشَّيْءُ الْكَذُّونَ ۖ قَالَ وَمَا عَلَّمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ إِنْ جَسَاهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَأْيِي ۖ لَنْ تَنفَعُوهُمْ ۖ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۖ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَنُوحُ تَتَلَوَّنَ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ۖ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَدْ جِئْتُكَ بِبَنِيٍّ وَمِنْهُمْ ۖ فَاتَّقِ بَنِيَّ ۖ رَبِّ بَيْنَهُمْ فَتَنًا ۖ وَبَيْنِي وَمَنْ عِبي مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ فَانْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلَيْنِ ۖ ثُمَّ أَخَّرْنَا عَنْهُ الْبَاقِينَ ۖ إِنِّي فِي ذَلِكَ لِآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۖ﴾

”قوم نوحؑ نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب اُن سے اُن کے بھائی نوحؑ نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو۔ وہ بولے کہ کیا تم کو مان لیں اور تمہارے تابعدار تو رذل لوگ ہیں۔ نوحؑ نے کہا: مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اُن کا سب (اعمال) میرے پروردگار کے ڈسے ہے کاش! تم سمجھو اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں؛ میں تو صرف کھول کھول کر نصیحت کرنے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نوح! اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیے جاؤ گے۔ نوحؑ نے کہا کہ پروردگار! میری قوم نے تو مجھے جھٹلایا! سو تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں اُن کو بچالے۔ پس ہم نے اُن کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے اُن کو بچالیا۔ پھر اُس کے بعد باقی لوگوں کو غرق

”ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کر دے پیشتر اس کے کہ ان پر درود دینے والا عذاب واقع ہو۔ انہوں نے کہا کہ اسے قوم! تم کو کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو، وہ تمہارے نگاہ بخش دے گا اور (موت کے) وقت مقرر تک تم کو مہلت عطا کرے گا۔ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جاتا ہے تو تاخیر نہیں ہوتی، کاش! تم جاگتے ہو۔ جب لوگوں نے نہ مانا تو (نوح نے) اللہ سے عرض کی کہ پروردگار! میں اپنی قوم کو دن رات بلاتا رہا، لیکن میرے بالائے سے وہ اور زیادہ گمراہ کرتے رہے، جب بھی میں نے ان کو بلایا کہ (تو کہیں اور) ٹوٹن کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کالوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے اوڑھے لیے اور آگے اور اڑکے بیٹھے۔ پھر میں ان کو کھلے طور پر بلاتا ہوا خدا پر اور پاشیدہ ہر طرح سمجھاتا ہا۔ اور انہیں کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو، وہ بڑا محاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے لگاتار دین برساتے گا اور مال اور مینوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور (ان میں) تمہارے لیے نہریں بہا دے گا۔ تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) کا پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان کیسے اور پستے بنائے ہیں۔ اور چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے، پھر اسی میں تمہیں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تم کو نکال کھڑا کرے گا۔ اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا تاکہ اس کے بڑے بڑے کثادہ رستوں میں چلو پھرو۔ (اس کے بعد) نوح نے عرض کی کہ پروردگار! یہ لوگ میرے کہنے پر نہیں چلے اور ایسوں کے تابع ہوئے جن کو ان کے مال و اولاد نے نقصان کے سوا کچھ نہیں دیا اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے اور کہنے لگے کہ اپنے مروجوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ذرا اور سواخ اور بیوٹ اور یوق اور نسر کو بھی ترک نہ کرنا۔ (پروردگار!) انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ تو ان کو اور زیادہ گمراہ کر دے۔ (آخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب میں غرقاب کر دیے گئے۔ پھر آگ میں ڈال دیے گئے۔ تو انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔ اور (پھر) نوح نے (یہ) دعا کی کہ میرے پروردگار! کسی کافر کو روئے زمین پر نہ بنا نہ رہنے دے۔ اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کر دے اور ان سے جو اولاد دہوئی وہ بھی بدکار اور گمراہ نگہ کر لزاری ہو گی۔ اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لا کر میرے گھر میں آئے اس کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو معاف فرما۔ اور ظالم لوگوں کے لیے اور زیادہ تباہی بڑھا۔“ (نوح: 1-28)

پوچھا ہوا تھی۔ انہوں نے وڈ کے بارے میں فرمایا: ”وہ ایک ٹیک آئی تھا، جو قوم میں ہر دل پر بڑا تھا، جب وہ فوت ہو گیا تو لوگ باہل میں اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور بہت زیادہ غمگین ہوئے۔ جب اٹلیس نے ان کا غم دیکھا تو انسانی صورت میں ان کے پاس آ کر کہنے لگا: ”میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ان صاحب کی وفات پر بہت دل گرفتہ ہو۔ تو کیا میں تمہیں اُس جیسی ایک صورت نہ بنا دوں، جو اس کی جگہ رکھی جائے اور وہ اس کی یادگار بن جائے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں! بنا دو۔“ اس نے وڈ کا ایک بُت بنادیا۔ انہوں نے اسے چو پال میں رکھ لیا اور اسے یاد کرنے اور اس کی باتیں کرنے لگے۔ جب اٹلیس نے دیکھا کہ لوگ وڈ کو بہت یاد کرتے ہیں تو کہا: ”کیا میں تم میں سے ہر شخص کے گھر میں اس طرح کا ایک مجسمہ نہ بنا دوں، جس کو دیکھ کر وہ اسے یاد کرے؟“ انہوں نے کہا: ہاں! بنا دو۔“ اس نے ہر شخص کے گھر میں ایک بُت بنادیا۔ وہ اس کو دیکھ کر اس (اللہ کے ولی وڈ) کو یاد کرتے تھے۔ جب ان کے بیٹے بڑے ہوئے تو انہوں نے اپنے بزرگوں کو ان (بُتوں) کو اہمیت دیتے دیکھا (تو وہ بھی اسی طرح اہمیت دیتے رہے) حتیٰ کہ اگلی نسلوں کے لوگ اس بات سے بے خبر ہو گئے کہ ان کے بزرگ انہیں کیوں یاد کرتے تھے۔ البتہ انہوں نے آہستہ آہستہ ان کی عبادت شروع کر دی۔ چنانچہ سب سے پہلے جس مخلوق کی عبادت کی گئی وہ وڈ بزرگ کا بُت تھا۔“^{۱۱}

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذہب کو اپنے اپنے آئید الگ جماعت تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب طویل زمانہ گزرا گیا تو انہوں نے تصویروں کی جگہ مجسم بنائے تاکہ زیادہ دیر تک قائم رہ سکیں۔ (یعنی پہلے تصویریں بنائی گئی تھیں، بعد میں تصویروں کے مٹ جانے کے خوف سے مجسم بنائے گئے) بعد میں ان کی عبادت ہونے لگی۔ ان کے پاس ان کی عبادت کے بہت سے طریقے تھے جن کا ذکر ہم نے تفسیر میں متعلقہ مقامات پر کیا ہے۔

حضرت اسلم اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے جیش میں جو گردا گرد کیا تھا، اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ اس کا نام ”باریہ“ تھا۔ انہوں نے اس کی خوبصورتی کا ذکر کیا اور اس میں جو تصویریں تھیں ان کا ذکر کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان لوگوں میں جب کوئی ایک آدمی فوت ہو جاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد (عبادت گاہ) تعمیر کرتے تھے اور اس میں یہ تصویریں بناتے تھے۔ اللہ کے ہاں یہ لوگ مخلوقات میں بدترین ہیں۔“ ۴۰

① تفسير ابن أبي حاتم: 3376/10

② صحيح البخاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية.....، حديث: 427، صحيح مسلم: المساجد، باب النهي

دنیا میں بت پرستی کا آغاز

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن تھے، جو سب اسلام پر قائم تھے۔ اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ قرن سے مراد نسل یا صدی ہے۔

ان نیک لوگوں کے بعد ایسے واقعات پیش آئے جن کے نتیجے میں لوگ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ اس تہدیلی کا سبب اس روایت سے واضح ہوتا ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ذکر فرمائی ہے:

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ ﴿١٠﴾

”اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور وہ اور سواغ اور لیغوث اور یعوق اور نسر کو بھی بھی ترک نہ کرنا۔“

(نوح: 23/71)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعض نیک آدمیوں کے نام ہیں۔ جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جہاں وہ حضرات پیشہ کرتے تھے، وہاں بت بنا کر رکھ دو، اور ان کے وہی نام رکھ کر وہ جوان بزرگوں کے تھے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت بتوں کی پوجا نہیں ہوئی۔ جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور علم نہ گیا تب ان کی پوجا ہو نے لگی۔“ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”نوح علیہ السلام کی قوم کے یہی بت بعد میں عرب میں پوئے گئے۔“^{۱۱}

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا: ”یہ عزرات آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان کے زمانہ کے اولیائے کرام تھیں۔ ان کے کچھ بچہ دیکھا بھی تھا۔ جو ان کے طریقہ پر چلتے تھے۔ جب وہ نبیل فوت ہو گئے تو ان کے (عقیدت مند) بیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان کی تصویریں بنائیں، تو ان کی یاد کی وجہ سے نبیل عبادت کا شوق زیادہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ان کی تصویریں بنائیں۔ جب یہ (تصویریں بنانے والے افراد) فوت ہو گئے اور ان کی جگہ دوسرے لوگ آ گئے تو انہیں نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تمہارے باپ دادا ان اولیائے کرام کی عبادت کا کرتے تھے اور انہی کی وجہ سے انہیں مارش لیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔“

ابوالمطہر سے روایت ہے کہ ابو جعفر محمد باقر نماز پڑھ رہے تھے کہ حاضرین نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا۔ نماز سے فارغ ہو کر انہوں نے فرمایا: تم نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا ہے، وہ اس علاقے میں قتل ہوئے ہیں جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی

① صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿وَدَاوُدَ وَلَا سُلَيمَانَ وَلَا يُونُسَ﴾، حديث: 4920

② تفسیر الطبری: 122/14، تفسیر سورة نوح، آیت: 23، 24

”ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔“ (الحجدی: 26/57) یعنی نوح علیہ السلام کے بعد آنے والا ہر نبی ان کی اولاد سے تھا اور میں شان ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔

اور ارشاد باری ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَلْنَا فِي كَلْبِ الْأَمَةِ رَسُولًا أَنْ اعْبُدْ اللَّهَ وَاجْتَنِبِ الْكَاغُوتَ﴾

”اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔“

(النحل: 36/16)

اور مزید ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ﴾

”اور اے محمد! جو پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے ہیں اُن سے دریافت کر لو کیا ہم نے اللہ کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔“ (الزخرف: 45/43)

اور مزید فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلٍ إِلَّا تَوَحَّيَ إِلَيْهِمْ أَمْرًا إِلَّا أَنَا قَاعِبُدُونِ﴾

”اور جو پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری ہی عبادت کرو۔“ (الانبیاء: 25/20)

اس لیے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾

”اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا (بہت ہی) ڈر ہے۔“ (الأعراف: 59/7)

مزید فرمایا:

﴿إِنْ لَا تَعْبُدُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ لَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ﴾

”کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو مجھے تو تم پر درد کا دن کے عذاب کا خوف ہے۔“ (ہود: 26/11)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام نے لوگوں کو ہر طرح تبلیغ کی۔ رات کو بھی اور دن کو بھی، تنہائی میں بھی اور علانیہ بھی، ترتیب کے ذریعے سے بھی اور تہیب کے ذریعے سے بھی، لیکن کوئی طریقہ کار گنہگار نہ ہوا بلکہ اکثر لوگ گمراہی، سرکشی اور بت پرستی پر اڑے رہے۔ ہر وقت آپ سے دشمنی کرتے رہے، آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو برا بھلا کہتے رہے، انہیں شہید کر دینے اور جلا وطن کر دینے کی دھمکیاں دیتے رہے، ان کی بے عزتی کرتے اور زیادہ سے

نوح علیہ السلام کی قوم کو دعوت توحید

جب زمین میں خرابی پھیل گئی اور بت پرستی کی وبا عام ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، جو ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلانے لگے، جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا ہر چیز کی عبادت سے منع کرنے لگے۔

چنانچہ آپ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: اے آدم! آپ تمام انسانوں کے والد ہیں، آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، آپ کے اندر اپنی (پیدا کی ہوئی خاص) روح ڈالی اور فرشتوں سے آپ کو تجوید کروایا اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا۔ کیا آپ اللہ کے حضور ہماری شفاعت نہیں کریں گے؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور وہ مصیبت کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ آدم علیہ السلام فرمائیں گے: ”میرا رب آج سخت غصے میں ہے۔ اس سے پہلے کبھی اس قدر جلال میں نہیں آیا، نہ آئندہ کبھی آئے گا، اس نے مجھے ایک درخت سے منع کیا تھا، لیکن میں نے حکم عدم کی۔ بائے میری جان! میری جان! کسی اور کے پاس جاؤ، نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ!“ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: ”اے نوح! آپ زمین والوں کی طرف مبعوث ہونے والے پہلے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ”شکر گزار بندہ“ رکھا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور وہ کس حد کو پہنچ چکی ہے؟ کیا آپ اللہ کے دربار میں ہماری شفاعت نہیں کریں گے؟“ نوح علیہ السلام فرمائیں گے: ”میرا رب آج سخت غصے میں ہے۔ اس سے پہلے کبھی اس قدر جلال میں نہیں آیا، نہ آئندہ آئے گا۔ بائے میری جان! میری جان!.....“ آخر تک پوری حدیث بیان فرمائی۔^①

جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنے کو کہا اور یہ فرمایا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی بت، مجسمے یا طاغوت کی پوجا نہ کریں۔ اس کی وحدانیت کا اقرار کریں اور یہ تسلیم کریں کہ اس کے سوا نہ کوئی عبادت کے لائق ہے نہ کوئی رب ہے۔

ان کی اولاد میں مبعوث ہونے والے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی اللہ نے یہی حکم دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نوح اور ابراہیم علیہم السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾

① صحیح البخاری: التفسیر باب ﴿ذُرِّيَّةٌ مِنْ حَسَنَاتٍ نوح الخ﴾ حدیث: 4712

رسول اللہ ﷺ نے اسی وجہ سے صدیق اکبرؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی، وہ (اس کی طرف آتے ہوئے) بھیجا مگر ابوبکرؓ کی زبان ذرا نہیں زکی (فورا قبول کر لیا۔)“

یہی وجہ ہے کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں اجتماع کے موقع پر آپ ﷺ کی بیعت بھی فوراً ہو گئی۔ حاضرین کو سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ صحابہ کرامؓ کی نظر میں آپ ﷺ کی افضلیت بالکل ظاہر اور واضح تھی۔ اور خود رسول اللہ ﷺ نے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا۔ پھر یہ فرماتے ہوئے ارادہ ترک فرما دیں کہ ”اللہ اور مومن ابوبکرؓ کے سوا کسی پر راضی نہیں ہوں گے۔“

نوح علیہ السلام کے کافروں نے اپنے نبی اور مومنوں کے بارے میں کہا: **﴿وَمَا كُنَّا لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾** ”اور ہم پر تمہاری کوئی فضیلت ہمیں نظر نہیں آتی۔“ (ہود: 27/11) اس کا مطلب یہ تھا کہ ایمان لانے کے بعد تمہیں ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہوئی **﴿بَلْ تَطْلَكُم كَلِيبِينَ﴾** ”بلکہ تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔“

نوح علیہ السلام کا مشتاقانہ خطاب: آپ نے قوم کی طرف سے انتہائی سخت اور ناقابل برداشت رویے کے باوجود بڑے حوصلے اور صبر کے ساتھ انہیں سمجھانے اور غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يَقُولُوا آدَمُ يَوْمَئِذٍ اِنْ كُنْتُ عَلَىٰ يَمِينٍ مِّنْ رَبِّي وَاشْفِ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهِ فَصَبَّوْا عَلَيْنَا﴾
﴿اَتَلْبُؤْمُوهَا وَانْتُمْ لَهَا كَاهُونَ﴾

”اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ نہ کی گئی ہو تو کیا ہم اس (کو ماننے) کے لیے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں جبکہ تم اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔“ (ہود: 28/11)

یہ ان سے خطاب کرنے میں نرم اسلوب کا انداز ہے اور انہیں حق کی طرف بلانے میں نرم رویے کا اظہار ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام سے فرعون کی بابت فرمایا تھا:

﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لِّيَمَّا اَعْلَمَ لَا يَخْشَىٰ﴾

”اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔“ (طہ: 44/20)

اللہ تعالیٰ نے آخر الزماں پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو بھی نرم اسلوب اور نرم رویہ اپنانے کی ہدایت فرمائی تھیں۔

زیادہ نگہ نہیں دیتے رہے۔

نبی کی خیر خواہی اور قوم کا عناد: نبی کی خیر خواہی اور نرمی و پیار کے باوجود آپ کی قوم کے جو بڑے سردار تھے، انہوں نے کہا: **﴿اِنَّكَ لَكَلِمَةٌ فِي ضَلٰلٍ مَّيْمِينٍ﴾** ”ہم آپ کو واضح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔“ (الأعراف: 60/7) نوح علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿يَقُولُ لَيْسَ فِي صَلَاتِهِ وَلَا كَيْفِي رَسُوْلٍ مِّنْ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

”اے قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔“ (الأعراف: 61/7) یعنی تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میں گمراہ ہوں بلکہ میں رب العالمین کی طرف سے صحیح ہدایت پر قائم ہوں جو ہر چیز کو [خُن] کہہ کر پیدا کر لیتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مزید فرمایا: **﴿اٰتٰیَكُمْ رَسُوْلٌ رَبِّيْ وَارْتَضٰكُمْ وَاَعْلَمَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾** ”میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھ کو اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو۔“ (الأعراف: 62/7)

رسول کی نبی شان ہوتی ہے کہ فصیح و بلیغ بھی ہو اور فصاحت کرنے والا خیر خواہ بھی ہو اور اسے اللہ کی عظمت و شان اور صفات کا علم بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ قوم کے سرداروں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا:

﴿وَمَا كُنَّا لَكَ اَتَاٰتٍ مِّنْ اٰلِهٰتِنَا اَوْ اٰتٰنَا لَكَ اٰتٰتٍ مِّنْ اٰلِهٰتِنَا اَوْ اٰتٰنَا لَكَ اٰتٰتٍ مِّنْ اٰلِهٰتِنَا اَوْ اٰتٰنَا لَكَ اٰتٰتٍ مِّنْ اٰلِهٰتِنَا﴾
﴿لٰدِيْنٰ﴾

”اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیروکار وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی رانے ظاہر سے (ذخور و فکر سے) اور ہم تم میں اپنے آپ کو کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔“ (ہود: 27/11)

انہیں اس بات پر حیرت تھی کہ ایک انسان اللہ کا رسول ہے۔ وہ نوح علیہ السلام کے قبیلے کی توہین کرتے تھے اور انہیں کتے سمجھتے تھے۔ ایک قول کے مطابق یہ افراد کمزور لوگ تھے، جیسے کہ برقل نے کہا تھا: ”کمزور ہی رسولوں کی پیروی کرنے والے ہوتے ہیں۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لیے حق کی قبولیت کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

﴿اٰتٰتٍ مِّنْ اٰلِهٰتِنَا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ (اے نوح) ان لوگوں نے آپ کے دعوے کو سچے سمجھ کر بغیر قبول کر لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو انہوں نے عیب قرار دیا ہے، وہی ان حضرات کا قابل تعریف وصف ہے۔ اللہ ان سے راضی ہوا۔ کیونکہ حق اتنا واضح ہوتا ہے کہ اسے سمجھنے کے لیے کسی غور و فکر اور تاہل و تاخیر کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، بلکہ جب وہ سامنے آ جائے اسے مان لینا اور اس کی پیروی کا ضروری ہوتا ہے۔

کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیے جائیں گے۔“ (ہود: 37/11)

اس کی وجہ یہ تھی کہ جب نوح علیہ السلام ان لوگوں کی اصلاح سے مایوس ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان میں خیر کی کوئی ریق باقی نہیں رہی، کیونکہ انہوں نے ہر قول و فعل کے ذریعے ہر طرح آپ کو تکلیفیں پہنچائیں، مخالفت اور تکذیب کی، تب آپ نے ان پر اللہ کا غضب نازل ہونے کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلْيَعْمَلْ مَعْجُودِيْنَ ۖ وَنَجِّنْهُ مِنْ الْكُرْبِ الْعَظِيْمِ ۝﴾

”اور ہم کو نوح نے پکارا، سو (دیکھ لو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قبول کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔“ (الصافات: 76,75,37)

اور مزید فرمایا:

﴿وَنُوحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلِ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَجَعَلْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝﴾

”اور (نبی!) نوح (کا قصہ بھی یاد کرو) جب اس نے اس سے پہلے ہم کو پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اسے اور اس کے ساتھیوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔“ (الانبیاء: 76/21)

نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مزید فریاد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿رَبِّ اِنِّىٓ اُقُوْى كَذٰبُوْنَ ۚ فَافْتَحْ لِيْٓ وَ بَيْنَهُمْ فِتْنًا وَّ اَخْرِجْنِىْ ۚ وَمَنْ مَّعِىَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

”پروردگار! میری قوم نے تو مجھے جھٹلایا۔ سو تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلے فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں ان کو بچالے۔“ (الشعراء: 118,117,26)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا عَاثَرَآ اُنۡىٰ مَغْلُوْبًا فَانْتَصَرَ ۝﴾

”تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (باری تعالیٰ) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلے۔“ (القصص: 10/54)

مزید ارشاد فرمائی ہے:

﴿وَقَالَ نُوْحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ اَعْلٰى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ ذٰلِكَ آء ۚ اِنَّكَ اِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا قٰلَجًا كٰتِرًا ۝﴾

”نوح (نے یہ) دعا کی کہ میرے پروردگار کسی کافر کو روکے زمین پر بسا نہ رہنے دے۔ اگر تو ان کو رہنے دے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکر گمراہ ہوگی۔“ (نوح: 27-25/71)

اس طرح ان کے کفر و فجور کے جرائم کے ساتھ ساتھ ان کے نبی کی بددعا کا وبال بھی ان پر آچکا۔ تب اللہ تعالیٰ نے

یعنی عذاب لا انصرفت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ہے جو کسی کام سے عاجز نہیں اور کوئی کام اس کے لیے مشکل نہیں بلکہ وہ جس چیز کو (كُنْ) کہتا ہے، وہ ہو جاتی ہے۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مزید مطمئن کرنے کے لیے فرمایا:

﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ صَبِيْحٌ اِنْ اَرَدْتُمْ اَنْ اَنْفَخَ لَكُمْ ۚ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ اَنْ يُغْوِيَكُمْ ۖ هُوَ رَبُّكُمْ وَ اَلَيْسَ رَبُّكُمْ ۝﴾

”میری خیر خواہی تمہیں کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو۔ وہی تم سب کا پروردگار ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے جاؤ گے۔“ (ہود: 34/11)

یعنی اللہ تعالیٰ جسے آزمائش میں ڈالنا چاہے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ وہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے محروم رکھتا ہے۔

وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کے لائق ہے۔ اسی کی حکمت کامل اور اسی کی دلیل باطل شکن ہے۔

طوفان نوح کے اسباب اور کشتی بنانے کا حکم

حضرت نوح علیہ السلام نے دن رات انتھک محنت کی اور قوم کو دعوت تو حید دی مگر ساڑھے نو سو سال کی اس بے مثال جدوجہد کے بعد بھی قوم نے دعوت ایمان قبول نہ کی بلکہ ان کا مذاق کا مطالعہ کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَوْحٰى اِلٰى نُوْحٍ اَنْكُنْ يٰٓنُوْحُ مِنْ قَوْمٍ اِلٰهَ اٰمَنَ قُلْ اٰمَنَ فَلَا تَدْبِتُۢسۡ بَیۡنَا كَاۡنُوْا يٰۤهٰعُوْدُوْنَ ۝﴾

”اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے (لا پکے) ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے

گا تو جو کام یہ کر رہے ہیں، اُن کی وجہ سے غم نہ کھاؤ۔“ (ہود: 36/11)

اس میں قوم کی بدسلوکی پر آپ کے لیے تسلی ہے اور قوم کے بارے میں یہ بتا کر کہ اب مزید افراد ایمان نہیں لائیں گے، یہ کہا گیا ہے کہ اب تک جو کچھ ہوا اس پر غم نہ کریں کیونکہ اللہ کی مدد پہنچنے والی ہے اور عجیب واقعات پیش آنے والے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَصْبَحَ الْفُلْکَ یَاۡعِيۡنَا وَوَحِیۡنَا وَلَا تُخَاطَبُنِیْ فِی الْاٰلِیۡنِ عَلٰمُوۡا ۚ اِنَّهُمْ مُّعٰذِقُوْنَ ۝﴾

”اور ایک کشتی ہمارے علم سے ہمارے روبرو بناؤ۔ اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا

تھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دجال کا نام ہے اور تمہارا رب ایک چشم نہیں۔“ ①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں دجال کے بارے میں وہ بات نہ بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی؟ وہ دجال کا نام ہے وہ اپنے ساتھ جھوٹے موت کی جنت اور جہنم لائے گا۔ جس کو وہ جنت کے گاہ (حقیقت میں) آگ ہوگی۔ میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں جیسے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس سے متنبہ کیا تھا۔“ ②

③ کشتی کی وسعت: امام ثوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو اسی جہتھی کشتی بنانے کا حکم دیا اور کہا کہ اسے اندر اور باہر سے تاروں لگائی اور اس کا اگلا حصہ دربار بنائیں تاکہ وہ پانی کو چیرتے ہوئے نکل سکے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ کشتی تین سو جہتھی اور پچاس جہتھی تھی۔ میں نے تورات میں اسی طرح لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اس بننے کی بلندی تیس ذراع ذکر کی ہے۔ اس کی تین منزلیں تھیں۔ ہر منزل دس جہتھی بلند تھی۔ چلی منزل موشیوں اور جنگلی جانوروں کے لیے تھی، درمیانی منزل انسانوں کے لیے اور بالائی منزل پرندوں کے لیے تھی۔ اس کا دروازہ چوڑائی میں تھا اور اس کے اوپر ایک جہت بھی تھی۔ ④

طوفان کی آمد اور نجات پانے والوں کو شکر ادا کرنے کا حکم

امام ابن جریر اور دوسرے علماء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ طوفان قبلی حساب کے مطابق آب (اگست) کی تیرہ تاریخ کو شروع ہوا۔ قوم کی مسلسل بھٹ دھری سے عاجز آ کر نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کر کے بدکار قوم کو تباہ و برباد کر دیا۔ ارشاد ماری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا جَاءَ أَهْرَاقًا وَقَالَ الْقَارُونُ فَاسْتَلْثَمْتُ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ

مِنْهُمْ وَلَا تَخْطِبُونِي فِي الَّذِينَ عَذَّبْنَا إِنَّهُمْ مُّعَذَّبُونَ ⑤﴾

”جب ہمارا حکم آ پہنچے اور تور (پانی سے بھر کر) جوش مارنے لگے تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی زور وارد) دودھ دوشی میں بٹھا دوا اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن کی نوبت اُن میں سے (بلاک

① صحیح البخاری، أحادیث الأنبياء، باب قول الله عز وجل ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ﴾، حدیث: 3337

② صحیح البخاری، أحادیث الأنبياء، باب قول الله عز وجل ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا.....﴾، حدیث: 3338 و صحیح مسلم، الفتن، باب

ذكر ابن صباد، حدیث: 2931

③ تفسير ابن كثير، تفسير سورة هود، آیت: 37

نوح علیہ السلام کو ایک کشتی بنانے کا حکم دیا۔ یہ ایک بہت بڑا بحری جہاز تھا، جس کی اس سے پہلے کوئی نظیر نہ تھی اور نہ بعد میں اس کی مثال مل سکی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیشگی ہدایت فرمادی کہ جب اللہ کا حکم آ پہنچے گا اور ان پر وہ عذاب آ جائے گا جو مجرم لوگوں سے علا نہیں کرتا تو ایسا نہ ہو کہ ان پر عذاب اترتا دیکھ کر آپ کے دل میں رحم آ جائے۔ اس لیے فرمایا:

﴿وَلَا تَخْطِبُونِي فِي الَّذِينَ عَذَّبْنَا إِنَّهُمْ مُّعَذَّبُونَ ①﴾

”اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ ضرور عذاب کر دیے جائیں گے۔“

www.KitaboSunnat.com

(ہود: 37/11)

دنیا میں کفر و کفر و قوم نوح کا شیوہ تھا۔ قیامت کے دن بھی وہ جھوٹ بولتے ہوئے یہ دعویٰ کریں گے کہ ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”کیا تو نے (میرا پیغام) اپنی امت کو پہنچا دیا تھا؟“ وہ عرض کریں گے: ہاں یارب! اللہ تعالیٰ ان کی امت سے فرمائے گا: ”کیا انہوں نے تم لوگوں کو (میرا پیغام) پہنچا دیا تھا؟“ وہ کہیں گے: نہیں، ہمارے پاس تو کوئی نبی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائے گا: ”تیرا کواہ کون ہے؟“ وہ عرض کریں گے: ”محمد ﷺ اور ان کی امت۔“ تب ہم (مسلمان) گواہی دیں گے کہ نوح علیہ السلام سے تبلیغ کی تھی۔ اس آیت مبارکہ میں اسی طرف اشارہ ہے:

﴿وَكُنَّا لَكَ جَعَلْنَاهُ أُمَّةً وَسَطًا لِّنُقَلِّبُ أَهْلَ الْكَافِرِينَ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكَ شَهِيدًا ②﴾

”اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور بغیر (آخر الزمان) تم پر گواہ بنو۔“ ③

(البقرة: 143/2)

یہ امت اپنے سچے نبی کی گواہی کی بنیاد پر گواہی دے گی کہ اللہ نے نوح علیہ السلام کو حق دے کر مبعوث فرمایا اور انہوں نے اپنی قوم کو بہتر اور کامل ترین انداز سے تبلیغ کی۔ انہیں ہر اس کام کا حکم دیا جس سے انہیں دینی فائدہ حاصل ہو اور ہر اس کام سے منع فرمایا جس سے ان کی دینی حالت کو نقصان پہنچتا ہو۔

تمام ایمیہ کے کرام علیہم السلام کی یہی شان اور یہی کیفیت رہی ہے۔ وہ تو اپنی قوم پر اتنی شفقت کرنے والے تھے کہ اپنی قوم کو دجال سے بھی متنبہ فرمایا حالانکہ ان کے زمانے میں اس کے ظاہر ہونے کی توقع نہیں تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق حمد و ثنائی، پھر دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”میں تمہیں اس سے متنبہ کرتا ہوں، ہر نبی نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے۔ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس (دجال) سے ڈرایا تھا۔ البتہ میں تمہیں ایک ایسی بات بتا رہا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے بیان نہیں فرمائی۔“

① صحیح البخاری، أحادیث الأنبياء، باب قول الله عز وجل ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ﴾، حدیث: 3339

جیسے آئندہ بیان ہوگا۔ ﴿وَمَنْ أَمَنَّ﴾ یعنی امت کے جو افراد آپ پر ایمان لائے ہیں، انہیں کشتی میں سوار کر لیجیے۔ ﴿وَمَا أَمَنَّ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ﴾ ”آپ کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے۔“ حالانکہ آپ طویل عرصہ تک ان میں تشریف فرما رہے اور ترغیب و ترہیب، وعدہ و وعید کے گونا گوں اسالیب کو استعمال کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ رحمت و ن فیض میں مصروف رہے۔

کشتی میں سوار ہونے والوں کی تعداد کتنی تھی؟ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کسی (80) افراد تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیویاں بھی تھیں۔

☆ کعب احبار سے مروی ہے کہ وہ بہتر (72) افراد تھے۔

☆ بعض نے کہا: دس (10) تھے۔

☆ ایک قول کے مطابق کشتی میں سوار ہونے والوں میں حضرت نوح علیہ السلام خود، ان کے تین بیٹے اور ایمان نہ لا کر فرق ہو جانے والے ”یام“ کی بیوی سمیت نوح علیہ السلام کی چاروں بیویاں شامل تھیں۔ یہ قول ظاہر طور پر آیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کشتی میں نوح علیہ السلام کے خاندان سے باہر کے مومن افراد بھی سوار ہوئے تھے۔ جیسے کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿يَحْيَىٰ وَهَارُونَ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں انہیں بچالے۔“ (الشعراء: 118/26)

☆ ایک قول کے مطابق: وہ سات (7) افراد تھے۔

نوح علیہ السلام کی بیوی جو آپ کے تمام بیٹوں حام، سام، یافت، یام (جسے اہل کتاب کعبان کہتے تھے اور یہی طوفان میں غرق ہوا تھا) اور عاری کی ماں تھی، وہ طوفان سے پہلے فوت ہو چکی تھی۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وہ بھی ایمان نہ لانے کی وجہ سے دوسرے کافروں کے ساتھ فرق ہو گئی تھی۔

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ وہ کشتی میں موجود تھی۔ ہو سکتا ہے وہ بعد میں کافر ہو گئی ہو۔ البتہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ نوح علیہ السلام نے عرض کیا تھا: ﴿لَا تَزِدْ عَلَى الْكَافِرِينَ مِنَ الْكَافِرِينَ دَكَاةً﴾ ”میں کافروں میں نہ بڑھانے دے۔“ (نوح: 28/71)

☆ نجات پانے پر شکر ربانی کا حکم: جب کافروں کی غرقابی کا وقت ہو گیا تو مومنوں کی حفاظت اور نجات کے لیے کشتی اللہ کے حکم سے تیرنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا:

﴿فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِكِ فَقَبَلْ الْهَيْدَةَ الْبَدِيَّ تَجِدُنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَقُلْ رَبِّ ائْتِنِي مُنْزَلًا مُّبِينًا ۚ أَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۝﴾

”اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (اللہ کا شکر ادا کرنا اور) کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے

ہونے کا) حکم پہلے صادر ہو چکا ہے اور غالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا، وہ ضرور ہوبوے جائیں گے۔“

(المؤمنون: 27/23)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب میرا حکم آ جائے اور عذاب شروع ہو جائے تو ہر جانور اور ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لیں، خواہ ان کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو، تاکہ اس کی نسل باقی رہے، اور اپنے گھر کے افراد کو بھی سوار کر لیں مگر جس کے بارے میں پہلے فرمان جاری ہو چکا ہے اسے سوار نہ کریں۔ اس سے مراد وہ کافر ہیں، جن کے بارے میں آپ کی بدعا قبول ہو چکی ہے اور ان سے عذاب نہیں مل سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ عذاب نازل ہوتا دیکھ کر کافروں کے حق میں دعا نہ کر دیں کیونکہ اس کا حتمی فیصلہ اللہ کی طرف سے ہو چکا ہے جس کی یہ شان ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

آیت میں مذکور لفظ ”تخو“ سے اکثر علماء نے سطح زمین مراد لی ہے، یعنی زمین کے ہر حصے سے پانی بھرت نکالتی کہ جن توروں میں آگ جلائی جاتی ہے، ان میں سے بھی پانی نکلے گا۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”تخو“ سے مراد یہ ہے کہ ساری زمین سے پانی نکلے گا۔“ یعنی آگ والے توروں سے بھی پانی نکلتا شروع ہو گیا۔ جمہور علماء کا یہی موقف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنْوُورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ أَمَنَّ ۚ وَمَا أَمَنَّ إِلَّا قَلِيلٌ ۝﴾

”یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپ پہنچا اور تنور بجش مارنے لگا۔ تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا کہ ہر قسم (کے جانداروں) میں سے جوڑا جوڑا یعنی دو دو جانور (ایک زور ایک مادہ) لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کا چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہے اس کو کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔“ (ہود: 40/11)

یعنی اللہ نے حکم دیا کہ جب عذاب آئے تو ہر قسم کے جانداروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لیں۔

بائیں میں کہا گیا ہے کہ انہیں ہر طحال جانور کے سات جوڑے اور ہر حرام جانور کا ایک جوڑا سوار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

لیکن قرآن مجید کے لفظ ”اثْنَيْنِ“ ”دو جانور“ سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کا چھوڑ کر صرف ان مومنوں کو کشتی میں سوار کریں جن کے حق میں نجات کی دعا قبول ہو چکی ہے۔ آپ کا بیٹا ”یام“ بھی ڈوبنے والوں میں شامل تھا۔

طوفان نوح کی کیفیت اور نوح علیہ السلام کے بیٹے کی غرقابی: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَحِیْ تَجْرِیْ یَهْدِیْ فِی مَوْجٍ کَآبِلٍ﴾

”اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلے گی۔ (لہریں کیا تھیں) کو کیا ک پہاڑ (تھے)۔“ (ہود: 42/11)
اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایسی شدید بارش نازل فرمائی جو زمین پر اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، نہ بعد میں کبھی ہوگی۔ یوں گلتا تھا جیسے مٹکوں کے منہ کھول دیے گئے ہوں اور اللہ کے حکم سے زمین پر ہر راستہ اور ہر قلعے سے پانی چھوٹنے لگا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَعَادَ رَبُّهُ أَتٰی مَغْلُوْبًا فَانْتَصَرَ ۝ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَفَتِ الْمَآءُ عَلَىٰ أَمْرِ قَدْ قُدِرَ ۝ وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ الْأَوَاجِ وَدُحْرٍ ۝ تَجْرِیْ بِأَعْيُنِنَا جَزَاءَ لِّمَن كَانَ كُفْرًا ۝﴾

”تو تو نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (اے الہی!) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے۔ پس ہم نے زور کے عینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیے اور زمین میں جتنے جاری کر دیئے تو پانی ایک کام کے لیے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر جو جتوں اور مینوں سے تیار کی گئی تھی، سوار کر لیا۔ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی (یہ سب کچھ) اس شخص کے انتقام کے لیے (کیا گیا) جس کو کافر مانتے نہ تھے۔“ (القمر: 14-10، 54)

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿إِنَّا لَنَّا كَلَمًا حَمَلْنَاهُ فِی الْمَآرِیَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكُرَةً وَآیَةً لِّعِبَادٍ ۝﴾

”جب پانی طوفانی پر آیا تو ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی پر سوار کر لیا تاکہ اس کو تمہارے لیے یادگار بنائیں اور یاد رکھنے والے کا ان سے یاد دہیں۔“ (الحاقة: 12، 11، 69)

کئی مفسرین نے فرمایا ہے کہ پانی بلند ترین پہاڑ سے بھی پردہ (15) ہاتھ بلند تھا۔ بائبل میں یہی لکھا ہوا ہے۔^①
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پانی کثرت سے نکل آیا یعنی مشرق سے مغرب تک ساری زمین کے طول و عرض میں، میدانوں، پہاڑوں، صحراؤں اور جبلین میدانوں میں ہر جگہ آیا جس کے نتیجے میں ہر زندہ چیز ہلاک ہو گئی۔^②
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَنَادٰی نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِی مَعْزِلٍ یُّبٰیئُ اٰذْكَبَ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِیْنَ ۝ قَالَ سَآوِیْ اِلٰی

① دیکھئے کتاب پیدائش، باب 7، فقرہ 20

② تفسیر الطبری 67/14، تفسیر سورة الحاقة آیت: 11

ہے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات بخشی۔ اور یہ بھی دعا کرنا کہ اے پروردگار! ہم کو مبارک جگہ اتارا اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔“ (المؤمنون: 29، 28، 23)

یعنی اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اللہ کی تعریف اور شکر کریں کیونکہ اس نے یہ کشتی ان کے لیے مسخر فرمائی، اس کے ذریعے سے انہیں نجات دی، قوم کا فیصلہ کر دیا اور مخالفین کی تباہی کے ساتھ نوح علیہ السلام کی آنکھیں کھنڈی کر دیں۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِیْ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمُ مِنَ الْفُلْبِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ لَیْسَتْکُمْ عَلَىٰ ظُهُوْرِهِمْ تَحْمِلُوْنَ ۝ اِذَا اسْتَوٰیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَہٗ مُقْرِیْنِ ۝ وَانَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝﴾

”اور جس نے تمام قسم کے حیوانات پیدا کیے اور تمہارے لیے کشتیاں اور چار پائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو اور جب اس پر بیٹھ جاؤ اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو اور کہو کہ وہ (ذات) پاک ہے جس نے اس کو ہمارے زیر فرمان کر دیا اور ہم میں طاقت تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔“ (الزحرف: 14-12، 43)
اسی طرح (سب کو) حکم ہے کہ کام کی ابتدا میں دعا کی جائے تاکہ اس میں خیر و برکت حاصل ہو اور اس کا انجام اچھا ہو۔ جیسے نبی ﷺ کو ہجرت کے وقت حکم دیا:

﴿وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدِّقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدِّقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا ۝ نَصِیْرًا ۝﴾

”اور کہو کہ اے پروردگار! مجھے جہاں لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنے پاس سے درود و کرامت کو میرا مددگار بنا۔“ (الإسراء: 80، 17)
نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی قبول کی اور ساتھیوں سے فرمایا:

﴿اٰذْكُبُوْا فِیْہَا بِسْمِ اللّٰہِ مُجَبِّبًا وَمُمْسِكًا ۝ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾

”اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چٹانا اور ٹھہرا ناے۔ چنگ میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔“ (ہود: 41، 11)

یعنی اس کے چلنے کی ابتدا و انتہا اللہ کے نام سے ہے۔ میرا رب بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ سخت سزا دینے والا بھی ہے، اس لیے اس کا عذاب مجرموں پر آ کر رہتا ہے جیسے ان لوگوں پر آیا جنہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا اور غیر اللہ کی عبادت کی۔

﴿يُنوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَمٍ مِمَّنْ مَعَكَ وَأَمْرٌ وَسْيَعُجُهُمْ ثُمَّ يَنْصَبُهُمْ
مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

”اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ اور کچھ اور ہمتائیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فائدے سے) بہرہ ور کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔“ (ہود: 48/11)

جب زمین کی سطح سے پانی خشک ہو گیا اور زمین پر رہنا اور چلنا پھرنا نامکن ہو گیا تو نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ کشتی سے اتر آئیں جو طویل عرصہ پانی میں چلتی رہی تھی اور آخر کار مشہور پہاڑ ”جودی“ پر پھنسی گئی۔

﴿يَسْمِعُ مِمَّا دُبرَكَتْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ سلامتی کے ساتھ کشتی سے اتر آئے۔ آپ پر بھی برکت نازل ہوگی اور ان اقوام پر بھی، جو چند زمانے میں آپ کی نسل سے پیدا ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے کسی کی نسل کو باقی نہیں رکھا صرف نوح علیہ السلام کی نسل چلی۔ جیسے کہ ارشاد ہے:

﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ﴾

”اور ہم نے اسی کی اولاد کو باقی رہنے والے بنایا۔“ (الصافات: 77/37)

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد اور ان کی اپنے بیٹوں کو وصیت

آج کل زمین میں انسانوں کی جتنی اقوام ہیں، سب نوح علیہ السلام کے بیٹوں سام، حام اور یافث کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: ”نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے: سام، یافث اور حام اور ان تینوں کے تین تین بیٹے تھے: سام کی نسل سے عربی، فارسی اور رومی وجود میں آئے۔ یافث کی نسل سے عرک، صقالیہ اور یاجوج ماجوج پیدا ہوئے اور حام کی نسل سے قبلی، سبؤانی اور بربر اقوام ہیں۔“^①

ایک قول کے مطابق نوح علیہ السلام کے یہ تینوں بیٹے طوفان کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ طوفان سے پہلے ایک ”کنعان“ پیدا ہوا تھا، جو کافروں کے ساتھ غرق ہوا اور دوسرا ”عابر“ پیدا ہوا تھا، جو طوفان سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا۔

صحیح بات یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے تینوں بیٹے اپنی بیویوں اور والدہ سمیت کشتی میں موجود تھے جیسے کہ تورات میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ

﴿جَبَلٍ يَنْصَبُ مِنَّا مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَا عَاصِيَہَ الْيَوْمَ مِن أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّجَعَهُ وَحَالٌ بِبَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ﴾

”اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا (جو کہ کشتی سے) اگ تھا، کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے کہا کہ میں (انہی) پہاڑ سے جا لوں گا وہ مجھے پانی سے بچائے گا۔ انہوں نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچائے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر اللہ رحم کرے۔ اسے میں دونوں کے درمیان لہر جاں مل ہو گئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا۔“ (ہود: 43/42/11)

یہ نوح علیہ السلام کا بیٹا یام تھا، جو سام اور یافث کا بھائی تھا۔ بعض علماء نے اس کا نام کنعان بتایا ہے۔ وہ کافروں فاسق تھا۔ اس نے اپنے والد کا سچا دین قبول نہ کیا، اس لیے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا جب کہ آپ کا دین مذہب قبول کرنے والے نجات پا گئے، حالانکہ وہ ان سے نہی تعلق نہیں رکھتے تھے۔

اور طوفان ختم ہو گیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقِيلَ يَا آدَمُ أَنْبِئْ مَنَاءَكَ وَبِسَاءِ أَقْلَبِي وَغِيصَ الْمَاءِ وَفُضِيَ الْأَمْرُ وَأَسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾

”اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان ختم جا۔ تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہ جودی پر چٹھری اور کبرہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت۔“ (ہود: 44/11)

یعنی جب زمین پر کوئی ایسا انسان باقی نہ رہا جو اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرتا ہو تو اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل لے اور آسمان کو حکم دیا کہ بارش برسانا بند کر دے۔ چنانچہ اپنی اترنے لگا اور بحرموں کو وہ مزا مل گئی جس کا اللہ نے فیصلہ کر رکھا تھا۔ وہ اپنی بدعا عیوب کی وجہ سے اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم رہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے حق میں رب سے دعا فرمائی اور سوال کیا کہ وہ کیوں غرق ہوا؟ اس سوال کا مقصد محض حصول علم تھا یعنی: ”اے اللہ! تو نے مجھ سے میرے اہل و عیال کو بچانے کا وعدہ فرمایا تھا، پھر میرا بیٹا کیوں غرق ہو گیا، حالانکہ وہ بھی میرے اہل و عیال میں شامل تھا؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ میرے گھرانے کے افراد میں شامل نہیں تھا، جن کی نجات کا وعدہ کیا گیا تھا۔“ کیونکہ یہ فرمایا گیا تھا:

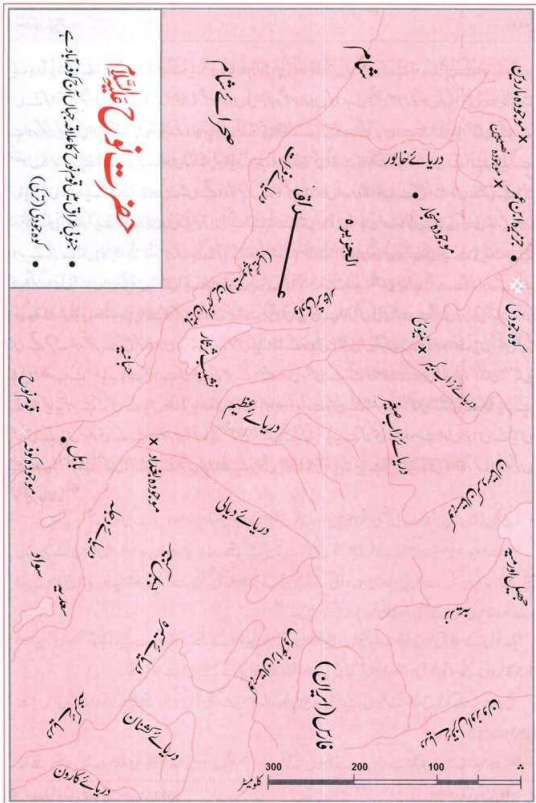
﴿وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ﴾

”اور اپنے گھر والوں کو بھی (بھالو) سوائے ان کے جن کے حق میں ان میں سے (ہلاک ہونے کا) حکم صادر ہو چکا ہے۔“ (المؤمنون: 27/23) اور وہ ان افراد میں شامل تھا، جن کے غرق جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ اہل ایمان سے الگ ہو کر کفار سے مل گیا اور انہی کے انجام سے دو چار ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

- جنوبی عراق میں قوم نوح کا علاقہ جہاں آج کوئٹہ آباد ہے
- کوہ جودری (ترکی)

حضرت نوح علیہ السلام

- جنوبی عراق میں قوم مذہم
- کوہ جودی (ترکی)



﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَسَاجِدًا﴾

”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنادیا ہے۔“ (نوح: 19/71)

لہذا اگر تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ گے اور اپنے تراشیدہ بتوں کو ترک کر دو گے تو وہ مالک تمہیں مال و اولاد میں بے پناہ برکت دے گا اور تمہاری قطع زدہ زمین پھر سے سرسبز ہو جائے گی۔

⑤ راہ حق میں بیوی اور بیٹے کی چٹائی کا غم برداشت کرنا: آپ کی ان تھک محنت اور بے مثال دعوت و ارشاد کے باوجود آپ کی بیوی اور بیٹا ایمان نہ لائے اور بالآخر آپ کی آنکھوں کے سامنے کافروں کے ساتھ غرقاب ہو گئے۔ آپ نے کبھی بھی نہایت حوصلے اور پامردی سے برداشت کیا۔ اس طرح آپ تقیامت آنے والے داعیانِ حق کے لیے راہ حق میں آنے والے مصائب پر ہر جھل کا محمول اسوہ چھوڑ گئے۔

⑥ علی حقائق کی نقاب کشائی: حضرت نوح علیہ السلام قصے میں قرآن مجید نے متعدد علمی اور سائنسی علوم کی نقاب کشائی کی ہے جن کی تصدیق آج کے جدید علوم اور تحقیقات سے ہو رہی ہے یعنی جن علوم و معارف سے دنیا آج متعارف ہو رہی ہے اور ان کو جدید تحقیقات کا نام دیا جا رہا ہے، قرآن مجید چودہ سو سال قبل ہی ان کی خبر دے چکا ہے۔ اس سلسلے میں دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِ نُورًا وَجَعَلَ النَّجْمَ سِرَاجًا﴾

”اور ان میں چاند کو خوب جگہ گاتا بنایا ہے اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے۔“ (نوح: 16/71)

اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد مبارک میں سورج کو دیکھتے ہوئے روشن چراغ سے تشبیہ دی ہے یعنی ایسا چراغ جو تیل وغیرہ سے جلا یا جائے اور وہ ایک شعلے سے جلے۔ ایسے چراغ کی روشنی ذاتی ہوتی ہے کہ جدید سائنسی تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ سورج شعلہ زلن گیسوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی روشنی اور طاقت کا سرچشمہ اس کی سطح کے اندر ہونے والے ایٹمی دھماکے ہیں۔ اس طرح آج کا جدید علم قرآنی علوم ہی کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے کہ سورج ایک شعلہ زلن چراغ ہے جس کی روشنی داخلی دھماکوں کی وجہ سے ہے۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے چاند کو (نور) کہا ہے یعنی وہ ایک غیر روشن ڈھیر ہے جو روشنی دوسروں سے حاصل کر کے منور ہوتا ہے۔ آج کی سائنس اسی بات کا اقرار کر رہی ہے کہ چاند خود روشن نہیں ہے بلکہ یہ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللّٰهُ اَنْتَبٰكُمْ مِنْ الْاَرْضِ نَبَاتًا﴾ ”اور تم کو زمین سے ایک (خاص اہتمام) سے اگایا (پیدا کیا) ہے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا ہے کہ اس نے بنی آدم کو زمین سے پیدا کیا اور اس کی زندگی کا انحصار زمین سے اگنے والی نباتات پر ہے۔ ذاکر طوبسون کیج اپنی کتاب ”الماء معجزۃ الطبيعة“ میں لکھتے ہیں کہ ماہرین

نتائج و فوائد..... عِبْرَتِیْرُ حِکْمَتِیْنِ

⑤ حضرت نوح علیہ السلام کا طریق دعوت و ارشاد: حضرت نوح علیہ السلام تو حید الہی کے پہلے داعی ہیں۔ سب سے پہلے آپ کی قوم نے بزرگوں کے بت نہ کر ان کی پوجا شروع کی اور اللہ صمدہ الاشریک کے ساتھ شرک کے مرتکب ہوئے۔ آپ نے ساڑھے نو سو سال تک اس شرک قوم کو تو حید کی دعوت دی اور ان کی طرف سے ملنے والی ایذا اور مصائب پر نہایت صبر و تحمل سے کام لیا۔ داعیانِ تو حید و رسالت کے لیے ان کی زندگی میں شاندار اسوہ حسنہ ہے۔ آپ کی زندگی اور تاریخی دعوت سے تو حید کا مطالعہ کرنے والے کو بیا عزم، یقین محکم اور تازہ دلول نصیب ہوتا ہے۔ آئیے ان کے طریق دعوت پر ایک نظر ڈالے ہیں۔ آپ کی سو سالہ دعوت کے طریق کار کو مرتبہ ذیل نکات میں پیش کیا جا سکتا ہے:

① ایک مدت تک دعوت کو خفیہ رکھنا اور پھر علانیہ دعوت دینا: جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَ نَهَارًا..... ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا﴾

”اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو تمہاری طرف رات دن بلایا..... پھر میں نے انہیں باواز بلند بلایا۔ اور

بلکھک میں سے ان سے علانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی۔“ (نوح: 9,8,5/71)

② قوم کی متروکوں کے جواب میں نری اور شیریں کلامی: آپ نے قوم کے تق و تند سوالات اور بدترہنی کا جواب ہمیشہ نری، مہربان اور شیریں زبان سے دیا۔ قوم کے جھٹلانے، گمراہ کنے، غریب پیر و کاروں پر طنز و تشبیہ کا اور روئے سائے قوم کی بدزبانوں کا جواب اس مختصہ انداز میں دیا، فرمایا:

﴿یَقُوْمُ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَۃٍ وَّ لَکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

”اے میری قوم! مجھ میں تو ذرا بھی گمراہی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔“ (الانعراف: 61/7)

③ راہِ حق میں آنے والی مشکلات اور استہزا کرنے والوں کی پروا نہ کرنا: آپ نے اپنے طویل عرصہ دعوت و ارشاد میں کبھی مخالفین کی کثرت اور ان کے استہزا و راہِ اذی کی پروا نہیں کی بلکہ قلیل ساتھیوں کے باوجود اپنا مشن دن رات جاری رکھا اور کبھی بھی آپ کے پایہ ثبات میں لغزش نہ آئی۔

④ قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کی یاد دلائی: آپ نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں اور بے پناہ احسانات کی یاد دلائی تاکہ وہ پروردگار پر ایمان لے آئیں اور اس کے شکر گزار بندے بن جائیں۔ آپ نے قوم سے فرمایا:

آگ سے آزا رکھو اور..... اے قاطعہ (بنت محمد ﷺ)! اپنی جان کو آگ سے بچا لو۔ میں اللہ تعالیٰ سے تمہیں کچھ نفع نہ دے سکوں گا۔ سو اے اس کے (کہ دنیا میں) تہبازی رشتہ داری تمہارا رہوں گا۔“ (صحیح مسلم، الإيمان، باب فی قولہ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾، حدیث: 204)

لہذا ایسے لوگوں کو اپنی اصلاح کر لینی چاہیے جو اس غلطی یا خوش فہمی کا شکار ہیں کہ چونکہ ہم اہل بیت ہیں، ہم سید اور ہاشمی قبیلے سے ہیں، ہم اللہ کے احباب ہیں، ہم عاشقان رسول ہیں، ہم قرآن و سنت کے سامنے والے ہیں، (حالانکہ یہ خانی دعوے ہوتے ہیں اور عملاً کچھ نہیں ہوتا۔ نہ ایمان باللہ اور نہ اعمال صالحہ) اس لیے ہماری نجات یقینی ہے، حالانکہ نجات اور کامیابی کا دار و مدار ایمان اور نیک اعمال پر ہے۔

۵۰ حق و باطل کی معرکہ آرائی: نوح علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہی انہوں نے ایک اللہ کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلایا تو سارا معاشرہ ان کے خلاف ہو گیا۔ امراء و رؤساء قوم ان کے دشمن بن گئے اور آپ کو طرح طرح کی ذلتیں اور تکالیف پہنچانا شروع کر دیں۔ حق بات کو قبول کرنے والوں کو ذلتیں دینا اور ان پر عرصہ حیات تنگ کرنا امراء اور ان کے چیلوں کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ اس طرح حق و باطل کی طویل معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔

لہذا اس قصے میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ بد اعمالان حق کو میدانِ دُکوت و ارشاد میں پیش آنے والی مشکلات کا سامنا خندہ پیشانی سے کرنا چاہئے اس راہ میں ملنے والی تکالیف کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا چاہیے اور اپنے مشن کو مکمل و لوے اور عزم سے جاری رکھنا چاہیے کیونکہ حق و باطل کی یہ معرکہ آرائی ازل سے شروع ہوئی اور اب تک رہے گی۔ جب تک آدم علیہ السلام کے حق کو مبیعہ زندہ ہیں، ابلیس کے کارندوں سے یہ معرکہ جاری رہے گا۔ اس لیے دعوت و توحید کا کارواں کرنا نہیں چاہیے، تمہنا نہیں چاہیے بلکہ اس کارواں کو اپنے رہبر و رہنما جدِ انبیاء علیہ السلام کے اسوۂ مبارک سے ہمیشہ رہنمائی لیتے رہنا چاہیے جو عظیم حوصلے، بصیرت، استقامت و استقلال اور عزم و شہادت سے عبارت ہے۔

۵۱ قدرو قیمت عزم و ہمت میں ہے نہ کہ کثرت میں: نوح علیہ السلام کی طویل جدوجہد، پیہم عمل اور مسلسل دعوت و توحید کے باوجود صرف 80 افراد ایمان لائے اور باقی کفر و شرک، عناد، ضد اور غرور میں ہی غرق رہے۔ اس مبارک جدوجہد اور دن رات کی محنت شاقہ کے باوجود اتنے کم افراد کا ایمان لانا، داعیانِ توحید کے لیے، ہرگز پریشانی کا باعث نہیں ہے۔ اس سے نان کے حوصلے پست ہوتے ہیں اور نان کا عزم باماند پڑتا ہے۔ بلکہ ان کے ہمتیں جواں رہتی ہیں اور وہ ہمیشہ ایک نئے لوے اور امنگ سے اپنا مشن جاری رکھتے ہیں کیونکہ ان کی تسلی اور تسفی کے لیے ان کے رب نے بڑا شاندار اہتمام فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَا يَسْتَوِي الْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ وَلَوْ أَنَّ عِيسَىٰ ذَكَرَ الْغَنِيَّةَ

”آپ فرمائیے! ان کا آپاک اور پاک برابر نہیں ہو گا آپ کو ناپاک کی کثرت بھی لگتی ہو۔“ (المائدہ: 100/5)

حیاتیات اس بات پر متفق ہیں کہ تمام حیوانات کے زندہ رہنے کے لیے زمینی نباتات ضروری ہیں۔ اس لیے تمام حیوانات نباتات کھا کر یا ان حیوانات کو کھا کر زندہ ہیں جو نباتات کھاتے ہیں۔ مثلاً اگر انسان پھلی کھاتا ہے تو وہ پھل اپنے سے چھوٹی پھلیوں اور دیگر خفے سے کیزے کھا کر زندہ ہوتا ہے جبکہ وہ چھوٹی پھلیاں اور کیزے کو کھانے والی نباتات کھا کر زندہ ہوتے۔ اس طرح ہر جاندار کی اصل خوراک بالآخر نباتات ہی نکلتی ہیں۔ یوں قرآن کریم نے انسانی خوراک کا منبع چودہ سو سال پہلے بیان کر دیا تھا جبکہ سائنس آج اس کا اقرار کر رہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۵۰ طبقاتی کشمکش: نوح علیہ السلام کے قصے سے ان کے معاشرے کے طبقاتی نظام کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ایک طبقہ امراء و رؤساء اور دوسرا طبقہ عام لوگوں کا ہے جبکہ دوسرا طبقہ غریب و مساکین اور محنت مشقت کرنے والوں کا ہے۔ امراء کا طبقہ اپنے مال و دولت اور دنیوی شان و شوکت کی وجہ سے حق کو قبول کرنے سے گریز کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ جس دین کو ہمارے معاشرے کے فقیر، کسے اور غریب لوگ قبول کریں وہ ہرگز بہتر نہیں ہو سکتا جبکہ غریب اپنی فطری خوبیوں کے باعث ہمیشہ حق کو قبول کرنے میں جہل کرتے ہیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے رؤساء کو غریب کے ساتھ ایمان قبول کرنے میں معاشرتی سبکدوشی تھی اس لیے وہ اس نعت جلیلہ سے محروم ہو گئے اور غریب اس راز کو پا گئے کہ عزت و شان اور اعلیٰ مقام و مرتبہ کیا کا ہے۔

نوح علیہ السلام کے دور کی طبقاتی کشمکش آج بھی عروج پر ہے۔ لہذا آج بھی ایسے رؤساء کی کمی نہیں جو غریب کے ساتھ اسلامی محافل میں شرکت کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ ایسے انڈیا کی بھی کوئی قلت نہیں جو ڈکٹو گنگس سے بدتر، جج کو خواجہ کاسفر اور سلطان، روزے کو خمر پر واجب، اور نماز کو انتہائی ناقابل عمل خیال کرتے ہیں جبکہ غریب کا تقویٰ اور ایمان آج بھی قابل تحسین ہے۔

۵۰ ایمان کے بغیر قربتِ داری کچھ سودمند نہیں: نوح علیہ السلام کے قصے سے پتہ چلتا ہے کہ قربتِ داری خواہ کتنی ہی گہری اور مضبوط کیوں نہ ہو، ایمان باللہ کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ہر شخص اپنے حوصلے کا ذمہ دار ہے۔ اگر وہ ایمان نہیں لاتا اور اللہ کے باغیوں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے تو پھر نہ ناکامی و ناامدادی اس کا مقدر ٹھہرے گی۔ حضرت نوح علیہ السلام کا صلیبی میٹا اور شرک حیاتِ ایمان کی دولت سے محروم ہو کر کافروں کے ساتھ ہی غرقاب ہو جاتے ہیں جبکہ ایمان لانے والے انہی دنیا و آخرت کی عبادتِ مندی سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربتِ داری، ایمان باللہ کی قائم مقام ہرگز نہیں۔ اسلام نے رشتہ داروں کے عظیم حقوق مقرر کیے ہیں اور ان سے صلہ رہی کی پروڑتا کیدی ہے لیکن ایمان کے بغیر یہ صلہ رہی اور رشتہ داری کچھ فائدہ مند نہیں ہے۔ بلکہ ایمان باللہ اور نیک اعمال ہی کامیابی کی ضمانت ہیں۔ پیارے نبی ﷺ نے اس حقیقت کو آشکار کرنے کے لیے اپنے خاندان کو جمع کیا اور ایک ایک کو آواز دے کر فرمایا: ”اے مرہ بن کعب کی اولاد! اپنی جانوں کو آگ سے بچا لو..... اے عبدشمس کے بیٹو! اپنے نفسوں کو جہنم سے آزا رکھو اور..... اے بنی عبد مناف! خود کو کوعذاب الہی سے محفوظ رکھو۔ اے بنی ہاشم! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچا لو..... اے عبدالمطلب کی اولاد! خود کو

بدعا فرمائی تھی جب ان کی آواز میں حد سے بڑھ گئی تھیں۔

❖ مومنوں کی آزمائش: نوح علیہ السلام کے قصے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی آزمائش بھی کرتا ہے ان کے ایمان کا امتحان لیتا ہے اور ان کے ایمان سے انہیں ایمان میں پختگی اور اعتماد و یقین عطا کرتا ہے۔ یہ امتحان بھی انفرادی ہوتا ہے اور کبھی اجتماعی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنِّي فِي ذَٰلِكَ لَنَبِيٍّ وَإِن كُنَّا لَلْغَيْبِينَ﴾

”یقیناً میں ہی بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور ہم یہ شک آزمائش کرنے والے ہیں۔“ (المؤمنون: 30/23)

مومنوں کی یہ آزمائش کی طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَ الْعِيَالِ لَعَلَّكُمْ تُيَذَّكَّرُونَ ۝۱۰۰
الَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝۱۰۱ وَلَٰكِن عَلَيْهِمْ صَلَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ
وَرِزْقَةً ۝۱۰۲ وَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۱۰۳﴾

”اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے۔ دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور بچوں کی کمی سے۔ اور ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دیجیے جنہیں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔“ (البقرہ: 155/2-157)

لہذا دعوت و ارشاد کے مقدس مشن سے منسلک افراد کو ہر آزمائش اور مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں اور نوازشوں کی خوش خبری کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اس سے ان کو کیا حوصلہ دہنی ہمت میسر آئے گی۔

اس کے برعکس کفار کو اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے۔ وہ اپنے دیوالی مالی و دولت اور شان و شوکت میں مگن رہتے ہیں حتیٰ کہ انہیں عذاب الہی چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے اور وہ نہ دیکھتا و نہ آواز دہن میں مغمم خسار سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

❖ بری صحبت کا انجام: بد: حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اخوش نبوت میں پردوش پانے کے باوجود ایمان نہ لایا اور بالآخر عبرت ناک انجام سے دوچار ہو گیا۔ اس سانحہ گہرائی میں جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بری صحبت کا انجام بد تھا۔ آپ کا بیٹا کافروں کے ساتھ رہنے بسنے کی وجہ سے ایمان قبول نہ کر سکا اور کافروں کے عقائد و اعمال پر کار بند ہو گیا۔ ان کی بری صحبت اس کے لیے زہر قاتل ثابت ہوئی اور اس کا انجام زلت و رسوائی کی صورت میں نکلا۔

لہذا ہمیشہ بری صحبت سے احتیاط کرنا چاہیے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ نے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے نیز برے لوگوں کی صحبت سے ڈراتے ہوئے درج ذیل خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا:

یعنی کفر و شرک کی غلطیوں میں تنہا رہے یہ لاکھوں کافران چند مومنوں کے برابر نہیں ہیں۔ بلکہ داعیان حق کی حمایت، ان کی تسلی اور انہیں حوصلہ دینے کے لیے قرآن مجید میں بار بار فرمایا گیا: ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔“ (الأعراف: 187/7) مزید فرمایا: ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَفْهَمُونَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔“ (الأنعام: 111/6) ﴿وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ ”اور ان میں اکثر لوگ ایمان والے نہیں۔“ (الشعراء: 67/26)

امام انبیاء علیہ السلام نے داعیان حق کو ایمان والوں کی قلت ہونے پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ”مجھ پر (پہلی) اسی جہش کی گئیں تو میں نے دیکھا کہ ایک نبی کے ساتھ دس سے کم پیروکار ہیں، کسی کے ساتھ ایک دو ایمان والے ہیں اور کسی کے ساتھ ایک بھی مومن نہیں۔“ (صحیح مسلم، باب الإيمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الحنة:..... حدیث: 220)

لہذا اہل حق کے لیے افرادی قلت پریشانی کا باعث نہیں بنتی اور نہ وہ کثرت افراد سے کبر و غرور میں مبتلا ہوتے ہیں۔

❖ سنت الہی کا اتمام اور کافروں پر بدعا کا جواز: قوموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ ان میں رسول بھیج کر سنت نازل کرے انہیں ایمان لانے اور اہل حق کو اپنانے کا موقع دیتا ہے۔ جب نبی اپنی قوم کو پیغام ربانی پہنچا دیتا ہے اور اس کی تبلیغ مکمل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور وعدہ اس قوم پر پورا ہو جاتا ہے۔ جب تک مومن قوم میں موجود رہتے ہیں ان کی مہلت باقی رہتی ہے۔ لیکن جیسے ہی معاشرہ صالح لوگوں سے خالی ہو جاتا ہے، بدکردار اور گناہ گاروں پر عذاب الہی آ جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ بھی ہوا۔ نوح علیہ السلام مومنوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو کر بستی سے نکل گئے تو باقی لوگ غرقاب کر دیے گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے قصے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کفار پر اتمام جہت ہو جائے، ان کی سرکشی اور بد معاشری حد سے بڑھ جائے اور مومن مغلوب ہو جائیں تو کفار کے خلاف بدعا کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو مدد کے لیے پکارتے ہوئے التجا کی تھی: ﴿إِنِّي مُغْلَوْبٌ فَاتَّخِذْ﴾ ”اے میرے رب! میں بے بس ہوں تو میری مدد کر۔“ (القصص: 10/54)

نیز دعا کی:

﴿قُلْ لَا تَدْرُ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَكَاةً ۝۱۰۰ إِنَّكَ إِن تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝۱۰۱﴾

”اے میرے رب! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کر دیں گے اور یہ کافروں کو ذہیت کافروں ہی کو دہم دے گا۔“ (نوح: 27، 26/71)

نبی اکرم ﷺ نے امت محمدیہ کو کفار کے غلبے اور ان کے شر کے عروج پر بدعا سے قوت نازلہ مانگنے کا حکم دیا ہے، خود بھی ایسے حالات میں قوت نازلہ پر بھی جیسے کہ قبیلہ مضر اور عکل پر بدعا فرمائی اور قریش کے سرداروں ربیعہ، شیبہ اور عتبہ پر بھی

اور ان کی حمایت و نصرت کرتے ہیں۔ اسی لیے جب نوح علیہ السلام نے انہیں عذاب الہی سے ڈرایا تو وہ کہنے لگے کہ ہمارے داتا ہمیں پناہیں گے، وہ ہمارے مدد کریں گے لہذا آپ جو عذاب لانا چاہتے ہیں لے آئیں، دوسری طرف امراء قوم نے قوم کو حکم دیا:

﴿لَا تَدْرُكُ إِلَهُكُمْ وَلَا تَدْرُكُ دِكْرًا وَلَا سَوَاعِدًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾

”تم اگر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ دود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسرو (چھوڑنا)۔“ (نوح: 23/71)

لیکن جب عذاب الہی آیا تو یہ یکڑی اور پتھر کے اندھے، ہرے، گونگے اور قتل و شہور سے عاری معبودان کی کوئی مدد نہ کر سکے بلکہ اپنی قوم کے ساتھ ہی غرقاب ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّبَعْنَاهُ مِنْ غَمَمٍ فِي الْغُلَاكِ الْغُلُجُونِ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدَ الْبَقِيَّةِ﴾

”چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی ششی (سوار کرا کر) نجات دے دی۔ بعد ازاں باقی

تمام لوگوں کو ہم نے ڈبو دیا۔“ (الشعراء: 120, 119/26)

جس طرح قوم نوح کے بت بے حقیقت نکلے تھے اسی طرح ہر مفسد کے ہندوؤں کے سمنات کے مندر میں رکھے بت بھی سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں پاش پاش ہو گئے تھے اور ان کے پجاری ہندوؤں کے ٹکڑے کر دیے گئے مگر کوئی ان کی مدد کو نہ آیا نہ ان کی تباہی پر کسی نے آنسو بہا ہے۔ فاعصبروا یا اولی الابصار۔

طوفان نوح کے آثار: حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان کا فرقہ طوفان سے تباہ و برباد ہو گئی جبکہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے محفوظ و مامون رکھا۔ علماء نے تاریخ نے اس طوفان کے آثار تلاش کرنے اور اس قوم کی باقیات و حوٹوں کی کوشش نہیں کی بلکہ اسے ناممکن اور محال تصور کیا جاتا تھا۔ پھر 1920 میں سر لیونارڈ کی سربراہی میں ایک ٹیم نے عراق میں آثار قدیمہ کی تحقیق کے لیے کھدائی کی۔ یہ ٹیم برطانیہ کے میوزیم اور امریکہ کی ایک یونیورسٹی کے محققین پر مشتمل تھی۔ اس ٹیم نے ”اور“ (UR) کے شمال میں واقع شہر تل عید میں کھدائی کی تو انہیں کافی گہرائی میں مدفون کچن مٹی کے برتن، مورتیاں اور دیگر آلات ملے جو عہد قدیم میں مستعمل تھے۔ لیبارٹری ٹیسٹ سے یہ بات سامنے آئی کہ اس مدفون ذخیرے کے اجزاء دیائے فرات کے وسطی علاقے سے پانی کے ساتھ بہرہ کراں جگہ منتقل ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس علاقے میں بہت پہلے کوئی زبردست طوفان آیا تھا۔ حکم آ خدا قدیمہ کی اس ٹیم کی تحقیقات سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ جس پانی نے یہ چیزیں یہاں دفن کر دی تھیں اس کی اونچائی کم از کم پچیس فٹ تھی۔ تو رات میں اس طوفان کی اونچائی 26 فٹ بیان کی گئی ہے۔ سر لیونارڈ کا یہ خیال بھی ہے کہ اس طوفان سے ساری دنیا تباہ نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ طوفان جلد اور فرات کی وادی میں آیا اور اس نے پہاڑوں اور صحراء کے درمیان علاقے کو ملیا میٹ کر دیا۔ لیکن یہ نظریہ بھی غلط ہے کیونکہ قرآن کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیلاب اور طوفان پوری دنیا پر آیا تھا۔

”نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے۔ کستوری بیچنے والا چھپتا ہے (خوشبو) دے گا“ تم اس سے خرید لو گے یا (کم از کم) چھپیں اس سے بہتر یہ خوشبو آئے گی۔ جبکہ بھٹی میں پھونکیں مارنے والا (اور آگ جلانے والا) یا تو تمہارے کپڑے جلانے لگا یا چھپیں اس سے بدتر بن کر آئے گی۔“ (صحیح مسلم، البر الوصیۃ باب استنجاب محاسن..... حدیث: 2628)

اس لیے نیک لوگوں سے تعلقات استوار کرنے چاہئیں جبکہ برے لوگوں کی محفل و مجلس سے کنارہ کش رہنا چاہیے کہ اسی میں دین و دنیا کی عافیت مضمر ہے۔

استقلال و استقامت: دعوت حق کی کامیابی و کامرانی کے لیے، صبر و ثبات، تحمل و برداشت اور استقلال و استقامت بنیادی شرط ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طویل جدوجہد سے اعیان حق کو راہ حق میں آنے والی مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے ہی امت، نبی اولاد اور نیا جہد ملتا ہے۔ لہذا ادا ایمان کو حیدر و حالات کی سازش، راستے کی دشواری، ساتھیوں کی قلت اور تنگ دستی کو بھی خاطر میں نہ لانا چاہیے کیونکہ مومن جتنا بھی کمزور ہو، اس کا دشمن کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو، بالآخر مومن کامیاب رہتا ہے اور کافر اپنے ہلکے تھکڑوں، کارگر چالوں اور بے پناہ وسائل کے وجود باوجود کام و نامراد ہوتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ مومن اپنے رب پر بھروسہ کرے، صبر کا دامن تھام کر، راہ حق میں آنے والی مشکلات کے سامنے سید نہ ہو جائے۔ پھر اس نصرت الہی حاصل ہوگی اور وہ اپنے دشمن پر حاوی ہو جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔“ (الروم: 47/30)

کافر چونکہ نصرت باری تعالیٰ سے محروم ہوتے ہیں بلکہ عذاب الہی کا گنہگار ہوتے ہیں اس لیے ناکامی و ذلت ان کا مقدر بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کفار کی دنیا و آخرت میں بربادی کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿فَأَنذَرْتُكَ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ فِي الدِّينِ وَالْأَخْلَاقِ وَمَا لَهُمْ مِنْ فُصُولٍ﴾

”پھر کافروں کو تو میں دنیا و آخرت میں سخت تر عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔“ (آل عمران: 56/3)

بتوں کا بے حقیقت ثابت ہونا: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے بت پرستی کی ابتدا ہوئی۔ وہ، سواع، یغوث، یعوق، اور نسران کے بڑے بڑے بتوں کے نام تھے۔ یہ درحقیقت ان کے نہایت نیک بزرگوں کے نام ہیں۔ جب یہ بزرگ فوت ہوئے تو قوم سخت غمزدہ اور افسردہ ہوئی۔ اس وقت شیطان نے انسانی شکل میں ان کو ان بزرگوں کی تصاویر بنا کر انہیں یاد رکھنے کا مشورہ دیا۔ جب یہ نسل ختم ہو گئی تو بعد میں آنے والوں کو شیطان نے یہ کہہ کر شرمین جلا کر دیا کہ تمہارے آباء و اجداد تو انہی کی عبادت کرتے تھے۔ اس طرح ان تصاویر کی عبادت شروع ہو گئی جسے ان تارخون ملا کہ عرب قوم کے اکثر قبائل بھی انہیں بتوں کو پوجتے تھے۔

ان کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بت ہمیں انہیں روزی دیتے ہیں، مشکل کشائی کرتے ہیں، اولاد سے نوازتے ہیں

”کیا تم نے جانا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا (جو) ارم (کہلاتے تھے، اسنے) دراز قد کہ تمام ملک میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہوئے تھے۔“ (النجر: 8-6, 89) ﴿وَمَثَلُهَا﴾ سے مراد یہ ہے کہ اس قبیلے جیسے (قوی قبیل) لوگ اور کسی علاقے میں نہیں تھے۔

کہتے ہیں سب سے پہلے حضرت ہود علیہ السلام نے عربی زبان میں کلام فرمایا۔ البتہ وہب بن منہرؒ فرماتے ہیں کہ ہود علیہ السلام کے والد سب سے پہلے عربی بولنے والے تھے۔ بعض حضرات نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کا نام لیا ہے۔ کچھ دوسرے اقوال بھی ہیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے کہ عرب باشندے ”عرب عارہ“، ”خالص عرب کہلاتے ہیں۔ ان میں بہت سے قبائل شامل ہیں۔ مثلاً: عاد، ثمود، جرہم، طسم، جدیس، امیم، مدین، عسلاقی، حاسم، قحطان، بنو یقطن وغیرہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ”عرب مستعربہ“ کہلاتی ہے۔ فصیح و بلیغ عربی زبان میں سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کلام فرمایا۔ آپ نے عربی زبان قبیلہ جرہم کے ان افراد سے سیکھی تھی، جو آپ کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کے پاس رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ (اس واقعہ کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہوگی) لیکن اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو انتہائی فصاحت و بلاغت عطا فرمائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ بھی اسی انداز سے فصیح و بلیغ عربی میں کلام فرمایا کرتے تھے۔

﴿۳﴾ ہود علیہ السلام کی بعثت: طوفان نوح کے بعد سب سے پہلے قوم عاد نے جنہیں ”عاد اونی“ بھی کہا جاتا ہے، بت پرستی اختیار کی۔ ان کے تین بھتیجے تھے جن کے نام صمد، مومر اور ہر تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو بھی ناکر مبعوث فرمایا۔ انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اعراف میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَاِلٰی عَادِ اٰخَاھُمْ ھُوْدًا قَالَ یَقُوْمُ اَعْدَاۗءُ اللّٰہِ مَا لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ عَزِیْرٌ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ؕ قَالَ الْمَلَائِکَۃُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ اِنَّا لَنَرٰکَ فِی سَفَاھَةٍ وَاِنَّا لَنَظُنُّکَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ؕ قَالَ یَقُوْمُ کَیْسٌ بِّنِی سَفَاھَۃً وَّلَکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ اٰیُبَکُمۡ رِیْبٰی وَاَنَا لَکُمۡ نٰصِیْحٌ اٰمِیْنٌ ؕ اَوْ عَجَبْتُکُمۡ اَنْ جَآءَکُمْ ذِکْرٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ فَمَنْکُمۡ لَیْسَ بِزَکِیٍّ وَاَذْکُرُوْا اِذْ جَعَلْکُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّاَذَاذَکُمۡ فِی الْخَنَازِیْقِ بَظُطَۃً ؕ قَاذِ کُرُوْا اِلَّا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تَقْلِحُوْنَ ؕ قَالُوْۤا اَجَعْتَنَا لِبَعْدِ اللّٰہِ وَّحٰدًا وَّنَدَّ رَاۤءَ مَا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا فَاٰتٰنَا بِمَا تَعٰذِبُنَا اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ؕ قَالَ قَدْ وُقِعَ عَلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ رَیْصٌ وَّعَصَبٌ ؕ اَتُجَادِیْ لُوْنِیْ فِیْ اَسْمَآءٍ سَمِیْتُہُمْۡا



نام و نسب اور بعثت

﴿۴﴾ نام و نسب اور علاقہ: حضرت ہود علیہ السلام کا نسب نامہ یوں ہے: ”ہود بن شالح بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام“ ایک قول کے مطابق ہود علیہ السلام کا نام ”عابر“ ہے جو ”شالح“ کے بیٹے تھے اور وہ ”ارفخشذ“ کے بیٹے تھے، جو سام بن نوح کے بیٹے تھے۔

آپ کا نسب اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے: ہود بن عبد اللہ بن رباح الجارود بن عاد بن عوص بن ارم ابن سام ابن نوح علیہ السلام۔

آپ قبیلہ ”عاد“ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ایک عربی قبیلہ تھا جن کی رہائش عمان اور حضرموت کے درمیان ریت کے ٹیلوں والے علاقے (اتحاف) میں تھی۔ یہ علاقہ سمندر کے کنارے پر واقع تھا جو [شحر] کے نام سے معروف تھا اور ان کی وادی کا نام ”معین“ تھا۔

یہ لوگ زیادہ تر بے لے ستونوں والے عیموں میں رہتے تھے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِِمْ رَاٰۤیَاتِ الْجُمَادِ ؕ اَلَمْ یَخْلُقْ وَّمَثَلُہَا فِی الْہٰٓلِکِ ؕ﴾

﴿تورات، کتاب پیدائش، باب ۱۱﴾

”عادی بھی پیغمبروں کو چھٹایا۔ جب اُن سے اُن کے بھائی ہود نے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تو تمہارا مانت دار پیغمبر ہوں، سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں اس کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ (اللہ رب العالمین کے ذمے ہے۔ بھلا تم جو ہر اونچی جگہ پر نشانِ تعمیر کرتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے اور جب (کسی کو) پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو، سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی، جن کو تم جانتے ہو، اس سے ڈرو۔ اس نے تمہیں چار یا پون اور بیٹوں سے مدد دی اور باغیوں اور چشموں سے۔ مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے (خت) دن کے عذاب کا خوف ہے۔ وہ کہنے لگے: ہمیں خواہ نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے کیسا ہے۔ یہ تو اگلی ہی کے طریق ہیں اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ سو انہوں نے ہود کو چھٹایا تو ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا۔ بیشک اس میں نشانی ہے اور اُن میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور تمہارا پروردگار تو غالب اور مہربان ہے۔“ (الشعراء: 140-123/26)

ہود علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا رویہ

جب ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا، اس کے احکام کی تعمیل کرنے اور اس سے مغفرت طلب کرنے کی ترغیب دلائی اور ایمان نہ لانے کی صورت میں دنیا اور آخرت میں سزا کی وعید بیان فرمائی تو قوم کے کافر سرداروں نے کہا: **﴿إِنَّا كَرِهْنَا لَكَ إِتِّفَاقًا﴾** ”ہم شاکہ نہیں اِحق نظر آتے ہو۔“ (الأعراف: 66/7)

یعنی آپ ہمیں جس عقیدے کی دعوت دے رہے ہیں، وہ تو حماقت پر مبنی ہے جب کہ ہم ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جن سے مدد اور رزق کی امید کی جاتی ہے اور یہ درست راستہ ہے۔ علاوہ ازیں ہمارا یہ خیال ہے کہ آپ جو کہتے ہیں کہ آپ کو اللہ نے بھیجا ہے، آپ کا دعویٰ جھوٹا ہے تو ہود علیہ السلام نے فرمایا:

﴿يَقُولُ كَيْفَ يَكُونُ إِتِّفَاقًا وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾

”بھائیو! مجھ نے حماقت کی کوئی بات نہیں بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔“ (الأعراف: 67/7)

یعنی حقیقت میں وہ نہیں جو تم کمان کرتے ہو یا عقیدہ رکھتے ہو۔ بلکہ:

﴿أَتُخْلَعُكُمْ وَرَبِّي وَآنَا لَكُمْ تَأْوِيلٌ مِّن رَّبِّ﴾

”میں تمہیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا ہر امتداد خیر خواہ ہوں۔“ (الأعراف: 68/7)

”پہنچاتا ہوں“ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصل پیغام میں جہت نہیں بولا گیا، نہ اس میں کی بیش کی گئی ہے۔ اور اس لفظ میں یہ مقہوم بھی ہے کہ پیغام مختصر، فصیح اور جامع و مانع عبارت کے ذریعے پہنچایا گیا ہے، جس میں کوئی غرض، اختلاف

أَطَعْتُمْ بَشَرًا إِنَّمَا تُقْلِدُونَ إِنَّمَا آتَاكُم بِهِ حَقٌّ وَمَا أُنْكَبُ أَنتُمْ تَوْبَاهُ وَإِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ وَإِنَّمَا الْإِنسَانُ عِشْرَةَ بِرٍّ ذِي هِزْءٍ شَتَّى خَلَقْنَاكُمْ مِّن نَّارٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ فَتُكْفَرُونَ ۚ فَهِيَ أَقْبَلُ مِنَّا مَنَّا وَنَحْنُ بِمُتَوَبِّحِينَ ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ أَخَذَ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۚ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۚ قَالَ عَنَّا قَلِيلٌ لِّیَصِیْحَنَ لِذُنُوبِهِ ۚ فَأَنزَلْنَاهُمْ صَحِيحَةً بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ عِثَاءً ۚ فَبَعَثْنَا لِقَوْمِهِ الْعَالَمِينَ ۚ﴾

”پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی اور انہی میں سے ان میں ایک پیغمبر بھیجا (جس نے اُن سے کہا) کہ اللہ ہی کی عبادت کرو (کہ) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ اور اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے اُن کو آسودگی دے رکھی تھی، کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے۔ جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو پانی تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہنا مان لیا تو گھائے میں پڑ گئے۔ کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ تم تمہارا گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں کے سوا کچھ نہ رہے گا تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے؟ جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (بہت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ اس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے؟ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا ہے اور ہم اُس کو مانتے والے نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اے میرے پروردگار! انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے تو میری مدد کر فرمایا کہ وہ تھوڑے ہی عرصے میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ اُن کو وعدہ برحق کے مطابق زور کی آواز نے آن پکڑا تو ہم نے اُن کو کوڑا کرکٹ کر ڈالا۔ پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔“ (المومنون: 41-31/23)

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد دلانے تاکہ وہ اپنے مالک و رازق کو پہچان جائیں مگر ان کے دلوں کا پکڑنے کے قفل پڑ چکے تھے۔ سورہ شعراء میں نوح علیہ السلام ہی کے واقعے کے بعد ارشاد ہے:

﴿كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ۚ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ هُودٌ آلَا تَتَّقُونَ ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَآطِيعُوا ۚ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِن شَيْءٍ ۚ إِنِّي أَنَا بَرٌّ عَلَى رِبِّ الْعَالَمِينَ ۚ اتَّخَذُوا نُجُومًا بَيْنَهُمْ رِبْعًا ۚ أَيْدِيَهُمْ مَّقْصَصَةٌ مِّنْ أَعْلَمِكُمْ ۚ تَخْلُدُونَ ۚ وَإِذَا بَشِئْتُمْ بِطُغْيَانِ جَبَارِيْن ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَآطِيعُوا ۚ وَالْتَقُوا الَّذِي آمَدَكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۚ آمَدَكُمْ بِأَنْعَامِهِ وَبَنِينَ ۚ وَجَنَّتْ وَغُيْبُوا ۚ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يُؤَبِّرُ عَظِيمٍ ۚ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ۚ إِن هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ۚ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ۚ فَلَمَّ يَوْمَ هَاجَلْنَاهُمَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ هُمْ قَوْمُومِينَ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۚ﴾

وہ لوگ اس بات کو بعید از قیاس اور خلاف عقل تصور کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو رسول بنا کر مبعوث کر سکتا ہے۔

قدیم و جدید دور کے اکثر جاہل کفار بھی یہی عقیدہ کرتے رہے ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اُنْذِرَ النَّاسَ﴾

”کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک مرد کو بھیجا کہ لوگوں کو ڈرنا دے“ (یونس: 2/10)

اور اسی کی بابت مزید فرمایا:

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُؤْمِنُوْا اِذْ جَاءَهُمُ الْهُدٰى اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَبْعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا مِّثْلَ رُسُلُوْا ۚ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مِلْكٌ لَّيْسُوْنَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۚ لَّا زِلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رُّسُوْلًا ۝۱﴾

”اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ کہہ دو اگر گزین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلنے پھرتے (اور) آرام کرتے (یعنی بسے) تو ہم ان کے پاس فرشتے کو بھیج دیتے“ (بنی اسرائیل: 95, 94/17)

اللہ تعالیٰ نے سرداران قوم کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَيُّوَدُكُمْ اَكْبَرُ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَكْبَرُكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۚ هِيَ هَاتِ هَاتِ لِيَا تُوْعِدُوْنَ ۝۱﴾

﴿اِنْ هٰى اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝۲ اِنَّ هٰؤُلَاءِ لَرِجَالٌ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كِبٰرًا وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ قَالَ رَبِّ اَفْصِرْ لِيْ مَا كُنْتُ بِيْنُ ۝۴﴾

”کیا وہ تم سے یہ کہتا ہے کہ تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں رہے گا تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ اس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹا افتراء کیا ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اسے پروردگار! انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے، تو میری مدد کر“ (المومنون: 39-35/23)

وہ قیامت کو عقل کے خلاف سمجھتے تھے اور جسم کی صورت میں تبدیل ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جانے کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے:

﴿اِنْ هٰى اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝۱﴾

”زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ اس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔“

یعنی بعض لوگ مر جاتے ہیں اور دوسرے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مرنے والے زندہ نہیں ہو سکتے۔ دہریہ اور بعض جاہل

زندہ یقیناً کا یہی عقیدہ ہے۔

اور تناقض نہیں۔

اس انداز سے اللہ کا پیغام پہنچانے کے ساتھ ساتھ آپ اپنی قوم کے انتہائی خیر خواہ اور شفیق تھے، آپ کی خواہش تھی کہ

قوم کو ہدایت نصیب ہو جائے۔ اسی لیے وہ ان سے کسی اجرت یا معاوضے کا مطالبہ نہیں کرتے تھے، بلکہ خالصتاً اللہ کی رضا

کے لیے اور مخلوق کی خیر خواہی کے جذبے سے انہیں اللہ کی طرف بلا تے تھے۔ انہیں اگر اجرو ثواب کی تمنا تھی تو صرف اس

ذات سے جس نے انہیں مصعب رسالت فرما کر بلا کر تھا۔ اس لیے انہوں نے فرمایا:

﴿يَقُوْمُوْا لَسْأَلَكُمْ عَلَيْهِمْ اَجْرًا وَّلٰ اَنْجُوْا اِلَّا عَمَلُ الَّذِيْ فُطِرْتُمْ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱﴾

”میری قوم! میں اس (وعظ و نصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا

کیا۔ بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟“ (ہود: 51/11)

یعنی کیا تمہارے پاس عقل نہیں جس سے تم یہ بات سمجھ سکو کہ میں تمہیں واضح حق کی طرف بلا رہا ہوں، جس کی گواہی

تمہاری فطرت بھی دیتی ہے۔ یہ وہی سچا دین ہے، جسے اللہ نے لوح علیہ کو دے کر مبعوث فرمایا تھا اور آخر کار ان کے

خالفین کو جہاں کر دیا تھا۔ بلکہ میں اسی اللہ سے اجرو ثواب کا طالب ہوں جو ہر قسم کے نفع اور نقصان کا مالک ہے۔ سورہ یس

میں جس مرد مومن کا ذکر ہے، اس نے بھی یہی کہا تھا:

﴿اَلْيَوْمَ اَنْزَلْنٰكُمْ اَجْرًا وَّمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝۱ وَمَا لِيَ لَا اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاَلْيَوْمَ تُنْجَوْنَ ۝۲﴾

”اے لوگوں کے پیچھے چلو جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ میرے راستے پر ہیں۔ اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی

پرستش نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔“ (یس: 22, 21/36)

۳۷۔ ہود علیہ السلام نے سرداران قوم کا رویہ: آپ کی قوم نے نہ صرف آپ کی نبوت کا انکار کیا بلکہ یوم آخرت کو بھی محض

جھوٹ تصور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل قیاسات کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَقَالَ الْمَلٰٓئِكُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَكِنْ اِيْلٰهَ الْاٰخِرَةِ وَاَوَّلَهَا فِى الْخَلْقِ وَفِى الْغِيُوْثِ الدُّنْيَا مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يٰۤاٰلُكُمْ وَمَا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ وَمِمَّا تَشْتَرُوْنَ ۝۱ وَلٰكِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اَقْبَلُكُمْ اِلَّا الْغٰثِرُوْنَ ۝۲ اَيُّوَدُكُمْ اَكْبَرُ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَكْبَرُكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝۳﴾

”ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو

آسوہی دے رکھی تھی، کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے۔ جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی

کھاتا ہے اور جو پانی تم پیتے ہو، اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہاں لیا تو کھائے میں

پر جڑاؤ گے۔ کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور استخوان (یعنی ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں

رہے گا) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔“ (المومنون: 35-33/23)

نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو اور اس نے تمہیں جانوروں اور بیڑوں سے مدد دی اور ہاتھوں اور
پیشوں سے۔ مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے (تخت) دن کے عذاب کا خوف ہے۔“ (الشعراء: 130-135)

ان لوگوں نے جواب میں کہا:

﴿سَاءَ عَلِيمًا أَوْ عَظِيمًا أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَعِظِينَ ۖ إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ۖ وَمَا نَحْنُ
بِعَادِلِينَ ۖ﴾

”خداوند نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے یکساں ہے۔ یہ تو اگلے لوگوں ہی کے طریق ہیں اور ہم پر کوئی عذاب
نہیں آئے گا۔“ (الشعراء: 136-138)

لفظ خلق [خاء] کی زبر سے [خلق] بھی پڑھا گیا ہے اور پیش سے [جُلُی] بھی۔ زبر کی صورت میں اس کا یہ مطلب ہوگا
کہ یہ پہلے لوگوں کی گھڑی باتیں ہیں۔ یعنی آپ جو باتیں سناتے ہیں، یہ خود آپ کی بنائی ہوئی ہیں، جنہیں آپ نے
گزشتہ زمانے کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم دنا یعنی اللہ سے اس لفظ کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ [خاء] اور
[لام] کی پیش کے ساتھ [خلق] سے مراد دین ہے۔ یعنی ہم لوگ جس دین پر ہیں، یہ ہمارے آباء و اجداد اور بزرگوں کا دین
ہے۔ ہم اسے ترک نہیں کریں گے بلکہ اسی پر مضبوطی سے قائم رہیں گے۔ ﴿وَمَا نَحْنُ بِمُحَدِّثِينَ﴾ کا جملہ دونوں قراءتوں
سے مناسبت رکھتا ہے۔

قوم نے ہود علیہ السلام سے بھی کہا:

﴿أَجَعَلْنَا لَبِيعُكَ اللَّهُ وَحْدَهُ وَنَدَّ مَا كَانَ يَعْجُدُ آبَاؤُنَا فَاتَّبَعْنَاهُ بِمَآئِدٍ نَا ۖ إِنَّ كُنْتُمْ
مِنَ الضَّالِّينَ ۖ﴾

”کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے
آج ہیں ان کو چھوڑ دیں؟ تم اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے ہم پر لے آؤ۔“ (الأعراف: 70/7)

یعنی کیا آپ اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک ہی اللہ کی عبادت کریں اور اپنے آباء و اجداد کی مخالفت کریں اور ان کا راستہ
چھوڑ دیں۔ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو وہ عذاب لے آئیں جس سے ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ ہم آپ پر ایمان
نہیں لائیں گے۔ آپ کی بیروی نہیں کریں گے، آپ کو سچ نہیں مانیں گے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ سچے کلمے کا نام ہی نہ لیتے تھے بالآخر انہوں نے کہا:

﴿قَدْ وَفَّعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رَجْسٌ وَغَضَبٌ أَتَجَادُّ لَوْ كُنْتُمْ فِي آسَاءٍ سَمِيعِيْمًا
أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَذَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۖ فَانْظُرُوا إِلَىٰ مَعْلَمِكُمْ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۖ﴾

”تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے۔ کیا تم مجھ سے ایسے ناموس

تاج کا عقیدہ رکھنے والے کہتے ہیں کہ مرنے والے تھیں ہزار (36000) سال بعد دوبارہ اسی دنیا میں آ جاتے ہیں۔
یہ ساری باتیں جھوٹ، کفر، جہالت اور گمراہی پر مشتمل ہیں۔ یہ غلط اقوال اور فاسد خیالات ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں۔ اس
سے انسانوں میں سے انہی بدکار فکروں کی عقل متاثر ہوتی ہے جو ہم و ہدایت سے محروم ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلِيَصْلٰى اِلَيْهِ اَنۡفِكَ اَلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالْآخِرَةِ وَ لِيَصۡرُوۡا وَلِيَقْتَرِفُوۡا مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ ۖ﴾

”اور (وہ ایسے کام) اس لیے بھی (کرتے تھے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل ان کی باتوں
پر مائل ہوں اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کام وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں۔“ (الانعام: 113/6)

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو ظلم ربانی کی روشنی میں ہدایت فرمائی جبکہ وہ اپنی بات پڑٹے رہے کہ ہم دوبارہ زندہ نہیں کیے
جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَتَكْفُرُوۡنَ بِكُلِّ رِيۡحٍ اَتَقْبَلُوۡنَ ۚ وَ تَعۡجِدُوۡنَ مَصٰنِعَ اَعۡلَمَکُمْ تَعۡلَمُوۡنَ ۖ﴾

”بھلا تم جو ہر اونچی جگہ پر نشان تعمیر کرتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے؟“ (الشعراء: 128/26)

یعنی انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ہر بلند مقام پر بڑی بڑی عظیم عمارتیں عمارت وغیرہ تعمیر کرتے ہو جن سے محض
دل خوش کرنا مقصود ہوتا ہے اور تمہیں ان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ بات اس لیے فرمائی گئی ہے کہ وہ لوگ خیموں میں رہتے
تھے۔ جیسے کہ ارشاد ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۚ اِۡرَمَ دٰثِرَاتِ الْبِعَادِ ۚ اَلَيْسَ لَیۡ خُلُقٍ مِّثْلٰہٗا فِی الْبِلَادِ ۖ﴾

”کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ ستونوں والے ارم کے ساتھ جس کی
مانند (کوئی قوم) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔“ (الفجر: 8/68/8)

عاد ارم سے عداوٹی ہی مراد ہے۔ وہی لوگ ستونوں پر کھڑے ہوئے خیموں میں رہائش رکھتے تھے۔ یہ کہنا غلط اور بلا
دلیل ہے کہ ”ارم“ ہونے چاہی کہ بنا ہوا ایک شہر ہے، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔

﴿تَعۡجِدُوۡنَ مَصٰنِعَ ۖ﴾ کا مطلب بعض علماء نے ”معلیٰ“ بیان کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: ”اس سے مراد احرام ہیں۔“ بعض نے
فرمایا: ”یہ پانی لینے کی جگہیں تھیں۔“ ﴿اَعۡلَمَکُمْ تَعۡلَمُوۡنَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم دنیا میں طویل عرصہ تک زندہ رہنے کی امید
پر یہ سب کچھ بناتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کی نصیحت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِذَا بُعِثَہُمْ بِطُغۡیٰنِ جَبَارِیۡنَ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاطِيعُوۡنَ ۚ وَ اَتَقُوۡا الَّذِیۡ اَمۡدَکُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ ۚ
اَمۡدَکُمۡ بِاَعۡلَاقِہٖمْ وَ عٰبِیۡنَہُمۡ ۚ وَ جِئَیۡتُ وَ عٰجِیۡنَ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یُّوۡمِ عَظِیۡمٍ ۖ﴾

”اور جب تم (کسی کو) پکڑے ہو تو ظالمانہ پکڑے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اس سے ڈرو جس

جن کی اللہ کے عوا (عبادت کرتے ہو وہ اور) تم سب ل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرتی چاہو) کرلو اور مجھے مہلت ندو۔ (ہود: 55, 54/11)

حضرت ہود علیہ السلام نے ان الفاظ کے ساتھ انہیں چیلنج کر دیا، ان کے معبودوں سے لائق کا اظہار فرمایا، ان کی تحقیر فرمائی اور واضح فرمایا کہ یہ بت کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ تو بے جان مبادات ہیں، جو حکم دوسرے مبادات کا ہے، وہی حکم ان بتوں کا ہے۔ جتنی طاقت دوسرے پتھروں میں ہے اتنی ہی ان میں ہے۔ اگر تمہارا خیال درست ہے کہ یہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں یا نفع دے سکتے ہیں تو میں اعلان کرتا ہوں کہ میں ان سے لاتعلق ہوں، ان پر اعتنا بھیجتا ہوں، تم اپنے تمام وسائل اور پوری طاقت سے جو کچھ کر سکتے ہو، اس کا پروگرام طے کر کے کر ڈالو، مجھے ایک گھڑی کی بھی مہلت ندو، مجھے تمہارا کوئی خوف اور پروا نہیں۔ مزید فرمایا:

﴿إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم مَّا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾

”میں اللہ پر جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسہ رکھتا ہوں۔ (زمین پر) جو بھی چلنے پھرنے والا ہے وہ (اللہ تعالیٰ) اُس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے۔ بیشک میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔“ (ہود: 56/11)

یعنی میرا اعتماد اللہ پر ہے جو کوئی اس کی پناہ میں آئے اور اس کا سہارا طلب کرے، اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ہود علیہ السلام کا یہ چیلنج ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور مخالفین جہالت اور گمراہی کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت میں مشغول تھے۔ کیونکہ وہ لوگ ہود علیہ السلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، نہ کوئی تکلیف دے سکتے، اس سے ثابت ہو گیا کہ ہود علیہ السلام کا پیغام سچا تھا اور ان لوگوں کا عقیدہ باطل اور غلط تھا۔ اس سے پہلے نوح علیہ السلام نے بھی یہی دلیل پیش کی تھی فرمایا:

﴿يَقُولُوا إِنْ كَانِ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذَكَّرِي كَذِبِي يَأْتِ اللَّهُ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجِئُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غِنًى ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُون﴾

”اے میری قوم! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں تو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ تم اپنے شرکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) مقرر کرو اور وہ تمہاری تمام جماعت (کو معلوم ہو جائے اور کسی) سے پوشیدہ نہ رہے۔ پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت ندو۔“ (یونس: 71/10)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہی بات فرمائی تھی:

﴿وَلَا آخَافُ مَا تُشْرِكُونَ يَا إِلَهَ آبَائِنَا رَبَّنَا رَبِّ عَشِيَ رَبِّي فُلٌّ عِلْمًا فَلَا تَسْخَرُونَ مِنْهُمْ وَكَيْفَ آخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَكْثَرَكُمْ شِرْكُكُمْ يَا إِلَهَ مَا لَمْ يُعْزِلْ بِهِ عَنْكُمْ سُلْطَانًا

کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لیے ہیں جن کی اللہ نے کوئی سزا نازل نہیں کی۔ تو تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔“ (الأعراف: 71/7)

یعنی یہ بات کہہ کر تم اللہ کے عذاب اور غضب کے مستحق ہو گئے ہو۔ کیا تم اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کا موازنہ اپنے تراشے ہوئے بتوں کی پوجا سے کرتے ہو؟ حالانکہ انہیں خود تم نے معبود قرار دیا ہے۔ یہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا فیصلہ ہے جس کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اب جب تم نے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور باطل پر اصرار کر رہے ہو تو میرا تمہیں ان اعمال بد سے منع کرنا اور منع نہ کرنا برابر ہے۔ اس لیے اب اللہ کے اس عذاب کا انتظار کرو جو تم پر نازل ہونے والا ہے اور جسے روکا نہیں جاسکتا۔

ہود علیہ السلام کی قوم نے یہ بھی کہا:

﴿يَهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ﴾

”اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل ظاہر لے کر نہیں آئے اور ہم (صرف) تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کر دیا) نہ کر دیا ہے۔“ (ہود: 54, 53/11)

یعنی آپ نے کوئی خرق عادت معجزہ نہیں دکھایا جو آپ کے پیغام کے سچا ہونے کی دلیل بن سکے۔ آپ کے بے دلیل قول کی بنیاد پر تو ہم اپنے بتوں کی عبادت ترک نہیں کر سکتے۔ ہمیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ پاگل ہو گئے ہیں اور ہمارے خیال میں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے کسی معبود کا غضب آپ پر نازل ہوا ہے، اس نے آپ کی عقل کو متاثر کر کے جنون میں مبتلا کر دیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کا بتوں سے اعلان براعت

جب قوم نے دعوت توحید کو تسلیم نہ کیا بلکہ اپنے بتوں کے بارے میں اپنے اعتقاد کا بردست اظہار کیا تو حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے معبودان باطلہ سے بے زاری اور براعت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَآلِهَتُهُمَا أَنِّي بَرَاءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ مِنْ دُونِهِ فَعَيَّدُونِي جَبِيًّا ثُمَّ لَا تُنْظِرُون﴾

”میں اللہ کو گواہ بنا رہا ہوں اور تم بھی گواہ ہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ (تم)

﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحْسَاتٍ﴾

”ہم نے اُن پر غصہ کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی۔“ (حکم السجدہ: 16/41)

یہ تو معلوم ہی ہے کہ وہ آٹھ مسلسل ایام تھے۔ اگر یہ دن بڑا نہ تھوڑا ہوں تو ہفتے کے ساتوں دن منحوس ہونے چاہئیں جن میں عذاب جاری رہا اور اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اصل میں ﴿نَحْسَاتٍ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ یہ دن ان کافروں کے لیے منحوس تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَةَ ۖ مَا تَدْرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِمْ إِلَّا جَعَلَتْهُمُ الْغَالِغِثُ ۝﴾

”اور عاد (کی قوم کے حال) میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے اُن پر نامبارک ہوا چلائی۔ وہ جس چیز پر چلتی تو اس پر زہرہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی۔“ (الذاریات: 42,41/51)

یعنی جس سے کوئی خیر حاصل نہ ہوئی کیونکہ ایک اکیلی (یک طرفہ) ہوا سے نہ بادل اٹھتے ہیں، نہ درخت بار آورہوتے ہیں۔ اس لیے بے باج تھے، کہا جاتا ہے یعنی اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور وہ ہر چیز کو اس طرح ٹوٹی پھوٹی تباہ حال کر دیتی تھی کہ اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری مدعا (مشرقی ہوا) کے ذریعے سے گئی اور عاد کو دیور (مغربی ہوا) کے ذریعے سے تباہ کیا گیا۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَذِّنَا ثَمُودَ إِذْ أَذْنَدَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ الذُّرَارُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ ۖ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ طَائِفًا آخَاَفًا عَلَيْكُمْ عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ ۝﴾

”اور (قوم) عاد کے بھائی (ثمود) کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمینِ احقاف میں ہدایت کی اور اُن سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے (جو کہتے تھے) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔“ (الاحقاف: 21/46)

مزید فرمایا:

﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقِيلًا ۖ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مِمَّنْ بَنَیْنَا فَنَسْتَسْتَجِیْلُهُمْ ۖ فَهَیْطَرَآبَیْنا ۖ لَوْ کَانَ مَعَهُ قُوَّةٌ فَثَبَّتُوا ۚ فَجَاءَهُمُ الْعَارِضُ الْغَاسِقُ ۖ فَجَاءَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾

① صحیح البخاری: بدء الخلق باب ما جاء في قوله: ﴿هو الذي يرسل الرياح﴾..... ② حدیث: 3205 و صحیح مسلم: صلاة الاستسقاء باب في ریح الصبا والذبور: حدیث: 900

والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔“ (الشعراء: 139/140)

تفصیلی بیان کی مثال سورۃ الاحقاف کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ اس میں عذاب کی ابتدا کا ذکر ہے کہ شروع میں ان سے بارش روک لی گئی تھی اور وہ قحط میں مبتلا ہو گئے تھے۔ انہوں نے بارش کی دعا کی۔ اس کے بعد انہیں آسمان میں بادل نظر آیا تو انہوں نے اسے رمت کی بارش والا بادل سمجھا حالانکہ وہ عذاب والا بادل تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ ۖ﴾ (الاحقاف: 24/46) ”یہ وہی ہے جس کے جلدی آنے کا تم مطالبہ کرتے تھے۔“ یعنی عذاب ہے۔ اس میں ان لوگوں کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: ﴿فَاتَّبَعْنَا بِمَا كُنْتَ إِتَّقِي ۖ إِن كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ (الاحقاف: 22/46) ”اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب لے آ جس کا ہم سے وعدہ کرتا ہے۔“

تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی وضاحت اس طرح کی:

﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ وَسَوَّاهُمْ﴾

”اللہ نے اُس کو سات رات اور آٹھ دن لگاتار پانچ چلائے رکھا۔“ (الحاقة: 7/69)

یعنی پوری مدت یہ آدھی مسلسل چلتی رہی۔ ایک قول کے مطابق اس عذاب کی ابتدا جمعہ کے دن ہوئی تھی اور ایک قول کے مطابق بدھ کے دن۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَتَنَزَّلَ الْقَوْمُ فِيهَا صَبْرًا ۖ كَانَهُمْ أَعْجَانُ نَحْلٍ خَاوِيَةٍ ۝﴾

”سو (اے مخاطب!) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) گرے (مرے) پڑے، دیکھے، جیسے کھجوروں کے کھوکھلے

تھے۔“ (الحاقة: 7/69)

انہیں کھجور کے درختوں کے ایسے تنوں سے تشبیہ دی گئی ہے جن کے سرے الگ ہو چکے ہوں۔ کیونکہ ہوا آدنی کو اٹھا کر اوپر لے جاتی تھی، پھر اسے سر کے بل پیچک دیتی تھی، جس سے سر پاش پاش ہو جاتا اور دھڑ باقی رہ جاتا۔ جیسے کھجور کا تھار جس کا پتوں اور پھلوں والا حصہ کاٹ دیا گیا ہو، وہ پڑا ہوتا ہے چٹنا چٹنا فرمایا:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْصٍ مُّسْتَوِيٍّ ۖ تَنَزَّلَ النَّاسُ ۖ كَانَهُمْ أَعْجَانُ نَحْلٍ مُّتَقَرٍّ ۝﴾

”ہم نے اُن پر سخت منحوس دن میں آدھی چلائی۔ وہ لوگوں کو (اس طرح) اکھیرے ڈالتی تھی گویا اکھڑی ہوئی

کھجوروں کے تھے ہیں۔“ (القدر: 19/54-20)

یعنی وہ دن ان کے لیے منحوس تھا جس کا عذاب ان پر ہمیشہ رہے گا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ﴿يَوْمِ نَحْصٍ مُّسْتَوِيٍّ﴾ ”مسلل غصت والا دن۔“ بدھ کا دن ہے۔ اس وجہ سے وہ بدھ کو نامبارک دن قرار دیتے ہیں۔ یہ تصور غلط ہے اور قرآن کے خلاف ہے کیونکہ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

”جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی دواؤں کی طرف آتے دیکھا تو بولے: یہ بادل ہم پر بارش برسائے گا۔“

مغرور قوم کا انجام: قوم عادی نے حق ماننے سے انکار کیا اور اپنی قوت پر ناز کرتے ہوئے اسے چھٹایا تو گویا انہوں نے عذاب الہی کو دعوت خود ہی دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ تم اسجدہ میں اس کا ذکر یوں فرمایا:

﴿فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِحَيْثُ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنَّا قُوَّةٌ أَوْ كَمْ يَبُرُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَلْحَقُهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿١٠﴾ فَاسَلْنَا عَلَيْهِمْ بِرِيحٍ صَارَ فِي أَيَّامٍ تَجُاسُاتٍ يَلْعَنُ فِيهِمْ عَذَابَ الْخَزْزِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْثَرُ لَأُخَذْنِي وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ﴿١١﴾﴾

”جو عاد تھے وہ ناقص ملک میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تو ہم نے بھی ان پر غصہ کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا حزا چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور (اس روز) ان کو مدد بھی نہ ملے گی۔“

(حکم السجدة: 15-16)

بالآخر قوم نے کفر و جہالت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے عذاب کا مطالبہ کر دیا جو بہت جلد پورا کر دیا گیا۔ سورہ احقاف میں اللہ تعالیٰ نے انہی کی بابت فرمایا:

﴿وَأَذِّنْ لِّعَادِ إِثْرًا أُنْزِلَ قَوْمُهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ النَّجْدُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَنَافِقَ تَكُنَ الْهَيْئَةُ قَائِمِينَ بِمَا عِبَدْنَا إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْهَادِينَ ﴿٢﴾ قَالَ لَكُمُ الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَلْبَعْلَمُ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّطِيرٌ نَّابِلٌ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رَجِئْ فِيهِمَا عَذَابَ الْآلِئِمِ ﴿٤﴾ تَدْمِرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهِمَا فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ إِنَّكَ لَمِنَ الصَّابِرِينَ ﴿٥﴾﴾

”اور (قوم) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی اور ان سے پہلے اور پیچھے اور بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے (جو کہتے تھے) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔ وہ کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ

”پھر جب انہوں نے اُس (عذاب) کو دیکھا کہ بادل (کی صورت میں) اُن کے میدانوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کرے گا (نہیں) بلکہ (یہ) وہ چیز ہے جس کے لیے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے۔“ (الاحقاف: 24/46)

جب قوم عاد نے آسمان میں جمع ہوتے ہوئے بادلوں کو دیکھا تو انہیں برستے والے بادل سمجھا۔ لیکن یہ عذاب کے بادل تھے۔ انہیں امید تھی کہ اس بادل سے رحمت حاصل ہوگی لیکن انہیں بری چیز حاصل ہوئی۔ ممکن ہے عذاب سے مراد وہ انتہائی ٹھنڈی تیز آندھی ہو، جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی جس کی وجہ سے کوئی شخص زندہ نہ رہا۔ یہ ہوا ہزاروں کے غاروں میں بھی داخل ہو جاتی تھی اور لوگوں کو ان سے نکال لاتی تھی اور پھر ہلاک کر دیتی تھی اور ان کے مضبوط مکانوں اور پختہ محلات کو سمٹا کر دیتی تھی۔ انہیں اپنی قوت اور طاقت پر فخر تھا، وہ کہتے تھے کہ ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟ اللہ نے ان پر وہ ہوا مسلط کر دی جو ان سے زیادہ طاقت ور تھی۔

ممکن ہے کہ بعد میں یہی ہوا بادل آجائے گا باعث بنی ہو جسے کچھ کچھ کافروں نے رحمت والا بادل سمجھا ہو۔ لیکن اللہ نے اسے ان پر عذاب اور آگ کا باعث بنادیا جیسے متعدد حضرات نے ذکر کیا ہے۔ اس طرح ایک ہی قوم پر مختلف عذاب نازل ہوتے ہوں جس طرح اہل مدین پر مختلف عذاب آئے تھے۔ (واللہ اعلم)

آخر ان زمانہ نبی ﷺ نے اپنی امت کو دیا اور آخرت کی بھلائی کے لیے بہترین اسودہ دیا ہے۔ گزشتہ ام کے واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے امت کو نصیحت فرمائی کہ وہ آندھی و جبرہ کو دیکھ کر منہ بند کر دے اور دعا پڑھا کریں۔ اہل المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب تیز ہوا چلتی تو رسول اللہ ﷺ فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِیْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهِ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِیْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهِ [۔]

”اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اور جو کچھ دے کر وہ بھیجی گئی ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں۔ اور میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اور جو کچھ وہ دے کر بھیجی گئی ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔“

وہ فرماتی ہیں: جب آسمان پر بادل چھا جاتے تو نبی ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا، آپ کبھی باہر تشریف لے جاتے اور کبھی اندر تشریف لاتے، (پریشانی کی حالت میں) کبھی آگے بھیج دیتے جاتے۔ جب بارش نازل ہو جاتی تو آپ کی پریشانی دور ہو جاتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کیفیت محسوس کر کے دریافت کی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”عائشہ! شاید یہ وہی صورت حال ہو، جیسے قوم عاد نے کہا تھا:

﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّطِيرٌ﴾

اور سورۃ الحاقہ میں انہی کی بابت فرمایا:

﴿وَأَمَّا عَادٌ فَأَهْلِكْنَا بِرِيحٍ مَصْرُورٍ عَابِيَةٍ ۖ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَتَلَينَةً أَيَّامًا ۖ حُسُومًا فَتَوَى الْقَوْمُ فِيهَا صَوْغَىٰ كَانَهُمْ أَعْنََاءٌ لِّغُلِيِّ عَادِيَةٍ ۖ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۖ﴾

”رہے عَادُ اُن کا نہایت تیز آمدنی سے ستیاناس کر دیا گیا۔ اللہ نے اُسے سات رات اور آٹھ دن لگاتار ان پر چائے رکھا تو (اے غافل!) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) گرے (اور مرے) پڑے دیکھے جیسے جھجھوروں کے کھوکھلے تنے ہوں۔ بھلا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتے ہے؟“ (الحاقہ: 68-69)

اللہ تعالیٰ نے کرشمہ کافر مہم کی طرح حضرت ہود علیہ السلام کی منکر قوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور انہیں بعد والوں کے لیے نشان عبرت بنادیا۔ اور سورۃ فجر میں ارشاد ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۖ إِمْرَءَاتٍ الْجَبَادِ ۖ الْبَقِیَ لَمْ یَخْلُقْ وَفُلَاحٌ فِی الْبِلَادِ ۖ وَتَمُودَ ۖ الَّذِیْنَ جَاءُوا الصَّخَرَ بِالْوَادِ ۖ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْأَوْدَادِ ۖ الَّذِیْنَ طَعَنُوا فِی الْبِلَادِ ۖ فَالْتَمَزُوا فِیْهَا الْفَسَادَ ۖ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۖ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْأُمُورِ حَصِیۡمٌ ۖ﴾

”کیا آپ نے جانتائیں کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ (جو) ارم (کہلاتے تھے۔ اسنے) دراز قد کرتام زین میں ایسے پیدا نہیں ہوئے تھے اور شہد کے ساتھ (کیا کیا؟) جوادی (قرنی) میں پتھر تراشتے (اور گھر بناتے) تھے۔ اور فرعون کے ساتھ (کیا کیا؟) جو نیچے اور مٹین رکھتا تھا۔ لوگ زین میں سرکش ہو رہے تھے اور اس میں بہت سی خرابیاں کرتے تھے تو تمہارے پروردگار نے اُن پر عذاب کا کوڑا نازل کیا، بیشک تمہارا پروردگار تاک میں ہے۔“ (الفجر: 68-69)

قوم عاد کا ذکر سورۃ توبہ سورۃ ابراہیم سورۃ فرقان سورۃ عنکبوت سورۃ ص اور سورۃ فی میں بھی وارد ہے۔ ہم نے اپنی تفسیر میں اپنے اپنے مقام پر ان واقعات کے بارے میں بیان کیا ہے۔ (وللہ الحمد)

آدمی کا عذاب: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے جس قوم نے بت پرستی شروع کی، وہ قوم عاد تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے واضح ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصۜطَةً ۖ﴾

”اور یاد کرو جب اس نے تم کو قومِ نوح کے بعد سردار بنایا اور تمہیں پیلاؤ زیادہ عطا کیا۔“ (الأعراف: 69/7)

یعنی انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے میں سب سے زیادہ قُدْر اور طاقت و توانیاں عطا کر دیں۔ سورۃ مومنوں میں ارشاد ہے:

﴿فَمَّا اَنشَأْنَا مِنْۢ بَعْدِہِمْ قُرۡنًا اٰخَرِیۡنَ ۖ﴾

”پھر ان کے بعد ہم نے ایک دوسری جماعت پیدا کی۔“ (المؤمنون: 31/23) اس سے مراد بھی ہود علیہ السلام کی قوم ہے۔

ہم کو ہمارے معبودوں سے پیچیدہ دو۔ اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے ہم پر لے آؤ (انہوں نے) کہا کہہ (اس کا) علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو جو (ادکام) دے کر بھیجا گیا ہوں وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی میں پھنس رہے ہو۔ پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو دیکھا کہ بادل (کی صورت میں) اُن کی وادیوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کے رہے گا (نہیں) بلکہ (یہ) تو وہ چیز ہے جس کے لیے تم جلدی کرتے تھے یعنی آدمی جس میں دردِ بدیہ والا عذاب بھرا ہوا ہے۔ وہ ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے تباہ کیے دیتی ہے پھر وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھر لوں کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ گناہ گار لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔“ (الأحقاف: 25-21/46)

اور سورۃ ذاریات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَفِی عَادٍ اِذْ اٰزَلْنَا عَنْہُمُ الرِّیۡحَ الْعَقِیۡمَ ۖ مَا تَدَّرِیۡ مِنْ شَیْءٍ اَنَّا جَعَلْنٰہُ غَٰلِیۡمٌ ۖ﴾

”اور عاد (کی قوم کے حال) میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر نامبارک ہوا چلائی، وہ جس چیز پر چلتی اسے ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی۔“ (الذاریات: 42/41/51)

اور سورۃ نجم میں ارشاد ہے:

﴿وَاِنَّکَ اَھْلَکَ عَادًا الْاَوَّلِیۡنَ ۖ وَتَمُودًا فَمَّا اَنۢفٰی ۖ وَقَوْمَ نُوْحٍۭ قَبْلَ اٰیۡتِہُمۡ کَاۡنُوۡا مِنْۢ ہُمۡ اَظۡلَمَ ۚ وَاطۡغٰی ۚ وَالۡنُفُثَکَ الْاٰخِرِیۡ ۖ فَفَصَّھُمَا مَا عٰطٰی ۖ فَاٰتٰی الْاَوَّلَ رَبَّکَ تَتَّکٰرِیۡ ۖ﴾

”اور یہ کہ اُسی نے عاد اول کو ہلاک کر ڈالا اور شہد کو بھی عرض کی ہو باقی نہ چھوڑا اور اُن سے پہلے قومِ نوح کو بھی۔ بلاشبہ وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے اور اسی نے الٹی ہوئی ستیوں کو دے پھا، پھر ان پر چھایا جو چھایا تو (اسے انسان) تو اپنے پروردگار کی کون کن سی نعمت پر جھگڑے گا۔“ (النجم: 55-50/53)

اور سورۃ قمر میں فرمایا:

﴿لَقَدْ کَانَ عَادٌ فَکِیۡفَ کَانَ عَذَابِیۡ وَتُذٰرٍ ۚ اِنَّا اٰزَلْنَا عَنْہُمُ رِیۡحًا صٰرِصًا فِیۡ یَّوۡمِ نَحۡصِیۡ مُنۡتَبِہٍ ۖ تَنۡزِیۡعُ النَّاسِ کَاۡنَہُمۡ اَعۡجَازٌ نَّخِلٍ مُّتَفَعِّجٍ ۖ فَکِیۡفَ کَانَ عَذَابِیۡ وَتُذٰرٍ ۚ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَہَلْ مِنْ مُّلۡکِکَ ۖ﴾

”عاد نے بھی کھذیب کی تھی سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ ہم نے اُن پر سخت نمکوں میں دن آدمی چلائی۔ وہ لوگوں کو (اس طرح) اکھیرے ذاتی قہر گویا اکھیر سی ہوئی جھجھروں کے تنے ہیں۔ سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟“ (القمر: 22-18/54)

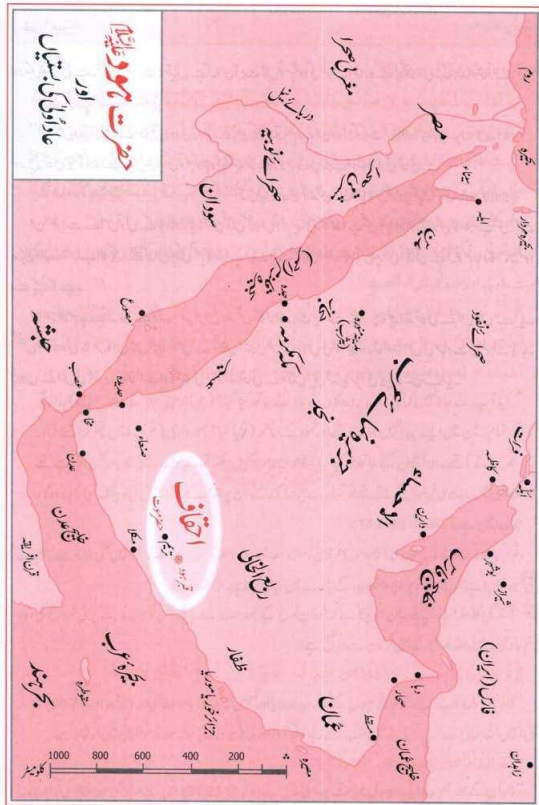
فَاخَذْتَهُمُ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ عُنُتًا

اور چیخ جیسی تیز آواز سے صالح علیہ السلام کی قوم کو تباہ کیا گیا تھا۔ اور قوم عاد کی بابت ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالِهِكُّوْا بِرَبِّجْ صَرَصَرَعَاتِيَّةٍ﴾ ﴿٦٩﴾ ”انہیں نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا گیا۔“ (الحاقہ: 6/69)

ان حضرات کے اس قول کے باوجود یہ ناممکن نہیں کہ اس قوم پر چیخ کا عذاب بھی آیا ہو اور آج بھی عذاب کا عذاب بھی، جیسے مدین والے اسحاب الایکہ تھے کہ ان پر کئی قسم کا عذاب ایک وقت نازل ہوا۔ پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ قوم عاد کا زمانہ شود سے پہلے کا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عادی لوگ اکھڑ مزاج، سرکش، کافرو بت پرست تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک شخص (رسول بنا کر) ان میں بھیجا، جس نے انہیں اللہ کی طرف، اس کی توحید اور خالصتاً اس کی عبادت کی طرف بلایا۔ انہوں نے اس کی تکذیب، مخالفت اور گستاخی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں انہی بندہ سزا کی لپیٹ میں لے لیا۔



إِلَّا اَعْتَبَرْتَ بَعْضَ الْهَيْئَاتِ

”اے ہو! ہمارے پاس کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم صرف تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ تم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں بلکہ تم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے آسیب لگا دیا ہے۔“ (ہود: 53/11)

جب دلائل و براہین سے حق واضح کر دیا گیا، حق تبلیغ پورا ہو گیا، کفار کا کفر و شرک اور ظلم و عناد تمام حدود پھیلا گیا تو منت اللہ کے پورے ہونے کا وقت آ گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا أَسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا مَصْرُوفًا يَوْمَ نَبْضِ نَفْسٍ فُتَيْتٍ ۖ تَنَزَّعُ النَّاسُ ۖ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعٍ ۚ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنَذِيرِ ۚ﴾

”ہم نے ان پر تیز و تند مسلسل طوفانے ہوا ایک پیٹیم نفوس دن میں بھیج دی، جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر دے پھینکتی تھی گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے گھجور کے سنے تھے۔ پس کس رہی میری سزا اور میرا ڈرانا؟“ (القمر: 20, 19/54)

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس سرکش معبود، بدو مانع اور شرک قوم کو با دھر صر سے تباہ و برباد کر دیا۔ یہ ایک تندر تیز، بخ بستہ اور شور مچاتی ہوئی ہوا تھی جو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی۔ یہ ہوا ان کافروں کو ان کے مضبوط قلعوں اور محلات سے اٹھانی اور زمین پر پھینچ دیتی جس سے ان کے سر دھڑ سے جدا ہو جاتے اور وہ لمبے ترنگے، گھجور کے تنوں کی طرح زمین پر گر پڑتے۔

﴿فَلَمَّا كَانِ جَوَابُ نَزْمِي سَ، وَبَدَتْ سَبِي كَا جَوَابِ اخْلَاقِ سَ دِينَا: فَحَضَرَتْ هُوَ لِّلَّهِ كَ قَصَ سَ دَاعِيَانِ تَوْحِيدِ وَ رَسَالَتِ كَوِي دَرَسَ مَاتَا سَ كَ اَنْفُسِ اَسْ مَقْدَسِ فَرَضِ اِي اَدْبَاغِ مِيْلِ مَبِيشَ نَزْمِ خَوَ اَوْرِ شِيْرِ بَيَانِ هَوْنَا چَا سَ سَ تَحْوِيْلِ كَا جَوَابِ خَنَدَهْ پِشَانِي سَ دِينَا چَا سَ سَ بَدَوَهْ كُوْنِي اَوْرِ اسْتِهْرَا كَا جَوَابِ اخْلَاقِ وَ اَدَابِ سَ دِينَا چَا سَ تَا دَعْوَتِ حَقِّ مَكْرَمِ كَرْنِ كَ دَوَلِ مِيْلِ بِيوسْتِ هَو جَا سَ سَ نِيْزِ اسْ مَشْنِ كُو سَ لُوْثِ هَو كَر اَدَا كَرْنَا چَا سَ سَ جِيْسَا كَ فَحَضَرَتْ هُوَ لِّلَّهِ نَ قَوْمِ كُوْخَا طَبْ كَر كَ فَرِيَا بَا تَحَا:

﴿لَقَوْمٍ لَا اسْتَلْكَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۚ اِنْ اُخْبِرِيْ اِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرْنِيْ ۚ اَكَلَا تَعْقِلُوْنَ ۚ﴾

”اے میری قوم! میں تم سے اس کی کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ یہ کچر کم عقل سے کام نہیں لیتے؟“ (ہود: 51/11)

آپ کے اس اسلوب خطاب سے یہ بھی دور متا ہے کہ جنہیں دعوت حق دی جاے انہیں اچھے ناموں سے پکارا جاے تاکہ انہیں رغبت ہو، جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے کافر و شرک قوم کو ”میری قوم“ کہہ کر مخاطب کیا۔

﴿يَهُودُ مَا جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُمْ وَ تَحَا ۖ يَتَارِكُ الْيَهُودُا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا فَحَنَ اَلَكْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۚ اِنْ اَنْفَلُوْا

نتائج و فوائد عبرت و حکمتیں

﴿قَوْمِ عَادِ كَا مَسْكَنِ﴾ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم اللہ تعالیٰ نے مضبوط اور قوی اجسام سے نوازا تھا۔ سخت اور بلند و بالا پہاڑوں کو تراش کر خوبصورت محلات تعمیر کرنے میں ان کا عانی نہیں تھا۔ ان کی زمینیں سرسبز و شاداب اور ہر قسم کے باغات سے آراستہ تھیں۔ ان کو قرآن مجید میں ”احناف“ والے کہا گیا ہے۔ احناف کے معنی ریت کے اونچے ٹیلے ہیں۔ یہ صحرائے عرب کے جنوب مغربی حصے کا نام ہے۔ ان کے اکثر قبائل تھان سے حضرموت اور یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کا مسکن یمن تھا جبکہ ان کی اکثر آبادی حضرموت اور یمن میں بحیرہ عرب کے سواحل کے آس پاس تھی۔

﴿آبَاءُ وَاِجَادِ اِدْ اِنْدِجِي تَقْلِيْدِ كَا خَوْفَا كِ اِنْجَامِ﴾ دیگر اقوام کی طرح ہود علیہ السلام کی قوم بھی اس مرض بکا شاکار تھی۔ آباء و اجداد کے باطل طریقوں کو چھوڑنا اور ہود علیہ السلام کی دعوت حق کو قبول کرنا ان کے لیے عمل تھا۔ ان کے لیے یہ تصور ناقابل قبول ہو گیا کہ اتنی بڑی کائنات کو صرف ایک ہستی چلا رہی ہے جبکہ انہوں نے اولاد کے حصول کے لیے اور کھیتوں، بارش اور کاروبار میں نفع و نقصان کا مالک دوسرے بتوں کو بنا رکھا تھا۔ دشمنوں پر فتح کے لیے الگ بت تھا۔ صحت و تندرستی کسی سے حاصل ہوتی تھی تو دولت و امارت کسی اور سے۔ اس طرح انہوں نے اپنے لیے بے شمار داتا، غریب نواز، شمع بخش اور غوث و دیگر بنائے ہوئے تھے۔ ان کے بڑے بڑے مشکل کشای تھے جن: ① صمود۔ ② صمداء اور ③ اصباء۔ بالآخر ان بتوں کی پوجا اور آباء و اجداد کی اندھی تقلید ان کے خوفناک انجام کا سبب بنی اور یہ دیکھ کر ان کو کوئی مدد نہ کر سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلُوْا لَا تَصْرَهُمُ الْاٰدِيْنَ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَرِيْطًا كَا الْهَيْدَةِ بَلْ صَلُّوْا عَلَيْهِمْ ۚ وَ ذٰلِكَ اَقْبَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝﴾

”پس توبہ الہی کے حصول کے لیے انہوں نے اللہ کے سوا جن کو ان مجبور بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو ان سے کھو گئے، (بلکہ دراصل) یہ ان کا محض جھوٹ اور (بالکل) بہتان تھا۔ (الاحقاف: 28/46)

﴿بَا وُصْرَ اَوْرِ خُوسْتِ كَ اِيَامِ﴾ حضرت ہود علیہ السلام نے بتوں کی پجاری قوم کو ہر طرح کے دلائل و براہین سے توحید کی دعوت دی اور انہیں ایک اللہ پروردگاری عبادت پر یکسو کرنے کی کوشش کی مگر بتوں کی پوجا میں غرق، آباء و اجداد کے رسوم و رواج کی تقلید میں اندھی قوم نے طرح طرح کے دلائل دیکھنے سننے کا باوجود آپ کو جواب دیا:

﴿يَهُودُ مَا جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُمْ وَ تَحَا ۖ يَتَارِكُ الْيَهُودُا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا فَحَنَ اَلَكْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۚ اِنْ اَنْفَلُوْا

اس طرح آپ نے کفار و مشرکین کو لا جواب کر دیا۔ آپ کی اس جرأت کا سبب بھی قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے تاکہ
تایقاً مت آنے والے داعیان حق اسی صفت کو اپنا کر میدانِ دعوت و ارشاد میں آئیں۔ آپ نے فرمایا تھا:

﴿إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ﴾

”میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہے جو میرا اور تم سب کا پروردگار ہے۔“ (ہود: 56/11)

لہذا جو بھی داعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے خوف کو امن اور کمزوری کو قوت و طاقت سے بدل دیتا ہے۔
توبہ و استغفار کے فوائد و ثمرات: تاریخ انسانی کے مطالعے سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ جب کسی معاشرے میں
ظلم و عدوان، سرکشی، فتنہ و فساد، قتل و غارتگری، کفر و شرک اور دیگر معاصی پھیل جاتے ہیں، شکر گزاری کی بجائے ناشکری
عام ہو جاتی ہے تو پھر اے معاشرے اور ملک عذاب الہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تنکیر و جابر تو میں مٹ جاتی ہیں اور ناز و نعم
میں دوا پیش دینے والی ہتیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس طرح گناہ نہ صرف انسانی جسم و عقل کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے
ہیں بلکہ اجتماعی نظام حیات کے لیے بھی مہلک ثابت ہوتے ہیں۔

لیکن اگر قومیں توبہ و استغفار کے ذریعے سے اپنے گناہوں سے رجوع کر لیں اپنے رب کی شکر گزاری بن جائیں تو
پروردگار عالم نہ صرف ان کی نعمتوں میں اضافہ فرما دیتا ہے بلکہ ان قوموں کو طویل عرصہ تک نعمتوں سے مستفید ہونے کا موقع
دیتا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام بھی اپنی قوم کو اسی حقیقت سے روشناس کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۖ اٰتِنِي قَوْلِيَ ۚ ثُمَّ تَبَوَّءْنَا لِنَافِثٍ لِّمِثْلٍ لِّمِثْلٍ ۚ وَرَبِّكَ فَتَوَكَّلْ ۚ قَوْلًا اِلٰى قَوْمِكَ ۚ

وَاَنْتَ لَتَتَوَلَّوْا مَعْجُوْنًا ۙ﴾

”اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے اپنی تقصیروں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو
تاکہ وہ برسنے والے بدل تم پر بھیج دے اور تمہاری قوت پر اور قوت بڑھا دے اور تم گناہ گار ہو کر روگردانی نہ
کرو۔“ (ہود: 52/11)

توبہ و استغفار، گناہوں کی معافی، رزق میں ترقی اور قرب الہی کے حصول کا اہم ذریعہ ہے۔ توبہ کی طرف وہی شخص متوجہ
ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر قسم کے غم و اندوہ سے بے پروا کر دیتا ہے۔
جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لِّهٖ مَخْرَجًا ۚ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ

”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے نفع کے لیے راستہ بنا دیتا ہے۔ اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں
اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔“ (الطلاق: 3/2/65)

آپ کی قوم کو پھیلنے سے لے کر بغاوت جاری چشموں اور لہجائی کھیتوں سے نوازا تھا۔ انہیں مضبوط اور قوی بنایا تھا اور بلند
قد و قامت عطا کی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ نعمتوں کی فراوانی پر شکر بجالاتے، وہ بیش و مشرت اور فخر و مہمات میں غرق
ہو گئے۔ بلند و بالا پہاڑوں کو تراش کر عالی شان محلات تعمیر کرنا ان کا مشغلہ بن گیا۔ ان محلات کی تعمیر و آرائش پر کثیر دولت
اور وقت صرف کرتے تاکہ دوسروں پر فخر اور برتری کا اظہار کر سکیں۔ وہ یہ سارے کام اظہارِ تفاخر اور محض کھیل کود کے لیے
کرتے۔ ان محلات میں رہائش رکھنا ان کا قطعاً مقصد نہ تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو وقت اور وسائل کے اس بے جا ضیاع
سے منع کیا۔ انہیں ایسا کام کرنے سے سختی سے منع کیا جس کا مقصد دین و دنیا کے منافع سے خالی تھا۔ لہذا انہیں اس بے کار
محض اور عبت کام سے روکتے ہوئے فرمایا:

﴿اَتَنْتَوْنُ بِمِلٍّ رَّبِّجَ اٰيَةٍ تَعْلَمُوْنَ ۙ وَ تَتَّقِلُوْنَ مَصَالِحَ تَعْلَمُكُمْ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴾

”کیا تم ایک ایک نیلے پر بطور کھیل تماشا یادگار (عمارت) بنا رہے ہو۔ اور بڑی صنعت والے مضبوط محل تعمیر
کر رہے ہو گو یا کہ تم ہمیشہ پیہل رہو گے۔“ (الشعراء: 129, 128/26)

آپ کی اس نصیحت میں موجودہ دور کے امراء کے لیے بھی درسِ عبرت موجود ہے جو بیوقوف و غریبوں کی حالت پر کڑووں
روپے خرچ کر رہے ہیں جبکہ ان کا مقصد صرف دولت مند کی کا اظہار ہوتا ہے جبکہ ان کے پہلو میں لاکھوں انسان دو وقت کی
روٹی اور سر چھپانے کے لیے چند گز کے گھر کے لیے دست التجا بلاتے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو رحمت و دعا عالم تبارک کے اس
فرمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے آپ نے فرمایا: ”اسراف اور تکبر سے بچتے ہوئے (جو جاوید، کھاؤ، پیو، پہننا اور صدق کرو۔“
جرأت ایمانی: حضرت ہود علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ سے ہر مصلح، بردباری اور ہر مومن کو جرأت ایمانی کا درس ملتا ہے جبکہ وہ
امرا بالمعرفہ اور نبی منی المکر کا فریضہ ادا کر رہا ہو۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو دعوت و توحید دی، ان کے معبودان باطلہ کی بے
وقتی اور بے حیثی کو واضح کیا، نیز انہیں اسراف و تجذیر سے روکا تو قوم کو تم گئے: ”یوہوہما ردا ما غ باؤف ہو گیا ہے۔ ہمارے
بزرگوں کی گستاخی کرنے سے تمہارا دماغ چل گیا ہے، ہمیں لگتا ہے کہ تو ہمارے کسی دیوتا کے زیرِ عتاب آ گیا ہے۔ اس پر
ہود علیہ السلام نے کمال جرأت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے تمام ایلوتاؤں سے بیزار ی اور براءت کا اظہار کیا اور انہیں
ان کے ایلوتاؤں سمیت چیلنج دے دیا:

﴿قَالَ اِنِّیْ اٰتٰیْتُكُمْ اللَّهَ وَ اٰتٰیْتُكُمْ اٰتٰی بَیِّنًا ۚ وَمَا تَشْكُرُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِہٖ فَلَیْلٌ وَّ فِیْہِا جَبِیْثٌ ثُمَّ

لَا تَنْظُرُوْنَ ۙ﴾

”آپ نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اللہ کے سوا ان سب سے بے زار ہوں جنہیں تم
شریک بنا رہے ہو۔ اچھا تم سب کو میرے حق میں ہدی کر لو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔“ (ہود: 55, 54/11)

دیا تو بیکس الٹ دی گئیں اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا گیا۔ پھر نبی ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہو کر اس کنوئیں کے پاس جا پھرے جہاں سے اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ آپ نے ان لوگوں کے (دوران) گھروں میں داخل ہونے سے منع فرمایا جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا اور فرمایا: ”میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بھی ویسا عذاب نہ آجائے جیسا ان پر آیا تھا، اس لیے ان کے علاقے میں داخل نہ ہوا کرو۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام حجر میں ارشاد فرمایا: ”ان عذاب یافتہ لوگوں کے علاقے میں (داخل ہونا پڑے تو) صرف روتے ہوئے داخل ہوا کرو، اگر ورنہ نہ آتے تو ان کے علاقے میں داخل نہ ہونا، کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آجائے جو ان پر نازل ہوا تھا۔“

ان کا زمانہ قوم عاد کے بعد کا ہے اور شہود عادی طرح پرست تھے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اہل کتاب ان دونوں قوموں (عاد اور شہود) کے حالات سے واقف نہیں تھے کیونکہ ان کی کتاب، تورات میں ان کا ذکر نہیں۔ لیکن قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو عاد و شہود کے بارے میں بتایا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تُكْفَرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۖ قَالَ اللَّهُ لَعَنَىٰ حَيْيِدٌ ۖ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَشُعُوبَةُ ۖ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ لَا يَعْصِيهِمْ إِلَّا اللَّهُ فَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ﴾

”اور موسیٰ نے (صاف صاف) کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ناشکری کرو تو اللہ پھر بھی بے نیاز (اور) قابل تعریف ہے۔ بھلا تم کو ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے یعنی قوم نوح اور عاد اور شہود اور جو ان کے بعد تھے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ان کے پاس پیغمبر مبعوضے لے کر آئے۔“ (ابراہیم: 9, 14)

یہ پوری بات موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمائی تھی۔ لیکن چونکہ یہ دونوں قومیں اہل عرب میں سے تھیں، اس لیے اہل کتاب نے ان کے حالات کو اچھی طرح معلوم نہیں کیا، نہ انہیں یاد رکھنے کو کوئی اہمیت دی حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان قوموں کے حالات ان میں مشہور تھے۔ ہم نے تفسیر میں اس موضوع پر تفصیل سے کام کیا ہے۔

اس وقت شہود کا واقعہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ان کا کیا معاملہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو اور مومنوں کو

① مسند أحمد: 117/2

② مسند أحمد: 114/2، صحیح البخاری 'الصلوة' باب الصلاة في مواضع الحسف والعذاب' حديث: 433، 'صحیح مسلم' 'الزهد' باب النهي عن الدخول على أهل المحرمة.....، حديث: 2980



حضرت صالح علیہ السلام کا نام و نسب اور قوم شہود کا علاقہ

شہود ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے۔ یہ جدیس کے بھائی شہود کی نسل ہیں۔ یہ دونوں عاشر کے بیٹے تھے، جو ارم کا بیٹا تھا اور ارم نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کا بیٹا تھا۔

یہ درحدہ کم کی خالص عربی قوم سے تھے۔ ان کی رہائش جو کہ اور حجاز کے درمیان حجر کے مقام پر تھی جسے مدائن صالح بھی کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ طلح عقبہ کے مشرق میں واقع شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ قوم شہود کے مکانات اس علاقے میں پہاڑوں میں کھدے ہوئے صاف نظر آتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جو کہ جاتے وقت اس مقام سے گزرے تھے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جو کہ تشریف لے گئے تو مقام حجر میں شہود کے (دوران) گھروں کے قریب فروش ہوئے۔ لوگوں نے ان کو ان کے پانی لے لیا، جو شہود کے زیر استعمال رہے تھے۔ انہوں نے (اس پانی سے) آٹا گوندہ لیا اور (گوشت پکانے کے لیے آگ پر) دیکھیں چڑھا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم

عمل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ اُن کی قوم کے سردار لوگ جو غرور رکھتے تھے غریب لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے، کہنے لگے: بھلا تم یقین کرتے ہو کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں جو چیز وہ دے کر بھیجے گئے ہیں ہم اُس پر بادشاہ ایمان رکھتے ہیں۔ تو غرور (سردار) کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔“ (الاعراف: 76-74)

یعنی اللہ نے تمہیں عادیہ جانشین بنایا ہے تاکہ تم ان کے حالات سے عبرت حاصل کرو اور ان جیسے عمل نہ کرو۔ اللہ نے تمہیں یہ زمین عطا فرمائی جس کے میدانوں میں تم محلات تعمیر کرتے ہو اور پہاڑ تراش کر بڑی مہارت، کارگیری اور پختگی کے ساتھ مکان بناتے ہو۔ لہذا اللہ کی اس نعمت کے عوض شکر اور نیک عمل کرو اُس کی عبادت کرو اُس کے ساتھ شکر نہ کرو، اس کے احکام کی مخالفت کرتے ہوئے اس کی اطاعت سے روگردانی نہ کرو کیونکہ اس روش کا انجام بہت خطرناک ہے۔

❖ قوم کو توپہ کی تلقین: حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو بتوں کی پوجا سے روکا اور دیگر کتابوں سے توپہ کی تلقین کی لیکن

نافرمان قوم نے پہلے سے بھی زیادہ کوشش کا مظاہرہ کیا۔ سورہ ہود میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالِیُّ نَمُودَ أَخَاهُمْ صَاحِبًا قَالَ یَقُومُوا عِبَادَ اللَّهِ مَا لَكُمْ مِنَ الْوَعْدِ ۖ هُوَ أَنتُمْ أَنْتُمْ كَمْ هُمْ ۚ قَدْ أَرْضَی وَاسْتَعْمَرْتُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْرِوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَیْهِ إِنَّ رَبِّی قَوِیْمٌ حَبِیْبٌ ۝ قَالُوا یَصْلِحْ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوءًا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَدُنَا أَنْ نَعْبُدَ مَا یَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَرِثْنَا لَنَحْنُ شَاقِقٌ ۖ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَیْهِ وَهَرِیْبٌ ۝ قَالَ یَقُومُوا أَرَأَیْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَیِّنَةٍ مِّنْ رَبِّی وَاسْتَفِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یُضِلُّهُ مِنْ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُمْ مَّا تَدْعُونَ وَتَدْعُونَ غَیْرَ تَحْسِبُوهُ ۝﴾

”اور شہودی کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اُسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا سو اُس سے مغفرت مانگو اور اُس کے آگے توپہ کرو۔ بے شک میرا پروردگار رزددیک (بھی ہے اور دعا کا) قبول کرنے والا بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ صالح! اس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) امیدیں رکھتے تھے (اب وہ منقطع ہو گئیں) کیا تم ہم کو ان چیزوں کے پونے سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے بزرگ پونے آئے ہیں؟ اور جن بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس میں ہمیں خست شبہ ہے۔ صالح نے کہا: اے قوم! بھلا دیکھو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اُس نے مجھے اپنے ہاں سے (نبوت کی) نعمت بخشی پھر اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو اُس کے سامنے میری کون سی مدد کرے گا؟ تم تو (کفر کی باتوں سے) میرا نقصان بڑھا رہے ہو۔“ (ہود: 63-61/11)

اللہ ہی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس کے آباد کرنے والے بنایا۔ یعنی زمین میں جو فضیلتیں اور پھل ہیں، وہ

کس طرح نجات دی اور جن ظالموں نے کفر و کوشش کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنے رسول کی مخالفت کی تھی، انہیں کیسے تباہ کیا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ عربی قوم تھے اور ان کا زمانہ عاد کے بعد کا ہے۔ لیکن انہوں نے عاد کے واقعات سے عبرت حاصل نہ کی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس قوم کے لوگوں کی عمریں بہت طویل تھیں۔ آدمی مٹی سے گھر بناتا تو اس کی موت سے پہلے وہ گھر گر پڑتا۔ چنانچہ انہوں نے پہاڑ کھود کر گھر بنانے شروع کر دیے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے اپنے ایک بندے کو نبوت کے منصب پر فائز کر کے ان کی طرف بھیجا۔ اس نبی کا نام صالح بن عبید بن ماح بن عبید بن حادر بن شعود بن عاثر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت و دعوت اور سرداران قوم کا رویہ

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو اس بات کی دعوت دی کہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کریں، بتوں سے کنارہ کشی کریں اور اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔ کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن اکثر نے نفرت کیا اور زبان و عمل سے انہیں اذیت دی، انہیں شہید کرنے کا پروگرام بنایا اور اس اٹھنی کو قتل کر دیا جسے اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیدا فرمایا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شدید گرفت میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کا تذکرہ سورہ اعراف میں یوں کیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالِیُّ نَمُودَ أَخَاهُمْ صَاحِبًا قَالَ یَقُومُوا عِبَادَ اللَّهِ مَا لَكُمْ مِنَ الْوَعْدِ ۚ هُوَ أَنتُمْ أَنْتُمْ كَمْ هُمْ ۚ قَدْ أَرْضَی وَاسْتَعْمَرْتُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْرِوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَیْهِ إِنَّ رَبِّی قَوِیْمٌ حَبِیْبٌ ۝ قَالُوا یَصْلِحْ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوءًا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَدُنَا أَنْ نَعْبُدَ مَا یَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَرِثْنَا لَنَحْنُ شَاقِقٌ ۖ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَیْهِ وَهَرِیْبٌ ۝ قَالَ یَقُومُوا أَرَأَیْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَیِّنَةٍ مِّنْ رَبِّی وَاسْتَفِی مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یُضِلُّهُ مِنْ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُمْ مَّا تَدْعُونَ وَتَدْعُونَ غَیْرَ تَحْسِبُوهُ ۝﴾

”اور قوم شہودی کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (تو صالح نے) کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“ (الاعراف: 73/7)

اور پھر مزید فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَ بَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سَهُولِهَا مَقْصُورًا وَ تَنْجُسُونَ الْعِبَالَ ۖ بَيَّوْنَا قَاذِرُوكَآ أَلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ قَالَ الْمَلَآئِكَةُ الَّذِينَ اسْتَلْبِزُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنْ اسْتَفْضِعُوا لَيَمُنَّ أَمِنْ مِنْهُمْ أَعْلَمُونَ أَنَّ صَاحِبًا مُّرْسَلًا مِّنْ رَبِّكَ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَلْبِزُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنُكُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۝﴾

”اور یاد تو کرو جب اُس نے تم کو قوم عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا کہ نرم زمین سے (مٹی لے لے کر)

يَقُولُ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالْإِسْبَةِ قَبْلَ الْمَصْنَعِ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٥٠﴾
قَالُوا لَعَلَّكَ بِكَ وَبَيْنَ مَعَكَ قَالَ طَبَقْتُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفَكِّنُونَ ﴿٥١﴾ وَكَانَ فِي
الْمَدْيَنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا نَتَنَاسُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ
وَأَهْلَكَ ثُمَّ لَنَنْكُرَنَّهُ يَوْمِيهِمْ مَا شَهِدْنَا مَعَهُلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٥٣﴾

”اور ہم نے شمود کی طرف اُس کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو پھر بھی وہ دفریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے۔ صالح نے کہا کہ کیا تم اپنا حق بھائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی کرتے ہو (اور) اللہ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے؟ وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھی ہمارے لیے برا شگون لائے ہو۔ صالح نے کہا کہ تمہاری بدشگونی اللہ کی طرف سے ہے بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو فتنے میں پڑے ہوئے ہو۔ اور اس شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے آپس میں قسمیں کھا کر عہد کیا کہ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر شیخوں ماریں گے پھر اس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم صالح کے گھر والوں کے موقع بلا تک پر گئے ہیں انہیں اور ہم باکل حق کہتے ہیں۔“ (النمل: 45-49)

❖ اللہ کے نبی پر ایک حملے: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اپنی ضد پرازی رسی اور دعوت کو حید قبول کرنے کی بجائے اپنے نبی کی ذات پر ایک سلسلہ شروع کر دیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنَّدْرِ ۖ فَقَالُوا إِتْرَأَ وَهَذَا وَاجِدًا ۖ تُلْقِيهِآ إِذَا لَقِيَ صَلْبًا ۖ وَسُحُورًا ۚ ؕ أَلَيْسَ
الْبَدْنُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا ۚ بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَفِيمٌ ۚ سَيَعْلَمُونَ عَذَابَ أَهْلِ الْكَذَّابِ الْأَشْوَرِ ۖ﴾

”ثمود نے بھی ہدایت کرنے والوں کو جھٹلایا اور کہا کہ بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے ہم اس کی بیروی کریں؟ یوں ہوتا ہم گمراہی اور ہدایت کی میں پڑ گئے۔ کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ جھوٹا خود پسند ہے۔ ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا خود پسند ہے۔ (القمر: 23-26)

قوم ثمود کی طرف سے چمڑے کا مطالبہ اور اس کی بے حرشی

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو دعوت حق دی لیکن وہ انکار پر ہی مصرعے بلکہ آپ کو جادو زدہ کہا اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے بے رسول ہیں تو کوئی عجز یا ناشانی پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبے کا قرآن مجید میں یوں ذکر کیا ہے:

﴿قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۖ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا ۚ فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۖ﴾
قَالَ هَلْ بِوَأَقَاعِهِمْ شَرْبٌ وَلَكُمْ شَرْبٌ يَوْمَ مَعْلُومٍ ۚ وَلَا تَسْهَوْنَ يَوْمَ يَأْتُكُمُ بِمَا كُنْتُمْ تُخَفُّونَ ۚ قَالَ

تھیں دے، اس لیے وہی خالق اور رازق ہے اور وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے، نہ کہ دوسری چیزیں اور افراد۔
﴿فَاسْتَغْفِرُوهُ ثَلَاثَ ثَلَاثٍ﴾ ”سو اے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو۔“ یعنی توبہ بد اعمالیاں کر رہے ہو، انہیں چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ وہ توبہ قبول کر کے تمہیں معاف فرمادے گا۔ ﴿إِنْ زِلْنَا قَرِيبٌ مُجِيبٌ﴾ ”میرا رب یقیناً قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے۔“

اس موقع پر آپ نے نرم لہجے اور نرم الفاظ میں بات کی اور انہیں نیکی کی طرف بلانے میں خوبصورت انداز اختیار کیا اور فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر معاملہ جج جج ویسے ہی ہوا جیسے میں کہتا ہوں تو تم اللہ کے ہاں کیا عذر پیش کر سکو گے؟ اس کے بار بار میں تم کیسے جان چھڑا سکو گے؟ تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو کہ میں تمہیں اس کی اعطاعت کی طرف بلانا چھوڑ دوں، میرے لیے یہ قطعاً ممکن نہیں، کیونکہ یہ مجھ پر فرض ہے۔ اگر میں اس کی ادائیگی ترک کر دوں تو مجھے اللہ کے عذاب سے نہم بچا سکو گے نہ کوئی اور میری مدد کر سکے گا۔ اس لیے میں تمہیں اللہ وحدہ لا شریک کی طرف بلاتا رہوں گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔

سورۃ الشعراء میں دعوت صالح علیہ السلام کا ذکر یہ یوں کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلا تَتَّقُونَ ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنِ اجْتَرَىٰ رِجَالٌ عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ أَتُؤْتُونَ فِي مَا هُمْ عَنْ آمِينٍ ۖ فِي جَنَّتٍ وَعَيْنِينَ ۖ وَذُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضْبٌ ۖ وَتَنْجُونَ مِنَ الْجِبَالِ تَبِيْعًا فَرِحِينَ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَكْبِعُوا ۖ وَلَا تَطِغُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ۖ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۖ﴾

”اور قوم ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب اُن کو اُن کے بھائی صالح نے کہا: تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا ناو اور میں اس کا تم سے بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ (اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا جو چیزیں (تمہیں یہاں میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دے جاؤ گے؟ (یعنی) ان باغوں اور ان چشموں اور ان کھیتوں اور ان کھجوروں کے باغوں میں جن کے شگونے نرم و نازک ہیں۔ اور تم تکلف سے پہاڑوں میں تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو جو ملک میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔“ (الشعراء: 141-152)

❖ قوم کی بدشگونی: دعوت حق کو تھانے کی بجائے قوم نے حضرت صالح علیہ السلام آپ کے ساتھیوں سے بدشگونی لینا شروع کر دی اور فساد کے لیے صلاح مشورہ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقٌ يَخْتَصِمُونَ ۚ قَالَ

رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَطْلَمُوا بِهَا﴾ یعنی اس کا کار کیا۔ اس کو دیکھ کر حق کی پیروی نہیں کی۔ اس سے مراد ان کی اکثریت کا عمل ہے۔

وہ اونٹنی ان میں موجود رہی۔ ان کے علاقے میں جہاں سے چاہتی چرتی جاتی اور جب کنوئیں پر پانی پینے جاتی تو کنوئیں کا سارا پانی پی لیتی۔ چنانچہ لوگ اپنی اپنی دالے دن انگلے دن کے لیے بھی پانی بھر لیتے تھے۔ وہ لوگ اس کا دودھ پیتے اور وہ سب کے لیے کافی ہو جاتا۔ اس لیے آپ نے ان سے فرمایا: ”(ایک دن) اس کی پینے کی باری ہے اور ایک مہینے روز تہباری باری۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ﴾ ”ہم اونٹنی ان کے لیے آزمائش بنا کر بھیجے والے ہیں۔“ آزمائش اس لحاظ سے تھی کہ کیا وہ اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟ ﴿فَارْتَقِبْهُمْ﴾ ”پس انتظار کیجیے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟“ اور ان کی طرف سے تکلیف دی جائے تو صبر کیجیے اور ان کو آگاہ کر دیجیے کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے۔ ہر (باری والے کو اپنی) باری پر آنا چاہیے۔

اور صالح ﷺ نے فرمایا:

﴿قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ قَدْ رُؤُواهَا تَأْكُلُ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَسْتَوْسِمُوهَا بِسَوْءٍ فَيَاخُذَكُمْ عَذَابُ آلِيمٍ﴾

”تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک معجزہ آچکا ہے یعنی یہی اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے معجزہ ہے۔ سو اسے (آزاد) چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور تم اسے بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگنا ورنہ دردناک عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔“ (الأعراف: 73/7)

اور مزید فرمایا:

﴿يَقُومُ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ قَدْ رُؤُواهَا تَأْكُلُ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَسْتَوْسِمُوهَا بِسَوْءٍ فَيَاخُذَكُمْ عَذَابُ قَبِيْبٍ﴾

”اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی (معجزہ) ہے لہذا اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں (جہاں چاہے) چرے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آچکے گا۔“ (ہود: 64/11)

معجزے کی بے حتمی: ایک صریح حدیث یہ معاملہ یوں بھی چلا رہا۔ آخر ان کے سروراج ہوئے اور مشرکہ بعد منتفہ فیصلہ کیا کہ اونٹنی کو کھل کر دین یا اس سے جان چھوڑے اور انہیں سارا پانی مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَعَقَرُوهَا النَّاقَةَ وَغَتَا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصْلِحُ لَنَا إِنَّمَا بِمَا كُنتُمْ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾

عَظِيمٍ ﴿فَعَقَرُوهَا فَاصْبِرُوا لِمِمَّا بَيَّنَّ ۖ فَاخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

وہ (قوم ہود) کہنے لگے کہ تم جاؤ دودھ ہو۔ تم اور کچھ نہیں، ہماری ہی طرح کے آدمی ہو۔ سو اگر سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو۔ صالح نے کہا: (دیکھو) یہ اونٹنی ہے (ایک دن) اس کے پینے کی باری ہے اور ایک مہینے روز تہباری باری ہے۔ اور اس کو کوئی تکلیف نہ دینا (نہیں تو) تم کو سخت عذاب آچکے گا۔ مگر انہوں نے اس کی انگوٹھیں کاٹ ڈالیں۔ آخر کار پہچانتے رہے گئے۔ پس اُن کو عذاب نے آن پکڑا۔ بیشک اس میں ایک نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔“ (الشعراء: 158-153/26)

﴿إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَخَّرِينَ﴾ یعنی آپ پر جادو کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے آپ کو معلوم ہی نہیں کہ آپ کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔ یعنی تو حید کو اختیار کرنے اور شرک چھوڑنے کی دعوت آپ عقل و شعور کے ساتھ نہیں دے رہے۔ اگر علماء نے ﴿الْمُسَخَّرِينَ﴾ کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے مراد مسحور (جادو سے متاثر) ہے۔ اس لفظ کو [مُسَخَّرُونَ] بھی پڑھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے دوست جن کے ذریعے سے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں، یعنی آپ جادوگر ہیں۔ پہلی رائے زیادہ مضبوط ہے کیونکہ اس کے بعد ان لوگوں نے کہا: ﴿مَا أَنْتَ إِلَّا نَسْفٌ فُقُلًا﴾ ”آپ تو ہم جیسے انسان ہیں۔“ سورہ قمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ﴾ وَتَنبَهُمْ أَنَّ الْمَاءَ وَسِئَةً يُبَنِّمُهُمْ كُلٌّ شَيْئًا فِئْضًا

”(اے صالح!) ہم اُن کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجے والے ہیں سو تم اُن کو دیکھتے رہو اور صبر کرو اور ان کو آگاہ کر دو کہ اُن میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے۔ ہر باری والے کو اپنی باری پر آنا چاہیے۔“ (القمر: 28, 27/54)

حضرت صالح ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں مطالبہ اسی انداز سے پورا کر دوں جیسے تم نے کہا ہے، تو کیا تم واقعی اس دین پر ایمان لے آؤ گے جو میں لایا ہوں اور ان امور میں میری تصدیق کرو گے جنہیں دے کر مجھے مبعوث کیا گیا ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں! (تم مجھ پر ایمان لائیں گے اور میری باتوں کی تصدیق کریں گے۔“)

آپ نے ان سے پختہ عہد و پیمان لے لیا۔ تب آپ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان لوگوں کا مطالبہ پورا فرمائے۔ اللہ کے حکم سے وہ چٹان پھٹ گئی اور اس میں سے ایک بہت بڑی حاملہ اونٹنی نکل گئی، جس میں وہ تمام صفات موجود تھیں، جو مطالبہ کرنے والوں نے بیان کی تھیں۔ جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے معجزہ ظاہر ہوتے دیکھ لیا تو انہیں اس کی عظمت کا احساس ہوا اور وہ موعوب ہو گئے۔ یہ اللہ کی قدرت کی ایک واضح نشانی اور حضرت صالح ﷺ کی نبوت کا ناقابل تردید ثبوت تھا۔ چنانچہ قوم کے کچھ لوگ ایمان لے آئے۔ لیکن اکثر لوگ کفر و ضلالت اور ہٹ دھرمی پر اڑے

﴿وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ نَسْعَةٌ رَهْطٌ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ﴾

”اور شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے۔“ (النمل: 48/27)

انہوں نے باقی قبیلہ کو بھی ساتھ ملانے کی کوشش کی تو لوگوں نے تائید کی۔ وہ اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے گھات میں بیٹھ گئے۔ جب وہ پانی پی کر واپس آئی تو صدمہ نے جو چھپ کر بیٹھا ہوا تھا، اس پر تیر چلا دیا، جو اس کی پٹنڈی کی ہڈی میں پیوست ہو گیا۔ عذیرہ اور اس کی بیٹیاں بھی قدار کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے آگئیں اور انہیں جوش دلانے کے لیے اپنے چہروں سے نقاب الٹ دیے۔ قدار بن سالف نے جلدی سے اونٹنی پر تلوار سے حملہ کیا اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ وہ زمین پر گر پڑی اور زور سے آواز نکالی جس سے اس کا بچہ چوکتا ہو گیا اور دور پہاڑ پر چلا گیا اور تین بار بلایا۔ قدار نے اونٹنی کے گلے پر نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا۔^①

قرآن مجید نے اس کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:

﴿فَتَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ فَأَتَا حَاطِي عَقَرٌ فَلَيْفَ كَانَ عَدَاؤِي وَنَدُّوْهُ﴾

”پھر ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا تو اس نے (اونٹنی کو پکڑ کر اس کی) کونچیں کاٹ ڈالیں سو (دیکھ لو کہ) میرا

عذاب اور ڈرانا کیسا ہے؟“ (القمر: 30, 29, 54)

حضرت عبداللہ بن زعمہ رضی اللہ عنہما نے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے دوران میں اونٹنی کا اور اسے قتل کرنے والے کا ذکر کیا اور فرمایا: ”اسے قتل کرنے کے لیے ایک دلیر سردار اٹھا، جس کی بات مان جاتی تھی جیسے (قریش میں) ابو زعمہ ہے۔“^②

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”کیا میں تجھے نہ بتاؤں کہ سب سے زیادہ بد بخت کون ہے؟“ انہوں نے کہا: ”جی ہاں! فرمائیے۔“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”دو شخص ہیں۔ ایک تو شوق کا سرخ قام آدمی جس نے اونٹنی کو قتل کیا تھا، اور ایک وہ جو تجھے، اے علی! اس جگہ (یعنی سر پر) ضرب لگائے گا، جس سے یہ (یعنی ڈالھی) تر ہو جائے گی۔“^③

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَقَعَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصْلِحُ آتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾

”آخر انہوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ صالح!

”آخر انہوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ صالح!

جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم (اللہ کے) پیغمبر ہو تو آج ہم پر لے آؤ۔“ (الأعراف: 77/7)

سازشی قوم نے اللہ کے معجزے پر ایمان لانے کی بجائے اس پر ظلم وعدوان کیا اور اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا بندوبست کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا

فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوْهَا وَقَدْ مَدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ فَسَوَّاهَا وَلَا يَخَافُ عَقْبَاهَا﴾

”(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (پیغمبر کو) جھٹلایا۔ جب ان میں سے ایک نہایت بد بخت تھا تو اللہ کے

پیغمبر (صالح) نے ان سے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کی پٹنڈی کی باری سے ڈرو (اور احتیاط کرو) مگر انہوں نے پیغمبر

کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں پھر اللہ نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کر

کے) برابر کر دیا اور اس کو ان سے بدلہ لینے کا کچھ بھی نہیں دیا۔“ (الشمس: 11-11:91)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا﴾

”اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (نبوت صالح کی کھلی) نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا۔“ (نبی اسرائیل: 59/17)

جس شخص نے اونٹنی کو قتل کرنے کی ذمہ داری اٹھائی، اس کا نام [قدار بن سالف بن جندع] تھا۔ وہ سرخ قام اور نیلی آنکھوں والا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سالف کی بیوی سے [حبیبان] کے ناجائز تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ اس نے سب لوگوں کے متفقہ فیصلے کے نتیجے میں اونٹنی کو قتل کیا تھا۔ اس لیے اس کام کی نسبت ان سب کی طرف کی گئی۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین کا بیان ہے کہ قوم ثمود میں دو عورتیں تھیں۔ ایک کا نام [صدوق بنت محیا بن زھیر بن مختار] تھا جو مال دار اور اونچے خاندان کی عورت تھی۔ اس نے قبیلہ اسلم کے ایک آدمی سے نکاح کیا لیکن پھر طلاق لے لی۔ اس نے اپنے بچھاڑا [مصدق بن مہرج بن محیا] کو بلا کر کہا: ”اگر تم اونٹنی کو قتل کرو تو میں تم سے شادی کر لوں گی۔“

دوسری عورت کا نام [عذیرہ] تھا۔ جو [عُثْمَنُ بْنُ مَخْلَرٍ] کی بیٹی تھی۔ اس کی کنیت [اُمّ عَنَم] تھی۔ یہ ایک کافر بڑھیا تھی۔

اس کا خاندان [ذؤاب بن عمرو] ایک رئیس تھا۔ اس عورت نے قدار بن سالف سے کہا: ”یہ میری چار بیٹیاں ہیں۔ اگر تم

اونٹنی کو قتل کر دو تو جس لڑکی سے چاہو گے، شادی کر دوں گی۔“

چنانچہ یہ دونوں جوان اس کا کہنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور قوم کے اور افراد کو بھی ترغیب دی۔ یوں مزید سات افراد ان

کے ساتھ آ کر اٹھارے کل نو افراد ہو گئے۔ درج ذیل آیت مبارکہ میں انہی کا ذکر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① تفسیر ابن کثیر: 396/3 تفسیر سورة الأعراف: آیت: 77

② صحیح البخاری: التفسیر: باب سورة (والشمس وضحاها) حدیث: 4942

③ مسند أحمد: 263/4 سلسلة الأحادیث الصحیحة: حدیث: 1888

کہتے ہیں۔“ (النمل: 49/27)

تو ہم نمود پر نزول عذاب اور صالح علیہ السلام کا اظہار افسوس

جب قوم نے معجزے کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو نتیجہ ان کی تباہی کی صورت میں نکلا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف جہزے میں بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسِلِينَ ۚ وَآتَيْنَاهُمُ الْيُسْرَىٰ فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۚ وَكَانُوا يَنْجِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ۚ فَاخَذْنَاهُمُ الصَّيْحَةَ مُصِيبِينَ ۚ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ فَمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۖ﴾

”اور (دوای) حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔ ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں اور وہ ان سے منہ پھیرتے رہے اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے کہ اس سے وہ ہیں گے تو ہولناک جحیم نے ان کو صبح ہوتے ہوتے آچکرا۔ اور جو کام وہ کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔“ (الحجر: 84-80/15)

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا مَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۚ وَآتَيْنَا مُؤَدِّ النَّاقَةِ مُبْسِرًا ۚ فَنُفِثُوا بِهَا ۚ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخَوُّفًا ۖ﴾

”اور ہم نے نشانیاں بھیجی اس لیے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی اور ہم نے نمود کو اپنی (نبوت صالح کی کھلی) نشانی دی تو انہوں نے اس پر کلمہ ادا اور ہم تو ڈرانے کے لیے ہی نشانیاں بھیجا کرتے ہیں۔“

(نبی اسرائیل: 59/17)

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَقُولُ هَذِهِ نَافَةٌ ۚ اللَّهُ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أََرْضِ اللَّهِ وَلَا تَتَّبِعُوا بِسْوَءٍ ۚ فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۚ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَتَّبِعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعَذَابُكُمْ مَكْدُونٌ ۚ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِن خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْغَوِيُّ الْعَزِيزُ ۚ رَأَىٰ الْأَذْدَنِينَ سَأَلُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثِيْمِينَ ۚ كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الْآلَ إِنَّ مُؤَمِّدًا لَّكَرُوا دَرَكَهُمْ ۚ آلا بَعْدَ الْيُسْرَىٰ ۖ﴾

اے میری قوم! یہ اللہ کی اپنی تمہارے لیے ایک نشانی (معجزہ) ہے لہذا اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں

جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے ہو، اگر تم (اللہ کے) پیغمبر ہو تو اُسے ہم پر لے آؤ۔“ (الأعراف: 77/7)

ان کے اس قول میں کئی اندازے کفر کا واضح اظہار ہے:

● انہوں نے منکر طور پر ممنوع کام کا ارتکاب کر کے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ یعنی اس کو اپنی کو ہلاک کیا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آیت (نشانی، معجزہ) قرار دیا تھا۔

● انہوں نے ایسا کام کیا جس سے عذاب جلدی آ جائے۔ لہذا وہ وہ جس سے اس کے مستحق ہو گئے۔

● ایک اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب کی یہ شرط بیان فرمائی تھی کہ اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آ چکے گا۔

● دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عذاب کے جلد آ جانے کا مطالبہ کیا۔

● کفر کی تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس رسول کی تکذیب کی جس کی نبوت اور سچائی کا ناقابل تردید ثبوت موجود تھا اور انہیں اس کا پوری طرح علم اور یقین تھا۔ لیکن کفر، ضلالت اور فساد نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ حق کو ناقابل فہم قرار دیں اور اس طرح ان پر عذاب نازل ہو جائے۔

علمائے کرام نے بیان فرمایا ہے کہ جب ان لوگوں نے اپنی کوتاہی کو اس پر سب سے پہلے قد ار بن سالف [لعنة الله عليه] نے حملہ کیا اور اس کی تکذیب کاٹ دیں، وہ زمین پر گر پڑی۔ پھر سب افراد نے جلدی جلدی لوگوں سے اس کے نکلوں کر دیے۔ جب اس کے بچنے سے یہ دیکھا تو تھکا کر سب سے اونچے پہاڑ پر چڑھ گیا اور تین بار بلایا۔

اس لیے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿تَتَّبِعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ﴾

”اپنے گھروں میں تین دن اور فائدہ اٹھاؤ۔“ (ہود: 65/11)

یعنی انہیں اس دن کے علاوہ تین دن کی مہلت دی گئی۔ انہوں نے اس منکر و عید پر بھی اعتبار نہ کیا۔ بلکہ ہوامی تو انہوں نے پروگرام بنایا کہ حضرت صالح علیہ السلام کو بھی شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ سب قسمیں کھا کر کہنے لگے:

﴿لَتَنَبِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ۖ﴾

”عہد کرو کہ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر بخون ماریں گے۔“ (النمل: 49/27)

یعنی ہم رات کو صالح علیہ السلام کے گھر میں گھس کر آپ کو اہل و عیال سمیت شہید کر دیں گے۔ پھر اگر آپ کے اقا رب نے قصاص یا دیت کا مطالبہ کیا تو ہم کبر جاسیں اور کہیں گے کہ ہم نے قتل نہیں کیا۔ اس لیے انہوں نے کہا:

﴿فَتَمُ لِنَفْسِنَا وَلِيَوْمِئِذٍ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكِ أَهْلِهِ ۚ وَإِنَّا لَكَاذِبُونَ ۖ﴾

”پھر اس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم صالح علیہ السلام کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے تھے نہیں اور ہم بالکل سچ

تو ختم ہو گئی۔ جب اتوار کی صبح ہوئی تو انہوں نے خوشبو لگائی اور تیار ہو کر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں کون سا عذاب آتا ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے اور ان پر کس طرف سے عذاب آنے والا ہے۔

جب سورج طلوع ہوا تو آسمان سے ایک شدید آواز آئی اور نیچے سے زلزلہ آ گیا۔ چنانچہ تمام افرادی رومیں پرواز کر گئیں، وہ درحرکت اور خاموش ہو گئے۔ وہ اپنے گھروں میں جیسے بیٹھے تھے، ویسے ہی بیٹھے بیٹھے بے جان اجسام میں تبدیل ہو گئے اور حرکت بھی نہ کر سکے۔ ان میں سے صرف ایک لوٹری زندہ بچ گئی جو چلے پھرنے سے معذرتھی۔ اس کا نام ”کلبہ بن سلق“ تھا اور اسے ”ذریعہ“ بھی کہتے تھے۔ وہ کچی کافرہ تھی اور صالح علیہ السلام کی سخت دشمن تھی۔ جب اس نے عذاب دیکھا تو اسے چلنے کی طاقت مل گئی، چنانچہ وہ انتہائی تیزی سے بھاگی حتیٰ کہ عربوں کے ایک قبیلے کے پاس جا پہنچی۔ اس نے تمام ہوش دیدہ واقعہ سنایا اور قوم پر آنے والے عذاب کی خبر دی۔ پھر پانی مانگا۔ جب اس نے پانی پیا تو وہ بھی مر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **”كَانَ لَہٗ یَغْتَوِا۟ فِیْہَا“** ”یوں محسوس ہوتا کہ وہ کبھی یہاں بے اور آبادی نہیں ہوئے۔“ یعنی اس طرح فنا ہو گئے کوئی بھی تھے ہی نہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کا اظہارِ افسوس: حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی تباہی و بربادی پر نہایت غم و حسرت کا اظہار فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقَتَلُوۡا عَنۡہُمْ وَقَالَ یٰۤاَقۡمُوۡا لِقٰوۡمِکُمۡ رِّسَالَۃًۭ لِّہٖمْ وَاَصَحَّ لَہُمۡ وَلٰکِنۡ لَّا تَحۡبُوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ﴾

”پھر صالح ان سے (نامید ہو کر) پھرے اور کہا کہ اسے میری قوم! میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی مگر تم (ایسے ہو کہ) خیر خواہوں کو دوست نہیں رکھتے۔“ (الأعراف: 79/7)

صالح علیہ السلام نے قوم کے ہلاک ہو جانے کے بعد قوم سے مخاطب ہو کر (بطور افسوس و حسرت) یہ فرمایا: **”یٰۤاَقۡمُوۡا لِقٰوۡمِکُمۡ رِّسَالَۃًۭ لِّہٖمْ وَاَصَحَّ لَہُمۡ“** ”میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا تھا اور تمہارا بھلا چاہتا تھا۔“ یعنی میں نے ہر ممکن طریقے سے تمہیں راہ ہدایت پر لانے کی پوری کوشش کی۔ اپنے قول میں اوردینیت سے اس کا انتہائی خواہش مند تھا۔ **﴿وَلٰکِنۡ لَّا تَحۡبُوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ﴾** ”لیکن تم لوگ نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔“ یعنی تمہاری فطرت نہ حق کی طالب تھی، نہ اسے قبول کرتی تھی اس لیے تم اس دردناک عذاب کا شکار ہو گئے، جس میں تم تہ ایک جلتا رہو گے۔ اب میں کسی طرح بھی تمہیں اس عذاب سے بچھڑا نہیں سکتا۔ میں نے تو ناچار فرض کر دیا کہ یعنی تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی۔ میں یہی کچھ کر سکتا تھا۔ اس کے بعد اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(چاہے) چرے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آ پڑے گا۔ مگر انہوں نے اس کی کوئی بات ڈالیں۔ تو (صالح نے) کہا کہ اپنے گھروں میں تین دن (اور) فائدے اٹھا لو یہ (عذاب کا) وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہوگا، سو جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بنایا اور اس دن کی رسوائی سے (محفوظ رکھا)۔ بے شک تمہارا پروردگار ہی طاقتور اور زبردست ہے۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، ان کو ہولناک سزا (کی صورت میں عذاب) نے آ پڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پر پڑے رہ گئے۔ گویا بھی ان میں بے ہی نہ تھے۔ سن رکھو! کہ خود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا اور سن رکھو کہ خود پر پھینکا ہے۔“ (ہود: 64-68)

سورہ قمر میں ان کے عذاب کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقِیۡفَ کَانَ عَذَابِیۡ وَاٰیٰتِیۡ وَاِنَّاۤ اَرْسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ مَّیۡمَۃً وَّاجِدَۃً فَاَکَاوۡا لَہٗہِشِیۡمَ الْمَحۡطٰطِیۡرِ وَاَقۡدَرۡنَا لَیۡسَۃَ الْقُرْآنِ لَیۡلِیۡۤا فَاَہَلَّ مِنْ قَدَرِہٖ﴾

”سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرنا کیسا ہے؟ ہم نے ان پر (عذاب کے لیے) ایک ہولناک سزا بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے پاڑ والے کی سوچی اور ٹوٹی ہوئی پاڑ۔ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوئے سمجھے؟“ (القمر: 31، 54)

ارشاد الہی ہے:

﴿وَمَنۡکُمۡ اَمۡلَکَ وَاَمۡکَنَّا مَکَلًا وَّہُمۡ لَا یَسۡتَعِیۡرُوۡنَ ۚ فَاَنظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃَ مَکُوۡہِمۡ ۚ اَنۡ کَانَ دَہۡرَہُمۡ وَقَوۡمُہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۚ فَبَیۡتَکَ رَبُّوۡہُمۡ حَاوِیَۃًۭ بِمَا ظَلَمُوۡۤا اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَا یَاقُوۡمَ یَعۡلَمُوۡنَ ۚ وَاَنۡصَحِنَاۤ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَاوَلُوۡا بِیَتَقُوۡنَ﴾

”اور وہ ایک چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے اور ان کو کچھ خبر نہ ہو، سو دیکھ لو کہ ان کی چال کا انجام کیسا ہوا؟ ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا۔ اب یہ ان کے گھر ان کے ظلم کے سبب خالی پرے ہیں۔ جو لوگ واپس آ کر رہتے ہیں ان کے لیے اس میں نشانی ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی۔“

(النمل: 50/57)

جن افراد نے حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کی سازش تیار کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی قوم سے پہلے ہی عذاب نازل فرمادیا اور ان پر پتھر برسا کر کھل ڈالا اور تباہ کر دیا۔ جب مہلت کا پہلا دن یعنی جمعرات کا دن آیا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے، جیسے صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ شام ہوئی تو انہوں نے کہا: ”مہلت کا ایک دن تو گزر گیا۔“ جب دوسرے دن یعنی جمعہ کی صبح ہوئی تو ان کے چہرے سرخ ہو گئے۔ شام ہوئی تو انہوں نے کہا: ”مہلت کے دو دن گزر گئے۔“ جب مہلت کا تیسرا دن آیا یعنی ہفتے کی صبح ہوئی تو ان کے چہرے سیاہ ہو گئے۔ شام ہوئی تو انہوں نے کہا: ”(صالح کی کہی ہوئی) مہلت

بدر کے کنوئیں میں جن مقتول کافروں کو پھینکا گیا تھا، اللہ کے نبی ﷺ نے تین دن بعد ان سے بھی اسی طرح خطاب فرمایا تھا۔ رات کے آخری حصے میں جب آپ نے اسلامی لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا تھا اور خود سواری پر تشریف فرما ہو چکے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”اے کنوئیں والو! تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے اسے پورا ہوتے دیکھ لیا؟ مجھ سے میرے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا، میں نے تو اسے پورا ہوتے دیکھ لیا ہے۔“

آپ نے اس موقع پر ان لاشوں کو مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا تھا: ”تم اپنے نبی کے لیے اس کا برا خاندان ثابت ہوئے۔ تم نے اس وقت مجھے جھوٹا کہا جب لوگوں نے مجھے سچا مانا، تم نے مجھے اس وقت (وطن سے) نکالا، جب لوگوں نے مجھے جگہ دی، تم نے اس وقت مجھ سے لڑائی کی جب لوگوں نے میری مدد کی۔ تم اپنے نبی کے لیے نبی کا برا خاندان ثابت ہوئے۔“

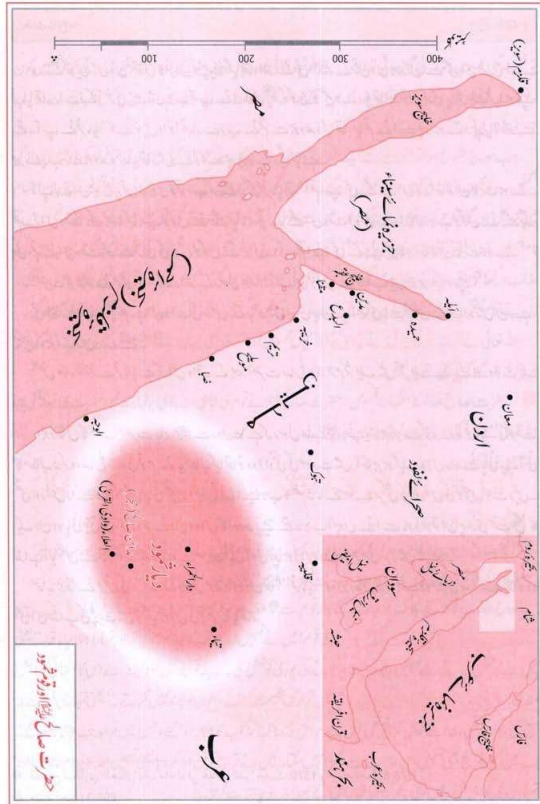
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ان لوگوں سے مخاطب ہیں جو مردار ہو چکے؟“

نبی ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری بات تم اُن سے زیادہ نہیں سن رہے، لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔“

بعض علماء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت صالح رضی اللہ عنہ حرم شریف میں تشریف لے گئے اور وفات تک وہیں مقیم رہے۔

ابو رغال کا قصہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مقام حجر سے گزر رہے تو فرمایا: ”مُجْرَآت کا مطالبہ نہ کرو، صالح رضی اللہ عنہ کی قوم نے یہ مطالبہ کیا تھا تو وہ (اُونٹنی کی صورت میں) ظاہر ہو گیا۔ وہ اس راہ سے پانی پینے آتی تھی اور اُس راستے سے واپس جاتی تھی۔ انہوں نے اپنے رب کا حکم نہ مانتے ہوئے سرکشی کی اور اس کی کوئی نینجیں کاٹ دیں۔ ایک دن وہ پانی پیتی تھی اور دوسرے دن وہ اس کا دودھ پیتے تھے۔ جب انہوں نے اسے مار ڈالا تو ان پر اسکی سخت چیخ کا عذاب آیا جس سے تمام لوگ ہلاک ہو گئے صرف ایک آدمی بچا (جو اس وقت) حرم کی سرزمین میں تھا۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ”اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون تھا؟“ فرمایا: ”وہ ابو رغال تھا۔ جب وہ حرم کی حدود سے نکلا تو وہ بھی اسی عذاب کی لپیٹ میں آ گیا جو اس کی قوم پر آیا تھا۔“



نام ہے جس کی وہ پوجا کرتا تھا اس وجہ سے اُسے بھی ”آزر“ کہنے لگے۔“

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”صحیح یہ ہے کہ اس کا نام آزر تھا۔ شاید اس کے دو نام ہوں یا ایک نام ہو دوسرا عرف۔ اور یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔“ (واللہ اعلم) ①

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت ابو حنیفہؑ (مہمانوں والا، مہمان نواز) تھی۔“

مؤرخین فرماتے ہیں کہ تاریخ کی عمر پختہ سال تھی جب اس کے ہاں ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ ناحور اور باران بھی تاریخ کے بیٹے تھے اور باران کے بیٹے لوط علیہ السلام تھے۔

مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے درمیان بیٹے تھے۔ باران کی وفات اس کے باپ کی زندگی میں اسی علاقے میں ہو گئی تھی جہاں وہ پیدا ہوا، وہ کلدانیوں کا علاقہ یعنی بابل کی سرزمین تھی۔ تاریخ و سیرت کے مصنفین کے ہاں یہی مشہور ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے: ”صحیح بات یہ ہے کہ آپ کوئی (بابل) میں پیدا ہوئے۔“ ②

③ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شکل و شباهت: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے عیسیٰ ابن مریم، موسیٰ اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام سرخ قام، جھنگریالے بالوں والے اور چوڑے سینے والے تھے اور موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے، قرعہ بدن تھے۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اور ابراہیم علیہ السلام؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اپنے ساتھی (محمد ﷺ) کو دیکھو۔“ ④

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ابراہیم علیہ السلام (کا علیہ معلوم کرنے) کے لیے اپنے ساتھی (محمد ﷺ) کو دیکھو۔ موسیٰ علیہ السلام جھنگریالے بالوں والے، گندمی رنگت کے تھے، سرخ اونٹ پر سوار تھے، جس کی ٹیکل جھجور کے پتوں کی تھی۔“ (وہ منظر میرے تصور میں محفوظ ہے۔) گویا میں انہیں دیکھ، یاہوں کہ وادی کے نشیب میں اتر رہے ہیں۔“ ⑤

مؤرخین کہتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے نکاح کیا۔ حضرت سارہ علیہا السلام بچہ تھیں۔ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ تاریخ اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام، ان کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام اور اپنے جیتھے لوط علیہ السلام کو لے کر کلدانیوں کی سرزمین سے کنعانیوں کے علاقے کی طرف روانہ ہوا۔ وہ لوگ حران کے مقام پر پراش پذیر ہوئے۔ وہاں تاریخ و دوسو پچاس سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام حران میں پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ کلدانیوں کے ملک

① تفسیر الطبری: 317/3 تفسیر سورة الأنعام: 47

② تاریخ ابن عساکر: 177/6

③ مسند أحمد: 296/1

④ صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء باب قول الله تعالى ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ حَلِيلًا﴾..... حدیث: 3355



حضرت ابراہیم علیہ السلام

نام و نسب: بعثت اور والد کو دعوت تو حید

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے: ابراہیم بن تارخ (250) بن ناحور (148) بن ساروغ (230) بن راغو (239) بن فالج (439) بن عابر (464) بن شالح (433) بن ارفخشذ (438) بن سام (600) بن نوح علیہ السلام۔ اہل کتاب کی کتاب (بائبل) میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ ہم نے ناموں کے ساتھ ان کے بیان کے مطابق ان حضرات کی ہندسوں میں عمریں لکھ دی ہیں۔ ①

② حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِذَٰلِكَ قَالَ رَبُّهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَذَرُوا آلَ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُم مُّكْفَرُونَ﴾

”اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود بناتے

ہو؟ میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمہاری قوم صریح گمراہی میں ہو۔“ (الأنعام: 74/6)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ”آزر“ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سمیت اکثر علماء نسب کا کہنا ہے کہ اس کا نام ”تارخ“ تھا۔ اہل کتاب ”تارخ“ کہتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا: ”یہ (آزر) اس کا بت

① (دیکھیے: کتاب: پیدائش، باب: 11)

فَأَمَّنْ لَهُ لَوْطًا وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَاتَّبَعَهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَرَأَيْنَاهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝

”اور ابراہیم کو (دا کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہاں سے حق میں بہتر ہے تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو۔ باوجود جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کوزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے، پس اللہ ہی کے پاس سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔ اور اگر تم میری تکذیب کرتے ہو تو تم سے پہلے بھی ایش (اپنے پیغمبر کی) تکذیب کر چکی ہیں۔ اور پیغمبر کو ذے کھول کر سنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر (کسی طرح) اس کا اعادہ کرے گا؟ یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ کہہ دو کہ ملک میں چلو ہر اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے پھر اللہ ہی دوسری نئی پیدائش کرے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے اور اسی کی طرف تم لوٹنا نہ جاؤ گے۔ اور تم (اس کو نہ زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور نہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔ اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے اور اس (اللہ) کی ملاقات سے انکار کیا وہ میری رحمت سے ناامید ہو گئے ہیں اور ان کو درد دینے والا عذاب ہو گا۔ پھر ان کی قوم کے لوگ جواب میں بولے تو یہ بولے کہ اُسے مار دو یا جلا دو مگر اللہ نے ان کو آگ (کی سوزش) سے بچالیا۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔ اور ابراہیم نے کہا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو صرف دنیا کی زندگی میں باہم دوتی کے لیے (مگر) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوتی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہو گا۔ پس ان پر (ایک) لوط ایمان لائے اور (ابراہیم علیہ السلام) کہنے لگے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور پیغمبری اور کتاب ان کی اولاد میں ہی (مقرر) کردی اور ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ عطا کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔“ (العنکبوت: 27-29)

والد کو توحید کی دعوت: آپ کا والد بتوں کو پوجتا تھا چنانچہ آپ نے سب سے پہلے اسی کو توحید کی دعوت دی کیونکہ سب سے زیادہ وہی اس بات کا حق تھا کہ پورے اخلاص کے ساتھ اس کی خیر خواہی کی جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت توحید کا آغاز اپنے گھر سے کیا اور اپنے مشرک باپ کو بڑے پیار اور اوبے سے تبلیغ کی مگر باپ نے اتنا ہی سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کو سخت دھمکی دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

میں پیدا ہوں جو باہل اور قرب و جوار کے علاقے پر مشتمل تھا۔

پھر وہ کائناتوں کی سرزمین کی طرف روانہ ہوئے۔ یہی علاقہ بیت المقدس کا علاقہ ہے۔ راستے میں وہ حران میں ٹھہرے جو اس زمانے میں کلدانیوں کے ملک میں شامل تھا۔ وہ جزیرہ اور شام میں بھی رہے۔ یہ لوگ سات ستاروں کی عبادت کرتے تھے۔ جن لوگوں نے دمشق کا شہر بسایا، وہ بھی اسی مذہب کے پیروکار تھے۔ وہ قطب شمالی کی طرف مندر کے کئی طرح کے الفاظ اور اعمال کے ذریعے سے سات ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دمشق کے پرانے دروازوں میں سے ہر دروازے پر ان میں سے ایک ایک ستارے کی عبادت گاہ بنی ہوئی تھی۔ وہ ان کے نام کی عیدیں مناتے اور قربانیاں دیتے تھے۔ اسی طرح حران کے باشندے بھی ساتاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ بلکہ ابراہیم علیہ السلام، ان کی زوجہ محترمہ اور بچے لوط علیہ السلام کے سوا دنیا بھر میں لوگ کافر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل الرحمنؑ ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے سے اس باہل اور کراہی کو ختم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بچپن ہی سے عقلی سلیم اور شروہ ہدایت سے نواز دیا تھا اور جب وہ بڑے ہوئے تو انہیں رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور خلیل کا منصب عطا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِمِ غُلْيُونِ ۝

”ہم نے ابراہیم کو پہلے سے ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم اسے جانتے تھے۔“ (الانبیاء: 51/21)

یعنی ہمیں معلوم تھا کہ وہ اس منصب کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿وإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ إِنَّمَا عِبَادُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَصْلُفُونَ ۝ إِنَّمَا الَّذِينَ يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لِيُبَدِّلُوا مِن دُونِ اللَّهِ وَأَسْبَغُوا لَهُ ۚ أَلَيْسَ لِقَوْمِهِمْ قُتُلٌ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَقَدْ كَذَّبْتُمْ أَمْرًا مِّن قَبْلِكُمْ ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ أَن يَأْتِيَنَّكَ الْبَيِّنَاتُ ۚ أَوَلَمْ يَكُنْ لَّيْلٌ مِّنَ اللَّيْلِ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ يَعْبُدُ لِكُلِّ شَيْءٍ مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْفِخُ النَّفْثَةَ فِي الْآخِرَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ ۚ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ۚ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۚ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَآيَاتِهِ أُولَٰئِكَ يَسْعَوْنَ فِي دَمْدَمٍ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ قُلْ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ ۚ إِنَّهُمْ قَالُوا فَاتَّبِعُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِّنَ النَّارِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۚ وَقَالَ رَبُّهَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ ۚ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا ۚ وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ لَّصِيرَةٍ ۚ﴾

معبودوں سے برگشتہ (بے رغبت) ہے؟ اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے تنگسار کروں گا۔“ ابراہیم علیہ السلام نے والد کے توحید کو ماننے سے انکار اور تمکینوں کے جواب میں بڑے ادب و احترام سے فرمایا: **﴿سَلِّمْ عَلَیْكَ﴾** ”آپ پر سلام ہو۔“ یعنی آپ کو میری طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی نہ میں آپ سے کوئی گستاخی کروں گا میری طرف سے آپ بالکل محفوظ ہیں۔ اس کے بعد میں یحییٰ سلوک کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: **﴿سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّكَ كَانَ فِي حَفِیَّتٍ﴾** ”میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔ وہ میرے ساتھ بہت مہربان ہے۔“ یعنی مجھ پر یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے اپنی عبادت اور اخلاص کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اس لیے آپ علیہ السلام نے فرمایا: **﴿وَأَعِزُّوْكُمْ وَمَا لَیْلَیْكُمْ مِنْ دُؤْبِ اللّٰهِ وَدُعَاؤِ رَبِّیْ عَسَیْ اَکْثَرُ اَلْوَنٍ بِدُعَاؤِ رَبِّیْ حَفِیَّتًا﴾** ”اور میں تم لوگوں سے اور جن کلمہ اللہ کے سوا لکھتے ہو ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے پروردگاری کو پکادوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔“ (مریم: 48/19)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے اپنے والد کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اللہ کی دشمنی ترک کرنے پر آمادہ نہیں، تو اس سے براعت اور اخلاقی کا اظہار کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لَکٰہٖ اِلَّا عَنْ مَّوَدِّعَہَا اِیَّاکَ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَکَ اَنَّکَ عَدُوٌّ لِّلنَّبِیِّ تَبَرَّکَ مِنْہٗ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ لَکَاۤفًا حَلِیْمٌ ۝﴾

”اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور مہتمل تھے۔“ (الشوریہ: 114/9)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد از سرے ملیں گے تو از سرے چہرے پر گردوغبار اور سیاہی ہوگی۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کریں؟“ وہ کہے گا: آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: ”یارب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے، اس دن تو مجھے رسوا نہیں کرے گا۔ اس سے بڑھ کر رسوائی کیا ہوگی کہ میرا باپ رحمت سے دور (جہنم میں جا رہا) ہے؟“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”میں نے جنت کا فروں پر حرام کر دی ہے۔“ پھر فرمایا جائے گا: ”ابراہیم! آپ کے قدموں میں کیا ہے؟“ وہ دیکھیں گے تو نجاست میں لٹھرا ہوا ایک ٹکڑے نظر آئے گا جسے مانگوں سے پکڑ کر جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔^①

﴿وَاذْكُرْ فِی الْکَیْبِ اِبْرٰهٖمَ ۚ اِنَّکَ کَانَ صَدِیْقًا نَّجِیًّا ۚ اِذْ قَالَ لِرَبِّہٖ یَا کَیْبَ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا ۚ یَا کَیْبَ اِنِّیْ قَدْ جَاءَکَ فِی مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِکَ فَاتَّبِعْنِیْ اَمْرًا یَّوْثِقُ لَکَ صِرَاطًا سَوِیًّا ۚ یَا کَیْبَ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ۚ یَا کَیْبَ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّسْتَسْکِنَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَقُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ۚ قَالَ اَرَا عِبْتُ اَنْتَ عَنْ اِیْمٰنِیْ یَا اِبْرٰهٖمَ ۚ لَیْسَ لَکُمْ تَلٰوْہُ لَکُمْ جَنَّتُکُمْ وَاهْجَرْتُ مَلَیْکًا ۚ قَالَ سَلِّمْ عَلَیْکَ ۚ سَأَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ ۚ اِنَّکَ کَانَ فِی حَفِیَّتٍ ۚ وَاَعِزُّوْکُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُؤْبِ اللّٰهِ وَدُعَاؤِ رَبِّیْ عَسَیْ اَکْثَرُ اَلْوَنٍ بِدُعَاؤِ رَبِّیْ حَفِیَّتًا ۝﴾

”اور (نبی! اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کرو۔ جب تک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان! آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں۔ ابا جان! مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا لہذا میرے ساتھ ہو جائے، میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔ ابا جان! شیطان کی پرستش نہ کیجئے، شیطان تم کرنے والے اللہ کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے دو گستاخے کہ کہیں آپ کو اللہ کا عذاب نہ آجائے تو آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔ اس نے کہا کہ ابراہیم! کیا تو میرے جمہوروں سے برگشتہ ہے اگر تو باز نہیں آئے گا تو میں تجھے تنگسار کروں گا اور تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اچھا تم پر سلام ہو (اور کہا کہ) میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔ جبکہ وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے اور میں آپ کو لوگوں سے اور جن کو آپ اللہ کے سوا لکھتے ہیں ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو پکادوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔“ (مریم: 48/11-19)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اپنے والد سے گفتگو اور بحث بیان فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ آپ نے اپنے والد کو کس طرح عمدہ ترین الفاظ اور بہتر اشارے کے ساتھ حق کی طرف بلایا اور اس پر بتوں کی عبادت کا باطل ہونا واضح فرمایا، جو اپنے پجاری کی پکار نہیں سننے، اور نہ اس کی موجودگی کو دیکھتے ہیں، پھر وہ کس طرح اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟ کس طرح اسے رزق دے سکتے ہیں یا اس کی مدد کر سکتے ہیں؟ پھر اسے اس طرف توجہ دلائی کہ اگر چنانچہ اپنے والد سے کم ہے تاہم اللہ نے انہیں ہدایت اور علم نافع سے نوازا ہے۔ چنانچہ فرمایا: **﴿یَا کَیْبَ اِنِّیْ قَدْ جَاءَکَ فِی مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِکَ فَاتَّبِعْنِیْ اَمْرًا یَّوْثِقُ لَکَ صِرَاطًا سَوِیًّا﴾** ”ابا جان! مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا تو آپ میرے ساتھ ہو جائیں میں آپ کو سیدھی راہ چلا دوں گا۔“

یعنی میں آپ کو وہ سیدھا راستہ دکھاؤں گا جو بہت واضح، ہموار، اور صافیت کا راستہ ہے جو آپ کو دنیا اور آخرت کی بھلائی تک پہنچا دے گا۔ آپ نے جب اسے ہدایت کی یہ بات سنائی اور نصیحت فرمائی تو اس نے قبول نہ کی بلکہ آپ کو دھمکیاں دیتے ہوئے بولا: **﴿اَرَا عِبْتُ اَنْتَ عَنْ اِیْمٰنِیْ یَا اِبْرٰهٖمَ ۚ لَیْسَ لَکُمْ تَلٰوْہُ لَکُمْ جَنَّتُکُمْ وَاهْجَرْتُ مَلَیْکًا﴾** ”ابراہیم! کیا تو میرے

جو میرا پروردگار کچھ چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کیا تم خیال نہیں کرتے؟ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر دروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق اسن (اور) جہیت خاطر کا متحقق ہے، اگر کچھ رکھتے ہو (تو بتاؤ)۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے غلطو نہیں کیا ان کے لیے اسن (اور جہیت خاطر) ہے اور وہی عبادت پانے والے ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درے بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تمہارا پروردگار دانا اور خوب علم والا ہے۔“ (الانعام: 75-83)

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان مناظرے کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے یہ واضح فرمایا کہ روشن ستاروں کی صورت میں نظر آنے والے اجرام فلکی معبود ہونے کے لائق نہیں۔ اللہ کے ساتھ ان کی عبادت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ وہ مخلوق ہیں جنہیں دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ وہ خالق کے بنائے ہوئے اور اس کے حکم کے تابع ہیں، کبھی طلوع ہوتے ہیں تو کبھی غروب ہو کر نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، وہ ازلہ اور ابدی ہے اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں۔

سب سے پہلے آپ نے یہ واضح کیا کہ ستارے یہ صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس کے بعد آپ نے چاند کا ذکر فرمایا جو ستاروں سے زیادہ روشن اور زیادہ خوبصورت ہے۔ اور آخر میں سورج کا ذکر فرمایا جو نظر آنے والے اجرام فلکی میں سب سے زیادہ روشن اور خوبصورت ہے۔ اور واضح کیا کہ یہ بھی کسی کے حکم کا تابع اور مخر ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ الْيَتِيمِ الْبَيْلَ وَالْقَهْرَ وَالشَّيْءَ وَالْقَهْرَ لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدْ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾

”اور ایت اور دن اور سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم کو اسی کی عبادت منظور ہو۔“ (حم السجدة: 37/41)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَمَّا رَا الشَّمْسُ بِأَرْعَاقِهَا قَالَ هَذَا رَبِّيَ هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُعَذِّبُ رَبِّيَ بِيَوْمٍ شَرٍّ شَرُّكَونَ﴾

”پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگہا رہا ہے تو کہنے لگے کہ میرا پروردگار یہ ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نظام کائنات میں غور و تدبر

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مظاہر قدرت دکھا کر ایمان و یقین کا اعلیٰ رتبہ عطا فرمایا تاکہ آپ اپنی امت کو دعوت توحید پر زور دے سکیں اور دلائل کی روشنی میں دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذَلِكَ يُرِيّٰ بُرْهَانَهُ مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلِيَكُوْنُ مِنَ الْمُوقِنِيْنَ﴾ فَلَمَّا بَلَغَ عَلَيْهِ السَّنَۃَ اٰتٰهُ نَوَۡكِبًاۙ قَالَ هٰذَا رَبِّيَۚ فَلَمَّا اَفَلَتْ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾ فَلَمَّا رَا الْقَمَرَ بَارِزًا عَلٰٓى هٰذَا رَبِّيَۚ فَلَمَّا اَفَلَتْ قَالَ لٰسَ لِيْ لَمْ يَهْدِيْنِيْ رَبِّيْۙ لَا تَكُوْنُ مِنَ الْقَوٰمِ الْخٰلِيْنَ﴾ فَلَمَّا رَا الشَّمْسُ بِأَرْعَاقِهَا قَالَ هٰذَا رَبِّيَ هٰذَا اَكْبَرُۚ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُعَذِّبُ رَبِّيَ بِيَوْمٍ شَرٍّ شَرُّكَونَ﴾

﴿اِنِّيْ وَجْهٌ لِّلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ وَحَاجَّةٌ قَوْمُهُۥ قَالَ اَتَحَاجُّوْنِيْ فِي الْاَلٰهِ وَقَدْ هَدٰٓنِۚ وَلَا اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۚ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْۡئًا وَّسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْۡءٍ وَّعَلِمًاۙ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَا اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَكْتُمْتُمْ اَسْمَآءَهُۥ بِاَلٰهِكُمْ يُرِيۡتُمْ بِهٖ عَلٰٓيْكُمْ سُلْطٰنًاۙ فَكَيْۤفَ الْفٰرِقِيْنَۙ اَحٰلٌ بِالْاٰمِنِۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾

﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَا اَتَيْنٰهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهِۦ لِيُفَرِّقَ بَيْنَ قَوْمٍ نَّشَآءُۙ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾

”اور ہم نے اس طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھائے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں (یعنی) جب رات نے ان کو (پردہ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو انہیں (آسمان میں) ایک ستارہ نظر آیا۔ وہ کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے۔ جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے پسند نہیں۔ پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ بھی چمپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگہا رہا ہے تو کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے: لوگو! جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ میں نے سب سے نکسو ہو کر اپنے آپ کو اُسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور ان کی قوم اُن سے بھٹ کر نہ گئی تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو، اُس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم کا شریک بناتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا۔ ہاں

مَنْ فَعَلَ هَذَا بِإِلَهِيَّتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۖ قَالُوا سَمِعْنَا فَكَيْ لَا يُؤْذِنُهُمْ يُقَالُ لَهُ
إِبْرَاهِيمُ ۖ قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلَى أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ۚ قَالُوا أَوَ آتَيْتَ مَلَائِكَةَ هَذَا
بِإِلَهِيَّتِنَا يَلْبِزْهُمْ ۖ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْتَأْذَنُوا ۖ قَالُوا يَنْطِقُونَ ۚ فَرَجَعُوا إِلَى أَنْفُسِهِمْ
فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ۚ ثُمَّ نُكِسُوا عَلَى رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا هَؤُلَاءُ لَا يَنْطِقُونَ ۚ قَالَ
أَتَعْصِمُونَ مِنَ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۚ وَمِنَ الَّذِينَ
عَبَدُوا اللَّهَ أَفْكَارَ تَقْلِيلُونَ ۚ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُعْجِبِينَ ۚ فَلَمَّا يَنْزِلُ الْغَوِيُّ بَرْدًا
وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ ۚ وَآزَادُوهُ بِمَكِيدٍ فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ۚ ﴿٧٠-٧١﴾

”اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن (کی پرستش) پر تم مکلف (اور قائم) ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ (ابراہیم نے) کہا کہ تم بھی (گمراہ ہو) اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑ رہے۔ وہ بولے: کیا تم ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہو یا (نہ سے) کھیل (کی باتیں) کرتے ہو؟ (ابراہیم نے) کہا: (نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اس (بات) کا گواہ (اور اس کا قائل) ہوں۔ اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ تو میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔ پھر ان کو توڑ کر ریہہ ریہہ کر دیا مگر ایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا) تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟ وہ تو کوئی ظالم ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے، اُس ابراہیم کہتے ہیں۔ وہ بولے کہ اُسے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہ رہیں۔ (جب ابراہیم آئے تو بت پرستوں نے کہا کہ ابراہیم ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام بھلا تم نے کیا ہے؟ (ابراہیم نے) کہا: (نہیں) بلکہ یہ اُن کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا) اگر یہ بولتے ہیں تو اُن سے پوچھ لو۔ انہوں نے اپنے دل میں غور کیا تو آپس میں کہنے لگے: یہ شک تم ہی ہے انصاف ہو۔ پھر انہوں نے (شرمندہ ہو کر) سر نیچا کر لیا (اور ابراہیم سے کہنے لگے) کہ تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں۔ (ابراہیم نے) کہا کہ پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جو تمہیں نہ کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟ تنف سے تم ہر درجن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ان پر بھی۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (جب وہ) کہنے لگے کہ اگر تمہیں (اس سے) اپنے معبودوں کا انقضا لینا اور (کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ ہم نہ حکم دیا کہ اے آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا۔) اُن لوگوں نے اُن (ابراہیم) کا برا چاہا تھا کہ ہم نے انہی کو نقصان میں ڈال دیا۔“ (الانبیاء: 70-71)

غروب ہو گیا تو کہنے لگے: لوگو! جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اسی ذات کی طرف متوجہ کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اُن کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے کہا: تم مجھ سے اللہ کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو۔ اس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا۔ ہاں جو میرا پروردگار کچھ چاہے۔“ (الانعام: 78-80)

مطلب یہ ہے کہ میں ان نام نہاد مجبوروں سے نہیں ڈرتا، جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ یہ کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے نہ سن سکتے ہیں اور نہ بچھڑ سکتے ہیں بلکہ وہ یا تو ستاروں وغیرہ کی طرح ربوبیت کے محتاج اور حکم کے پابند ہیں یا باحقوں سے گھر کے اور تراش کر بنائی ہوئی مورتیاں ہیں۔

بت پرستوں سے مناظرہ اور دعوت غور و فکر کے لیے شاندار تدبیر

اہل باطل بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی سے بت پرستی کے بارے میں مناظرہ کیا تھا اور مجسموں کو توڑ پھوڑ کر اور ان کی تحفہ و تدبیل کر کے ان کا باطل ہونا واضح فرمایا تھا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا كَمَوَدَّةِ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ ۚ وَلَئِن بَعْضُكُم لَبَعْضٌ ۚ وَمَأْوَاكُمُ الْمَوْتُ وَلَكُمْ مِّنْ لَّصْرِينَ ۖ﴾

”اور ابراہیم نے کہا کہ تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لیے۔ (مگر) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔“ (الصافات: 25/29)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کو دعوت غور و فکر دینے کے لیے ایک زبردست تدبیر کی جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورہ انبیاء میں فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ ۖ وَكَلَّمَا بِنُوحٍ ۖ وَقَوْمَهُ مَا هَؤُلَاءِ الْقَبَائِلُ النَّاسِ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ أَوْثَانًا آبَاءَنَا كَمَا هَؤُلَاءِ سَنَكُنُ ۖ قَالُوا وَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۖ قَالُوا أَجَعَلْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ۖ قَالَ بَلْ زَكَّيْتُمْ رَبَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنِّي نَحْكَكُمْ ۖ وَأَنَا عَلٰى ذِكْرٍ مِّنَ الشَّاهِدِينَ ۖ وَتَالِئِلَآءِ لَا يَكِيدَنَّ أَصْنَانُكُمْ بَعْدَ أَنَّ تُولَدُوا مِن يَّوْنٰنٍ ۖ فَجَعَلْنَاهُمْ جُنَادًا ۖ لَا يُكِيدُوا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلٰهٌ يُرْجَعُونَ ۖ قَالُوا

ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا میں تو بیمار ہوں۔ تب وہ اُن سے پیٹہ پھیر کر لوٹ گئے۔ پھر ابراہیم اُن کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہوا ہے تم بولتے نہیں؟ پھر ان کو دانتے ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کیا۔ (وابی پر) وہ لوگ اُن کے پاس دوڑتے ہوئے آئے تو آپ نے کہا کہ تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو خود تاشے ہو حالانکہ تم کو اور جوتم بناتے ہو اس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ کہنے لگے: اس کے لیے ایک عمارت بنانا پھر اس کو آگ کے ڈھیر میں ڈال دو۔ غرض انہوں نے ان کے ساتھ ایک چال چلی جانی اور ہم نے ان ہی کو زیر کر دیا۔“ (الصافات: 83-88)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے قوم کی بت پرستی کی تردید کی اور بتوں کی تحقیر و تنقیص فرمائی اور ان سے کہا: ”مَا هَذِهِ الصَّائِلَاتُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاقِبُونَ“ ”کیا یہ عورتاں ہیں جن (کی پرستش) پر تم مختلف (اور قائم) ہو؟“ (الانبیاء: 52/21) انہوں نے کہا: ”وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَاقِبَاتٍ“ ”ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔“ (الانبیاء: 53/21) یعنی ان کے پاس صرف یہی دلیل تھی کہ باپ دادا کا طریقہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ دوسرے شریکوں کی عبادت کرتے رہے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ”لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤَكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ“ ”تم بھی (گمراہ ہو) اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔“ (الانبیاء: 54/21)

علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے کہا:

”مَاذَا تَعْبُدُونَ“ ”اے قوم! کیا اللہ کے سوا گھرے ہوئے معبودوں کے طالب ہو؟ بھلا پروردگار عالم کے بارے

”تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا گھرے ہوئے معبودوں کے طالب ہو؟ بھلا پروردگار عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ (الصافات: 85-87)

قائدِ دلت نے فرمایا: ”اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا؟ جب تم اس کے پاس جاؤ گے تبکہ دنیا میں تم دوسروں کی عبادت کرتے رہے؟“

ابراہیم علیہ السلام نے ان سے یہی فرمایا:

”هَلْ يَسْمَعُكُمْ إِذْ تَدْعُونَ“ ”اَوْ يَنْفَعُكُمْ“ ”اَوْ يَضُرُّكُمْ“ ”قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ“

”جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے ہیں؟ یا نقصان پہنچا سکتے

نبی علیہ السلام کے جواب دلائل: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو ایسے دلائل پیش کیے جن کا جواب ان شرکوں کے پاس سوائے ندامت اور خاموشی کے کچھ نہ تھا۔ سورۃ شعراء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وَأَنذَرْتَهُمْ نَارَ إِبْرَاهِيمَ“ ”إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ“ ”قَالُوا نَعْبُدُ آصْنَامًا فَكَفَّ لَهَا عَاقِبَتِ“ ”قَالَ هَلْ يَسْمَعُكُمْ إِذْ تَدْعُونَ“ ”اَوْ يَنْفَعُكُمْ“ ”اَوْ يَضُرُّكُمْ“ ”قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ“ ”قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ“ ”أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ الْأَقْلَامُونَ“ ”فَأَنذَرْتَهُمْ عَذَابَ نَارِ“ ”الَّذِي يَخْلُقُ مِمَّا يَهْتَدُونَ“ ”وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي“ ”وَالَّذِي أَمْسَكَ مَاءَ دَارٍ“ ”وَالَّذِي يَخْلُقُ مِمَّا يَهْتَدُونَ“ ”وَالَّذِي أَمْسَكَ مَاءَ دَارٍ“ ”وَالَّذِي يَخْلُقُ مِمَّا يَهْتَدُونَ“ ”وَالَّذِي أَمْسَكَ مَاءَ دَارٍ“ ”وَالَّذِي يَخْلُقُ مِمَّا يَهْتَدُونَ“

”اور (نبی!) ان کو ابراہیم کا حال پڑھ کر سنا دو۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور اُن کی پوجا پر قائم ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ جب تم اُن کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو تم بھی اور تمہارا گھرے باپ دادا بھی وہ میرے دشمن ہیں، لیکن اللہ رب العالمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا اور میری رہنمائی فرماتا ہے اور وہی مجھے کھاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا بخشا ہے اور جو مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔ اے پروردگار! مجھے مدد دے اور عطا فرما اور نیک کاروں میں شامل کر۔“ (الشعراء: 83-69/26)

اور سورۃ صافات میں فرمایا:

”وَأَنذَرْتَهُمْ نَارَ إِبْرَاهِيمَ“ ”إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ“ ”قَالَ هَلْ يَسْمَعُكُمْ إِذْ تَدْعُونَ“ ”اَوْ يَنْفَعُكُمْ“ ”اَوْ يَضُرُّكُمْ“ ”قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ“ ”قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ“ ”أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ الْأَقْلَامُونَ“ ”فَأَنذَرْتَهُمْ عَذَابَ نَارِ“ ”الَّذِي يَخْلُقُ مِمَّا يَهْتَدُونَ“ ”وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي“ ”وَالَّذِي أَمْسَكَ مَاءَ دَارٍ“ ”وَالَّذِي يَخْلُقُ مِمَّا يَهْتَدُونَ“ ”وَالَّذِي أَمْسَكَ مَاءَ دَارٍ“ ”وَالَّذِي يَخْلُقُ مِمَّا يَهْتَدُونَ“

”اور ان ہی (نوح علیہ السلام) کے پیروکاروں میں ابراہیم تھے۔ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس (عیب سے) پاک دل لے کر آئے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس چیزوں کو پوجتے ہو؟ کیا تم اللہ کے سوا گھرے ہوئے معبودوں کے طالب ہو؟ بھلا پروردگار عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تب انہوں نے

بعض علماء نے فرمایا: ”ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات دل میں کہی تھی“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ بعض افراد نے آپ کی زبان سے یہ بات سن لی تھی۔^①

قوم کا جشن اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی

وہ لوگ سال میں ایک بار شہر سے باہر نکل کر عید (قومی جشن) منایا کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد نے اس جشن میں شامل ہونے کی دعوت دی، تو آپ نے فرمایا: ”میں پیار ہوں۔“

جسے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

﴿فَنَظَرْنَا فِي السَّمَاءِ فَقَالَ إِنِّي سَعِيدٌ﴾

”جب انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا میں پیار ہوں۔“ (الصافات: 88-89)

آپ نے کلام میں ”توریت“ کیا تاکہ آپ بتوں کو پاش پاش کر کے ان کے مذہب کی غلطی ظاہر کر سکیں اور سچے دین کی حقانیت واضح کر سکیں۔

جب وہ لوگ عید منانے چلے گئے اور آپ شہر میں اکیلے رہ گئے تو آپ جلدی سے لوگوں کی نظروں سے بچ کر بتوں کے پاس پہنچے گئے۔ دیکھا کہ وہ بڑے شاندار ماحول میں ہیں اور لوگوں نے (اپنے خیال میں) ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے آگے طرح طرح کے کھانے رکھے ہوئے ہیں، تو ان کا مذاق اڑاتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّا تَأْكُلُونَ مِمَّا لَكُمْ لَا تَخْتَفُونَ﴾

”تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہوا ہے تم پر بولے کیوں نہیں؟“ (الصافات: 92,91,37)

﴿قَالَ عَلَيْهِمْ صَرَخَاتُ الْيَهُودِ﴾ (سورۃ الصافات: 93/37) ”پھر ان کی طرف مڑ کر انہیں باتھ سے ایک ایک ضرب لگاتے گئے۔“ کیونکہ وہاں باتھ زیادہ قوی، شدید، تیز اور غالب ہوتا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک بسولہ (لوہے کا بھاری ہتھیار، جس سے برہمنی کلوی کاٹنے اور تراشتے ہیں) تھا، وہی مار مار کر انہیں توڑ پھوڑ دیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَصَعَقَهُمْ صَاعِقًا﴾ یعنی ”انہیں توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا“، ﴿إِنَّا كُنَّا أَهْلًا لَّهُمْ لَمَّا رَدُّوهُمُ إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ ”سوائے بڑے

بت کے (سب کو توڑ دیا) شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔“ (الانبیاء: 85)

کہتے ہیں آپ علیہ السلام نے بسولہ بڑے بت کے ہاتھ میں دے دیا تھا تاکہ یہ بتاؤں گے کہ اسے اپنے ساتھ چھوئے بتوں کی بھی عبادت ہوتی دیکھ کر غصہ آ گیا اس لیے اس نے انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

ہیں؟ انہوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔“ (الشعراء: 72-74) یعنی مخالفین نے تسلیم کیا کہ یہ نام نہاد معبود کسی کی پکار نہیں سنتے اور کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ان کی پوجا کا سب اپنے جیسے جاہل بزرگوں کی بیرونی اور تقلید ہے۔ اسی لیے آپ نے ان سے فرمایا:

﴿أَفَرَأَيْتُمْ مِمَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۖ إِنَّهُمْ وَأَبَاءُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ۖ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيَ الْوَكَارِ الْعَالِيَيْنَ﴾

”تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے، تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی وہ میرے دشمن ہیں لیکن رب

العالین (میرا دوست ہے۔“ (الشعراء: 75-77)

یہ ایک ناقابل تردید ثبوت ہے کہ بتوں کی الوہیت کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بیزارگی کا اظہار فرمایا اور ان کی توہین کی۔ اگر وہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے تو ضرور آپ کو تکلیف پہنچاتے اور اگر کسی پر اثر انداز ہو سکتے تو آپ پر ہوتے۔

قوم کے بت پرست لوگوں نے جوابا کہا:

﴿إِصْنَتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ آتَتْكَ مِنَ الْغَيْبِ﴾

”کیا تم ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہو یا (ہم سے) کھیل (کی باتیں) کرتے ہو؟“ (الانبیاء: 55/21)

یعنی انہوں نے آپ سے کہا: ”آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں، جس طرح آپ ہمارے معبودوں کی توہین کر رہے ہیں اور اس کی بنیاد پر ہمارے آباء و اجداد پر طعن کر رہے ہیں، آپ یہ باتیں تنبیہ کی سے کر رہے ہیں یا یہ محض ایک مذاق ہے؟“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

﴿بَلْ زَكَّيْتُمْ رَبَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنِّي قَدْ كُنْتُ مِنَ الْغَائِبِينَ ۖ وَأَنَا عَلَىٰ ذِكْرِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾

”(نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے اُن کو پیدا کیا ہے اور میں اس (بات) کا

گواہ (اور اسی کا قائل) ہوں۔“ (الانبیاء: 56/21)

یعنی آپ نے فرمایا: ”میں یہ باتیں انتہائی تنبیہ کی سے حقیقت کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ تمہارا اصل معبود وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ تمہارا بلکہ ہر چیز کا رب ہے۔ اس نے آسمان اور زمین کو بے مثال پیدا کیا ہے۔ لہذا وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس حقیقت کی گواہی دیتا ہوں۔“

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَتَاللَّهِ لَإَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُولُوا مَذْبُوحِينَ﴾

”اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھے پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔“ (الانبیاء: 57/21)

آپ نے قسم کھالی کہ جب وہ لوگ جشن منانے چلے جائیں گے تو آپ ان بتوں کے بارے میں کوئی تذکرہ کریں گے جنہیں وہ پوجتے ہیں۔

انہیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ یہ محض عام پتھروں جیسے پتھری ہیں اور کچھ نہیں۔ انہوں نے اپنے دل میں غور کیا تو آپس میں کہنے لگے: ﴿إِنَّمَا أَنْتُمْ الظَّالِمُونَ﴾ ”یہ ٹکے تم ہی بے انصاف ہو“ یعنی وہ اپنے آپ کو کلامت کرنے لگے اور انہوں نے کہا: ”تم نے خودی یہ غلطی کی کہ ان کے پاس کوئی جو کیدار یا محافظ نہ چھوڑا۔“ ﴿لَقَدْ لَبِئْسَ عَلَى رُءُوسِهِمْ﴾ (الانبیاء: 65)

”تب انہوں نے سر جھکا لیے۔“
 قارہ رشتے نے فرمایا: یعنی وہ حیرت زدہ رہ گئے (کہ کیا جواب دیں؟) اور انہوں نے (شرم سے) سر جھکا لیے۔^① اور بولے: ﴿لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا هَؤُلَاءِ يَفْعَلُونَ﴾ ”تم جانتے ہو بولے نہیں۔“
 یعنی ابراہیم! آپ کو معلوم ہے کہ یہ مجھے بائیس نہیں کرتے۔ پھر آپ ہمیں کیوں کہتے ہیں کہ ان سے پوچھ لو۔ تب حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا:

﴿أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۚ أَفَإِيْكُمْ لِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝﴾

”پتھر اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جو تمہیں نہ کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟ ٹٹف ہے تم پر اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ان پر بھی۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟“ (الانبیاء: 67, 66, 21)

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَىٰ حَنَافٍ مُّحْدَمَةٍ ۚ تُوَدُّهُ لُؤْگُ الْاِنِّ كَے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔“

(الصافات: 94/37)

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یعنی ”وہ تیزی سے آپ کی طرف گر پڑے۔“ آپ نے فرمایا: ﴿أَفَعْبُدُونَ مَا تَدْعُوْنَ﴾ ”کیا تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو۔“ یعنی تم ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو جنہیں تم خود لکڑی اور پتھر سے تراش کر اپنی مرضی کے مطابق ان کی شکل بناتے ہو؟

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ۝﴾

”حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔“ (الصافات: 96/37)

اس آیت مبارکہ میں [مسا] کو مصدر یہ قرار دے کر اس طرح بھی ترجمہ کیا جاسکتا ہے: ”اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔“ اور [مسا] کو [الْبَدَنُ] کے معنی میں اسم موصول قرار دے کر اس طرح بھی ترجمہ کیا جاسکتا ہے: ”اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم بناتے ہو (یعنی انعام) انہیں بھی (پیدا کیا ہے۔“)

دونوں صورتوں میں یہی مفہوم حاصل ہوتا ہے کہ تم بھی مخلوق ہو اور یہی بت بھی مخلوق ہیں، پھر ایک مخلوق دوسری مخلوق کی

① تفسیر الطبری: 55، 10 سورة الانبياء: آیت 65

② تفسیر ابن کثیر: 22/7 سورة الصافات: آیت 94

جب لوگ جشن سے فارغ ہو کر واپس آئے اور اپنے معبودوں کی ذرگت بنی ہوئی دیکھی، تب انہوں نے کہا: ﴿فَعَلَتْ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا﴾ ”ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟“ (الانبیاء: 59/21)

اگر ان لوگوں کو قتل ہوئی تو ان کے معبودوں کے ساتھ جو کچھ ہو گیا تھا، اسے انہیں حق کی دلیل سمجھ میں آ جاتی، یعنی اگر یہ بت معبود ہوتے تو کسی بھی بداندیش کے خلاف اپنا دفاع کرتے۔ لیکن اپنی جہالت، حماقت، غلاطی اور بے وقوفی کی بنا پر انہوں نے کہا: ”ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟“ کچھ لوگوں نے کہا: ﴿سَبَّحْتَ فَكَيْ يَذَّكَّرُكُمْ يَقَالُ لَوْلَا يُعَذِّبُهُمْ﴾ ”ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے اس کو ابراہیم کہتے ہیں۔“ (الانبیاء: 60/21)

یعنی وہ ان کے عیب بیان کرتا ہے، ان کی تحقیر اور تذلیل کرتا ہے۔ اسی نے پیچھے رہ کر انہیں توڑا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ﴿يَذَّكَّرُكُمْ﴾ ”ان کا ذکر کرتا تھا“ اس سے مراد ابراہیم کا یہ فرمان ہے:

﴿وَتَاللَّهِ لَا يَكِيدَنَّ أَصْنَامُكُمْ بَعْدَ أَنْ نُوَلِّوهُمُ مُّدَبِّرِينَ ۝﴾

”اور اللہ کی قسم! جب تم پیچھے پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔“ (الانبیاء: 57/21)

﴿فَأَتَوْا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝﴾

”وہ بولے کہ اُسے لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ گواہ رہیں۔“ (الانبیاء: 61/21)

یعنی اسے بڑے اجتماع میں لوگوں کے سامنے حاضر کرو تا کہ وہ سب لوگ اس کی باتیں سنیں اور اسے ملنے والی سزا دیکھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنے سے اصل مقصد یہی تھا کہ سب لوگ جمع ہو جائیں تا کہ تمام بت پرستوں کے سامنے ان کا عقیدہ غلط ہونے کی دلیل پیش کی جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی مقصد کے لیے فرعون سے کہا تھا:

﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّمِينِ ۖ وَإِنَّ أُفُكَكُمْ لَآبَسُ عَنِّي ۝﴾

”زینت اور جشن کے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے ہی جمع ہو جائیں۔“ (طہ: 59/20)

☞ قوم کا رجُل اور ابراہیم علیہ السلام کا مسکت جواب: جب سب لوگ جمع ہوئے اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی جمع عام میں لے آئے تو انہوں نے بات شروع کی اور کہا:

﴿أَدْنَتْ فَعَلْتَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِلَٰهِيهِمْ ۖ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَاسْتَوْهُمْ ۖ إِنَّ كُفَّارًا يَفْعَلُونَ ۝﴾

”اے ابراہیم! ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام بھلا تم نے کیا ہے؟ (ابراہیم نے) کہا: (نہیں) بلکہ یہ اُن کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا)۔ اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔“ (الانبیاء: 63, 62/21)

اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے مجھ سے کہ تو نے پرآمادہ کیا۔ اس کلام میں تخریص تھی۔ اصل میں ابراہیم علیہ السلام لوگوں کی توجہ اسی حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتے تھے کہ ان کے معبود تو بولے سے بھی قاصر ہیں اس لیے

سے پہلے اسی شخص نے بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ وہ قیامت تک دھنسا چلا جائے گا۔ پھر لوگوں نے آپ کو پکڑ کر باندھ دیا اور مٹکس کس دیں۔ اس وقت آپ یہ فرما رہے تھے: **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ مُبْتَخَنُكَ ذُبِّ الْعَالَمِينَ، لَكَ الْحَمْدُ وَ لَكَ الْمُلْكُ، لَا شَرِيكَ لَكَ** (اے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، جہانوں کے مالک! تیری ہی تعریف ہے، تیری ہی بادشاہی ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔“

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر تحقیق میں رکھا گیا اور اس کے ذریعے سے آگ میں پھینکا گیا تو آپ فرما رہے تھے: **«حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ»** ”ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔“

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: **«حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ»** یہ بات ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت فرمائی تھی جب انہیں آگ میں پھینکا گیا اور حضرت محمد ﷺ نے اس وقت فرمائی جب آپ کو تپایا گیا:

«إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكَ فَاخْشَوْهُ فَذَرْنَاهُمْ وَنِعْمَ الْحَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ» **﴿فَانْقَلَبُوا بِنَجْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَفَضِّلَ لَمْ يَنْسَهُمْ سَوَاءٌ﴾**

”کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لیے (الشکر خیر) جمع کیا ہے سو ان سے ڈرو۔ تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے فضل کے ساتھ (غوش و غرم) واپس آئے۔ ان کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچا۔“ (آل عمران: 173، 174)

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام ہوا میں تھے تو جبریل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا: ”ابراہیم! آپ کی کوئی حاجت؟“ انہوں نے کہا: ”آپ سے تو کوئی کام نہیں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بارش کا فرشتہ کہنے لگا: مجھے کسم دیا جائے گا کہ میں بارش برسا دوں؟، لیکن اللہ کا حکم اس سے بھی پہلے پورا ہو گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا يَنْزَلُ الْوَيْلُ بَرَدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾

”ہم نے حکم دیا کہ اسے آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جائے۔)“ (الانبیاء: 69، 21)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: **﴿سَلَامًا﴾** کا مطلب ہے کہ آپ کو تکلیف نہ پہنچائے۔^①

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو العالیہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا: **﴿سَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾**“ ابراہیم پر سلامتی والی ہو جا!۔“ تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ آپ کو اس کی ٹھنڈک سے تکلیف محسوس ہوتی۔“

① صحیح البخاری، التفسیر: باب قوله تعالى ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾، حدیث: 4563

② تفسیر الطبري: 58، 10 سورة الانبياء: آیت: 69

عبادت کیوں کر ہے؟ اگر تمہارا انہیں پوجنا درست ہے تو یہ بھی درست ہونا چاہیے کہ وہ تمہیں پوچھیں (کیونکہ مخلوق ہونے کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں) لہذا یہ دونوں باتیں برابر غلط ہیں۔ عبادت صرف اسی خالق کی واجب ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے الاؤ میں

قوم نے لا جواب ہونے پر وہی رویہ اپنایا جو ہر سرکش اور متکبر شکست کھانے پر اپناتا ہے، لہذا مشرک قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نشانِ عبرت بنانے کا پروگرام بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بری چال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قَالُوا إِنَّمَا بُنِيَائُنَا لَقَافُوا فِي الْحَصِيرِ﴾ **﴿فَأُكِّدُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْقَلِينَ﴾**

”وہ کہنے لگے کہ اس کے لیے ایک عمارت بنادو پھر اس کو آگ کے ڈھیر میں ڈال دو۔ غرض انہوں نے اس کے ساتھ ایک چابی چلی جانی اور ہم نے انہیں ہی زیر کر دیا۔“ (الصافات: 98، 97، 37)

جب وہ لوگ بحث و مناظرہ کے میدان میں شکست کھا گئے اور ان کے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہی تب نہ شبہ دہلے گا رنگ دے کر پیش کیا جائے، تو انہوں نے حماقت اور سرکشی پر مبنی اپنے مذہب کی تائید کے لیے قوت اور اقتدار کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تدبیر سے حق دین کو غالب کر کے اپنی بران کو ثابت کر دیا، جیسے کہ ارشاد ہے:

﴿قَالُوا خُذُوهُ وَانْصُرُوا إِلَهُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ﴾ **﴿فَلَمَّا يَنْزَلُ الْوَيْلُ بَرَدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾** **﴿وَأُكِّدُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ﴾**

”تب“ وہ کہنے لگے کہ اگر تمہیں (اس سے اپنے معبود کا انتقام لینا اور) کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ ہم نے حکم دیا: آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جائے) (بن جان) ان لوگوں نے تو ان (ابراہیم) کا برا چاہتا تھا مگر ہم نے انہی کو نقصان میں ڈال دیا۔“ (الانبیاء: 70-68، 21)

واقعہ یوں ہوا کہ انہوں نے ہر ممکن جگہ سے ایندھن جمع کرنا شروع کر دیا اور ایک مدت تک اکٹھا کرتے رہے تو بہت یہاں تک پہنچ گئی کہ اگر کوئی عورت بیمار ہوتی تو یہی دھرماتی کہ اگر کچھ شفا ہوگئی تو ابراہیم کو نذر آتش کرنے کے لیے اتنا ایندھن دوں گی۔ پھر انہوں نے ایک وسیع ہموار جگہ میں وہ تمام ایندھن رکھ کر اسے آگ لگا دی۔ آگ روشن ہوئی، بجڑی اور اس کے شعلے بلند ہو گئے۔ اس سے اتنی بڑی ہیڈ پوچھ گیاں اٹھنے لگیں جو اس سے پہلے کبھی کسی نے نہیں دیکھی تھیں۔ تب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک تحقیق میں رکھا جو ”بیزن“ نام کے ایک ”کردی“ آدمی نے بنائی تھی۔ یہ آلا سب

ہاں گی تو ان کے گھر میں ایک نیزہ رکھا ہوا دیکھا۔ میں نے عرض کیا: ام المؤمنین! آپ اس نیزے کو کیا کرتی ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ”یہ چھکیوں کے لیے ہے۔ ہم اس کے ذریعے سے انہیں مارتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو زمین کا ہر جانور آپ کی آگ بجھا تا تھا، لیکن چھکی آگ میں چھوٹیں مارتی تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ قتل کر دیا کریں۔“^①

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا غمرو سے مناظرہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَنذَرْتَنِيَ الْآلِیَ الَّذِی سَاحَّ اِبْرٰهٖمَ فِی رَیْبَةٍ اَنْ اَشْرَکَ اللّٰهُ الْمَلٰٓئِکَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِی یُنٰحِی وَیُیْمِنُ قَالَ اَنْ اُنٰحِی وَاُیْمِنُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَآتِی بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاَنْتَ یَهْدِی مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِی کَفَرَ ۗ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝﴾

”جملہ تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غمرو کے) جب سے کہ اللہ نے اس کو سلطنت بخشی تھی ابراہیم سے پرو دردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیم نے کہا: میرا پرو دردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ بولا کہ زندہ کرنا اور مارتا تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال دے۔ (یعنی کہ) کافر شمشیر درہ گویا اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“ (البقرہ: 258/2)

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کا اس سرکش ظالم بادشاہ سے مناظرہ بیان فرمایا ہے جس نے رب ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام نے اس کی دلیل کو غلط ثابت کر دیا۔ اس کی جہالت اور کم عقلی کو آشکار کر دیا، دلیل کے میدان میں اس کا منہ بند کر دیا اور اس کے سامنے سیدھا راستہ واضح فرمادیا۔

علمائے نسب، مورخین اور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بادشاہ بابل کا بادشاہ تھا جس کا نام غمرو بن کنعان بن کوش، بن سام بن نوح تھا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے۔ بعض علماء نے اس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے: غمرو بن فالح بن عابر بن شالخ بن ارشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات بیان کرتے ہیں کہ یہ شخص پوری دنیا پر حکومت کرتا تھا۔ کیونکہ علماء کے قول کے مطابق چار بادشاہوں نے پوری دنیا پر حکومت کی ہے، جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر۔ مومن تو ذوالقرنین اور سلیمان علیہ السلام ہیں اور

① سنن ابن ماجہ: ”الصیدۃ“ باب قتل الوزغ: حدیث: 3231

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن پوری زمین کے باشندے آگ سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صرف وہ رسیاں جلائیں جن سے وہ باندھے گئے تھے۔

منہال بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ”میری زندگی میں کوئی دن اور رات وہاں گزرے ہوئے ایام سے زیادہ خوشوار نہیں گزری۔“^①

کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حق پانا چاہی، لیکن انہیں شکست ہوئی۔ انہوں نے بلند ہونا چاہا لیکن پستی نصیب ہوئی۔ انہوں نے غاب آنا چاہا لیکن مغلوب ہوئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاٰزَادُوْا بِہٖ کِبًا ۚ فَعَلَّیْھُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ۝﴾

”اور ان لوگوں نے تو ابراہیم کا بُرا چاہا تھا مگر ہم نے انہی کو نقصان میں ڈال دیا۔“ (الانبیاء: 70/21)

پرفرمایا: ﴿فَعَلَّیْھُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ۝﴾ (الصافات: 98) ”(انہوں نے ابراہیم کے ساتھ چال چلانا چاہی) مگر ہم نے انہی کو زیر کر دیا۔“ انہیں دنیا میں خسارہ اور پستی نصیب ہوئی۔ آخرت میں انہیں جہنم کی آگ نصیب ہوگی جس میں کوئی ٹھنڈک اور سلامتی نہیں۔ انہیں وہاں سلام بھی نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کی وہ کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی: ﴿لَیْسَ لَھُمْ سَاعَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُعَآمًا ۝﴾ (الفرقان: 66) ”اور دروز بخیر نہیں اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔“

حضرت ام شریک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چھکی کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ”وہ ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں چھوٹیں مارتی تھی۔“^②

ام المؤمنین عیدہ عائشہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چھکی کو قتل کر دیا کرو، وہ ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں (اسے تیز کرنے کے لیے) چھوٹیں مارتی تھی۔“ چنانچہ حضرت عائشہ رحمۃ اللہ علیہ انہیں مار دیا کرتی تھیں۔^③

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک عورت ام المؤمنین عائشہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ دیکھا کہ ایک نیزہ موجود ہے۔ اس نے کہا: یہ نیزہ کس لیے ہے؟ فرمایا: ”ہم اس کے ساتھ چھکیوں کو مارا کرتے ہیں۔“ پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنایا کہ ”جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو تمام جانور آگ بجھانے کی کوشش کرنے لگے، سوائے چھکی کے، جو چھکیوں کو مار کر آگ سلگانے لگی تھی۔“^④

حضرت فاکہ بن مفرہ کی آزاد کردہ خاتون حضرت سائبہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: میں حضرت عائشہ رحمۃ اللہ علیہ کے

① تفسیر الطبری: 58/10 تفسیر سورۃ الانبیاء: آیت: 69

② صحیح البخاری: احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰهٖمَ خَلِیْلًا﴾: حدیث: 3359 و صحیح مسلم

③ الاسلام: باب استحباب قتل الوزغ: حدیث: 2237

④ مسند احمد: 200:6

⑤ مسند احمد: 217:6

﴿قَالَ اِذْجُمْنَا إِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالْقَبْصِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأَتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾

”ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے لہذا تو اسے مغرب سے نکال دے۔“ (البقرة: 258)

یعنی یہ مخر سورج روزانہ مشرق سے نکلتا ہے جیسے اسے پیدا کرنے والے اور چلانے والے نے مقرر کر رکھا ہے۔ اگر تو ہی زندگی اور موت کا مالک ہے جیسے کہ تیرا دعویٰ ہے کہ تو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے، تو اس سورج کو مغرب سے لے آ۔ کیونکہ جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا اختیار ہو، وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ اسے منفع کیا جا سکتا ہے، نہ مغرب کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ وہ جہیز پر غالب ہوتا ہے اور ہر چیز اس کے حکم کی پابند ہوتی ہے۔ اگر تیرا دعویٰ سچا ہے تو یہ کام کر۔ ورنہ ثابت ہو جائے گا کہ تیرا دعویٰ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تجھے معلوم ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ تو یہ کام نہیں کر سکتا۔ سو تو اس قدر عاجز ہے کہ ایک چھپر بھی پیدا نہیں کر سکتا۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا جاہل اور عاجز ہونا واضح فرما دیا لہذا اس کے پاس جواب میں کہنے کو کچھ نہ رہا۔ اس کا منہ بند ہو گیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝﴾

”یہ سن کر (کہ) کافر شد درہ کیا اور اللہ ہے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“ (البقرة: 258)

سہمی نے ذکر کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان یہ مناظرہ اس دن ہوا، جس دن وہ آگ سے نکلے۔ اس سے پہلے ان کا آسمان مائیں ہوا تھا۔ جس دن وہ آکٹھے ہوئے اس دن یہ مناظرہ واقع ہوا۔^①

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ نمرود نے اشیاء خودی کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ لوگ غلہ لینے کے لیے اس کے پاس جاتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ غلہ لینے گئے۔ اس سے پہلے دونوں کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت ان کے درمیان یہ مناظرہ ہو گیا۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلہ دینے سے انکار کر دیا۔ آپ اس کے پاس سے آئے تو آپ کے پاس غلہ نہیں تھا۔ جب آپ گھر کے قریب پہنچے تو دونوں بورے مٹی سے بھر لیے اور دل میں سوچا کہ جب میں گھر پہنچوں گا تو گھر والے مطمئن ہو جائیں گے۔ گھر پہنچ کر انہوں نے بورے اتارے اور خود غلے گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام بیدار ہوئے تو دیکھا کہ کھانا تیار ہے۔ انہوں نے کھانا تیار کیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے تو دیکھا کہ کھانا تیار ہے۔ انہوں نے پوچھا: ”کیا کھانا کہاں سے آیا؟“ زوجہ محترمہ نے فرمایا: ”جو آپ لائے تھے، اسی سے تیار کیا ہے۔“ آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر عطا فرمایا ہے۔^②

زید بن اسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے اسے اللہ پر ایمان لانے کو کہا۔

کا فرمودہ اور بخت نصر میں۔^①

علماء فرماتے ہیں کہ نمرود مسل چار سو سال بادشاہ رہا۔ اس نے سرکشی، ظلم اور تکبر کا راستہ اختیار کیا اور آخرت کی بجائے دنیا کا حصول پیش نظر رکھا۔ جب اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دی تو اس نے جہالت اور گمراہی کی وجہ سے خالق کا انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے بحث کی۔ اس نے اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّیَ الَّذِیْ یُعِیْ وَیُحْیِیْ وَیُمِیْتُ﴾ ”میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔“ اس نے کہا:

﴿اَنَا حَیٌّ وَامُوتُ﴾ ”میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔“ (البقرة: 258/2)

فقادہ، سہمی اور محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ اس کے سامنے دو آدمی پیش گئے جس کے لیے سزا موت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس نے ایک کو قتل کرنے کا حکم دیا اور دوسرے کو معاف کر دیا۔ اس طرح اس نے یہ فریب دیا کہ اس نے ایک کو موت دے دی ہے اور دوسرے کو زندگی بخش دی ہے۔^②

اس کا یہ عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کا جواب نہیں تھا اور نہ اس کا موضوع مناظرہ سے کوئی تعلق تھا بلکہ یہ ایک بے کار بات تھی جس سے ظاہر ہو گیا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دلیل پیش فرمائی تھی اس کی فصاحت یہ ہے کہ جانداروں کا جینا مرنا ایک عام مشاہدے کی چیز ہے کیونکہ یہ واقعات خود بخود پیش نہیں آ سکتے، لہذا ضرور کوئی ایسی ذات موجود ہے جس کی مشیت کے بغیر ان اشیاء کا وجود ہی آنا محال ہے۔ لازمی ہے کہ نظر آنے والے واقعات کا کوئی فاعل ہو، جس نے انہیں پیدا کیے، انہیں اپنے نظام کا پابند کیا، جو ستاروں، ہواؤں اور بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے اور بارش برساتا ہے اور ان جانداروں کو پیدا کرتا ہے جو ہمیں نظر آتے ہیں اور پھر انہیں موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّیَ الَّذِیْ یُعِیْ وَیُحْیِیْ وَیُمِیْتُ﴾ ”میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔“ اس جاہل بادشاہ نے جو کہا ہے کہ ﴿اَنَا حَیٌّ وَامُوتُ﴾ ”میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔“ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ نظر آنے والے کام اس کے کنٹرول میں ہیں تو سراسر ضد اور ہٹ دھرمی کا اظہار ہے اور اگر وہ مطلب ہے جو فقادہ، سہمی اور محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہم بیان کیا ہے تو اس کا ابراہیم علیہ السلام کی پیش کردہ دلیل سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس نے نہ تو مقدمہ کو غلط کیا ہے نہ دلیل کے مقابل دلیل پیش کی۔

چونکہ بحث میں اس کی شکست کا یہ پہلو ایسا ہے جو حاضرین یا دوسرے لوگوں میں سے بہت سے افراد کی سمجھ میں آنے والا نہیں تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور دلیل پیش کر دی، جس سے نہایت واضح طور پر خالق کا وجود اور نمرود کے دعوے کا بطلان ثابت ہوتا تھا۔ اس کی وجہ سے اُسے سب کے سامنے لا جواب اور خاموش ہونا پڑا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نے ابراہیم کو اسحاق عطا کیے اور مزید براں یعقوب بھی۔ اور سب کو نیک بخت کیا اور ان کو یشوایا ہنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کو نیک کام کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔“ (الانبیاء: 71-73)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی رضا کے لیے اپنی قوم سے جدائی اختیار کر لی اور ان کے ملک سے ہجرت فرما لی۔ آپ کی زوجہ حضرت حاجرہ سے اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے حضرت لوط بن ہارن بن ازرہ تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی ایک اولاد عطا فرمائی اور نبوت و کتاب آپ کی نسل میں مقرر فرما دی۔ یعنی آپ کے بعد مبعوث ہونے والا برہنہ آپ ہی کی اولاد سے تھا قارون آپ کے بعد نازل ہونے والی برکت آپ کی نسل کے کسی فرد پر نازل ہوئی۔ یہ آپ کو اللہ کی طرف سے انعام کا ایک نکتہ ہے آپ نے اسی کی رضا کے لیے اپنے وطن، خاندان اور قبیلہ کو چھوڑ دیا تھا اور ہجرت کر کے اس مقام پر تشریف لے گئے تھے، جہاں آپ اپنے رب کی عبادت کر سکتے تھے اور لوگوں کو اس کی طرف بلا سکتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے جس علاقے میں گئے وہ شام کا ملک تھا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ﴾ ”اس زمین کی طرف نکلا۔ جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی ہے۔“

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ابو العالیہ، قتادہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات نے یہی فرمایا ہے۔^① جبکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ برکت والی زمین سے مراد مکہ مکرمہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنْ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ﴾^۱
 ”پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو کہ میں نے بابرکت اور جہان والوں کے لیے (موجب) ہدایت ہے۔“ (آل عمران: 96/3)

✽ **خالد بادشاہ کے شہر میں:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”ابراہیم علیہ السلام نے تین مواقع کے سوا بھی حجوت نہیں کیا۔ ان میں سے دو اللہ کے لیے تھے (جن سے اللہ کے دین یعنی توحید کی حاکمیت ثابت کرنا مقصود تھا) ایک آپ کا یہ فرمانا: **(اِنِّی سَیِّمٌ)** (الصافات: 89) ”میں بنارس ہوں۔“ اور یہ فرمانا: **(بَلْ لَعَلَّکُمْ سَیِّمُوْهُمُ ھٰذَا)** (الانبیاء: 63) ”یہ کام ان کے اس بڑے (سرور اوست) نے کیا ہے۔“ (تیسرا واقعہ یہ ہے کہ) ایک دن ابراہیم علیہ السلام اور سارہ علیہ السلام سفر میں تھے کہ ایک خالد بادشاہ کے شہر (مصر) سے گزر رہا ہوا اسے بتایا گیا: یہاں ایک مرد آیا ہے، جس کے ساتھ ایک سیمن ترین

اس نے انکار کر دیا۔ اس نے دوبارہ ایمان کی دعوت دی اس نے پھر انکار کر دیا۔ اس نے تیسری بار ایمان کی دعوت دی تو اس نے پھر انکار کیا اور کہا: ”تو اسے لشکر جمع کر لے، میں اسے لشکر جمع کرتا ہوں۔“

طلوع آفتاب کے وقت مردود نے اپنا تہمن فوجیں جمع کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پتھر بھیج دیا کہ سورج ان کی آست میں چھپ گیا۔ اللہ نے لشکر والوں پر پتھر مسلط کر دیے انہوں نے ان کا گوشت اس طرح کھا لیا کہ صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں۔ ایک پتھر بادشاہ کی ناک میں داخل ہو گیا۔ اللہ نے اس کے ذریعے سے اسے چار سو سال عذاب میں مبتلا رکھا۔ چنانچہ اس کے سر پر تھوڑے ماسے جاتے تھے، حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم سے ہلاک ہو گیا۔^①

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملک شام کی طرف ہجرت
مصر میں داخلہ اور ارض مقدس میں قیام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم کی ہٹ دھرمی، انکار اور کفر پر اصرار دیکھا تو ناامید ہو کر ہجرت کا ارادہ فرمایا۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَامَنَ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَاتَيْنَاهُ أُجْرًا فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝﴾

”جس نے پر (ایک) لوط ایمان لائے اور (ابراہیم) کہنے لگے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، نے شک و غائب، حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کردی اور ان کو دنیا میں اس کا صلہ عطا کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔“
(العنکبوت: 27, 26, 29)

مزید ارشاد ہے:

﴿وَتَجَنَّبْهُ وَنُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ۝ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَبِيحِينَ ۝ وَجَعَلْنَاهُمْ إِبْرَاهِيمَ يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ
فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَكَانُوا لَنَا عَبِيدِينَ ۝﴾

”اور ابراہیم اور لوط کو اُس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی ہے۔ اور ہم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”یا اللہ! اگر یہ میرا گیا تو لوگ کہیں گے، اس نے اسے قتل کر دیا ہے۔“ جب وہ (اس عذاب سے) چھوٹ گیا۔ (اس کے بعد) وہ دوبارہ آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے پھر وضو کر کے نماز پڑھی اور کہا: ”یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے جسم کو اپنے خاوند کے سوا ہر ایک سے محفوظ رکھا ہے۔ اس کا فرق تو مجھ پر مسلط نہ فرماتا۔“ بادشاہ کی سانس بند ہو گئی حتیٰ کہ وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”یا اللہ! اگر یہ میرا گیا تو لوگ کہیں گے کہ اس نے اسے قتل کر دیا ہے۔“ جب وہ چھوٹ گیا۔ تیسری یا چوتھی بار اس نے دربان سے کہا: تمہارے میرے پاس کوئی شیطان (جن) بھیج دیا ہے۔ اسے واپس ابراہیم کے پاس پہنچا دو اور اسے باجرہ رضی اللہ عنہا دے دو!

سارہ رضی اللہ عنہا واپس آ گئیں اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اللہ نے کافروں کی تدبیر کو ناکام بنا دیا اور خدمت کے لیے ایک لڑکی دے دی۔“^①
حدیث میں جو فرمایا گیا ہے: ”وہ میری بہن ہے۔“ اس سے مراد دین کے لحاظ سے بہن ہے اور ابراہیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن موجود نہیں۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مومن میاں بیوی موجود نہیں۔ اس عبارت کا یہی مطلب لینا ضروری ہے کیونکہ لوط رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے اور وہ نبی تھے۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ جب وہ واپس آئیں تو ابراہیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿مَہْمِیْمٌ﴾ ”یعنی کیا بنا؟“ انہوں نے فرمایا: ”اللہ نے کافروں کی تدبیر کو ناکام بنا دیا۔“ اور خدمت کے لیے باندی دی ہے۔“ ایک روایت میں ہے: ”بدکار کی تدبیر کو ناکام بنا دیا۔“ اس سے مراد بادشاہ ہے۔

جب سارہ رضی اللہ عنہا کو بادشاہ کے پاس لے جایا گیا، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھ کر نماز پڑھنے لگے اور اللہ سے دعائیں کرنے لگے کہ وہ آپ کی اہلیہ کو محفوظ رکھے اور جس شخص نے آپ کی اہلیہ کے بارے میں بری نیت کی ہے، اس کے شر سے بچا لے۔ یہی کام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے کیا۔ جب اللہ کے دشمن نے ان کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو انہوں نے فوراً اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھ کر مذکورہ بالا دعا مانگی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاسْتَعِیْنُوا بِالصَّلٰوةِ﴾

”صبر اور نماز کے ذریعے سے اللہ کی مدد حاصل کرو۔“ (البقرہ: 45/2)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے شرف کو بھی محفوظ رکھا اور اپنے بندے، اپنے رسول، اپنے پیارے اور اپنے خلیل ابراہیم رضی اللہ عنہ کے شرف کی بھی حفاظت فرمائی۔

⑤ ارض مقدس کی طرف واپسی: اس کے بعد حضرت خلیل رضی اللہ عنہ مصر سے دوبارہ برکت والی سرزمین یعنی ارض مقدس کی طرف لوٹ آئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ موسیٰ، غلام اور بہت سامان تھا اور حضرت باجرہ قبیلہ مصریہ رضی اللہ عنہ آپ

خاتون ہے۔ اس نے آپ کو بلا بھیجا اور پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ”میری بہن ہے۔“ آپ نے سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر فرمایا: ”سارہ! روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن موجود نہیں۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے اسے بتایا ہے کہ تو میری بہن ہے۔ اب میری بات جھٹلا نہ دینا۔“

بادشاہ نے سارہ رضی اللہ عنہا کو طلب کر لیا۔ جب آپ اس کے سامنے پیش ہوئیں، تو اس نے ہاتھ بڑھا کر آپ کو چھونا چاہا تو اسے پکڑ لیا گیا (یعنی حرکت نہ کر سکا)۔ اس نے کہا: میرے لیے اللہ سے دعا کرو، میں تجھے تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ انہوں نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے پھر آپ کو چھونا چاہا تو پہلے سے زیادہ سخت گرفت میں آ گیا۔ اس نے (پھر) کہا: میرے لیے اللہ سے دعا کیجیے، میں آپ کو تنگ نہیں کروں گا۔ آپ نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ تب اس نے اپنے ایک دربان کو بلا کر کہا: تم میرے پاس کوئی انسان نہیں لائے، تم تو کوئی جن پکڑ لائے ہو۔ اس نے ان کی خدمت کے لیے حضرت باجرہ رضی اللہ عنہ کو پیش کر دیا۔ جب سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہا کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے اشارے سے پوچھا: کیا ہوا؟ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کافری کا شر کو ناکام کر دیا اور خدمت کے لیے باجرہ رضی اللہ عنہا دے دی۔“

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا: ”اے آسمان کے پانی (جیسی پاک باز ماؤں اور باپوں) کی اولاد! (اہل عرب!) یہ (عظیم ہستی) تمہاری والدہ محترمہ ہیں۔“^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ابراہیم رضی اللہ عنہ نے تین مواقع کے سوا کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ایک جب انہیں بتوں کی طرف لایا گیا تو انہوں نے فرمایا: ﴿لَیْسَ سَیِّمٌ﴾ ”میں سیام ہوں۔“ اور یہ فرمایا: ﴿بَلْ تَمْلَکَہُ کَیْزُہُمْ هٰذَا﴾ ”یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے۔“ اور سارہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا: ”میری بہن ہے۔“

(واتحاد اس طرح ہے کہ) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ایک شجر (مصر) میں داخل ہوئے، جہاں ایک خالم بادشاہ (سحران) تھا۔ اسے بتایا گیا کہ آج رات ابراہیم رضی اللہ عنہ ایک خاتون کے ساتھ آئے ہیں جو حسین ترین افراد میں سے ہے۔ بادشاہ نے بلا بھیجا اور کہا: تمہارے ساتھ یہ عورت کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: ”میری بہن ہے۔“ اس نے کہا: اسے (میرے پاس) بھیج دو۔ آپ نے نہیں بھیج دیا اور فرمایا: ”میری بات کی تکذیب نہ کرنا۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو۔“ حقیقت یہ ہے کہ زمین پر ہم دونوں کے سوا کوئی مومن موجود نہیں۔“

جب سارہ رضی اللہ عنہا بادشاہ کے پاس پہنچیں، تو وہ آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور (دعا کرتے ہوئے) کہا: ”یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے جسم کو اپنے خاوند کے سوا ہر ایک سے محفوظ رکھا ہے۔ اب اس کا فرق تو مجھ پر مسلط نہ فرماتا۔“ بادشاہ کی سانس بند ہو گئی حتیٰ کہ وہ پاؤں مارنے لگا۔

مجھے اولاد سے محروم رکھا ہے، آپ میری لونڈی (ہاجرہ علیہا السلام) شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے اولاد عطا فرما دے۔ جب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو وہ (ہاجرہ علیہا السلام) دے دیں تو ابراہیم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور وہ امید سے ہو گئیں۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب وہ امید سے ہوئیں تو اپنی مالکہ کو قہر جانے لگیں۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو غیرت آئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا: ”تم جو بیا ہو کرو۔“ حضرت ہاجرہ علیہا السلام خوف زدہ ہو گئیں اور بھاگ کر ایک چشمہ کے پاس چلی گئیں۔ انہیں ایک فرشتہ ملا۔ اس نے کہا: ”خوف نہ کر، تیرے ہاں جو بیٹا پیدا ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت خیر و برکت عطا فرمائے گا۔“ اس نے انہیں واپس جانے کا حکم دیا اور خوشخبری دی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گا اور وہ اس کا نام ”اسماعیل“ رکھیں گی، وہ گوشت کی طرح آزاد مرد ہوگا، اس کا ہاتھ سب پر ہوگا اور سب کے ہاتھ اس کے ساتھ ہوں گے اور وہ اپنے بھائیوں کے سارے ملک کا مالک ہوگا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔^①

یہ خوشخبری آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد ﷺ پر صادق آتی ہے کیونکہ عربوں کو نبی ﷺ کی وجہ سے سردار کا مقام حاصل ہوا اور مشرق و مغرب کے سب ممالک ان کے قبضے میں آئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو وہ علم نافع اور عمل صالح عطا فرمایا جو پہلے کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس امت کے رسول ﷺ تمام رسولوں سے افضل و اشراف ہیں۔ یہ آپ کی رسالت کی برکت اور آپ کی شریعت کے کمال کی وجہ سے ہے اور اس لیے بھی کہ آپ تمام جہان والوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام واپس آئیں تو ان کے ہاں ”اسماعیل علیہ السلام“ پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیالیس (56) سال تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام (اپنے بھائی) اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے خوشخبری دی کہ حضرت سارہ علیہا السلام سے اسحاق پیدا ہوں گے۔ آپ نے اللہ کو شکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں نے اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں تیری دعا قبول کی، میں اسے برکت دوں گا، کثرت عطا فرماؤں گا اور بہت زیادہ بڑھاؤں گا، اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اسے ایک بڑی قوم کا سردار بناؤں گا۔“^②

- ① اس قبیلہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسروں پر غالب ہوگا اور دوسرے اس کے مددگار ہوں گے۔ موجودہ بائبل میں اس قبیلے کو اس طرح بدل دیا گیا ہے: ”اس کا ہاتھ سب کے خلاف ہوگا“۔ ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے۔“ (پیدائش باب 16، فقرہ 12۔ کتاب مقدس شائع کردہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، مئی 1983)
- ② دیکھئے بائبل کی کتاب: پیدائش، باب 16، بائبل کے موجودہ نسخوں میں اس جملہ ”اور وہ اپنے بھائیوں کے سارے ملک کا مالک ہوگا“ کی جگہ یہ عبارت لکھی گئی ہے: ”اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بڑا ہوگا۔“ (پیدائش، باب 16، فقرہ 12)
- ③ بائبل میں ہے: ”اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔“ دیکھئے اسے برکت دوں گا اور اسے بارہ سردار کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔“ (پیدائش باب 17، فقرہ 20)

کے ہمراہ تھیں۔

پھر حضرت لوط علیہ السلام اپنے کثیر اموال سمیت ”غور“ کے علاقے کی طرف ہجرت کر گئے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کا انہیں یہی حکم تھا۔ وہاں آپ ”مدقم“ کے شہر میں اقامت پذیر ہو گئے، جو اس دور میں اس علاقے کا مرکزی شہر تھا۔ یہاں کے باشندے کافر، بدکار اور شریر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی تو آپ نے اللہ کے حکم سے نظر اٹھا کر شل، جنوب و مشرق اور مغرب کی طرف دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا: ”میں ہی سرزرت تھے اور تیری اولاد کو قیمت تک کے لیے دوں گا اور تیری اولاد کو بڑھاؤں گا حتیٰ کہ وہ ریت کے ذروں کے برابر ہو جائیں گے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی اس بشارت میں امت محمدیہ (ﷺ) بھی شامل ہے۔ بلکہ اسی امت میں پیشین گوئی کامل ترین اور عظیم ترین انداز سے پوری ہوئی ہے۔ اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے: ”اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین سمیت دی تو میں نے اس کے مشرقی اور مغربی حصے دیکھ لیے۔ میری امت کی سلطنت وہاں وہاں پھینگی، جو جو حصہ سمیت کر مجھے دکھایا گیا۔“^①

علمائے کرام بیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کچھ بد معاشوں نے حضرت لوط علیہ السلام پر قابو پا کر انہیں قید کر لیا، ان کا مال چھین لیا اور موسیقیوں کو بائک کر لے گئے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خبر ملی تو آپ تین سو اٹھارہ افراد کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ آپ نے لوط علیہ السلام کو بھی چھڑا لیا، ان کا مال و متاع بھی واپس لے لیا اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی بہت سی تعداد کو تہ تیغ کر دیا، انہیں شکست دی اور ان کا تعاقب کیا حتیٰ کہ دمشق کے شمال تک پہنچ گئے۔ وہاں ”برزہ“ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ میرے خیال میں اس جگہ کو مقام ابراہیم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں ابراہیم علیہ السلام کے لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا۔

پھر آپ فاتحانہ طور پر اپنے علاقے میں واپس تعریف لائے۔ بیت المقدس کے بادشاہوں نے بڑے احترام کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور آپ کی اطاعت قبول کی اور آپ اپنے وطن میں اقامت پذیر ہو گئے۔ آپ پر اللہ کی طرف سے درود و سلام ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پاکباز اولاد کی دعا فرمائی۔ اللہ نے آپ کو اس کی خوشخبری دی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس میں رہتے ہیں سال ہو گئے تو سارہ علیہا السلام نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا: ”رب نے

① صحیح مسلم، الفتن، باب هلاک هذه الأمة بعضهم بعض، حدیث: 2889 و سنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب ذکر

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسماعیل علیہ السلام مکہ میں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”سب سے پہلے جس خاتون نے مکہ میں استعمال کیا، وہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ انہوں نے مکہ میں استعمال کیا، تا کہ ان کے نشان قدم سارہ رضی اللہ عنہا سے پوشیدہ رہیں۔ بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے شیرخوار بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو لے گئے اور انہیں بیت اللہ کے پاس زمزم سے اوپر کی طرف (موجودہ) مسجد کے بالائی حصے میں ایک بڑے درخت کے پاس ٹھہرا دیے۔ اس وقت کہ میں کوئی انسان نہیں رہتا تھا اور وہاں پانی بھی نہیں تھا۔ آپ نے انہیں وہاں اتارا اور ان کے پاس کھجوروں کا ایک تھیلہ اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام وہاں چل پڑے۔ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بھی ان کے پیچھے چلیں اور کہا: ”ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں کوئی ساقی (یا مسافر) ہے نہ (ضرورت کی) کوئی چیز؟“ انہوں نے کئی بار یہ بات کہی، لیکن آپ ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ (آخر) انہوں نے کہا: ”کیا آپ کو اللہ نے یہ حکم دیا ہے؟“ انہوں نے فرمایا: ”ہاں!“ وہ بولیں: ”جب وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔“ اور پلٹ گئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے جب عید (گھائی) پر پہنچے، جہاں سے وہ لوگ نظر نہیں آرہے تھے، تو انہوں نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے اچھٹا اٹھا دی اور یہ دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿١٤﴾﴾

”اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں نہیں تھیں، تیرے عزت (وابد) والے کھڑے کے پاس لایا ہے۔ اے پروردگار! کہ تیرے نماز پڑھنے والوں کو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو پھلوں سے رزق دے تا کہ (تیرا) شکر کریں۔“ (ابراہیمہ: 37/14)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کو دودھ پلاتی تھیں اور خود اس پانی میں سے پی لیتی تھیں حتیٰ کہ جب مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا تو انہیں پیاس لگی اور ان کے بیٹے کو بھی پیاس لگی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ بچہ (پیاس کی وجہ سے) بے چین ہے۔ وہ اسے (ترپا) نہ دیکھ سکیں، اٹھ کر چل دیں۔ انہیں اپنے قریب کی زمین میں سے صفا ہوا سب سے قریب معلوم ہوا۔ وہ اس پر چڑھ گئیں۔ پھر وادی کی طرف منہ کر کے دیکھا کہ کیا کوئی انسان نظر آتا ہے؟ کوئی نظر نہ آیا۔ وہ صفا سے اتریں۔ جب وادی کے نشیب میں پہنچیں تو قبیلہ کا دامن (جو زمین تک پہنچتا تھا) اٹھ کر اس طرح بھاگیں جس طرح کوئی پریشان اور مصیبت زدہ انسان دوڑتا ہے حتیٰ کہ وادی کو پار کر لیا۔ وہ مرد و عورتیں تو اس پر چڑھ گئیں اور دیکھا کہ کیا کوئی نظر آتا

یہ بھی اس عظیم امت (محمدیہ) کے وجود کی خوشخبری ہے۔ ان بارہ سرداروں سے مراد بارہ خلفائے راشدین ہیں، جن کی خوشخبری اس حدیث میں دی گئی ہے جو حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”بارہ امیر ہوں گے۔“ پھر نبی ﷺ نے ایک جملہ فرمایا جو میں سمجھ نہ سکا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ نبی ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ”وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔“^①

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: ”یہ کام (دین کا سلسلہ) قائم رہے گا۔“ اور دوسری میں ہے: ”غالب رہے گا حتیٰ کہ بارہ خلفاء ہوں گے وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔“^②

ان میں خلفائے اربعہ یعنی حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بھی۔ بنو عباس کے بعض خلفاء بھی اس میں شامل ہیں۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بارہ حضرات یکے بعد دیگرے مسلسل ہوں گے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ پائے جائیں گے۔ ان سے وہ بارہ امام بھی مراد ہیں جن کے بارے میں رافضی خاص قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق پہلے امام حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور آخری امام وہ ہے جو سامراء کے غار میں ہے اور اس (کعبہ) کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق وہ (بارہ امام) حسن عسکری کا بیٹا محمد ہے۔ ان (بارہ حضرات) میں سے سب سے اہم شخصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے جنگ و جدال ختم کر کے حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی تھی۔ اس طرح فتح کی آگ بجھا کر مسلمانوں کی باہمی جنگ کا سلسلہ ختم کر دیا۔ (شیعہ کے) باقی (امام) سب رعیت کے افراد تھے جن کا مسلمانوں پر حکومت کرنے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ باقی بارہ (امام غائب) جس کو وہ سمجھتے ہیں کہ سامراء کے غار میں ہے تو محض ان کے اہام ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

بہر حال جب ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ہاں اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اس سے سارہ رضی اللہ عنہا کے جذبات برا بھلا ہو گئے۔ انہوں نے حضرت خلیل علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ انہیں ان کے سامنے نہ رکھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے بیٹے کو لے کر چلی گئے۔ انہیں وہاں ٹھہرا دیا جہاں آج کل کمرہ کا شہر ہے۔ اسماعیل علیہ السلام اس وقت دودھ پیتے بیٹے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں وہاں چھوڑ کر ملنے کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اٹھ کر دامن پکڑ لیا اور بولیں: ”ابراہیم! آپ مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں، ہمارے پاس تو ضرورت کی اشیا بھی ہیں؟“ جب بار بار سوال کرنے پر بھی جواب نہ ملا تو انہوں نے کہا: ”کیا آپ کو اللہ نے یہ حکم دیا ہے؟“ فرمایا: ”ہاں!“ جب انہوں نے کہا: ”اگر یہ بات ہے تو وہ ہمیں بلاک نہیں ہونے دے گا۔“

① صحیح البخاری، الأحکام، حدیث: 7222/7223 و صحیح مسلم، الإمامۃ، باب الناس تبع لقریش..... حدیث: 1821

② صحیح مسلم، الإمامۃ، باب الناس تبع لقریش..... حدیث: 1821

پاس جو غلام اور دوسرے افراد ہیں ان کا بھی فتنہ کریں۔^③ آپ نے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت آپ کی عمر نانوے سال تھی۔ اس طرح اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر چھ سو سال بنتی ہے۔ آپ نے اپنے اہل خانہ کے بارے میں اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حکم کو واجب قرار دیا۔ اس لیے علماء کا یہ قول بھی صحیح ہے کہ مرنے پر فتنہ واجب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خنڈ خود ایک بسولے سے کیا تھا جبکہ وہ اسی (۸۰) برس کے تھے۔“ ^(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکور لفظ ”قدوم“ سے مراد قدم و مشہر ہے نہ کہ خنڈ ہے نہ کان نہ بسولہ وغیرہ۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک اور آزمائش اور آزمائش کی راہ میں قربان کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے حکم ربانی سے کونسا کو تو فرما کر دینا فوری تیار ہو گیا۔ اس آزمائش پر پورا اتارنے کا انعام جنت ہے قربانی کی صورت میں ملا اور پھر یہ سنت ابراہیمیہ تاقیامت مسلمانوں پر مقرر کر دی گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[illegible]

’اے پروردگار! مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) سعادت مندوں میں سے (ہو)۔ تو ہم نے اُن کو ایک نرم دل لڑکے کی خوشخبری دی۔ جب وہ اُن کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں

ہے؟ کوئی نظر نہ آیا۔ انہوں نے سات بار اسی طرح کیا (ایک پہاڑی سے دوسری تک دوڑتی رہیں۔) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لوگ اسی وجہ سے ان دونوں پہاڑوں (صفا اور مروہ) کے درمیان دوڑتے ہیں۔“

جب وہ (آخری چکر میں) مردہ پر پہنچیں تو انہیں کوئی آواز محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنے آپ سے کہا: ”پُپ“ پھر غور سے سنا تو بارہ آواز سنائی دی۔ انہوں نے کہا: ”تو نے آواز سنا دی ہے، اگر تو مدد کر سکتا ہے (تو ہماری مدد کر۔“)

ایسا ایک انہوں نے دیکھا کہ مزم کے مقام پر ایک فرشتہ کھڑا ہے۔ اس (فرشتے) نے اپنی ایڑی سے یا اپنے پر سے زمین کو وہی تو پانی نکل آیا۔ آپ اسے حوض کی صورت دے گئیں اور اپنے ہاتھ سے اس طرح (کاواٹ) بنائے گئیں اور چلو بھر بھر کر مٹھیزے میں ڈالے گئیں۔ ان کے بعد چلو بھرنے کے بعد پانی پھر نکل آتا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر حسرت نازل فرمائے! اگر وہ مزمع کو دیتے، میں..... یا فرمایا: ”(گروہ پانی سے چلو نہ بھرتیں..... تو وہ ایک پتے ہوئے خشکی کی صورت اختیار کر لیتا۔“ راوی بیان کرتے ہیں کہ کچھ بار جہنہ پانی پیا اور پتے کو دودھ پلایا۔ فرشتے نے ان سے کہا: ”آپ بلا کس کا اندیشہ نہ کریں، یہاں اللہ کا گھر ہے جس کی تعمیر یہ بچہ اور اس کا والد (دونوں مل کر) کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے لوگوں کو کوشاں نہیں ہونے دیتا۔“ ③

اس وقت بیت اللہ کی زمین ایک بلند ٹیلے کی صورت میں تھی۔ سیلاب کا پانی آتا تو وادیں بائیں سے گزر جاتا۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ وہاں سے ہجر ہوا کہ ایک کا قافلہ یا ایک خاندان گزرا۔ وہ کدوا کی طرف سے آئے اور کدو کی کشتی جیسے تھے۔ انہیں ایک پرندہ منڈا نظر آیا، تو بولے، ”یہ پرندہ تو پانی پر منڈا لیا کرتا ہے۔ ہم تو جب اسی وادی سے گزرتے ہیں تو یہاں پانی نہیں ہوتا۔“

انہوں نے دو آدمی (حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے) بھیجے تو انہیں اپنی نظر آیا۔ انہوں نے جا کر پانی کی مٹو بجوئی کی اطلاع دی۔ وہ سب لوگ آگئے۔ چشمہ (مزم) کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کے والد موجود تھے۔ ان لوگوں نے کہا: ”کیا آپ ہمیں اجازت دیتی ہیں کہ ہم یہاں خیمہ زن ہو جائیں؟“ انہوں نے فرمایا: ”ہاں! (اجازت ہے) لیکن اس چشمے (کی ملکیت) پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔“ انہوں نے کہا: ”ٹھیک ہے۔“ انہوں نے اپنے اپنے گھروالوں کو بھی وہاں بلایا، حتیٰ کہ وہاں ان کے گھر بس گئے۔

تورات میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے اسماعیل کا ختنہ کریں۔^(۲) اور ان کے

کی اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے کے سامنے یہ معاملہ رکھا، تاکہ وہ بھی دل کی خوشی سے اس عمل میں شریک ہو اور اس کی قیام ان کے لیے آسان ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا:

﴿يُمَكِّنْ لِي أَدَى فِي الْمَكَامِ أَيْ أَتَمِّكْ لَكَ فَانْفَرْ مَاذَا كُنْتُ؟﴾

”یہاں میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں لہذا تم کو کیوں کر تمہاری کیا رائے ہے؟“

برادر بیٹا بھی کدواریں اپنے والد کا عکس ثابت ہوا۔ اس نے فوراً کہا:

﴿يَا بَتِ افْعَلْ مَا تَوَكَّلْ سَجِدَ لِي رِشَاءَ اللَّهِ مِنَ الصَّغِيرِينَ﴾

”اے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہی کیجیے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔“

یہ جواب انتہائی درست اور والد کی فرماں برداری اور رب کی اطاعت کا بہت بڑا مظہر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّكَ لِلْجَنِينِ﴾

”جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا۔“

﴿أَسْلَمَا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے اللہ کا حکم تسلیم کر لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو انجام دینے کا عزم کر لیا۔

﴿وَتَلَّكَ لِلْجَنِينِ﴾ کا مطلب ہے کہ اسے چہرے کے بل لٹا دیا۔ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام گدی کی طرف سے ذبح کرنا چاہتے تھے

تاکہ ذبح کرتے وقت ان کا چہرہ نظر نہ آئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور شاکل رحمۃ اللہ علیہم کا یہی موقف ہے۔^①

سُدی اور دوسرے علماء کہتے ہیں: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سلق پر چھری پھیری، لیکن کچھ نہ کٹ سکا۔“ اس وقت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی: ﴿يَا اِبْرَاهِيمُ ۚ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا﴾ ”اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔“

یعنی آپ کا جو امتحان مقصود تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ آپ کی اطاعت اور فریضہ قیام ظاہر ہو چکی ہے۔ جس طرح آپ نے اپنا بند آگ میں ڈال دیا اور مال مہمانوں پر خرچ کر دیا، اسی طرح آپ نے اپنا بیٹا قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ اسی لیے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ هَذَا لَهُ الْبَلَاءُ الْعَظِيمُ﴾ ”بلاشبہ یہ ایک صریح آزمائش تھی۔“ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: ﴿وَقَنِينَهُ

يَذِيحُ عَظِيمٌ﴾ یعنی ہم نے دوسرے ذبیحہ کو ان کے بیٹے کے عوض فدیہ بنا دیا۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ بڑی آنکھوں والا اور دستکوں والا اسد مینڈھا ذبح ہوا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے

کیونکہ مکہ میں وہی قیام پذیر تھے اور اسحاق علیہ السلام کے بارے میں یہ مذکور نہیں کہ وہ بچپن میں مکہ تشریف لائے ہوں۔ (والد اعلم)

﴿ذِيحُ الْكُلُونِ؟﴾ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے متعلق جو کچھ مذکور ہے اس سے واضح طور پر ثابت

ہوتا ہے کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم دیکھو تمہاری رائے کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہی کیجیے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے اُن کو پکارا کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچا کر دکھایا، ہم نیکی کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کا فدیہ دیا اور پیچھے آئے والوں میں ابراہیم کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا کہ ابراہیم پر سلام ہو۔ نیکی کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے اُن کو اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکی کاروں میں سے (ہوں گے) اور ہم نے اُن پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکی کار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گناہ گار) بھی ہیں۔“ (الصافات: 113-99:37)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کا علاقہ چھوڑ کر ہجرت فرمائی تو رب سے دعا کی کہ وہ انہیں نیک اولاد عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بڑا بار لڑکے کی خوش خبری دی، وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ وہ آپ کے پہلو تھے تھے جو آپ کے ہاں چھبیا سی سال کی عمر میں پیدا ہوئے۔ اس مسئلہ میں تمام مذاہب (یہود، نصاریٰ اور مسلمین) کا اتفاق ہے کہ وہ آپ کے پہلے بیٹے اور پہلو تھے سچے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ ”جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا۔“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جوان ہو گئے اور اپنے والد کی طرح اپنے کام کاج کے لیے بھاگ دوڑ کرنے لگے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جوان ہو گئے، سفر کرنے لگے اور اپنے والد کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگے۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ

انہیں یہ بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔“

یہ اللہ کی طرف سے اپنے خلیل علیہ السلام کی آزمائش تھی کہ وہ اس کے حکم سے اپنے پیارے بیٹے کو ذبح کر دیں، جو انہیں بڑھا پے میں ملا تھا اور اب تو ان کی عمر اور زیادہ ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے انہیں حکم ملا تھا کہ اس پیارے بیٹے کو اور اس کی ماں کو ایک بے آد علاقے میں چھوڑ دیں، جہاں کوئی انسان تھا نہ مویشی اور نہ کبھی بڑی آپ اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور

اس پر رحم و رسا تو کل کرتے ہوئے انہیں وہاں چھوڑ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مشکل سے نجات دی اور انہیں وہاں سے رزق دیا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

چھر چھر انہیں اپنے اس پہلو تھے اور کل سے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم ملا تو انہوں نے فوراً اپنے رب کے حکم کی تعمیل

① تفسیر ابن کثیر: 24/7 تفسیر سورة الصافات، آیت: 102

② مجمع الزوائد: 176/7

① تفسیر ابن کثیر: 24/7 تفسیر سورة الصافات، آیت: 103

② تفسیر ابن کثیر: 24/7 تفسیر سورة الصافات، آیت: 104

انہوں نے فرمایا: ”قربانی کے لیے پیش کیے جانے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ یہودی کہتے ہیں کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے اور یہودی جھوٹ کہتے ہیں۔“¹

حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، حسن بصری، محمد بن کعب، ابو جعفر محمد بن علی ابوصالح، امام احمد بن حنبل اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنا پوتا اور عمرو بن علاء رحمہ اللہ سے یہی قول نقل کیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے شام کے ایک عالم کو بلایا (جو پہلے یہودی تھے پھر مخلص مسلمان ہو گئے تھے۔) اور ان سے پوچھا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا کون سا بیٹا ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا؟“ اس نے کہا: ”امیر المؤمنین اقصم ہے اللہ کی! وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہودیوں کو یہ حقیقت معلوم ہے۔ لیکن وہ تم لوگوں سے یعنی عربوں سے حسد کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کے جدا جدا اشراف و فضل کے حامل ہوں اس لیے وہ اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ذبح اسحاق علیہ السلام ہیں کیونکہ اسحاق علیہ السلام ان کے جدا جدا ہیں۔“²

ہم نے یہ مسئلہ اپنی تفسیر کی کتاب میں تفصیلی دلائل اور روایات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (والحمد للہ)

حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت

اللہ تعالیٰ نے اپنے غلیل کو اولاد بخشی نعمت سے اس وقت تو انا زاجب وہ بڑھ رہے ہو چکے تھے اور ان کی بیوی بھی باندھ ہو چکی تھیں۔ اس لیے جب فرشتے یہ خوشخبری لے کر حاضر ہوئے تو انہیں خوشی کے ساتھ ساتھ بڑستہ تعجب بھی ہوا مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی حالت کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَدْ كُنْتُ أَن جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِينٍ فَلَمَّا رَأَى أَن يُدْخِلَهُ أَفْئِدَتُ لِنَفْسِهِ أَن يَقُولَ إِنَّهُ بَشَرٌ خَلَقَهُ وَآوَحَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَحْزَنْ إِنَّا نَرْسَلُكَ إِلَى قَوْمٍ لُّوطٍ ۖ وَأَمْرُهُمْ قَاتِلَةٌ فَفَضَحَتْ بِبُشْرِنَا بِإِسْحَاقَ ۖ وَمِنْ وَدَّاءَ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۖ قَالَتْ يَوَاسِّئُنِي آلِي وَعَاقِبُ ۖ وَهَذَا بَعْثٌ لِّأَهْلِ هَذَا النُّفَى ۖ عَجِبْتَ ۖ قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ وَبَرَكْنَا عَلَيْكَ ۖ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّكَ حَبِيبٌ مَّحَبَّبٌ ۖ﴾

”اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کیا انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا۔

1 تفسیر ابن کثیر: 29/7 تفسیر سورة الصافات: آیت 107

2 تفسیر ابن کثیر: 29/7 تفسیر سورة الصافات: آیت 112

﴿وَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾

”اور ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت بھی دی کہ وہ نبی (اور) نیکو کاروں میں سے ہوں گے۔“

(الصافات: 112/37)

جو لوگ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح ہونے کے قائل ہیں، ان کی دلیل محض اسرائیلی روایات ہیں اور ان کی کتابیں تحریف شدہ ہیں۔ خاص طور پر یہاں تو تحریف اتنی واضح ہے کہ اس سے انکار ممکن نہیں کیونکہ ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا اولاد بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا۔ ترجمہ شدہ عربی میں: ”پہلو خٹھے بیٹے اسحاق“ کا لفظ ہے۔ ”یہاں اسحاق“ کا لفظ غلط طور پر لکھا دیا گیا ہے کیونکہ اسحاق علیہ السلام نہ اسکی بیٹے تھے نہ پہلو خٹھے۔ یہ صفت تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہیں۔ ان لوگوں نے یہ تحریف صرف اہل عرب سے حسد کی وجہ سے کی ہے کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ان عربوں کے جدا جدا ہیں جو حجاز میں رہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی میں سے ہیں۔ اور حضرت اسحاق یعقوب علیہ السلام کے والد ہیں، جن کا لقب ”اسرائیل“ ہے اور بنی اسرائیل انھی کی طرف منسوب ہیں۔ انہوں نے اس شرف کو اپنے نام لگانا چاہا، اس لیے اللہ کے کلام میں تحریف کردی اور اضافہ کر دیا۔ یہ قوم نہایت جھوٹی ہے انہوں نے یہ اقرار نہیں کیا کہ فضل و کرم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

جن علماء نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح قرار دیا ہے، انہوں نے یہ قول کعب احبار سے یا یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے لیا ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں، جس کی وجہ سے ہمیں قرآن مجید کے ظاہری مفہوم کی تائید کرنی پڑے۔ بلکہ خود کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے الفاظ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے پر نص ہیں۔

حضرت ابن کعب قرطبی نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی بجائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے پر اس آیت مبارکہ سے بہت خوب استدلال فرمایا ہے: ﴿فَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ ۖ وَمِنْ وَدَّاءَ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۖ﴾ ”تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔“ (ہود: 71) وہ فرماتے ہیں: ”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی جائے اور یہ خوشخبری بھی دی جائے کہ ان کے ہاں بیٹا یعقوب بھی پیدا ہو گا۔ پھر اسحاق علیہ السلام کو قرآن کرنے کا حکم دے دیا جائے حالانکہ وہ ابھی بچے تھے اور ان کے ہاں یعقوب علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے؟ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بشارت کے خلاف ہے۔“ (واللہ اعلم)

صحیح یہی ہے کہ ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ حضرت مجاہد، سعید، ضعی، یوسف بن مہران، عطاء رحمہم اللہ اور دیگر حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی قول نقل کیا ہے کہ وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

① موجودہ بائبل میں لکھا ہے: ”تو اپنے بیٹے اسحاق کو جو میرا اولاد ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے..... سو قربانی کے طور پر چڑھا۔“ پیدائش باب 22 فقرہ 7:

کہتے ہیں (ایک تو) بڑھیا اور (اور وہ بھی) ہانچ (انہوں نے) کہا (ہاں) تمہارے پروردگار نے یوں ہی فرمایا ہے، وہ بے شک صاحب حکمت (اور) خوب جاننے والا ہے۔“ (العنکبوت: 24-29)

جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہ السلام (انہوں نے) مہمان سمجھ کر ان کی خاطر وادری کی اور عمدہ گایوں کے ریوڑ میں سے ایک موئے تازے منچرے کا گوشت بیچوں کر تیار کیا۔ جب مہمانوں کو کھانا پیش کیا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محسوس کیا کہ ان حضرات کو کھانے کی بالکل خواہش نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتوں میں وہ قوت نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے انسانوں کو کھانا کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اس طرز عمل سے تعجب ہوا اور خوف محسوس کیا۔ انہوں نے کہا: خوف نہ کیجئے! ہمیں لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ حضرت سارہ علیہا السلام اللہ کی محبت کی وجہ سے ان بدکاروں سے نفرت رکھتی تھی، اس لیے اس خبر سے انہیں خوش ہوئی۔ وہ مہمانوں کی خدمت کے لیے پاس ہی کھڑی تھیں، جیسے اہل عرب اور دوسری اقوام میں رواج ہے۔ جب وہ خوش ہو کر پڑیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ لیکن جب فرشتوں نے انہیں یہ خوشخبری دی تو ابراہیم کی بیوی چلائی آئی اور اپنا منہ پٹینے لگی جیسے عورتیں توبہ کے وقت کیا کرتی ہیں، سارہ علیہا السلام سے بھی وہ حرکت سرزد ہوئی اور انہوں نے فرمایا: ﴿يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اِنَّكَ اَنْتَ وَآتَاكَ عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا يَعْزِيْ شَيْخًا﴾ ”ہائے میری کتنی! میرے ہاں بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے مہمان بھی بوڑھے ہیں۔“ یعنی میرے ہاں کیسے اولاد ہو سکتی ہے جب کہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور ہانچ بھی ہوں اور یہ میرے شوہر ابراہیم علیہ السلام بھی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ انہیں ان حالات میں اولاد ملنے پر تعجب ہوا۔ اس لیے انہوں نے کہا:

﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ قَالُوْٓا اَلْعَجِيْبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَہْلَ الْبَيْتِ اِنَّہٗ حَبِيْبٌ مَّجِيْبٌ ۝۱۱﴾

”یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ بلاشبہ وہ سزاوار تر تعریف اور بزرگوار ہے۔“ (ہود: 73, 72, 11)

اس خوشخبری پر ابراہیم علیہ السلام کو بھی توبہ ہوا۔ انہوں نے انتہائی خوشی کے عالم میں مزید تسلی کے لیے فرمایا:

﴿اٰتٰیۤہُمْ مُّوْنٰی عَلٰی اَنْ تَقْسٰی الْکَبِیْرُ فَمِمَّ تَتَخٰۤیَرُوْنَ ۚ قَالُوْٓا بِشَرِّکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَنْکُرْ مِنَ الْفٰطِنٰیۃِ ۝۱۲﴾

”جب مجھے بڑھا پنے آ کر پڑا تو تم خوشخبری دینے لگے، اب کا ہے کی خوشخبری دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو چچی خوشخبری دیتے ہیں، آپ مایوس نہ ہوں۔“ (الحجر: 55, 54, 15)

انہوں نے اس خوشخبری کی تصدیق کی اور انہیں ﴿يٰۤاِبْرٰهِيْمُ عَلَیْہِ﴾ یعنی ”علم والے بچہ“ کی خوشخبری دی۔ اس سے

ابھی ٹھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ (ابراہیم) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جاتے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو ان کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا۔ (فرشتوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجئے۔ ہم قوم لوط کی طرف (ان کو بلاک کرنے کے لیے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم کی بیوی (جو پاس) کھڑی تھی، بس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ اس نے کہا: ہائے میری کم بختی! میرے ہاں بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے مہمان بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ کی قدرت پر تم تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ وہ سزاوار تر تعریف اور بزرگوار ہے۔“ (ہود: 73-69, 11)

اور سورہ حجر میں فرمایا:

﴿وَتَقْتُلُم مِّنْ حَبِیْبٍ اٰیْمٰہِمَ ۚ اِذْ صَخَّوْٓا عَلَیْہِ فَقَالُوْٓا سَلٰمًا ۚ قَالَ اِنَّا مِنْکُمْ وَجٰوِلُوْنَ ۚ قَالُوْٓا لَا تَوَجَّلْ اِنَّا لَنُنَبِّئُکَ بِغُلُوْمٍ عَلَیْہِ ۚ قَالَ اٰتٰیۤہُمْ مُّوْنٰی عَلٰی اَنْ تَقْسٰی الْکَبِیْرُ فَمِمَّ تَتَخٰۤیَرُوْنَ ۚ قَالُوْٓا بِشَرِّکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَنْکُرْ مِنَ الْفٰطِنٰیۃِ ۚ قَالَ وَمَنْ یَّقِظُ مِنْ نَّحْوِہٖ اِلَّا الصَّٰلُوْنَ ۝۱۳﴾

”اور (اے نبی!) ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنا دو۔ جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو سلام کہا۔ (انہوں نے) کہا ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں نے) کہا کہ ڈر ہے نہیں، ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ (وہ) بولے کہ مجھے بڑھا پنے آ کر پڑا تو تم خوشخبری دینے لگے، اب کا ہے کی خوشخبری دیتے ہو؟ (انہوں نے) کہا کہ ہم آپ کو چچی خوشخبری دیتے ہیں آپ مایوس نہ ہوں۔ اس (ابراہیم) نے کہا کہ اللہ کی رحمت سے (میں) مایوس کیوں ہوں؟ ایسا ہوتا مگر انہوں کا کام ہے۔“ (الحجر: 56-51, 15)

سورہ عنکبوت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هَلْ اَنْتَکَ حَبِیْبٌ حَبِیْبٌ اٰیْمٰہِمَ الْمَلٰٓئِکَۃِ ۚ اِذْ صَخَّوْٓا عَلَیْہِ فَقَالُوْٓا سَلٰمًا ۚ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْکُرُوْنَ ۚ فَرٰۤاۤہِ اِلٰی اٰہِلِہٖ فَجَآءَ یَعْزِلُ سَبِیۡنَ ۚ فَنَفَرَتۡہِ اِلَیْہِمۡ قَالَ اِنَّا تَاۤکُلُوْنَ ۚ فَاَجَسَّ وَنَسَمُہُمۡ خَفِیۡۃٌ ۚ قَالُوْٓا لَا تَخَفْ ۚ وَبَشِّرُوْہُ بِغُلُوْمٍ عَلَیْہِ ۚ فَاَقْبَلَتْ اِمْرَاۡتُہٗ فِی صَدَقَۃٍ فَصَدَّتْ وَجْہُہَا ۚ وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ۚ قَالُوْٓا لٰکِ اٰیٰی ۚ قَالَ رَبِّکَ ۚ اِنَّہٗ هُوَ الْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ ۝۱۴﴾

”بھلا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟ جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کہا۔ انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا (دیکھا تو) ایسے لوگ کہ نہ جان نہ پہچان۔ تو اپنے گھر جا کر ایک (بھنا ہوا) مونا بچھڑا لائے (اور کھانے کے لیے) ان کے آگے رکھ دو۔ کہنے لگے آپ تناول نہیں کریں گے؟ اور دل میں ان سے خوف محسوس کیا (انہوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجئے۔ اور ان کو ایک دانشمند لڑکے کی بشارت بھی سنائی تو ابراہیم کی بیوی چلائی آئی اور اپنا منہ پیٹ کر

بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔“ سے صاف ظاہر ہے کہ سارہ کو اپنے بیٹے اسحاق اور اپنے پوتے یعقوب کو زندہ دیکھنے کی خوشی نصیب ہوگی۔ یعنی وہ اپنے دادا، دادی کی زندگی میں پیدا ہوں گے تاکہ انہیں یعقوب علیہ السلام سے بھی اسی طرح خوشی حاصل ہو جیسے اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی خوشی حاصل ہوگی۔ اگر بشارت سے یہ مقصود نہ ہوتا تو اسحاق علیہ السلام کی ساری نسل میں سے صرف یعقوب علیہ السلام کا نام خاص طور پر ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ جب نام لے کر ذکر کیا گیا تو معلوم ہوا کہ انہیں یعقوب علیہ السلام سے مستفید ہونے کا موقع ملے گا، جیسے ان کے والد (اسحاق) کی ولادت سے خوشی ہوئی۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَهَبْنَا لَكَ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَبْنَاهُ﴾

”اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی۔“ (الأنعام: 84/6)

اور مزید یہ فرمایا:

﴿فَلَمَّا أَتَيْنَاهُمْ وَمَا عْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَكَ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ﴾

”اور جب ابراہیم (علیہ السلام) ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے ان سے الگ ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحاق اور (اسحاق کو) یعقوب بخشے۔“ (مریم: 49: 19)

یہ واضح اور قوی دلیل ہے۔ اس کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: میں نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مسجد حرام!“ میں نے کہا: پھر کون سی؟ فرمایا: ”مسجد اقصیٰ!“ میں نے کہا: ان کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ فرمایا: ”چالیس برس!“ میں نے کہا: ”ان کے بعد کون سی؟“ فرمایا: پھر جہاں تھہر نماز کا وقت آجائے، وہیں نماز پڑھ لے، سب مسجدیں ہیں۔“

اہل کتاب کہتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھی تھی۔ اس سے بھی مذکور بالا بیان کی تائید ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم واسامیل علیہ السلام کے مسجد حرام کی تعمیر سے چالیس سال بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ تعمیر فرمائی۔ ان دونوں کی تعمیر سے پہلے اسحاق علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ذکر فرمائی ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۚ رَبِّ انْصَنَعْ لِي مِنْ اللَّائِسِ فَتَرْكِبُنِي فَكُلَّهَا مَرِيئًا ۖ وَهُنَّ عَصَائِي ۚ فَإِنَّكَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۖ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَهْلَكَ عِنْدَ الْبَيْتِ يَتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا كُنْفِي ۝﴾

① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء باب: حديث: 3366 / صحيح مسلم: المساجد باب: المساجد مواضع الصلاة

حديث: 520 / مسند أحمد: 150:5

مرا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بلند مقام اور عظیم مہر وراثت کے انعام کے طور پر ”علم والا“ پڑ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ وصف بھی بیان کیا ہے کہ وہ وعدہ پورا کرنے والے اور صبر کرنے والے تھے۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

﴿فَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ ۚ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۝﴾

”تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔“ (ہود: 71/11)

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جسے ہونے بچھڑے کے ساتھ تھیں بیان نہ کر دیا کہ آپ کے بچے کوئی روٹیاں کھن اور دو روٹیاں کھیں یا اور فرشتوں نہ کھائے۔ یہ بات بالکل غلط ہے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وہ (ظاہری طور پر) کھاتے محسوس ہوتے تھے جبکہ کھانا ہوا ہی میں غائب ہو جاتا تھا۔ بالکل میں لکھا ہے:

”خدا نے ابراہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے، سو اُس کو ساری نہ پکارتا۔ اس کا نام سارہ ہوگا اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔ یقیناً میں اسے برکت دوں گا تو میں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔ تب ابراہام سرنگوں ہوا (یعنی سجدہ کیا) اور نسل کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڑھے سے کوئی بچہ ہوگا؟ اور کیا سارہ کے جوئے (90) برس کی ہے اولاد ہوگی؟ ابراہام نے خدا سے کہا: کاش! اسماعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے۔ جب خدا نے فرمایا: یہ شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے چٹا ہوگا، تو اس کا نام اسحاق (اسحاق) رکھنا..... اگلے سال..... اس وقت تمہیں پھر..... اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابوی عہد ہے باخداں گا اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنائی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ مردار پیدا ہوں گے اور میں اسے ایک بڑی قوم (کا سردار) بناؤں گا۔“

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ ۚ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ﴾ ”تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے

① (دیکھئے کتاب پیش نظر باب: 18، فقرہ: 6/7'8) بالکل کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتنے افراد جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان ہوئے۔ ان میں سے ایک خود خدا تھا۔ (پیش نظر باب: 18)

② بالکل میں یہ جملہ اس پوری عبارت کے بعد ان الفاظ میں منقول ہے: ”لیکن میں اپنا عہد اسحاق سے باخداں گا“ جو اگلے سال اسی وقت مہین پر سارہ سے پیدا ہوگا۔ (پیش نظر 17: 21) البتہ قصص الانبیاء میں یہ ان الفاظ میں ”تو اس مقام پر“ جیسے ہم نے لکھا۔

③ ”سردار“ کا لفظ قصص الانبیاء کے مطابق ہے۔ بالکل کے موجودہ نسخے میں یہ الفاظ ہیں: ”میں اسے ایک ہی قوم بناؤں گا۔“

④ (پیش نظر باب: 17، فقرہ: 15/20) یہ ترجمہ ”بالکل سوسائٹی لاہور“ کی شائع کردہ ”کتاب مقدس“ کے مطابق ہے۔

اور سورۃ آل عمران میں فرمایا:

[illegible]

”پہاگر گھرجو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو کہ میں ہے۔ با برکت اور جہان کے لیے موجب بدایت۔ اس میں کوئی بخلی نشا نہیں (جن میں سے) ایک ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہو اُس نے امن پایا اور لوگوں پر اللہ کا حق (فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقصد رکھے وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو اللہ بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔“

(آل عمران: 96، 97)

سورہ بقرہ میں اسی کی بابت مزید فرمایا:

وَأَذِنتُ لِبِإِذِهِمْ ذُرِّيَّهُمْ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَتْهُنَّ قَالَ إِنِّي مَعْكُمُ لِلنَّاسِ إِيمَانًا قَالَ يَمُنُّ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝ وَأَذِجْنَا لَهُمُ الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمَّا وَتُحْذَرُ مِنْ مَّكَلِهِمْ أَذِجْنَا لَهُمْ وَأَسْعِجُوا أَن طَهَّرْنَا بَنِيكَ لِبَاطِلِ الْفِرِينِ وَالْحَقِيدِينَ وَالرَّكُوعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَتَبَسَّ الْمُصِيبُ ۝ وَأَذِ إِبْرَاهِيمَ الْقَوَامِينَ مِنَ الْهَبِيِّ وَإِسْمَاعِيلَ ۝ ذَرْنَا قَبِيلَكَ إِنَّا كُنَّا السَّمِيعَ الْعَلِيمَ ۝ ذَرْنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۝ وَأَرَأَيْتَ إِنَّا عَلَّمْنَا إِيَّاكَ أَنْتَ الْقَوَابِ الرَّحِيمَ ۝ ذَرْنَا وَابْتَغِ فِيمَهُمْ سُلُوكًا مِنْهُمْ لِيَنصُرُوا عَلَيْهِمْ إِنِّي لَنُكَوِّنُ لَهُمْ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَنُزِيلَهُمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

”اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اور وہ خالص کے لیے نہیں ہوا کرتا۔ اور جب ہم نے خواہ کچھ کو لوگوں کے لیے منع ہونے اور اس ناپانے کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے، اس کو نماز کی جگہ بنا لو۔ اور ابراہیم اور اسو اسامیل سے کہا کہ طواف کرنے والوں اور احکاف کرنے والوں اور رکوٰۃ کرنے والوں اور تہجد کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔ اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اس پروردگار! اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے

وَمَا تَعْلَمُ ۖ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۚ الصَّدَقَاتُ لِلَّذِي وَهَبَ
 فِي عَلَى الْكَبِيرِ لِمُسْلِمٍ ۖ وَأَسْحَقُ ۖ إِنَّ رَبِّي سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۚ رَبِّ اجْعَلْنِي قَائِمَهُ الصَّلَاةِ ۖ وَمَنْ
 ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ ۚ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝ ﴿١٠﴾

”اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ میرے پروردگار! اس شرک (لوگوں کے لیے) امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچائے رکھ کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں۔ اے پروردگار! انہوں نے بہت سے لوگوں کو کمرہ کیا ہے۔ سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد میدان (مکہ) میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس لایا بتائی ہے جہاں کھیتی باڑی بھی نہیں ہے۔ اے پروردگار! تاکہ یہ نماز پڑھیں، سولوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ اُن کی طرف جھکے رہیں اور اُن کو ان پھیلوں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔ اے پروردگار! جو بات ہم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں تو ہم سب جانتا ہے۔ اور زمین و آسمان میں اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ہر عمر میں اسامیل اور اسحاق عطا کیے۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا ہے۔ اے پروردگار! مجھ کو (اسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (تو توفیق بخش دے)۔ اے پروردگار! میری دعا قبول فرما۔ اے پروردگار! حساب (کتاب) کے دن مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کو سعادت کر دینا۔“ (ابراہیم: 41-35)

بیت اللہ کی تعمیر اور اہل مکہ کے لیے دعائے ابراہیم (علیہ السلام)

اللہ تعالیٰ نے دعوت تو حید قبول کرنے والوں کے لیے کچھ اللہ تعزیر کرنے کا حکم دیا تاکہ فرزندانِ توحید اس گھر کا طواف کریں اور یہاں آکر نمازیں ادا کریں! ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ فِي شَيْءٍ وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۖ وَآذِنْ فِي الْمَسَاجِدِ بِالْحَمْدِ يَاقُوتَ الْجَاوِشِ ۖ وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ هُنَّ فَجْعٌ عَيْنِي ۖ﴾

”اور (ایک وقت تھا) جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی مقرر کردی (اور فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور اطاف کرنے والوں اور کعبہ کرنے والوں (اور) عہدہ کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو صاف رکھا کرو اور لوگوں میں حج کے لیے اعلان کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور ڈبلے ڈبلے آؤں گے پر جو دور (دراز) راستوں سے آتے ہیں (سوار ہو کر) آجئے۔“ (الحج: 22، 26، 27)

سے استدلال تو ہی نہیں کیونکہ آیت کے الفاظ کا مطلب یہ ہے: ”وہ جگہ جو اللہ کے علم میں اس کے لیے مقدر تھی اور جو مقام حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک تمام انبیاء کے نزدیک قابل احترام رہا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا أَكُنَّا بِبَيْتِ وَضْعَ اللَّيْلَيْنِ لَكُنَّا لَكُنَّا بِبَيْتِ وَضْعَ اللَّيْلَيْنِ﴾

”بیشاپہ پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو کہ میں ہے۔ بابرکت اور جہان کے لیے موجب ہدایت۔“ (آل عمران: 96/3)

یعنی تمام لوگوں کے لیے جو گھر برکت اور ہدایت کے لیے سب سے پہلے مقرر کیا گیا، وہ گھر ہے جو کہ میں ہے۔

﴿فَبِأَيِّ بَيْتٍ يَخْتَارُ﴾ (آل عمران: 97) ”اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔“ یعنی یہ عبارت غلیل علیہ السلام کی تعمیر کردہ ہے، جو بعد میں آنے والے تمام نبیوں کے جدا جدا اور اپنی اولاد کے تمام موصدین کے امام تھے جو آپ کی اقتدار کرنے والے اور آپ کی سنت پر عمل کرنے والے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿فَقَامَ إِبْرَاهِيمَ﴾ (آل عمران: 97) اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے کعبہ کی تعمیر جاری رکھی۔ جب عمارت آپ کے قدم سے بلند ہو گئی تو آپ کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے یہ مشہور پتھر لا کر دیا تاکہ آپ اس پر کھڑے ہو جائیں، جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک لمبی حدیث میں مذکور ہے۔^①

حضرت عرب بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے تک یہ پتھر اسی طرح کعبہ کی دیوار سے متصل پڑا رہا۔ جس طرح قدیم زمانے سے پڑا تھا۔ آپ نے اسے بیت اللہ سے کچھ فاصلے پر کر دیا تاکہ اس کے پاس نماز پڑھنے والوں کی وجہ سے طواف کرنے والوں کو رکاوٹ نہ ہو۔ بعد کے لوگوں نے اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعدد مشورے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق ثابت ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: ”کاش! ہم مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھا کرتے۔“^②

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿وَاتَّخَذَ مِنْ قَعْقَارِ إِبْرَاهِيمَ مَقْصًى﴾

”اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے، اُس کو نماز کی جگہ بنا لو۔“ (البقرة: 125/2)

اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان اسلام کے ابتدائی دور تک باقی تھے۔ انہوں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے کعبہ کی بنیادوں پر عمارت بنائی تھی اور وہ دعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا یہ نیک عمل قبول فرمائے۔ چنانچہ

رہنے والوں میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائیں اُن کے کھانے کو پھل عطا کر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کافر ہو گا اس کو بھی کسی قدر فائدہ دوں گا (مگر) پھر اُس کو (عذاب) دوزخ کے (بھیجئے گے) لیے ناچار کر دوں گا اور وہ بری جگہ ہے۔ اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعائے جاتے تھے کہ) اے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ چنگ کو تسنہ والا (اور) جانے والا ہے۔ اے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گردہ کو اپنا مطیع بنائے رکھنا۔ اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر رحم کے ساتھ توجہ فرما۔ چنگ تو توجہ فرمانے والا میرا ہے۔ اے پروردگار! ان (لوگوں) میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر دے جو ان کو میری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دلائل سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔ چنگ تو غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔“ (البقرة: 124/2-129)

اللہ تعالیٰ اپنے بندے، اپنے رسول، اپنے غلیل، موصدین کے امام اور انبیاء کے کرام کے جدا جدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرما رہا ہے کہ انہوں نے وہ قدیم گھر تعمیر فرمایا، جو تمام لوگوں کے لیے تعمیر کی جانے والی چلی مسجد ہے، جس میں وہ اللہ کی عبادت کر سکتے ہیں۔ اللہ نے آپ کو وہ جگہ بتائی جو اس کی تعمیر کے لیے مقدّر کی جا چکی تھی۔

حضرت علی بن ابی طالب اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعے سے اسی جگہ سے باخبر کیا گیا۔ آسمانوں کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے ہم (دوسری کتاب میں) بیان کر چکے ہیں کہ کعبہ شریف (آسمانی کعبہ) بیت المعمور کی بالکل سیّدہ میں ہے، سابق آسمانوں پر اس انداز سے عبادت کے مقامات (ایک سیّدہ میں) واقع ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہر آسمان میں ایک گھر (عبادت کا مقام) ہے، جس میں اُس آسمان کے فرشتے اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اُن کے لیے اسی کی وہی حیثیت ہے جو زمین والوں کے لیے کعبہ شریف کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایک عبادت گاہ بنائیں جس کی حیثیت زمین والوں کے لیے وہی ہو جو آسمان کے فرشتوں کے لیے مذکور بالا عبادت گاہوں کی ہے اور اللہ نے آپ کو کعبہ شریف کی وہ جگہ بتائی جو آسمان وزمین کی تخلیق کے دن سے اس کے لیے متعین کر دی گئی تھی۔ جیسے کہ صحیحین میں ارشاد ہوئی ہے:

”اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس دن محترم قرار دے دیا تھا، جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ وہ اللہ کے حکم کی وجہ سے قیامت تک کے لیے قابل احترام (حرم) ہے۔“^①

کسی صحیح حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کسی کعبہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے لیے ﴿مَكَانَ الْبَيْتِ﴾ [لفظ

حاصل نہیں ہوا۔ آپ کریمانہ اخلاق کے حامل، امت کے لیے کامل شفقت و رحمت کے جذبات رکھنے والے، معزز خاندان کے فرزند اور افضل ترین شہر کے رہنے والے تھے۔

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمین پر کعبہ شریف کو تعمیر کیا تھا، اس لیے وہ آسمانوں پر بلند ترین مقام کے مستحق ٹھہرے اور بیت المعمور ان کا مقام قرار پایا جو ساتویں آسمان والوں کا مبارک کعبہ ہے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، پھر قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔

ایک طویل عرصہ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت قائم رہی۔ اس کے بعد قریش نے کعبہ کو تعمیر کیا۔ انہوں نے ابراہیمؑ کی قبر میں شام کی طرف یعنی شمالی جانب سے کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ موجودہ قبر اسی کے مطابق ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تجھے معلوم ہے کہ تیری قوم نے جب کعبہ تعمیر کیا تو ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے کم کر دیا؟“ میں نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول ﷺ! آپ اسے دوبارہ ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر نہیں کریں گے؟“ آپ نے فرمایا: ”اگر تیری قوم نافر سے ابھی نکل کر نہ آئی ہوتی تو میں اے یسے ہی کرتا۔“^①

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے دور حکومت میں کعبہ شریف کو اسی طرح تعمیر کروایا تھا جس طرح انہیں ان کی خالہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ جب 73 ہجری میں حجاج بن یوسف نے انہیں شہید کر دیا تو خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان سے مشورہ کیا کہ کعبہ کا کیا کیا جائے ان کا خیال تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنی رائے سے کیا ہے، چنانچہ خلیفہ نے حکم دیا کہ کعبہ کو دوبارہ پرانے انداز پر بنادیا جائے انہوں نے شام کی طرف کی دیوار تو ”ذکر“ ”عظیم“ ”کواکب گرد“ ”پیر دیوار“ (وہ جگہ چھوڑ کر) تعمیر کر کے (زائد) پتھر کعبہ کے اندر چھینک دیے۔ اس وجہ سے اس کا مشرقی دروازہ (زمین سے) بلند ہو گیا اور انہوں نے مغربی دروازہ بالکل بند کر دیا۔ اس طرح کعبہ کی وہ شکل بن گئی جو آج کل دیکھنے میں آتی ہے۔

بعد میں انہیں معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ واقعی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حدیث سنانے کی وجہ سے کعبہ کو اس انداز پر تعمیر کیا تھا۔ تب انہیں بہت افسوس ہوا۔

جب خلیفہ منصور کے بیٹے خلیفہ مہدی کا دور حکومت تھا، تو اس نے امام مالک رحمہ اللہ سے مشورہ کیا کہ کعبہ کی عمارت اس طرح بنادی جائے جس طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بنائی تھی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ”مجھے خطرہ ہے کہ بادشاہ اسے کھیل بنائیں گے، یعنی جب کوئی نیا بادشاہ آگے آئے گا، وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق تعمیر کرنے کی کوشش کرے گا، چنانچہ عمارت اسی طرح رہ گئی جس طرح آج کل موجود ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَذِّنْ لَهُمْ السَّاعَاتِ الْأَوَّلَىٰ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٦﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَإِرْكَأ مِنَّا بِسْمَا وَثُبَّ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْقَوِيُّ الرَّحِيمُ ﴿١٢٧﴾﴾

”اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کی جاتے تھے کہ) اے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا پیغمبر بنا دے۔ اور اے پروردگار! ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بیشک تو توجہ فرمانے والا امیر ہاں ہے۔“ (البقرہ: 126، 127)

اہل مکہ کے لیے دعائے ابراہیم علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بے آب و گیاہ وادی میں واقع مقدس ترین مقام پر مقدس ترین مسجد تعمیر کر دی اور وہاں بسنے والوں کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور یہ دعا کی کہ انہیں کھانے کو پھل ملین حالانکہ وہاں پانی بہت کم تھا، درخت، کھیتی اور پھل موجود نہ تھے اور یہ بھی دعا کی کہ وہ اس مقام کو حرم (قابل احترام مقام) اور امن و امان کا گواہ بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ نے جو کچھ مانگا تھا، اس نے عطا فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُكَلِّفُ النَّاسَ مِنْ حَوْلِهِمْ

”کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے جبکہ لوگ اس کے گرد و نواح سے آپک لیے جاتے ہیں۔“ (العنکبوت: 67/29)

مزید فرمایا:

﴿أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ كُمُوتٌ مِّنْ شَيْءٍ وَذَقَانٌ لَّنَا

”کیا ہم نے ان کو حرم میں جو امن کا مقام ہے جبکہ ہمیں دی جہاں ہر قسم کے پھل پہنچانے جاتے ہیں (اور یہ) رزق ہمارا طرف سے ہے۔“ (الفصص: 57/28)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور عظیم دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان میں انہی سے یعنی ان کی جنس سے اور ان کی فصیح و بلیغ اور خالص زبان بولنے والا رسول مبعوث فرما تاکہ دونوں طرح کی نعمتیں مکمل طور پر حاصل ہو جائیں یعنی دنیا کی نعمت بھی اور دین کی نعمت بھی۔ دنیا کی سعادت بھی اور آخرت کی سعادت بھی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور ایک رسول مبعوث فرمایا۔ کتنا عظیم رسول جس پر اس نے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا اور اہل کامل دین عطا فرمایا جیسا پہلے کی قوم کو نہیں ملا تھا اور آپ کی دعوت دنیا کی ہر زبان، ہر علاقہ، ہر ملک بلکہ قیامت تک ہر زمانے کے لیے عام فرمادی۔ یہ چیز بھی رسول اللہ ﷺ کا ایک خصوصی شرف ہے جو کسی اور نبی کو

کرتے ہیں۔ اور ذکر کیا اور یحییٰ اور یسعی اور الیاس کو بھی یہ سب نیکو کار تھے۔ اور اسماعیل اور یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو بھی۔ اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا راستہ بھی دکھایا تھا۔“ (الانعام: 84-87)

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ﴾ ”آپ کی اولاد“ سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی آل ہے۔ لوط علیہ السلام اگرچہ آپ کے بھتیجے ہیں، لیکن انہیں تعلیم آپ کی اولاد میں شامل کر لیا گیا ہے۔ آیت مبارکہ میں لوط علیہ السلام کا ذکر ہونے کی وجہ سے بعض علماء کرام یہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ﴾ ”آپ کی اولاد“ سے مراد نوح علیہ السلام کی اولاد ہے۔ تاہم اکثر علماء نے پہلا قول اختیار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾

”اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلے) کو (وقتاً فوقتاً جاری) رکھا۔“ (الحج: 57/26)

جس نبی پر بھی کوئی کتاب نازل ہوئی، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہی میں سے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور آپ کی عظمت کا اظہار ہے جس کا مقابلہ کوئی اور شخصیت نہیں کر سکتی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو عظیم بیٹے عطا فرمائے: حضرت ہاجرہ علیہ السلام سے اسماعیل علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہ السلام سے اسحاق علیہ السلام۔ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے، جنہیں اسرائیل علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی اولاد کے قبائل کو اسی بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ ان میں سے جو انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، ان کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے۔ ان کی صحیح تعداد صرف اسی کو معلوم ہے جس نے انہیں نبوت و رسالت کا منصب دے کے مبعوث فرمایا۔ بنی اسرائیل کے انبیاء کا یہ سلسلہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے عرب کے تمام قبائل وجود میں آئے۔ آپ کی اولاد میں سے صرف خاتم النبیین، سید الانبیاء والمرسلین، دنیا و آخرت میں انسانیت کے لیے باعث فخر حضرت محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم قریشی مکی مدنی ﷺ ہی تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، درود اور صلاۃ و سلام ہوں آپ کی ذات اقدس پر۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”میں ایسے مقام پر فائز ہوں گا کہ تمام لوگ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف راغب ہوں گے۔“

اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم مدح ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد دنیا و آخرت میں سب سے عظیم شخصیت آپ کی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو (تکلیف

قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ومرتبہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرْ اِذْ يَدْعُوْهُ رَبُّهُ بِكَلِمَتٍ فَاَسْتَجَبْنَا لَدَعْوَاهُ وَقَالَ رَبِّيْ مَا تَفْعَلُ﴾

﴿اَلَيْسَ لَكَ عِندَ رَبِّكَ الظُّلُمٰتُ﴾

”اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔ اللہ نے کہا کہ تم کو لوگوں کا پیشوا بناناں گا۔ انہوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔“ (البقرة: 124/2)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے بڑے بڑے کام انجام دیے تو اللہ نے آپ کو نبی نوح انسان کا پیشوا بنادیا تا کہ وہ آپ کے نقش قدم پر چلیں اور آپ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کریں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ قیادت کا یہ منصب ان کی آل میں باقی رہے۔ آپ کی درخواست قبول ہوگئی اور امت آپ کو دینے کے ساتھ یہ واضح کر دیا گیا کہ آپ کی نسل کے ظالم لوگ اس وعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ بلکہ یہ منصب صرف ان افراد کو حاصل ہوگا جو عالم عمل ہوں گے۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿وَوَهَبْنَا لَكُمْ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمُ النَّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاتَّخَذُوْهُمُ اٰجُرًا فِيْ الدُّنْيَا﴾

﴿وَاٰتَيْنَا فِيْ الْاٰخِرَةِ لِمَنْ الصُّلٰحِيْنَ﴾

”اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کردی اور ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔“ (العنكبوت: 27/29)

مزید فرمایا:

﴿وَوَهَبْنَا لَكُمْ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَأَيُّوْبَ وَيُوسُفَ ۚ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۚ وَكَوْنُوْا يَدْعُوْنَ وَيَسْتَجِیْبُوْنَ عَلٰی الدَّاعِیٰتِ ۚ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَاسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوشَعَ وَكِفَّارًا ۚ فَضَلَّمْنَا عَلٰی الْكَلْبِیْنَ ۚ وَمِنْ اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَدَاوُدَ ۚ وَاسْمٰعِيْلَ ۚ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ ۚ﴾

”اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داود اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی اور ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی ہدایت دیا

تھا، لیکن انہوں نے چاہا کہ اس چیز کو آنکھوں سے دیکھ لیں تاکہ انہیں علمِ ایتھین سے بلند تر درجہ یعنی عینِ ایتھین حاصل ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست قبول فرما کر انہیں ان کا مطلوبہ مشاہدہ کروادیا۔

﴿ملت ابراہیمی کے اصل پیروکار: قرآن مجید میں چاہجاء اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی زبردست تردید فرمائی ہے جن کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی کے مذہب پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوے کو باطل قرار دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور اس کے اصل پیروکاروں کی وضاحت فرمادی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا هَٰذَا الْكِتَابُ لِمَ تَصَاحُجُونَ فِي ۖ اٰبْرٰهِيْمَ وَمَا اٰزَلَيْتَ التَّوْرَةَ وَاِلَّا نَجْعَلَ لَكَ مِنْ بَعْدِ ۚ اٰفَكَ تَعْقِلُونَ ۚ هَٰذَا نَتْمُ هَٰؤُلَاءِ مَا حَاجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهِ عَلَمٌ فَلِمَ تَصَاحُجُونَ فِيْمَا كَيْسَ لَكُمْ بِهِ عَلَمٌ وَاَللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۚ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۚ لَٰنْ اَوَّلَى الْفَٰكِلِيسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَكِنَّ الْبَنِيَّ اَتَّبَعُوْهُ وَهَٰذَا الْبَنِيُّ وَالْكَذِبِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَاللّٰهُ وَفِي الْمَوْجِيْنَ ۝۶﴾

”اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل اُن کے بعد اتاری ہیں (اور وہ پہلے گزر چکے ہیں) تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم تھا مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں! اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی، بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اسی کے نام پر دیتے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ تھے جنہوں نے اُن کی پیروی کی اور یہ پیغمبر (آخر زمان) (اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ مومنوں کا رازنا ہے۔“ (آل عمران: 68-65/3)

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے اس دعوے کی تردید کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے مذہب اور طریقے پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی جہالت اور کم عقلی واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا اٰزَلَيْتَ التَّوْرَةَ وَاِلَّا نَجْعَلَ لَكَ مِنْ بَعْدِ ۚ اٰفَكَ تَعْقِلُونَ﴾

”حالانکہ تورات اور انجیل اُن کے بعد اتاری ہیں۔“
یعنی وہ تمہارے ہم مذہب کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ تمہاری شریعتیں ان سے طویل مدت کے بعد نازل ہوئی ہیں؟

اس لیے فرمایا: ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ ”تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟“
آج کل کے فرمایا: ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾
”ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اسی کے نام پر دیتے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ وہ (حنیف) تھے، یعنی اپنے قصد و ارادہ کے ساتھ اخلاص پر کار بند تھے اور انہوں نے کچھ

دینے والی (اشیا) (پناہ کی مندرجہ ذیل دعا سکھاتے تھے اور فرماتے تھے: ”تمہارے جدِ امجد (حضرت ابراہیم علیہ السلام) بھی اس دعا کے ذریعے سے اسماعیل اور اسحاق علیہ السلام کو (اللہ کی) پناہ میں دیتے تھے: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَمِنْ كُلِّ غَلِيٍّ لَا مَمْلَئَةٍ“ میں پناہ حاصل کرتا ہوں اللہ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر شیطان اور ہر غیے جانور سے اور ہر برائی (نقصان دینے والی) نظر سے۔“

﴿حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشاہدہ قدرت: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اَنِّیْ كَيْفَ تَعْبُدُ الَّذِیْ تَقُوْلُ قَالَ اَوْ كَمْ تُؤْمِنُ ۚ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لَّيَطْمِئِنَّ قُلُوبُكَ ۚ قَالَ فَعَنْ اَرْبَعَةٍ ۚ مِنَ الظُّلُمِیْنَ ۚ فَصَرَّحْتَ اِنَّكَ تَمَّ اَجْعَلَ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ۚ ثُمَّ اَدْعٰهُمْ یَاٰتِیْنٰكَ سَعِیًا ۚ وَاعْلَمَ اَنَّ اَللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِيْمٌ ۝۷﴾

”اور جب ابراہیم نے (اللہ تعالیٰ سے) عرض کی کہ اے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم نے (اس بات کو) یاد نہیں کیا؟ انہوں نے کہا: نہیں، لیکن (میں دیکھتا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کر لے۔ اللہ نے فرمایا کہ چار پرندے لے کر ان کو اپنی طرف مائل کرلو (اور نکلے نکلے کر دو) پھر اُن کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو۔ پھر اُن کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے۔ اور جان رکھو کہ اللہ غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔“ (البقرة: 260/2)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست قبول فرمائی اور حکم دیا کہ چار پرندے لے لیں۔ اس بارے میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں کہ وہ کون کون سے پرندے تھے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان کے گوشت اور پروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے سب کو خوب ملائیں۔ پھر اس ٹکڑے گوشت کے حصے کر کے ہر پہاڑ پر ایک حصہ رکھ دیں۔ پھر انہیں حکم دیا کہ انہیں کہیں کہ اللہ کے حکم سے آ جاؤ۔

جب آپ نے انہیں پکارا تو ہر پرندے کے اعضا ایک دوسرے سے جا ملے اور ہر پرندے کے پر آپس میں مل کر اس سے جڑ گئے۔ اس طرح ہر پرندے کا بدن تمام اجزاء کے ساتھ ویسے ہی بن گیا، جیسے وہ ذبح ہونے سے پہلے تھا۔ آپ نے اللہ کی قدرت کا یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا۔ جتانے پر وہ پرندے بھاگ کر آپ کے پاس آ گئے تاکہ اُڑ کر آنے کی نسبت زیادہ بہتر انداز سے مشاہدہ فرمائیں۔

کہتے ہیں کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیں۔ چنانچہ ہر پرندہ اپنے سر کی طرف آتا تھا اور اس (جسم) سے اسی طرح جو جاتا تھا، جیسے پہلے تھا۔ واقعی اللہ کے سو کوئی معبود نہیں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے، انہیں اس میں کوئی شک نہیں

جاتی ہو۔ ”قَابَتْ لَهُ“ یعنی تمام حالات اور تمام حرکات و سکنات میں اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنے والے تھے۔ ”حَنِيفًا“ یعنی بصیرت کی بنیاد پر اللہ کے لیے اخص رکھنے والے تھے۔ ”وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ“ آپ شرک کرنے والے نہ تھے بلکہ ”شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ“ اللہ کی نعمتوں پر تمام اعضا کے ساتھ دل سے، زبان سے اور اعمال سے، اللہ کا شکر بجالانے والے تھے۔ ”إِحْسَنَ“ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا اور اپنی رسالت کے منصب کے لیے چن لیا اور انہیں بنا کر دنیا اور آخرت کی حق خطیر فرمادی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَمَنْ أَحْسَنَ دِينًا فَرَسْنَا لَهُ أَوَّارًا وَهُوَ مُخْسِنٌ ۖ وَاتَّبَعَ وَفَعَّلَ اللَّهُ لِبُحَيْرِهِمْ حَنِيفًا ۖ وَاتَّخَذَ اللَّهُ لِبُحَيْرِهِمْ حَكِيمًا ۖ“

”اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے حکم کو قبول کیا اور وہ بیکو کار بھی ہے۔ اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو (مسلمان) تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔“ (النساء: 125/4)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی بیروی کی تعریف دی ہے، کیونکہ آپ صحیح دین پر قائم تھے اور سیدی راہ پر گامزن تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اسی صفت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ”وَابْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى“

”اور ابراہیم کی (خیر نہیں پہنچی) جنہوں نے (حق اطاعت و رسالت) پورا کیا؟“ (النجم: 38)

اسی لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنالیا۔ ”خَلَقْنَا“ محبت کا اعلیٰ ترین مقام اور کامل ترین درجہ ہے۔ خاتم الانبیاء، سید المرسلین حضرت محمد ﷺ بھی اس مقام پر فائز تھے۔ جیسے صحیحین میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مروی ہے: ”لوگو! اللہ نے مجھے خلیل بنایا ہے۔“

اور نبی اکرم ﷺ نے آخری خطبے میں بھی ارشاد فرمایا: ”لوگو! اگر میں زمین کے کسی فرد کو خلیل بنانا تو ابوبکر کو خلیل بنانا، لیکن تمہارا ساتھی (ﷺ) اللہ کا خلیل ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی ہے۔ ایک قول کے مطابق آپ کا اسم گرامی قرآن مجید کی 25 سورتوں میں 69 دفعہ آیا ہے جن میں سے 15 مقامات صرف سورہ بقرہ میں ہیں۔

❖ اولو العزم رسول: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شمار ان پانچ اولو العزم پیغمبروں میں ہوتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انبیاء میں سے خاص طور پر نام لے کر ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① مسند أحمد: 389/377/1

② صحيح البخاري، فضائل اصحاب النبي ﷺ، باب قول النبي ﷺ: ”لو كنت متخذًا خليلاً“، حديث: 3656 و صحيح مسلم،

فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، حديث: 2383 و مسند أحمد: 409/1

”قُلْ إِنِّي هَدَيْتُ رَبِّيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ دِينًا قَبِيلاً ۖ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ“ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۖ“

”کہدو کہ مجھے میرے پروردگار نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے کہ وہ ایک دین مستحکم ہے جو یکسو (پیغمبر) ابراہیم کا طریقہ ہے اور وہ شرکوں میں سے نہ تھے۔ (یعنی) کہدو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔“ (الأنعام: 161-163)

اور مزید فرمایا:

”إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَابَتْ لَِلَّهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ۖ إِخْتِبَاءً لَّهُ لِيُصَِّدَّهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ وَاتَّبَعْنَا فِي الذِّنْبِ حَسَنَةً ۖ وَإِنَّا فِي الْآخِرَةِ لَكِنُ الضَّالِّينَ ۖ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ“

”بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے۔ جو یک طرفہ تخلص تھے اور شرکوں میں سے نہ تھے۔ اُس کی نعمتوں کا شکر گزار تھے۔ اللہ نے اُن کو پرگزیدہ کر لیا تھا اور (اپنی) سیدی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے اُن کو دنیا میں بھی خوشی دی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔ پھر ہم نے تمہاری طرف بھیجتی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو یک طرفہ تخلص تھے اور شرکوں میں سے نہ تھے۔“ (النحل: 120-123)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کعبہ شریف میں تصویریں دیکھیں تو اندر داخل نہ ہوئے جب تک آپ کے حکم سے انہیں مانہ نہ دیا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ (تصویریں میں) ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں میں فال کے تیر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”الذنان (تصویریں بنانے والوں) کو تباہ کرے! اتم ہے اللہ کی! ان حضرات نے کبھی تیروں سے (جوا کھینے کے لیے) قرعہ اندازی نہیں کی تھی۔“

صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے: ”اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کرے! انہیں معلوم تھا کہ ہمارے بزرگ (ابراہیم یا اسماعیل علیہ السلام) نے کبھی تیروں سے (جوا کھینے کے لیے) قرعہ اندازی نہیں کی تھی۔“

آیت مبارکہ میں ”أُمَّةً“ سے مراد عبادت یافتہ پیشوا اور امام ہے جو نیکی کی طرف دعوت دیتا ہو، نیکی میں اس کی پیروی کی

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالى: ”وَإِتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا“،، حديث: 3352

② صحيح البخاري، الحج، باب من كبر في نواحي الكعبة، حديث: 1601

﴿مَسَابِدًا أَوَّلَ خَلْقٍ نُفِيدًا﴾

”جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلے پیدا کیا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔“

اسی جزوی الفضل کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت محمد ﷺ سے مطلقاً افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ نبی ﷺ کو مقام جمود کی جو افضلیت حاصل ہے، وہ زیادہ عقیم ہے۔ اس پر پہلے پچھلے تمام انسان نبی ﷺ پر شک کریں گے۔

جہاں تک حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کا تعلق ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے کہا: اِنْسَا خَيْرَ الْاَنْبِيَاءِ؟ ”اے تمام مخلوقات میں سے افضل ترین؟“ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”وہ تو ابراہیم علیہ السلام تھے۔“

یہ نبی ﷺ کی طرف سے اپنے جدا جدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں کس قسم کا اظہار ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کا یہ فرمان ہے: ”انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت ددو۔ اور فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت ددو۔ کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ چکڑے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا نہیں طوری بے ہوش کا بدلہ دیا گیا؟“

یہ احادیث نبی ﷺ سے مروی ان تمام متواتر احادیث کے خلاف نہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ قیامت کے دن تمام بنی آدم کے سردار ہوں گے۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی اس کے خلاف نہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تیری دعا کو اس دن کے لیے ملتوی کر دیا ہے جس دن تمام لوگ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میرے قرب کے خواہش مند ہوں گے۔“

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت محمد ﷺ کے بعد سب سے افضل رسول ہیں، اس لیے نمازی کو مکرم دیا گیا ہے کہ تشہد میں آپ ﷺ پر درود پڑھے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! آپ کو سلام کہنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے۔ آپ پر صلوة (درود) دعائے رحمت بھیجئے گا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا: یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ۔

① مسند أحمد: 223/1

② مسند أحمد: 184/3

③ صحيح البخاري 'الخصومات' باب ما يذكر في الأشخاص حديث: 2412 وأطرافه

④ صحيح مسلم 'صلوة المسافرين' باب بيان أن القرآن أنزل على سبعة أحرف حديث: 820

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَهَذَا بِرِجْهِمْ وَهَؤُلَاءِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَآخُذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا﴾

”اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور عہد بھی اُن سے لے لیا۔“ (الأحزاب: 7/33)

اور ید فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرٰهِيْمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾

”اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد!) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔“ (الشوری: 13/42)

اولو العزم پیغمبروں میں حضرت محمد ﷺ کے بعد آپ ہی سب سے افضل ہیں۔ آپ ہی کو رسول اللہ ﷺ نے ساتویں آسمان پر اسی بیت المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے دیکھا تھا، جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر دوبارہ ان کی باری بھی نہیں آتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ سب سے معزز انسان کون ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ قیہ ہے۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم آپ سے یہ بات نہیں پوچھ رہے۔ فرمایا: ”سب سے معزز انسان حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، اللہ کے نبی تھے، اللہ کے نبی کے بیٹے تھے، اللہ کے نبی کے پوتے تھے، اللہ کے خلیل کے پوتے تھے۔“ انہوں نے عرض کیا: ہم آپ سے یہ بات نہیں پوچھ رہے۔ فرمایا: ”تم مجھ سے عرب کے قبائل کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟“ انہوں نے کہا: جی ہاں! نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو لوگ جاہلیت میں بہتر تھے، وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں، جب دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔“

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”لوگ (قبروں سے) بے لباس اور غیر محتون آئیں گے۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔“ پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

① مسند أحمد: 96/2 و صحيح البخاري 'أحاديث الأنبياء' باب قول الله تعالى ﴿لَقَدْ كَانَ فِي يَوْسُفَ.....﴾

حديث: 3390

② صحيح البخاري 'أحاديث الأنبياء' باب قول الله تعالى ﴿لَقَدْ كَانَ فِي يَوْسُفَ.....﴾ حديث: 3383

”اے اللہ! محمد اور آل محمد پر رحمتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں نازل فرمائیں۔ تو یقیناً قابلِ تکریم اور بزرگی والا ہے۔“ اے اللہ! محمد اور آل محمد پر برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکتیں نازل فرمائیں۔ تو یقیناً قابلِ تکریم اور بزرگی والا ہے۔“^①

⑤ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوری زندگی احکام الہی کی کماحقہ ادائیگی کے حق اطاعت و رسالت نہایت خوبی سے ادا کر دیا آپ کی اسی خوبی کو اللہ تعالیٰ نے اقوامِ عالم کے لیے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَابْرَاهِيمَ الْكَافِي وَآلِهِ﴾

”اور ابراہیم کی (خبر نہیں پہنچی) جنہوں نے (حق اطاعت و رسالت) پورا کیا؟“

اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں جتنے احکام دیے گئے، انہوں نے سب کی تعمیل کی اور ایمان کی تمام شاخوں اور تمام کاموں پر عمل پیرا ہوئے۔ آپ بڑے کام کا خیال رکھتے ہوئے چھوٹے کام سے غافل نہیں ہوتے تھے اور بڑے بڑے نیک کاموں کی ذمہ داری پوری کرتے وقت چھوٹے کاموں (اور بظاہر چھوٹی معلوم ہونے والی نیکیوں) کو فراموش نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّهُ يَكْلُمُ طَائِفَاتٍ﴾

”اور جب ابراہیم کے پروردگار نے چند باتوں میں اس (ابراہیم) کی آزمائش کی تو اس نے ان باتوں کو پورا کر دکھایا۔“ (البقرہ: 124/2) کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے صفاتی اور طہارت سے متعلق (دس) احکام دے کر آپ کی آزمائش کی تھی۔ پانچ احکام کا تعلق سر سے ہے اور پانچ کا تعلق باقی جسم سے۔ سر سے متعلق (احکام یہ ہیں): مونچھیں کاٹنا، گھٹی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور سر میں مانگ ٹکانا۔ باقی جسم سے متعلق (احکام یہ ہیں): ناخن کاٹنا، زیر ناف بال مونڈنا، تختہ کرنا، بھگلوں کے بال اکھاڑنا اور پیشاب پانا۔ اثرات کو پانی سے دھو کر دور کرنا (یعنی استنجا کرنا)۔“^②

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”فطرت میں شامل اعمال پانچ ہیں: تختہ کرنا، لوہا استعمال کرنا، (زیر ناف بال مونڈنا)، مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا اور بھگلوں کے بال اکھاڑنا۔“^③

① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء: حديث: 3370

② تفسیر ابن ابی حاتم: 219/1 تفسیر سورة البقرة: آیت 123

③ صحیح البخاری: الاستئذان: باب الختان بعد الکبر و تنف الإبط: حديث: 6297 و صحیح مسلم: الطهارة: باب خصال

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کبریٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دس کام فطرت میں شامل ہیں: مونچھیں کاٹنا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، (بھگلوں کے) جوڑوں کو دھونا، بھگلوں کے بال اکھاڑنا، زیر ناف بال مونڈنا اور پانی استعمال کرنا یعنی استنجا کرنا اور گلی کرنا۔“^①

خلاصہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بڑی عبادتیں پورے خلوص کے ساتھ ادا کرنے کے باوجود اپنے بدن کی دیکھ بھال سے غافل نہیں ہوتے تھے، بلکہ جسم کے ہر عضو کو اصلاح اور تزئین کا جائز حق دیتے تھے اور رسم کو بدنام کرنے والی اشیاء کو دور کرنے میں غفلت نہیں کرتے تھے؛ مثلاً: ضروری بال، ناخن، دانتوں کی بدنامی اور میل کیل وغیرہ۔ یہ سب کچھ ان خوبیوں میں شامل ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

﴿وَابْرَاهِيمَ الْكَافِي وَآلِهِ﴾

”اور ابراہیم کی (خبر نہیں پہنچی) جنہوں نے (حق اطاعت و رسالت) پورا کیا؟“ (النجم: 37)

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی عمر اور وفات

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ”تاریخ“ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت نمرود بن کنعان کے دور حکومت میں ہوئی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ہزار سال حکومت کی اور وہ انتہائی ظالم اور سنگ دل آدمی تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ بنو راسب سے تھا جن کی طرف حضرت نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا، وہ اپنے زمانے میں پوری دنیا کا بادشاہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اس میں ایک انتہائی روشن ستارہ نمودار ہوا، جس سے سورج اور چاند کی روشنی ماند پڑ گئی۔ اس سے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے۔ نمرود بھی پریشان ہو گیا۔ اس نے اپنے کاہنوں اور نجومیوں کو طلب کیا اور اس کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا: ”آپ کی رعایا میں ایک لڑکا پیدا ہو گا، جس کے ہاتھوں آپ کی حکومت ختم ہو جائے گی۔“ اس نے حکم جاری کر دیا کہ تمام مرد و عورتوں سے الگ رہیں اور اس دن کے بعد جو بھی بچہ پیدا ہوا، اسے قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت انہی دنوں ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو خالموں سے محفوظ رکھا۔ آپ بڑے ہوئے اور جوان ہو گئے۔ پھر وہ واقعات پیش آئے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

آپ کی ولادت سوس کے مقام پر ہوئی۔ بعض نے بابل اور بعض نے کُوفی (سواد) کا مقام بیان کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آپ دمشق کے مشرق میں بوزہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔

① صحیح مسلم: الطهارة: باب خصال الفطرة: حديث: 261 و جامع الترمذی: الأدب: باب ما جاء في تقليم الأظفار:

آپ کے اس اسوہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ داعیان کو حید کو کائنات کے حوالے سے ایسے حسی اور مشاہداتی دلائل پیش کرنے چاہئیں جو شخص باسانی سمجھ سکے کیونکہ ایسے دلائل جلدی تاثر دھکتے ہیں۔

❖ مشرک اقرباء کے ساتھ حسن سلوک: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے مشرک باپ کو حید پرست بنانے کے لیے بحر پورسی کی نگر باپ اپنے مشرکانہ عقائد و اعمال پر مصر رہا۔ آپ نے باپ سے بیزاری کا اظہار کیا مگر ہمیشہ باپ کے ساتھ نرمی، شفقت اور رحمتی سے پیش آتے رہے۔ آپ کی اسی رحمتی اور حسن سلوک کو اسلام نے برقرار رکھا ہے۔ لہذا شریعت محمدی میں مومنوں کو یہ حکم دیا گیا ہے:

﴿وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُكُمْ مِنَ الْقُرْبَىٰ مَعْزُومٌ﴾

”اگر وہ دونوں مجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح گزر بسر کرنا۔“ (لقمان: 15/31)

لہذا مشرک اقرباء کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ضروری ہے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک میں سے یہ بھی ہے کہ ان کی ہدایت کی دعا کی جائے۔

❖ آثار کائنات سے رب کائنات تک: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرک قوم کو آثار کائنات میں غور و فکر اور تدبر کرنے کی دعوت دی۔ مظاہر پرست سورج، چاند اور دیگر ستاروں کی پوجا کرتے ہیں۔ ان سے رزق و اولاد طلب کرتے ہیں۔ حاجت روائی اور مشکل کشائی کی امیدیں باندھتے ہیں۔ آپ نے ان کے باطل عقائد اور معبودان باطلہ کے رد کے لیے آثار کائنات سے قوم کی رہنمائی فرمائی۔ آپ نے ان معبودان باطلہ کی غیر حقیقی اور بے وقعت حالت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ جو چاند اور سورج کبھی طلوع ہوں اور کبھی چھپ جائیں، وہ خالق اور مدبر نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کا عروج و زوال کسی مقتدر حاکم کی خبر دیتا ہے جو ان سب کا مالک و مدبر ہے اور یہ سب اس کے تابع فرمان ہیں۔ لہذا کسی کے نفخ و نقصان کے مالک و مختار کیسے ہو سکتے ہیں؟ آپ کے اس طرز عمل میں بھی داعیان کو حید کے لیے شاندار اسوہ موجود ہے۔ لہذا جو شخص بھی کائنات میں غور و فکر کرے گا وہ کائنات کے رب کو پا لے گا۔

❖ صحت افزا مشروب مشرق زمزم: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعدد امتحانات لیے اور وہ ان امتحانات میں بخوبی کامیاب و کامران ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں متعدد لازوال نعمتوں سے نوازا۔ ان ہی لازوال اور انمول نعمتوں میں سے ایک زمزم ہے۔ کہہ چکیں اور خشک پہاڑوں میں زمزم کا چشمہ اپنے ظہور سے لے کر رقیق دنیا تک کے لوگوں کے لیے باعث برکت ہے۔ وادی غیر ذی زرع کے باسیوں کو جہاں دنیا جہان کے میوے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی بدولت نصیب ہیں وہاں انہیں زمزم کا صحت بخش، خوش گوار اور جراثیم سے پاک مشروب بھی میسر ہے۔ یہ ایسا

”پیغمبر کو اور دوسرے مومنوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعائیں اگرچہ وہ رشتہ داری ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔“ (البقرہ: 113/9)

❖ عقیدہ تو حید کی راہ میں شجاعت و جواں مردی کا مظاہرہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصبے سے داعیان کو حید کو، اس راہ میں آنے والی مشکلات و مصائب کے سامنے سید پیر ہونے کا درس ملتا ہے۔ داعیان تو حید کو جھٹلانا اور انہیں اذیتیں دینا، مشرکین کا ہمیشہ سے تیرہ رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت تو حید دینا شروع کی تو سب سے پہلی مخالفت ان کے اپنے گھر ہی سے شروع ہوئی۔ آپ کا باپ جن معبودوں کے بت ترش کرتا تھا ان کے خلاف ایک لفظ سننے کا بھی روادار نہ تھا جبکہ آپ کی قوم جن معتقدات کو باہ و اجداد سے سنبھالے ہوئی تھی ان کو چھوڑنا یا ان کے باطل ہونے کے دلائل سننا ان کے بس سے باہر تھا۔ اس لیے والد نے قتل کی دھمکی دیتے ہوئے کہا:

﴿أَرَأَيْتَ أَنْتَ عَنِ الْهَيْئَةِ يَا إِبْرَاهِيمُ ۚ لَكِنَّ لَمْ تَنْتَهِ أَنْ تَرْجِسْ آبَاءَكَ وَافْجُرْ فِي مَلِكٍ﴾

”اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے رگزدانی کر رہا ہے۔ سن! اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار ڈالوں گا، جا ایک مدت دراز تک مجھ سے الگ رہ۔“ (مریم: 46/19)

آپ ان دھمکیوں اور ترش روئی کا جواب نہایت شفقت سے دیتے رہے اور معبودان باطلہ کی عدم الہیت و عدم صلاحیت کو خوب واضح کرتے رہے۔ قوم نے آپ کو آگ میں جلانے کا فیصلہ کیا تو بھی آپ نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے تاقیامت آنے والے داعیان کو حید کو شاندار اسوہ فراہم کیا۔

❖ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایثار و قربانی کا معمول نمونہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند ان کو حید کے لیے ایثار و قربانی کا بہترین نمونہ چھوڑا ہے۔ دین حق کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں ہر قسم کی تکلیف برداشت کی اور ہر طرح کی قربانی پیش کی۔ اللہ کی تو حید کی راہ میں آگ میں داخل ہونا خندہ پیشانی سے قبول کیا، والدین سے علیحدگی صبر سے برداشت کی، وطن سے ہجرت کو نہایت حوصلے کے ساتھ قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں اولاد کی نعمت سے نوازا تو بڑے شکر گزار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے امتحان لینے ہوئے بچے کو قربان کرنے کا حکم دیا تو بلا توجہ جھک فوراً تیار ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس رضا و رغبت اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے ہر دم تیار رہنے میں نئی نوع انسانی کے لیے بہترین اسوہ موجود ہے۔

❖ پرتا شیر دلائل و براہین سے حق واضح کرنا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھوٹے بچہ ایمان ربوبیت اور قوم کے ساتھ مناظروں میں منطقیانہ گفتگو اور فلسفیانہ دلائل سے گریز کرتے ہوئے، پرزور حسی اور مشاہداتی دلائل و براہین سے حق کو واضح کیا۔ یہ دلائل ایسے نمایاں اور پرتا شیر تھے کہ ہر کسی پر اثر کر گئے۔ سرود کے دربار میں ایسے دلائل دیکھ کر کافرا جواب ہو کر نادم اور ذلیل و خوار ہو کر رہ گیا۔

اس علاقے کے کافروں، منکروں، اور مشرکین سے اظہارِ براءت کر کے ہجرت کی راہ لی۔ آپ کے اس طرزِ عمل کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بہترین اسوہ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُوكُمْ وَمِنْكُمْ وَيَصْبِرُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا تَقْرَبُوا مِلًّا وَّابِدَا بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ ابْدَأْ حَتَّىٰ تَقُولُوا بِاللهِ وَحْدَكَ﴾

”[مسلمانو!] تمہارے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔ جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے بر ملا کہہ دیا کہ تم ہم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے عقائد کے منکر ہیں۔ جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ، ہم تم میں ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہو گئی۔“ (الممتحنہ: 4/60)

اس سے اہل توحید و ایمان کو یہ درس ملتا ہے کہ جب کافر ملک میں دین و ایمان پر عمل کرنا مشکل ہو جائے اور کافروں کا ظلم و ستم برداشت سے باہر ہونے لگے تو ایسے علاقے سے ہجرت کر جانی چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی کیونکہ مکہ دار الکفر ان کے ایمان کے لیے سخت امتحان بن گیا تھا اور اہل مکہ کی ایذا میں ناقابلِ برداشت ہو گئی تھیں۔

انبیائے کرام کی اس سنت پر عمل کرنے والے کو دنیا و آخرت میں بیش بہا انعامات ربانی سے نوازا جاتا ہے۔ سورۃ نساء میں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے:

﴿وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُدْرَعًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾

”جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں پائے گا اور کثافت بھی۔ اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف نکل کر ہوا یا پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔“ (النساء: 100/4)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی پیروکار: حضرت ابراہیم علیہ السلام یا رسول، بیت اللہ کے بانی اور جد الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل سے بے شمار عظیم نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ آپ کے اسی بلند مقام و مرتبہ اور عز و شرف کی وجہ سے یہود و نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی پیروکار ہیں۔ یہودی یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان دعویٰ کی تردید سورۃ بقرہ آیت 133-134 اور سورۃ آل عمران آیت 65 میں کی

بارکرت مشروب ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مزموم کو جس مقصد سے پیا جائے وہی پورا ہو جاتا ہے۔“ (مسند احمد: 357/3، حدیث: 14849)

تاریخ شاہد ہے کہ اگر کسی شخص نے اسے بطور غذا استعمال کیا ہے تو یہ میٹوں تک اس کے کبھی دوسری غذا سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اگر اسے مہلک ترین بیماریوں کی دوا کے طور پر استعمال کیا گیا تو اس کے حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے۔ دنیا بھر کے علاج معالجے کے بعد بھی لاعلاج امراض کا شافی علاج اس مبارک مشروب میں موجود ہے۔

چند سال قبل ایک بد بخت مصری پروفیسر نے اس مبارک مشروب کے خلاف اپنے خبیث باطن کا اظہار کیا اور اسے معطر صحت قرار دیا۔ اس وقت کے سعودی فرماں روا شاہ فیصل رحمہ اللہ کی غیرت دینی جوش میں آئی تو انہوں نے فوراً مزموم کے نمونے یورپ کی جدید لیبارٹریوں میں ٹیسٹ کے لیے روانہ کیے۔ کفر و شرک کے تمام جادو گرو اس کے معالجے کے بعد یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مزموم ہر قسم کے جراثیم سے پاک اور ہر قسم کے قوت بخش اجزاء سے مزین مشروب ہے۔ مزموم کے پاک، صحت بخش اور جراثیم سے مطہر ہونے کی بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ صدیوں سے جاری اس خشے میں کبھی کوئی مہلک بات آگئی ہے نہ کوئی پانی کی مخلوق پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرزندِ انوار کے لیے ناقابلِ محفوظ و مامون بنا دیا ہے۔ واللہ رب العالمین۔

اولیاتِ ابراہیم علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سالارِ اعظم ہیں۔ آپ نے بہت سے ایسے امور انجام دیے ہیں جو ان سے پہلے کبھی نبی یا رسول نے نہیں کیے۔ انہیں اولیاتِ ابراہیم علیہ السلام کا نام دیا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر وہ مشرک و شریعت محمدی ﷺ میں بھی برقرار رکھا گیا ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

- ① سب سے پہلے آپ نے مہمان نوازی کی سنت جاری کی۔
- ② سب سے پہلے آپ نے مونچھیں کٹوائیں، ناخن تراشے اور زیناف بال صاف کیے۔
- ③ سر کے بالوں میں ماگ کا تیل کی سنت آپ نے جاری کی اور سر کے بالوں میں بڑھاپے کے اثرات بھی آپ ہی نے دیکھے۔
- ④ سب سے پہلے منبر پر خطبہ بھی آپ نے دیا۔
- ⑤ عرب کا محبوب و لذیذ کھانا، شیدہ، آپ نے تیار کیا۔
- ⑥ معاف کی سنت بھی آپ نے جاری فرمائی۔

ہجرتِ منیٰ انبیاء: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ ہجرت انبیاء کرام کی سنت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ مبارک تاقیامت آنے والے اہل ایمان کے لیے بہترین رہنما ہے۔ آپ نے حران کے علاقے میں دعوتِ توحید کا اعلان کیا تو اپنے پرانے سب دشمن ہو گئے۔ دعوتِ حق کو قبول کرنے والوں پر عرصہ حیات تک کر دیا گیا۔ اہل توحید پر ظلم و ستم حد سے بڑھ گئے اور ان کے لیے عبادتِ الٰہی میں مشکلات حائل ہونے لگیں تو آپ نے

ساتھ مزید روشن و منور ہوتی جا رہی ہے۔

❖ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے: اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس کی عظمت و رفعت اور صنعت و کاریگری ہر چیز سے ظاہر ہے۔ پروردگار عالم اپنی قدرت تامہ کا اظہار بے شمار کائناتی طریقوں سے کرتا ہے۔ جس طرح اس نے تمام مخلوقات کو اس احسن انداز میں پیدا فرمایا ہے، پھر انہیں موت آجاتی ہے، اسی طرح وہ اپنی قدرت سے قیامت کے دن جزا اور سزا کے لیے سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ قدیم مشرکین اور جدید مادہ پرستوں کی ناقص عقل میں یہ بات نہیں ساتی۔ لہذا وہ اپنی عقل و دانش سے بڑی مضبوط دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب ہم جاگیں گے، ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی، ہم مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے تو بھلا کیسے دوبارہ زندہ ہوں گے؟ ان کی اس دلیل کا جواب خود حکم الحاکمین نے ان الفاظ میں دیا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَوْتُ الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

” (اللہ) وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔

اس کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے، آسمانوں اور زمین میں بھی اور وہی غلبہ والا حکمت والا ہے۔“ (الروم: 27/30)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے ہی منکرین کو ایم آخرت کا عقیدہ سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی حسی مثال طلب کی جسے دیکھ کر ان کا ایمان و یقین مزید مستحکم ہو اور وہ دوسروں کے لیے باعث یقین و ایمان بنے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار پرندے نکلے نکلے کر کے پہاڑ پر رکھنے کا حکم دیا۔ پھر جب آپ نے ان کو آواز دی تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فردوس کو دوبارہ زندہ کر کے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار متعدد بار کیا ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیات 259-243 میں بھی مذکور ہے۔



ہے۔ یہ دونوں گروہ اس طرح جھوٹے جاہلیت ہوئے ہیں کہ تورات و انجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نیکروں اور ہزاروں سال بعد نازل ہوئیں، پھر بھلا آپ یہودی یا عیسائی کیسے ہو سکتے ہیں؟ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے دعووں کو باطل قرار دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی متبعین کی تعیین فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ أَوَّلَ الْكَلَامِ بِإِبْرَاهِيمَ لَكُنْتُكَ النَّبِيُّ وَهَذَا الْعَمَلُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَهُوَ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

”ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ (خالص) مسلمان تھے۔ اور وہ مشرک بھی نہ تھے۔ سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے،

مومنوں کو ولی اور سہارا اللہ ہی ہے۔“ (آل عمران: 68، 67/3)

گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی پیرو کا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، آپ کے ایمان لانے والے اور قیامت آنے والے کو حید پرست ہیں نہ کہ یہود و نصاریٰ یا بت پرست اور مجوسی۔

❖ تاریخی حقائق کی نقاب کشائی: اسلام کی سچائی اور حقانیت جہاں قرآن کے مخبرانی کلام سے ہوتی ہے وہاں جدید علوم و فنون بھی اسلام کی صداقت پر آئے نہ نئی کو کہاں ثابت کر رہے ہیں۔ باطل شہر کی کھدائی کے دوران میں ملنے والی لوحات، تختیاں اور آلات پر کندہ عبارات کی جدید تحقیق و تفتیش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل باطل علم نجوم سے واقف تھے اور مختلف ستاروں کے طلوع و غروب کے متعلق ان کے مختلف عقائد و نظریات تھے۔ ان کے بے شمار دعوے تھے جن کو کوشش کرنے کے لیے وہ ہر طرح کے نذرانے پیش کرتے تھے۔ ان میں قیمتی تھے اور عمدہ تیار کیے ہوئے کھانے بھی ہوتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان کا ایک بڑا اور مرکزی دھارے میں تھا جس کا نام ”مردک“ تھا۔ یہ وہ حقائق ہیں جو آج منظر عام پر آرہے ہیں حالانکہ قرآن مجید نے ان کو چودہ سو سال پہلے ہی بیان کر دیا تھا۔ علم نجوم اور فلکیات کے متعلق اس آیت میں اشارہ موجود ہے:

﴿فَنَظَرُوا نَظْرًا فِي النُّجُومِ ۚ فَقَالَ لَئِي سَفِينًا ۝﴾

”اب ابراہیم نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی اور کہا میں تو بیمار ہوں۔“ (الصافات: 88، 87/37)

آپ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب انہوں نے آپ کو سیلے میں شرکت کی دعوت دی تو آپ نے تعریض کرتے ہوئے ان کے عقیدے کے مطابق آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں بیمار ہوں۔ قوم کے چلے جانے کے بعد آپ نے ان کے معبد خانے میں داخل ہو کر بونوں کو مخاطب کر کے فرمایا ”اَلَا تَأْكُلُونَ؟“ ”تم کھاتے کیوں نہیں؟“ یعنی یہ نذرانے اور تہکرات آخر کسی لیے تیار ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں اگر تم کو انہیں کھانا نہیں۔ پھر سب کو توڑ پھوڑ دیا سوئے بڑے بت کے کے جسے جدید تحقیقات کے بعد ”مردک“ کا نام دیا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام کی صداقت اور حقانیت ہر آنے والے دن کے

حضرت ابو طلحہؓ نے انہیں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دی اور انہیں حرام کاموں سے اور فحاشی کے قبیح افعال سے منع فرمایا لیکن ان کی گمراہی اور سرکشی میں اضافہ ہو گیا، وہ کفر اور گناہوں میں بدستور مگوث رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ عذاب نازل فرمایا، جو ان کے ہم نواگان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دینا والوں کے لیے عبرت بنا دیا، جس سے دنیا بھر کے اہل خرد کو نصیحت ہو۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان کا واقعہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں ارشاد ہے:

وَلَوْ كُنَّا إِذْ قَالُوا لَقَوْمُهُمْ مِنَ الذُّنُوبِ أَلْفٌ مَوْجِدَةٌ أَوْ يَكُونُ طَوْنٌ مِثْلُ هَٰذَا أَفَرَأَيْنَا أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٠﴾ وَإِنَّمَا تَأْتِيَنَا السَّخَابَةُ مِنْ ذُلُومِ النَّاسِ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٠١﴾ وَإِنَّمَا تَأْتِيَنَا السَّخَابَةُ مِنْ ذُلُومِ النَّاسِ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٠٢﴾ وَإِنَّمَا تَأْتِيَنَا السَّخَابَةُ مِنْ ذُلُومِ النَّاسِ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٠٣﴾ وَإِنَّمَا تَأْتِيَنَا السَّخَابَةُ مِنْ ذُلُومِ النَّاسِ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٠٤﴾ وَإِنَّمَا تَأْتِيَنَا السَّخَابَةُ مِنْ ذُلُومِ النَّاسِ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾ وَإِنَّمَا تَأْتِيَنَا السَّخَابَةُ مِنْ ذُلُومِ النَّاسِ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٠٦﴾ وَإِنَّمَا تَأْتِيَنَا السَّخَابَةُ مِنْ ذُلُومِ النَّاسِ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٠٧﴾ وَإِنَّمَا تَأْتِيَنَا السَّخَابَةُ مِنْ ذُلُومِ النَّاسِ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾ وَإِنَّمَا تَأْتِيَنَا السَّخَابَةُ مِنْ ذُلُومِ النَّاسِ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٠٩﴾ وَإِنَّمَا تَأْتِيَنَا السَّخَابَةُ مِنْ ذُلُومِ النَّاسِ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١١٠﴾

”اور (اس طرح جب ہم نے لوط کو (خفیہ بن کر بھیجا تو) اُس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسے جیانی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے اس طرح کا کام نہیں کیا، یعنی خواہش نفسانی پوری کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد سے نکل جانے والے ہو۔ اور ان کی قوم سے اس کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا کہ وہ بولے: اُن لوگوں (لوط اور ان کے گھر والوں) کو اپنے گاؤں سے نکال دو (کہ یہ) لوگ اہل کفر بننا چاہتے ہیں۔ پھر ہم نے اُن کو اور ان کے گھر والوں کو بیجا لاکر ان کی بیوی (نہ بنی) کر دیوہ بھیجے پھر والوں میں تھی۔ اور ہم نے اُن پر (پتھروں کا) مینہ برسایا۔ سو دیکھ لو کہ گناہ کاروں کا انجام کیسا ہوا؟“ (الأعراف: 80/84)

اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود میں ان کا واقعہ یوں بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاتَّقُوا رُسُلَنَا إِنَّ بِلَهِّهِمْ بِالْبَشَرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۚ قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَبِيبٍ ۚ فَلَمَّا رَأَوْهُمُ الْكَاذِبِينَ كَرِهَهُمْ وَأَوَّسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَتَحَدَّ بِكُنَّا رُسُلَنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۚ وَإِنَّا لَهُمْ قَائِمَةٌ فَضَجَّعَتْ فَسَبُّهُنَّ لِأَسْحَىٰ ۚ وَمِنْ ذُرِّيٍّ اسْتَخَفَّ بِغُفُوبٍ ۚ قَالَتْ يَأْخُذُكَ أَلَدٌ ۚ وَأَنَا عَجُوزٌ ۚ وَهَذَا بَعْثٌ لِّشَيْعَةٍ ۚ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۚ قَالُوا اتَّبَعْنَاهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمَتِ اللَّهِ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْهِمْ ۚ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَبِيبٌ مُّحِبٌّ ۚ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ



نام و نسب جائے نبوت اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حضرت ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں پیش آنے والا ایک اہم اور عظیم واقعہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر اللہ تعالیٰ کی سخت عذاب کا نزول ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام ہاران کے بیٹے تھے اور ہاران تارح یعنی آزر کے بیٹے تھے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام، ہاران اور ناحور اُس میں بھائی تھے، جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

حضرت ابو طلحہؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اجازت بلکہ ان کے حکم سے ان کے علاقے سے منتقل ہو کر "غزوہ دفر" کے علاقے میں "سدوم" کے شہر میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ یہ اس علاقے کا مرکزی مقام تھا، جس کے ساتھ کافی زرعی اراضی اور دیہات وغیرہ ملتے تھے۔ یہاں کے باشندے انہی فاسق و فاجر، شہ پرست ترین کافر، انہی کی بغضت اور بے حد بدکردار تھے۔ وہ راہزنی کے عادی اور سرعام برے کام کرنے والے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان گناہوں کے ارتکاب سے منع بھی نہیں کرتے تھے۔ یعنی ان کے اعمال انہی برے تھے۔

انہوں نے بے حیائی کا ایک نیا کام شروع کر رکھا تھا، جو ان سے پہلے کسی انسان نے نہیں کیا تھا۔ یعنی انہوں نے اپنی

إِبْرَاهِيمَ الرُّوحَ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى بِمَا وَلَنَّا فِي قَوْمٍ لُوطٌ ۖ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَكَلِيمٌ ۖ أَفَا هُوَ مُنْذِرٌ ۖ
يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ إِنَّكَ قَدْ جَاءَ أَمْرٌ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ لَبِهِمُ عَذَابٌ غَيْرُ مُرْدُودٍ ۖ
وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقًا إِلَيْهِمْ فَهَاجَرُوا إِلَىٰ ذَاكَ الْجَانِ الَّذِي يَدْعُوهُ ۖ فَجَاءَهُ
قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۚ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْبُدُونَ الشَّيَاطِينَ ۚ قَالَ يَتَّبِعُونَ هَؤُلَاءَ بِمَا هُنَّ
أَلْكُمُ فَتَجِدُوهُنَّ أَوَّاهًا وَخَافُونَ فِيهِ ۚ فَذُوقُوا فِيهِ عَذَابَ النَّارِ ۚ فَذُوقُوا فِيهِ عَذَابَ النَّارِ ۚ
بَنِيكُمْ مِنْ حَتَّىٰ ۚ إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ مَا تُبْرِيءُونَ ۚ قَالَ لَوْ أَنِّي لَبُغْتُ فَوْدَةً إِلَىٰ آلِ رَبِّكَ شَدِيدًا
قَالُوا لَبِغْ لُوطٌ ۚ إِنَّكَ رَسُولٌ رَبِّكَ ۚ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِطَرْفِ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ
وَمِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرًا تَكُنْ ۚ إِنَّكَ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ
بِقَرِيبٍ ۚ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَابًا ۚ فَنَسِيلًا ۚ فَنَسِيلًا ۚ
فَسَوْمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۚ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۚ

”اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کیا۔ انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کیا۔
ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ (ابراہیم) ایک بیٹا بنا ہوا پھنچا لے آئے۔ جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف
نہیں جاتے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو ان کو ابھی کھجور کر دل میں خوف محسوس کیا۔ (فرشتوں نے) کہا کہ خوف
جو کیجیے ہم تو لوہ کی طرف (ان کو ہلاک کرنے کے لیے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم کی بیوی (کھڑی تھی
خس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ اس نے کہا: میرے بھائی کی خوشی!
میرے بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھاپا ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں نے کہا:
کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ وہ سزاوارتہ تعریف
اور بزرگوار ہے۔ جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشخبری ملی تو قوم لوط کے بارے میں لگے ہم سے
بحث کرنے، بے شک ابراہیم بڑے تحمل والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس بات کو
جانے دو! تمہارے پروردگار کا حکم آپہنچا ہے اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے، جو کبھی ملنے کا نہیں۔ اور جب
ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن
بڑی مشکل کا دن ہے۔ اور لوط کی قوم کے لوگ ان کے پاس سے تمنا شاد ہوتے ہوئے آئے اور یہ لوگ پہلے ہی
سے براصل کیا کرتے تھے۔ لوط نے کہا کہ اے قوم! یہ (جو) میری (قوم کی) لڑائیاں ہیں، یہ تمہارے لیے جائز
(اور) پاک ہیں تو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں (کے بارے) میں میری آبرو نہ ضائع کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی
شائستہ آدمی نہیں۔ وہ بولنے کو معلوم ہے کہ ہمیں تمہاری (قوم کی) بیٹیوں کو کوئی حاجت نہیں اور جو ہماری غرض

ہے اسے تم خود جانتے ہو۔ لوط نے کہا کہ اے کاش! مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط
قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔ فرشتوں نے کہا لے لے! تم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ
سکیں گے۔ تم پھر رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر چل دو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے کہ تمہاری
بیوی کو جو آفت ان پر پڑنے والی ہے وہی اس پر بھی پڑے گی۔ اُن کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور
کیا صبح کچھ دیر ہے؟ تو جب ہمارا حکم آیا ہم نے اس (بستی) کو (اٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر پتھر کی تہ بہ تہ
(یعنی پے در پے) سنگریاں برسائیں جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کیے ہوئے تھے۔ اور وہ (بستی
ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔“ (ہود: 83-69/11)

اور سورہ حجر میں ان کی بابت یوں فرمایا:

وَيَتْلُوهُمْ مِنْ حَيْثُ يُرِيدُ ۚ إِذْ جَعَلُوا عَلَيْهِمْ قَوْلًا سَلَامًا ۚ قَالَ إِنَّا آنَسْنَاكُمْ وَجَلَدْنَا ۚ قَالُوا
لَا تَجْعَلْ إِنَّا لَنُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلَيْكَ ۚ قَالَ ابْتَغُوا بَنِيَّ عَلَيَّ أَنْ تَسْتَقْبِلَ الْيَوْمَ كَيْفَ تَبْتَغُونَ ۚ قَالُوا
بَشَرُكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْفَاطِنِينَ ۚ قَالَ وَمَنْ يَقْطَعُ مِنْ حَبِطَةِ رَبِّهِ إِلَّا الصَّالِحُونَ ۚ قَالَ
فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۚ قَالُوا إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۚ إِلَّا أَلَّا لُوطٌ ۚ إِنَّا لَنَجْجُوهُمْ
أَجْوَدَ ۚ إِذَا أَمْرَانَا قَدَرْنَا لَأْتِيَهُمَا لَيْسَ الْغَوِيُونَ ۚ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ۚ قَالَ
إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّتَكَبِّرُونَ ۚ قَالُوا بَلْ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ بَرْزًا ۚ وَآتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَلَا تُصَادِقُونَ ۚ
فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِطَرْفِ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ ۚ مَضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ۚ
وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ أَمْرًا ۚ قَالَ رَبِّ هَؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ۚ وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ
يَسْتَبْشِرُونَ ۚ قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ حَتِيفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تَخْشَوْنَ ۚ قَالُوا أَوَلَمْ
تَنْهَ عَنْ الْعُلَاقِينَ ۚ قَالَ هَؤُلَاءِ بَنِيَّ ۚ إِنَّ لَكُمْ فِيهِمْ لَبَلَاءً ۚ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۚ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۚ
فَأَعَدَّ لَهُمُ الصَّيْحَةَ مُشْرِقِينَ ۚ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَابًا ۚ فَنَسِيلًا ۚ
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَنْ يَسْمَعُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ يَتُوبُ ۚ

”اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنا۔ جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو سلام کیا۔ (انہوں نے) کہا میں
تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں) نے کہا کہ ڈرے نہیں! ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔
(وہ) بولے کہ جب مجھ کو بڑھا پنے آچکا تو تم خوشخبری دینے لگے، اب کا ہے کی خوشخبری دیتے ہو؟ (انہوں
نے) کہا کہ ہم آپ کو کچھ خوشخبری دیتے ہیں، آپ مایوس نہ ہو جائیے (ابراہیم نے) کہا کہ اللہ کی رحمت سے
(میں مایوس کیوں ہوں) ایسے ہونا گراہوں کا کام ہے۔ کچھ کہنے لگے کہ فرشتہ تمہیں (اور) کیا کام ہے؟ (انہوں

وہ کہنے لگے کہ لوط اگر تم باز نہ آؤ گے تو شہر بدر کر دیے جاؤ گے۔ لوط نے کہا: میں تمہارے کام کا سخت دشمن ہوں۔ اسے میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں (کے وبال سے) نجات دے۔ سو ہم نے اُن کو اور اُن کے سب گھر والوں کو نجات دی، مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ گئی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور ان پر عذاب برسایا، سو (جو) میندان (لوگوں) پر (برسا) جو درائے گئے شہرت پر تھا۔ بیشک اس میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار غالب (اور) مہربان ہے۔“ (الشعراء: 160-175)

اور فرمایا:

﴿وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ۚ أَيْبُكُمْ لَنَا تَوْحِيدَ الْوَحْدَانِ شَهْوَةً مِنْ دُونِ الْبَسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُجَاهِلُونَ ۚ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُ آلَ لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أَنْثَىٰ بِطَهَارَتِهِمْ ۚ فَاتَّبَعْنَاهُ وَآهْلَهُ إِلَّا أَمْرًا نَكْرًا ۚ فَذَرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ۖ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَهَاءَ مَطَرُ الْبُنْدَرِيِّينَ ۖ﴾

”اور لوط کو (یا کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم دیکھتے بھالتے بے حیائی (کے کام) کرتے ہو؟ کیا تم عورتوں کو چھو کر لذت (حاصل کرنے) کے لیے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم احمق لوگ ہو۔ چنانچہ اُن کی قوم کے لوگ (بولے تو) یہ بولے اور اس کے سوا ان کا کچھ جواب نہ تھا کہ لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ لوگ پاک کر رہنا چاہتے ہیں۔ پھر ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی۔ مگر ان کی بیوی کہ اُس کی بہت ہم نے مقرر کر رکھا تھا کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ اور ہم نے ان پر عذاب برسایا۔ سو اُن لوگوں پر جن کو مستحب کر دیا گیا تھا، جو عہد پر سہمت براتھا۔“ (النمل: 54-58)

لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ قرآن مجید کی دیگر سورتوں میں اس طرح کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّمَا لَنَا تَوْحِيدَ الْفَاحِشَةِ ۚ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۚ أَيْبُكُمْ لَنَا تَوْحِيدَ الْوَحْدَانِ وَتَقَطُّوعِ السَّبِيلِ ۚ وَتَأْتُونَ فِي تَأْدِيهِمْ أُنْثَىٰ ۚ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَتَيْنَا بِعَذَابِ اللَّهِ ۖ إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ ۚ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ ۖ الْمُفْسِدِينَ ۖ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ۖ قَالَ إِنْ فِيهَا لُوطٌ ۖ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۚ فَجَاءَهُ لَنَجِّيَنَّكَ وَآهْلَكَ إِلَّا أَمْرًا نَكْرًا ۚ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۖ وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقَىٰ إِلَيْهِمْ فَجَاءُوهُ ذُرْعًا ۚ قَالُوا لَا تَقْصُفْ وَلَا تَخْزَنْ ۖ إِنَّا مُنْجِيُونَ ۚ وَآهْلَكَ إِلَّا أَمْرًا نَكْرًا ۚ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۖ إِنَّا مُنْجِيُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا ۖ مِنَ السَّمَاءِ ۖ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۖ﴾

(نے) کہا کہ ہم ایک گناہ کا قوم کی طرف پیچھے گئے ہیں (کہ اس پر عذاب نازل کریں) مگر لوط کے گھر والے کہہ ان سب کو ہم بچائیں گے۔ البتہ ان کی عورت اس کے لیے ہم نے مقدر کر دیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جائے گی۔ پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے۔ تو لوط نے کہا: تم ہا آشنا لوگ ہو۔ وہ بولے کہ (نہیں) بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس یقینی بات لے کر آئے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔ سو آپ کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے نکلیں اور خود اُن کے پیچھے چلیں اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے جائیں۔ اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جزا صبح ہوتے ہوتے کاٹ دی جائے گی۔ اور اہل شہر (لوط کے پاس) خوش خوش (دوڑتے) آئے۔ (لوط نے) کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں (کہیں ان کے بارے میں) مجھے رسوا نہ کرنا اور اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ وہ بولے کیا ہم نے تم کو سارے جہاں (کی حمایت و طرفداری) سے منع نہیں کیا؟ (انہوں نے) کہا کہ اگر تمہیں کرنا ہے تو یہ میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں (ان سے شادی کرلو) (اے محمد!) تمہاری جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔ سو ان کو سورج نکلنے تک چٹکتھانے آ پھڑا۔ اور ہم نے اس (شہر) کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر کھنگر کے (مخصوص) پتھر برسائے۔ بے شک اس (قصے) میں اہل فراست کے لیے نشانی ہے اور وہ (شہر) اب تک سیدھے راستے پر (موجود) ہے۔ بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے۔“ (الحجر: 51-77)

مزید فرمایا:

﴿كَذَٰلِكَ قَوْمُ لُوطٍ مِنَ الرُّسُلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۖ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ۖ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ لَلُوطِ لَنَكُونُوا مِنَ الْمُتَّبِعِينَ ۖ قَالَ رَبِّ عَصِيتُكَ مِنَ الْقَالِينَ ۖ رَبِّ نَجِّنِي وَآهْلِي وَمِمَّا يُعْلَمُونَ ۖ فَجَنَيْنَاهُ وَآهْلَهُ أَجْنَبِينَ ۖ إِلَّا عَجُوزًا مِنَ الْغَابِرِينَ ۖ ثُمَّ دَخَرْنَا الْغَابِرِينَ ۖ وَآمَطْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَهَاءَ مَطَرُ الْبُنْدَرِيِّينَ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهْوُ الْعَرِيدِ الرَّحِيمِ ۖ﴾

”(اور قوم) لوط نے بھی پیغمبروں کو کھٹایا۔ جب اُن سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے؟ میں تو تمہارا ایمان دار پیغمبر ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس (کام) کا بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ (اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا تم اہل عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں، اُن کو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔

تاکہ ان پر کھگر برسانیں جن پر حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کر دیے گئے ہیں۔ تو وہاں جتے مومن تھے ان کو ہم نے نکال لیا اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں اُن کے لیے وہاں بڑی نشانی چھوڑ دی۔“ (الذاریات: 37-31:51)

اور ایک مقام پر ارشاد ہے:

﴿كَذَٰبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ۚ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُمْ بِسَوْرِ ۚ يُغْمِصُ ۚ مِنْ عَيْنِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ۚ وَلَقَدْ آتَيْنَاهُمْ بَشْرًا دَاۤءِمًا يَّاۤلُتُدُّ ۚ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابَنَا يَوْمَ ٱلَّذِي ۚ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِيرٌ ۚ فَذُوقُوا عَذَابَنَا يَوْمَ ٱلَّذِي ۚ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ۚ﴾

”لوٹ کی قوم نے بھی ڈر سنا نے والوں کو چھلا یا تھا۔ تو ہم نے اُن پر پھراؤ کرنے والی ہوا چلائی مگر لوٹ کے گھر والے کہ ہم نے اُن کو کھری کے وقت ہی چھپا لیا اور اپنے فضل سے شکر کرنے والوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور لوٹ نے اُن کو ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا مگر انہوں نے ڈرانے میں شک کیا اور اُن سے اُن کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے اُن کی آنکھیں مٹا دیں۔ سو (اب) میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔ اور اُن صبح سویرے ہی اُنل عذاب آ نازل ہوا۔ سو اب میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟“ (القصہ: 40-33:54)

ہم نے تفسیر میں اپنے اپنے مقام پر ان واقعات کے بارے میں بیان کیا ہے۔ قرآن مجید میں بعض دیگر مقامات پر بھی حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے جنہیں ہم حضرت نوح علیہ السلام اور عاد و ثمود کے واقعات کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ

جب حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو یہ دعوت دی کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور انہیں بے حیائی کے کاموں سے منع فرمایا تو ایک آدمی نے بھی ان کی بات نہ مانی اور ایمان قبول نہ کیا، نہ ممنوع کام ترک کیا۔ وہ اسی حال پر مصر رہے اور رسول کو اپنی ہستی سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا۔ وہ اسنے بے عقل تھے کہ انہوں نے پیغمبر کی باتوں کا صرف یہی جواب دیا:

﴿أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَبْتَغِھِرُونَ ۚ﴾

”لوٹ کے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ لوگ پاک رہنا چاہتے ہیں۔“ (النمل: 56:27)

﴿وَلَقَدْ تَوَكَّلْنَا بِهَا آيَةً ۚ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۚ﴾

”اور لوٹ (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم (جب) بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو۔ تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا۔ تم کیوں (ذلت کے ارادے سے) مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو اور مسافروں کی رہبری کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں ناپائیدہ کام کرتے ہو۔ پھر ان کی قوم کے لوگ جواب میں بولے تو یہ بولے کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب آؤ۔ لوٹ نے کہا کہ اے میرے پروردگار! ان مُغسد لوگوں کے مقابلے میں میری نصرت فرما۔ اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشی کی خبر لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس ہستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ یہاں کے رہنے والے نافرمان ہیں۔ اور ابراہیم نے کہا کہ اس میں تو لوٹ بھی ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ جو لوگ یہاں (رہتے) ہیں ہمیں سب معلوم ہیں۔ ہم اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو پھیلانے کے بجز ان کی ہیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ اور جب ہمارے فرشتے لوٹ کے پاس آئے تو وہ اُن (کی وجہ) سے ناخوش اور تنگ دل ہوئے۔ فرشتوں نے کہا کہ کچھ خوف نہ کیجیے اور نہ رنج کیجیے ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو پھیلانے کے گمراہ آپ کی ہیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ ہم اس ہستی کے رہنے والوں پر اس سب سے کہ یہ بدکرداری کرتے رہے ہیں آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے سمجھے والوں کے لیے اس ہستی میں سے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی۔“ (العنکبوت: 28-29:35) نیز ارشاد ہے:

﴿وَإِن لُّوطًا كَانَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ إِذْ جَاءَتْهُ وَهْلَةً مُّجْئِبِينَ ۚ إِعْجُوزًا فِي الْغَيْرِينَ ۚ ثُمَّ دَخَرْنَا الْفَٰرِسِينَ ۚ وَآتَيْنَاهُمُ لَتْمَتَيْنَ ۚ فَصَبَّحُوا مُّصْجِبِينَ ۚ وَبِالْأَيْلِ أَفْلَا تَعْقِلُونَ ۚ﴾

”اور بلاشبہ لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب ہم نے اُن کو اور اُن کے سب گھر والوں کو (عذاب سے) نجات دی۔ ہم اگر بے دریاہی کہ پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور تم دن کو بھی اُن (کی ہستیں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کو بھی۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟“ (الصافات: 138-133:37)

سورۃ ذاریات میں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا واقعہ بیان ہوا اور آپ کو علم والے لڑکے کی خوش خبری ملنے کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد فرمایا:

﴿قَالَ قَتَا حَظَبَكُمْ إِنھَا الْمَرْسَاۤءُ ۚ قَالُوا إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَى قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۚ لِيُرْسِلَ عَلَيْهِمْ جَٰءَةٌ مِّن طِينٍ ۚ فَمَسَوۡمَةً عِنۡدَكَ لِيَمۡسُرۡفِينَ ۚ فَآخَرَجۡنَا مَن كَانَ فِيہَا مِنَ الْمُؤۡمِنِينَ ۚ فَمَا جَعَدْنَا فِيہَا غَیۡرَ بَیۡتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۚ وَتَوَكَّلْنَا فِيہَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ ۚ الْأَكْبَرُ ۚ﴾

”اس (ابراہیم) نے کہا کہ فرشتو! تمہارا مدعا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم گناہ گار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں

جَعَاكَ مِنْ طِبْنٍ ﴿۱﴾ سَمَوَمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿۲﴾

”ابراہیم نے کہا کہ فرشتو! تمہارا مدعا اور مقصد کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم گناہ کار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر ٹھگر برسائیں جن پر حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کر دیے گئے ہیں۔“ (الذاریات: 34-31/61)

نیز ارشاد ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبَشْرَى قَالُوا إِنَّا مَهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ۖ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۖ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا لَنَنْجِيَنَّكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا أُمَّاتَكَ ۚ لَئِنْ كُنْتَ مِنَ الْغَابِرِينَ ۖ﴾

”اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس ہستی کے لوگوں کو ہلاک کر دینے والے ہیں کیونکہ یہاں کے رہنے والے نافرمان ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ اس میں تو لوط بھی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ جو لوگ یہاں (رہتے) ہیں انہیں سب معلوم ہے۔ ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے بجز ان کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔“ (العنکبوت: 29, 31/32)

اور فرمایا:

﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبَشْرَىٰ إِنَّا فِي قَوْمٍ لُّوطٌ ﴿۱﴾﴾

”جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوش خبری بھی مل گئی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے بحث کرنے لگے۔“ (ہود: 74/11)

دراصل ابراہیم علیہ السلام کو امید تھی کہ وہ لوگ کبھی تو لوط (علیہ السلام) کی بات مان کر اسلام قبول کر لیں گے اور اپنے جرائم سے باز آ جائیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنتَبِّهٌ ﴿۱﴾ يُأْتِيهِمْ آخِرُ سَخِرَ عَنْ هَذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَأَتَتْهُمْ آيَاتُهُمْ عَنَّا غَيْرُ مُدْعِدٍ ﴿۲﴾﴾

”بے شک ابراہیم بڑے علم والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ اسے ابراہیم! اس بات کو جانے دو، تمہارے پروردگار کا حکم آپ پہنچا ہے اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے جو کبھی نہیں ٹگے۔“ (ہود: 76, 75/11)

یعنی اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ چکا ہے، اب انہیں سزا کے رہے گی اسے کوئی تال نہیں سکتا۔

حضرت سعید بن جبیر، سدی، مقدادہ اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا: ”اگر میں تین تین سو مؤمن ہوں تو کیا آپ لوگ اسے تباہ کر دیں گے؟“ انہوں نے کہا: ”نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اگر دو

جو خوبی حقیقت میں قابل تعریف تھی ان لوگوں نے اسی کو ایسے عیب کے طور پر ذکر کیا جس کی وجہ سے انہیں ہستی سے نکال دینا ضروری سمجھا۔ اس سے ان کی پرلے درجے کی ہمت دھڑی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی بیوی کے سوا گھر کے تمام افراد کو بڑے اچھے طریقے سے وہاں سے نکال لیا اور انہیں اس گندگی میں ملوث ہونے سے بچا لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس ہستی کو بدبودار زمین پانی کی چھیل میں تبدیل کر دیا جس میں غرق ہو کر وہ لوگ جہنم کی محرق آگ کا ایدھ بن گئے۔

انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ قبول کرنے سے صرف اس لیے انکار کیا کہ آپ انہیں انبیاء کی مکر وہ اور گھناؤنی بے حیائی سے منع فرماتے تھے، جس کا ارتکاب ان سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں وہ سزا دی کہ وہ ہمیشہ کے لیے ایک عبرت کا مرقع بن کر رہ گئے۔

اس کے علاوہ وہ راستوں میں ڈاکے ڈالتے، مسافروں کو لوٹتے، دوستوں سے خیانت کرتے، عام اجتماع کے مقامات پر طرح طرح کی فحش باتیں اور فحش حرکات کرتے۔ بلکہ بعض اوقات مجلس میں بھی بد فحی کا ارتکاب کرتے اور بالکل حیاء نہ کرتے۔ ان پر نہ کسی کی نصیحت کا اثر ہوتا تھا، نہ کسی کے سمجھانے سے باز آتے تھے۔ انہیں نہ موجودہ گناہوں سے شرم تھی، نہ سابقہ گناہوں پر ندامت اور نہ مستقبل میں اصلاح کی نیت۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت سزا دی۔

انہوں نے اپنے نبی سے یہاں تک کہہ دیا:

﴿اٰتَيْنَا بِعَدَابِ اللّٰهِ اَنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱﴾﴾

”اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔“ (العنکبوت: 29/29)

گویا حضرت لوط علیہ السلام انہیں جس عذاب سے ڈراتے تھے، انہوں نے خود ہی اس کا مطالبہ کر ڈالا۔

حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان اور قوم کا گروہ دار

جب لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ قوم کی سرکشی میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو ان کے خلاف بدعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ فساد دیوں کے خلاف اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی ناراضی کی وجہ سے قوم پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ اس نے ان لوگوں کو سزا دینے کے لیے اپنے فرشتے بھیج دیے، جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہو کر گئے اور آپ کو علم والے بچے کی خوش خبری اور لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے نزول کی خبر دی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ ﴿۱﴾ قَالُوا إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿۲﴾ لِيَرْسِلَ عَلَيْهِمْ

وہ اس سستی سے چلے جائیں اور کسی دوسری سستی میں بھی جائیں۔ آپ نے ان سے کہا: ”قسم ہے اللہ کی! میں نہیں جانتا کہ روئے زمین پر اس سستی والوں سے زیادہ گندے اور غیبت لوگ بھی ہوں گے۔“^①

پھر حضورؐ اس چلے چربی بات فرمائی۔ اسی طرح آپ نے چار بار یہ بات ارشاد فرمائی۔ فرشتوں کو اللہ کی طرف سے یہ حکم ملا تھا کہ قوم کو اس وقت تک تباہ نہ کریں جب تک ان کا نبی ان کے خلاف گواہی نہ دے لے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمِنْ قَبْلِ كَانُوا يَعْبُدُونَ الشَّيَاطِیْنَ﴾ (ہود: 78/11) یعنی وہ لوگ پہلے بھی بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔

لوط علیہ السلام ان کو باز رکھنے کے لیے مختلف قسم کے حربے استعمال کیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ لَقَوْمٌ كُفَّارٌ یَّتَآوُونَ هُنَّ أَهْلَهُ لَكَ﴾ (ہود: 78/11) ”لوط نے کہا: اے قوم! یہ (جو میری قوم کی) لڑکیاں ہیں، یہ تمہارے لیے (پاک اور) پاک ہیں۔“

مطلب یہ تھا کہ اپنی بیویوں سے خواہش پوری کرو جو شرعی طور پر آپ کی بیٹیاں تھیں کیونکہ امت میں نبی کا مقام والد کا سا ہوتا ہے، جیسے کہ حدیث میں مذکور ہے اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿الَّذِیْ اٰوٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجَهُمْ اَهْلَهُمْ﴾

”پیغمبر مومنوں پر ان کی جان سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“ (الأحزاب: 6/33)

لوط علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میری بیٹیاں تمہارے لیے پاک ہیں کا یہی مطلب ہے جس کی وضاحت مذکورہ بالا طور میں ہو چکی ہے۔ اور اس کی مزید وضاحت اس آیت سے ہو جاتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَتَاْتُوْنَ الدِّیْنَ اَنْ یُّعْلِمَیْنَ ۚ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ وِیْلَكُمْ فَمِنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلَّ اَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُوْنَ ۝﴾

”کیا تم اہل عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہو تے ہو اور تمہارے پروردگار نے جو تمہارے لیے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔“ (الشعراء: 166, 165/26)

متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبیؐ کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے۔ اس آیت کی دوسری تشریح^② غلط ہے جو اہل کتاب سے ناخوہ ہے۔^③ یہ ان کی ایک بہت بڑی غلطی ہے جیسے ان کی بیان کردہ یہ بات غلط ہے کہ فرشتے صرف دو تھے اور انہوں نے

① تفسیر ابن کثیر: 290/4 تفسیر سورة ہود آیت: 77

② آیت مبارکہ ﴿وَمِنْ قَبْلِ كَانُوا یَعْبُدُونَ الشَّیَاطِیْنَ﴾ کا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: میری بیٹیوں سے نکاح کرو، وہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ جتن شمس اس لیے کی کہ رشتہ قائم ہوئے کی صورت میں وہ احساس کریں گے اور اپنے سر کے مہمانوں کو کھج نہیں کیا کریں گے۔ مصنف رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ تو قریح درست نہیں۔

③ دیکھیے: کتاب پیدائش، باب: 19

سوموسن ہوں؟“ انہوں نے کہا: ”نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اگر چالیس ہوں؟“ انہوں نے کہا: ”نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اگر چودہ مومن ہوں؟“ وہ بولے: ”نہیں۔“

ابن اسحاق رحمۃ اللہ کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ”یہ بتاؤ کہ اگر وہاں ایک مومن موجود ہو؟“ فرشتوں نے کہا: ”جب بھی (ہم سستی کو ہلاک نہیں) کریں گے۔“ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اِنَّ فِیْهَا لَکُمْ﴾ ”اس میں لوط علیہ السلام موجود ہیں۔“ فرشتوں نے کہا: ﴿تَحْنُ عَلَمٌ یَّمْنُ فِیْهَا﴾ (سورة العنکبوت: 32) ”میں خوب معلوم ہے کہ اس میں کون کون ہے۔“

اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”یا رب! کیا تو انہیں تباہ کرے گا جب کہ ان میں پچاس نیک آدمی موجود ہوں؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اگر ان میں پچاس نیک آدمی موجود ہوں تو میں انہیں ہلاک نہیں کروں گا۔“ حتیٰ کہ آپ نے دس افراد کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اگر ان میں دس بھی نیک آدمی ہوئے تو میں انہیں ہلاک نہیں کروں گا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِیِّئًا یَّهْمُهُ وَصَاقِیْ یُهِمُّ ذَرْعًا وَقَالَ هَذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۝﴾

”اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) کے غناک اور تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے

کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے۔“ (ہود: 77/11)

مفسرین فرماتے ہیں: ”جب فرشتے یعنی جبریل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے رخصت ہوئے تو سعدوم کے علاقے میں آ گئے۔ وہ خوبصورت جوان لڑکوں کی صورت میں تھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قوم کی آزمائش تھی کہ ان پر حجت قائم ہو جائے۔ جب وہ پہنچے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے ان کے باں مہمان بننے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر میں نے ان کی مہمانی نہ کی تو کوئی اور شخص انہیں اپنا مہمان بنا لے گا، حالانکہ وہ لوگ انتہائی بدکردار ہیں۔ آپ اسی وجہ سے پریشان ہوئے کہ آپ کو معلوم تھا کہ مہمانوں کا دفاع اور بدکاروں سے ان کا بچاؤ ایک مشکل کام ہے۔ آپ کو پہلے بھی اس کام کی انجام دہی میں سخت مشکلات پیش آ چکی تھیں اور شہر کے لوگوں نے پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ کسی انجمنی کو اپنا مہمان نہ بنائیں۔“

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ”فرشتے (انسانی صورت میں) آپ کے پاس آئے تو آپ کیتوں میں کام کر رہے تھے۔ انہوں نے آپ کے ہاں ٹھہرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ کو ان کی درخواست رد کرنے سے شرم آئی، اس لیے آپ ان کے آگے آگے (کھری طرف) چل پڑے۔ آپ علیہ السلام ان سے اشاروں کنایوں میں ایسی باتیں کہنے لگے جن کو کوسن کر

① تفسیر ابن کثیر: 289/4 تفسیر سورة ہود آیت: 76

② کتاب پیدائش، باب: 18، فقرہ: 32 تا 33

رہتا، جتنا عرصہ یوسف لپٹا رہے تو میں بانے والے کی بات مان لیتا (اس کے کہنے پر چیل سے باہر آ جاتا)۔^①
 ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لو طوطی پر اللہ کی رحمت نازل ہو، وہ ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ کی)۔ آپ کے بعد اللہ نے جو بھی نبی بھیجا ہے، وہ قوم کے کھاتے پیتے گھرانے میں سے بھیجا ہے۔“^②
 نبی مکرم کی قوم کو کھانا نہ نصیحت: بدر کو روم نے جب لو طوطی کے خوبصورت مہمانوں کو دیکھا تو اپنی غلیظ خواہش سے مغلوب ہو کر دوڑتے ہوئے آئے۔ لو طوطی نے انہیں بڑے شفقانہ انداز میں سمجھا یا مگر وہ بد فطرت احمق سے ہو چکے تھے۔
 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ ضَعُفُوا فَلَا تُفَضِّحُون﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُفْضِرُونَ﴾ قَالُوا أَوَلَمْ تَنْهَكُم عَنِ الْعُلُوبِ﴾ قَالَ هَؤُلَاءِ بَنِيَّ إِنْ كُنْتُمْ عٰلِمِينَ﴾

”اور اہل شہر (لوٹ کے پاس) خوش خوش (دوڑے) آئے (لوٹ نے) کہا: یہ میرے مہمان ہیں (کہیں ان کے بارے میں) مجھے رسوا نہ کرنا اور اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ وہ بولے کیا ہم نے تم کو سارے جہان کی حمایت و طرفداری) سے منع نہیں کیا؟ (انہوں نے) کہا: اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں، (ان سے شادی کرلو۔“ (الحجر: 71-67/15)

یعنی لو طوطی نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں کے پاس جایا کریں اور برائی کے جس طریقے کو اختیار کیے ہوئے ہیں، ترک کریں۔ لیکن انہوں نے آپ کے فرمان پر کوئی توجہ نہ دی۔ انہوں نے اپنے حیا سوز مطالعے کو بدرا اور لو طوطی کے مہمانوں کی عزت سے کھینچنے پر مصر رہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کی تقدیر انہیں کس انجام کی طرف لے جا رہی ہے اور صحیح کو ان پر کون سی آفت نونے والی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَدُوا بِالْأَذْرِ﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَذُؤِدْ﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُسْتَقَرٌّ﴾

”اور لوٹ نے ان کو ہمارے پکڑے سے ڈرایا تھا مگر انہوں نے ڈرانے میں شک کیا اور ان سے ان کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں۔ سو (اب) میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو، اور ان پر صبح سویرے ہی اہل عذاب آ نازل ہوا۔“ (القصہ: 38-36/54)

① اس اعتبار پر چیل سے باہر آ جاتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے جسے الزام سے کسی اور انداز سے بری کر دے گا۔ لیکن یوسف ﷺ نے زیادہ اہتمام کا راستہ اختیار کیا کہ اس وقت تک چیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا جب تک ان کا دامن جھوٹے الزام سے پاک نہ ہو جائے تاکہ کوئی نہ سوچے کہ یوسف کو کھیل سے نجات دہشاکہ مہربانی سے ہوئی ہے، آپ کی گناہی کی وجہ سے نہیں۔

② صحیح البخاری: احادیث الانبیاء باب ”و نبتهم عن ضیف“..... حدیث: 3372

③ المستدرک للحاکم: 561/2

آپ کے ہاں کھانا کھایا۔ اہل کتاب نے اس واقعہ کی تفصیل میں اور بھی بہت سی غلطیاں کی ہیں۔
 حضرت لو طوطی نے فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُفْضِرُونَ فِي ضَيْفِي﴾ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ﴾

”سو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں (کے بارے) میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں؟“ (ہود: 78/11)

آپ نے ان لوگوں کو بے حیائی کے ارتکاب سے منع فرمایا۔ اس بیان میں قوم کے بارے میں آپ کی یہ گواہی پائی جاتی ہے کہ ان لوگوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس میں شرافت اور نیکی کی رتق پائی جاتی ہو۔ بلکہ وہ سب کے سب احمق، بدکار اور کافر تھے۔ فرشتے آپ سے کچھ پوچھنے سے قفل ہو گئے آپ کی زبان سے سننا چاہتے تھے۔

وہ بدکرداری کے جذبات سے اس قدر مغلوب تھے کہ جب پیغمبر نے انہیں منفی جذبات کی تکمیل کے جائز طریقے کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیغمبر سے صاف کہہ دیا:

﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَيْتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا تُؤْتِينَا﴾

”(اے لوٹ) آپ کو معلوم ہے کہ ہم تمہاری (قوم کی) بیٹیوں کی خواہش نہیں رکھتے۔ ہم جو چاہتے ہیں وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔“ (ہود: 79/11)

انہیں یہ بات کہتے ہوئے نہ معز اور پاک باز رسول سے شرم آئی نہ اللہ عظیم و برتر کی گرفت سے خوف محسوس ہوا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا:

﴿لَوْ أَنَّ فِي بَيْتِكُمْ قُوَّةٌ أَوْ آوِي إِلَى ذِكْرِ عَبْدِي﴾

”اے کاش! مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا کسی مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔“ (ہود: 80/11)

آپ نے یہ تمنا کی کہ کاش! آپ کو ان کا مقابلہ کرنے کی قوت حاصل ہوتی یا آپ کے خاندان اور قبیلے کے افراد ہاں موجود ہوتے جو ان کے خلاف آپ کی مدد کرتے تاکہ وہ انہیں اس بدترین کی مناسب سزا دے سکتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کا حق رکھتے ہیں“ اور اللہ تعالیٰ لو طوطی پر رحمت نازل فرمائے، وہ ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتے تھے۔^① اور اگر میں اتنا عرصہ قید میں

① جب ہمیں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے تو ابراہیم علیہ السلام کیسے شک کر سکتے ہیں؟ یعنی آپ کا یہ سوال کہ مردوں کو زندہ کر کے دکھایا جائے شک کی وجہ سے انہیں تھا بلکہ یقین میں اضافے کے لیے تھا۔

② اگرچہ آپ پر بظاہر ان کا کوئی ایسا حق نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ بددعاؤں کے شر سے محفوظ رہتے۔ اسی وجہ سے انہوں نے کہا: اگر میرا کوئی مضبوط (دیوبی) سہارا ہوتا تو مجھے پریشان کرنے کی جرأت نہ کرتے تاہم ان کا اعتقاد اللہ تعالیٰ پر تھا جو واقعی ایک مضبوط سہارا ہے بلکہ حقیقت میں وہی مضبوط سہارا ہے اپنی سب کچھ پر۔

دیکھے گی تو اس پر بھی وہی عذاب آ جائے گا جو دوسرے کافروں پر آیا۔

امام سبکی کہتے ہیں: لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام ”والیہ“ اور نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام ”والیہ“ تھا۔

فرشتوں نے ان بدکاروں کی بلاست کی خوشخبری دیتے ہوئے لوط علیہ السلام سے فرمایا:

﴿إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَكْبَسُ الصُّبْحِ بِقَرِيبٍ ۖ﴾

”اُن کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح کچھ دور ہے؟“ (ہود: 81/11)

جب لوط علیہ السلام روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ صرف آپ کی دو بیٹیاں تھیں۔ قوم کا ایک شخص بھی آپ کے ساتھ نہیں تھا۔

ایک قول کے مطابق آپ کی بیوی بھی روانہ ہوئی تھی۔ (واللہ اعلم)

جب وہ لوگ شہر سے نکل گئے اور سورج طلوع ہوا تو اللہ کا عذاب بھی آ گیا، جسے ٹال دینا کسی کے بس میں نہیں تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَاقِيَةً وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَابًا رَنِينًا ۖ فَتَوَسَّوْا ۖ عِنْدَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۖ﴾

”تو جب ہمارا حکم آیا ہم نے اُس (بستی) کو (اُلٹ کر) نیچے اوپر کر دیا۔ اور اُن پر پتھر کے تہ تہ ٹکڑے برسائے جن

پر تمہارا پروردگار کے ہاں سے نشان کیے ہوئے تھے اور وہ (بستی ان اہل مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔“

(ہود: 83، 82، 81)

علمائے کرام فرماتے ہیں: جبریل علیہ السلام نے اپنے پر سے ان سات بیٹیوں کو جڑوں سے اکھاڑ دیا جن میں چار لکھ یا چالیس

لکھ افراد تھے۔ ان میں موجود جانوروں سمیت انہیں آسمانوں تک بلند کیا، جہی کہ فرشتوں نے ان کے مرغوں کی اذانیں اور

کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ پھر انہیں اُلٹ کر پھینک دیا۔

[سبحان! کا مطلب ہے ”خست مضبوط“ اور [مَنْضُودٌ] کا مطلب یہ ہے کہ وہ آسمان سے ایک دوسرے کے پیچھے

آ رہے تھے اور قوم پر مسلسل برس رہے تھے۔ [مُسْوَمَةٌ] یعنی ہر پتھر پر کسی نہ کسی آدمی کا نام لکھا ہوا تھا۔ وہ اسی پر گرتا اور اس

کا سر کھل دیتا تھا۔ سورۃ نجم میں ارشاد ہے:

﴿وَالْمُتَفَلِّكَةُ ۚ الْهُدَىٰ ۖ فَفَشَّلَهَا مَاءٌ غَلِيظٌ ۚ فَبَاقِيَ الْأَثَرُ ۖ رَبُّكَ نَتَقَرَارِیٰ ۖ﴾

”اور اُس نے اُلٹی ہوئی بیٹیوں کو دے پٹکا۔ پھر ان پر چھایا جو چھایا لہذا (اے انسان!) تو اپنے پروردگار کی کون

کون سی نعمت پر بھگتے رہے گا؟“ (النجم: 55-53، 53)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان بیٹیوں کو اس طرح اُلٹ دیا کہ ان کا اوپر والا حصہ نیچے ہو گیا، پھر مسلسل پتھروں کی بارش سے

انہیں نظروں سے اوجھل کر دیا۔ ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر اسے گرنا تھا خواہ ان میں سے کوئی اپنے شہر میں

مفسرین فرماتے ہیں: اللہ کے نبی لوط علیہ السلام قوم کو گھر میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ دروازہ بند

تھا۔ وہ لوگ اسے کھولنے اور اندر گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ دروازے کے پیچھے سے انہیں نصیحت فرما رہے تھے۔ ۱

جب صورت حال نازک ہو گئی تو آپ نے فرمایا: ﴿لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ ۖ أَوَّاعٌ لِّیَ ذُرِّینَ شَدِیدِیۡنِ﴾ ”اے کاش! مجھ

میں تمہارا مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعے میں پناہ پڑ سکتا۔“ تب فرشتوں نے کہا: ﴿يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ ۚ لَنْ يَصِلَوْا إِلَيْكَ ۚ﴾ ”اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکتے۔“

مفسرین فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام باہر تشریف لے گئے، اپنے پر کا ایک کنارہ ان کے چہروں پر مارا تو وہ اندھے ہو

گئے۔ حتیٰ کہ بعض علماء کے قول کے مطابق ان کی آنکھیں بالکل معدوم ہو گئیں۔ نہ ان کی جگہ باقی رہی (جو پھرے کی بڑی

میں گڑھے کی صورت میں ہوتی ہے) نہ کوئی نشان باقی رہا۔ وہ دیواروں کو ٹٹولتے اور اللہ کے نبی (علیہ السلام) کو دھمکیاں دیتے

لوٹ گئے۔ جاتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے: ”جب صبح ہوگی تو تم سے نہیں گے۔“ ۲

عذاب کا نزول

جب حضرت لوط علیہ السلام نے ہر طرح سے قوم پر اتمام حجت کر دیا تو عذاب الہی ان پر مسلط کر دیا گیا اور آپ کی نافرمان

بیوی بھی اسی عذاب میں مبتلا ہو گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِمْ فَطَسَّنَا إِلَيْهِمْ فَذُوقُوا عَذَابَآ نَازِلًا ۖ وَلَقَدْ صَبَّتْهُمْ بَكْرًا ۖ عَذَابَ كَسْتُمْ قَرِيبًا ۖ﴾

”اور انہوں نے اُن سے اُن کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے اُن کی آنکھیں مٹا دیں۔ سو (اب) میرے

عذاب اور ذرا نہ ان کے مزے چکھو۔ اور صبح سویرے اُن ہی عذاب آ نازل ہوا۔“ (القصہ: 38-37، 54)

فرشتوں نے لوط علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے آخری حصے میں یہاں سے

تشریف لے جائیں۔ اور جب قوم پر عذاب نازل ہوا تو ان کی آواز سن کر تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ اور آپ کو حکم

ہوا کہ آپ سب ہمراہیوں کے پیچھے چلیں۔

﴿إِلَّا مَنزِلَآتَكَ﴾ ”تیری بیوی کے سوا“ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک مطلب یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو لے

چلیے مگر اپنی بیوی کو سمجھنا نہ لیجیے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، سوائے آپ کی بیوی کے، وہ ضرور مڑ کر

۱ تفسیر ابن کثیر: 445/7 سورۃ القصہ آیت: 37

۲ تفسیر ابن کثیر: 445/7 سورۃ القصہ آیت: 37

﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ﴾

”اور وہ (جاہلہ ہستی) ان ظالموں سے کچھ بھی دور نہیں۔“ (ہود: 83)



﴿سَجَّيْلٌ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمُسَوِّمِينَ ۖ وَرِثَةً لِّبَنِيٍّ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

”سوان کو سورج نکلنے نکلنے چمکھانے آچکا اور ہم نے اس (شہر) کو (آٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر کھنکری چھریاں برسائیں۔ بیشک اس قصے میں اہل فراست کے لیے نشانی ہے اور وہ (شہر) اب تک سیدھے راستے پر (موجود) ہے۔ بیشک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے۔“ (الحجر: 73-77)

یعنی جو شخص ان کے واقعہ پر غور کرے گا اور فہم فراست استعمال کرے گا، اس کے لیے اس واقعے میں عبرت کی نشانیاں موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کی حالت کس طرح تبدیل فرمادی کہ جو کبھی آباد بستیاں تھیں، اب ویران کھنڈر بن چکی ہیں۔

﴿وَرِثَةً لِّبَنِيٍّ ۖ مُّصِیْبٌ﴾ ”اور وہ (شہر) اب تک سیدھے راستے پر (موجود) ہے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ بستیاں اس شاہراہ پر واقع تھیں جس پر اب بھی لوگ سفر کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُواْ عَلَيْهِمْ مُّصِیْبٌ ۖ وَبِأَنفُسِهِمْ أَفَلَا تُعْقَلُونَ﴾

”اور تم دن کو کبھی ان کی بستیوں کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کو بھی۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟“

(الصافات: 137-138)

اور مزید فرمایا:

﴿فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمَسْلُومِينَ ۚ وَكَرَّمْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾

”خود ہاں جتنے مومن تھے، اُن کو ہم نے نکال لیا اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا اور جو لوگ درودناک عذاب سے ڈرتے ہیں، اُن کے لیے وہاں نشانیاں چھوڑ دیں۔“ (الذاریات: 35-37)

یعنی ہم نے انہیں اس شخص کے لیے باعث عبرت و نصیحت بنادیا ہے جو آخرت کے عذاب سے خوف زدہ ہے، رب کے سامنے پیشی سے ڈرتا ہے، اپنے آپ کو خواہشات نفس سے بچاتا ہے، اللہ کے حرام کردہ کاموں سے پرہیز کرتا ہے اور گناہوں سے دور رہتا ہے، وہ ڈرتا ہے کہ اس کی مشابہت حضرت لوط علیہ السلام کی بدکردار قوم سے نہ ہو جائے کیونکہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے شمار ہوگا اگرچہ کچھ طور پر اُن سے مشابہت نہ ہو، جزوی طور پر ہی ہو۔

اپنے رب سے ڈرنے والا سمجھدار عقل مند آدمی، احکام ربانی کی تعمیل کرتا ہے اور پیغمبر کی ہدایات قبول کرتا ہے، اپنی جائز خواہش پوری کرنے کے لیے اپنی منکوحہ بیویوں کے پاس جاتا ہے، جنہیں اللہ نے اس کے لیے پیدا کیا ہے۔ اسے چاہیے کہ شیطان کی بیرونی سے بچ کر رہے تاکہ اللہ کی وعید کی زد میں نہ آجائے اور اس پر اللہ کا یہ فرمان صادق نہ آجائے:

نَاصِح وَخَوَانِد عَنْ تَبَرُّ وَحُكْمَتَيْنِ

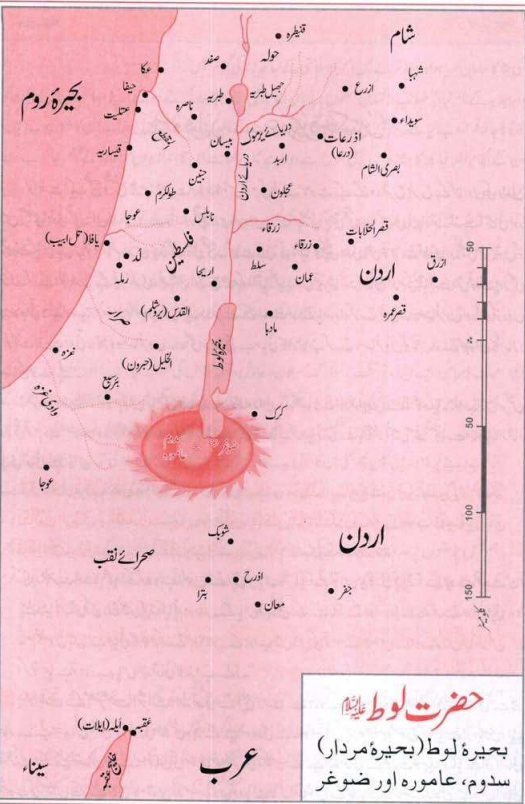
لو طاط ایک قبیچ و شعیج جرم: حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث کیے گئے وہ طرح طرح کے گناہوں کی دلدل میں دھنسی ہوئی تھی۔ ان کا سب سے بڑا اور قبیح جرم، مردوں سے ہم جنس پرستی تھی جو انہی کی ایجاد تھا۔ لذت آسانی اور شہوت پرستی میں یہ قوم تمام حدیں پھیلا تک پہنچی تھی۔ شہوت رانی کی انتہا کو پہنچی ہوئی اس قوم نے فطری اور طبی طریقوں کو ترک کر کے، لو طاط کے غیر فطری، غیر طبعی اور شعیج جرم کو اختیار کیا۔ اس غیر شائستہ اور قبیح جرم کی قباحت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی جب وہ یہ جرم عام محفلوں میں ایک دوسرے کے سامنے کرتے یا سر راہ کرتے جس سے مسافروں اور راہ گزروں کو سخت اذیت ہوتی۔ نیز وہ مسافروں سے بھی زبردستی بے حیائی کا ارتکاب کرتے، مسافروں کو پتھر مارتے اور ان کا ساز و سامان لوٹ لیتے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو ان تمام قبیح افعال سے روکا اور ان کے نقصانات اور خرابیوں سے آگاہ کیا۔ جواب میں سرکش و باغی قوم نے حضرت لوط علیہ السلام کو برا بھلا کہا اور عذاب الہی کا مطالبہ کر دیا جس نے بالآخر انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَوْ كُنَّا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِيْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقَاطَعُوْنَ السَّيْلَ ۚ وَ تَنَافَثُوْا فِيْ كَادِبِكُمْ الْكُنُكَدُ فَبَا كَانَ جَوابُ قَوْمِهِ اِلَّا اَنْ قَالُوْا اِشْتِنَا بِعَدَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣٠﴾ ﴾ (العنکبوت: 29, 28/29)

”اور حضرت لوط کا بھی ذکر کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تو اس بدکاری پر اتر آئے ہو جسے تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے پاس (بدفعلی کے لیے) آتے ہو اور راستے بند کرتے ہو اور اپنی عام مجلسوں میں بے حیائی کا کام کرتے ہو؟ اس کے جواب میں اس کی قوم نے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ کس اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آ۔“

لو طاط کے مصز صحت اثرات: اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہمارے لیے ہر وہ چیز حلال اور جائز رکھی ہے جو ہمارے لیے مفید، نفع بخش اور ہماری سلامتی و بقا کے لیے ضروری ہے۔ اور ہر اس چیز کو حرام و ممنوع کر دیا ہے جو ہماری دنیا یا آخرت کے لیے نقصان دہ ہے۔ انسان کی فطری خواہش کی تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورت کو پیدا فرمایا ہے اور انسانی شہوت کی تسکین کے لیے نکاح کا مقدس نظام انسانوں کو دیا ہے تاکہ انسانوں کے جذبات کو مناسب راہوں سے، نسل انسانی



حضرت لوط علیہ السلام

بحیرۃ لوط (بحیرۃ مردار)
سدوم، عامورہ اور ضوغر

عرب

عقبات (الحلہ) (ایلات)
سیناء

”اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آ چکی ہے، سو تم باپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ یاد کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے، اور ہر راستے پر تم بیٹھا کرو کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اُسے تم ڈراتے اور ارادہ الحق سے روکتے اور اس میں کبھی ڈھونڈتے ہو۔ اور (اس وقت کہ) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ نے تم کو جماعت کثیر بنا دیا اور دیکھ لو خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو میرے رہنما یہاں تک کہ اللہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (تو) ان کی قوم میں سے جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب! (یا تو) ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنے شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ انہوں نے کہا: خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزاری ہوں (تو بھی؟) اگر ہم اس کے بعد کہہ جائیں اس (کفر) سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے اللہ پر افتر (جھوٹ) باندھا اور ہمیں شایان نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں یاں اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے (تو مجبور ہے) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا اللہ ہی پر بخروا ہے۔ اے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہت بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور ان کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو!) اگر تم نے شعیب کی بیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔ تب ان کو ڈرتے نے آ چکرا اور وہ اپنے گھر میں آوندے پڑے رہ گئے۔ (یہ لوگ) جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی، ایسے پر باد ہوئے کہ گویا وہ ان میں بھی آبادی نہیں ہوئے تھے۔ (غرض) جنہوں نے تعجب کو چھلایا اور خسارے میں پڑ گئے تو شعیب ان میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو! میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دے اور تمہاری خبر خواہی کی تھی۔ لہذا میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے

”اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) تو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور باپ اور قول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے) تو مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے نئے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں گھیر کر رہے گا۔ اور اے میری قوم! باپ اور قول انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ کیا کرو اور زمین میں خرابی نہ کرتے پھرو۔ اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا دیا جو نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا: اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں بے سکھائی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پڑھتے آئے ہیں ہم ان کو ترک کر دیں یا بسے مال میں جو تصرف کرتا جاں نہ کرے؟ تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔ انہوں نے

یعنی آپ نے انہیں ظاہری دنیوی راستے روکنے سے بھی منع فرمایا اور معنوی یعنی دین کے راستے میں رکاوٹ بننے سے بھی۔

حضرت شیبہؒ کی قوم کو نصیحت اور قوم کا اعلان و بغاوت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَذِّنُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلًا فَاذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ ۚ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝﴾

”اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ نے تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔ اور دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟“ (الأعراف: 86/7)

آپ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے اللہ کی نعمت یاد دلانی کہ ان کی تعداد کم تھی، اللہ نے زیادہ کر دی۔ اور تنبیہ فرمائی کہ اگر وہ آپ کی ہدایات کی پیروی نہیں کریں گے تو ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو جائے گا۔ جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَنْقُصُوا الْيَتَامَىٰ وَالْيَتِيمَانِ إِلَىٰ آخَانٍ عَلَيْكُمْ عَذَابٌ يَوْمَ مُّجِيبٍ ۝﴾

”اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو) مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں گھیرے گا۔“ (ہود: 84/11)

یعنی اپنے غلط کاموں کو جاری نہ رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے مالوں کی برکت ختم کر دے گا اور تمہیں مفلس کر دے گا اور تمہاری دولت چھین لے گا۔ اس کے علاوہ آخرت کا عذاب بھی آنے والا ہے اور جس کو دنیا میں بھی سزا ملی اور آخرت میں بھی عذاب بھگتنا پڑا، وہی اصل خسار سے دوچار ہوگا۔

اس کے بعد شیبہؒ نے فرمایا:

﴿وَيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ الْيَتَامَىٰ وَالْيَتِيمَانِ بِالْقِسْطِ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَنْفُسِ ۚ فَسَيُجِيبُ ۚ﴾

﴿يَقِيَّتُ اللَّهُ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مَوْفِينَ ۚ وَمَا أَعَا عَلَيْكُمْ بِحَفِظٍ ۝﴾

”اور اسے میری قوم! ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں خرابی نہ کرے پھر وہ اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔“ (ہود: 86, 85, 11)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: ﴿يَقِيَّتُ اللَّهُ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ ”اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے مال کا جائز طریقے سے لینے کی نسبت اللہ کا دیا ہوا حلال رزق تمہارے لیے بہتر ہے۔“

وقت بڑے بیانے سے ماپتے اور بڑے ہاتھوں سے تولتے اور دیتے وقت چھوٹے بیانے اور کم وزن کے بات استعمال کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک شخصیت یعنی حضرت شیبہؒ کو مصعب رسالت پر فائز فرمایا۔ آپ نے انہیں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دی اور انہیں سودا کم دینے اور راہ طے لوگوں کو پریشان کرنے جیسے برے کاموں سے منع فرمایا۔ کچھ لوگ ایمان لائے لیکن اکثریت نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت عذاب نازل فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنبِئْهُمْ أَنَّ اللَّهَ مَلَكٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فَزَيَّنُوا لَكَ صُورَهُ ۖ وَرَأَوْنَاهُ سَحَابٌ مّمُّونٌ ۚ﴾

﴿يَبْنِيهِمْ مِّن رَّيْبٍ ۚ﴾

”اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شیبہؒ کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا کہ اسے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آچکی ہے۔“ (الأعراف: 85/7)

یعنی میں واضح دلیل اور برہان قاطع لے کر آیا ہوں، جس سے میری تعلیمات کی صداقت ثابت ہوتی ہے اور اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے۔ دلیل سے مراد وہ ہجرات ہیں جو آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔ قرآن وحدیث میں ان کی تفصیل مذکور نہیں۔ تاہم اس لفظ (بند) سے ان کی طرف جمل اشارہ ہوتا ہے۔⁸⁶ فرمایا:

﴿فَاذْكُرُوا الْكَيْلَ وَالْيَمِينَ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ﴾

”لہذا تم ماپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کیا کرو۔“

(الأعراف: 85/7)

آپ نے انہیں عدل وانصاف کا حکم دیا اور ظلم سے منع کیا اور فرمایا: ﴿ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مَوْفِينَ﴾ ”اگر تم صاحب ایمان ہو تو کچھ بھوکے یا تھکے ہیں تمہارا حق میں بہتر ہے۔“ (الأعراف: 85/7) اس کے بعد فرمایا: ﴿وَلَا تَقْعُدُوا بِعَثَارٍ طَبَاقٍ﴾

﴿وَنُوحِدُونَ﴾ ”اور ہر راستے پر مت بیٹھا کرو کہ لوگوں کو ڈراتے ہو۔“ (الأعراف: 86/7)

یعنی ہر راستے میں بیٹھ کر لوگوں کو پریشان نہ کرو، تم ان سے غنہ و فکس وصول کرتے ہو اور وحشت گردی کے راستے روکتے ہو۔

امام سندیؒ وغیرہ نے صحابہ کرامؓ سے مذکورہ آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ وہ لوگ گزرنے والے لوگوں کے مالوں میں سے دواں حصہ وصول کر لیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی یہی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”سب سے پہلے ان لوگوں نے یہ ظالمانہ طریقہ ایجاد کیا۔“⁸⁷

”اے شعیب! کیا تمہاری نمازیں تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم اُن کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں جو تصرف کرنا چاہیں نہ کریں؟ تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔“ (ہود: 87/11)

یہ بات ان لوگوں نے شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے لیے کہی کہ آپ جو نماز پڑھتے ہیں، کیا یہی آپ کو حکم دیتی ہے کہ ہم پر پابندیاں عائد کریں کہ ہم صرف آپ کے معبود کی عبادت کیا کریں؟ اور ان سب کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباء و اجداد پوجتے آئے ہیں؟ کیا ہم اپنے معاملات صرف اس انداز سے انجام دیا کریں جو آپ کو پسند ہے؟ کیا ہم لین دین کے وہ سب طریقے چھوڑ دیں جو آپ کو پسند نہیں، خواہ ہمیں ان میں کوئی خرابی نظر نہ آتی ہو؟

﴿إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَكِيمُ الْوَشِيدُ﴾ ”حقیقت یہ ہے کہ صرف آپ ہی عقل مند اور سمجھدار ہیں۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”اللہ کے دشمنوں نے یہ بات مذاق اڑاتے ہوئے کہی تھی۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ يَقَوْمُ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَنِيكُمْ مِنْ رَبِّي وَرَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاللَّهُ أُنْبِتُ﴾

”شعیب علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے ہاں سے مجھے بہترین روزی دی ہو (تو کیا میں اس کے خلاف کروں گا؟) اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں، خود اس کو کرنے لگوں۔ میں تو تمہاں تک ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے۔ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“ (ہود: 88/11)

یہ دعوت حق کے لیے نرم الفاظ استعمال کرنے کا اسلوب ہے لیکن اس میں حق بالکل واضح کر دیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ”اے منکر و ذراغور کہ میرے پاس واضح دلائل موجود ہیں کہ اللہ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور مجھے اچھی چیز یعنی نبوت و رسالت عطا کی ہے لیکن تم اسے پیچھاننے کی توفیق سے محروم رہ گئے ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں؟“

نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی دعوت کی تھی جیسے کہ ان کے واقعات میں بیان ہوا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَنْهُ﴾ ”اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں۔“ یعنی میں تمہیں جو بھی سُنّی کا کام بتاتا ہوں، سب سے پہلے میں خود اس پر عمل کرتا ہوں اور تمہیں جس غلط کام سے روکتا ہوں، سب سے پہلے خود اس سے اجتناب کرتا ہوں۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے فرمایا: ”لوگوں کو پوری چیز ناپ تول کر دینے کے بعد تمہارے پاس جو نفع بچتا ہے، وہ اس سے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کمی کر کے لوگوں کے حق میں سے لکھ لیتے ہو۔“

یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مشابہ ہے:

﴿قُلْ لَا يَسْتَوِي الْبَحِيثُ وَالْكَلْبُ وَلَا أَعْيَبُكَ كَلْبُكَ الْبَحِيثُ﴾

”کہہ دو کہ پاک چیزیں اور ناپاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں گونا گونا گویا چیزوں کی کثرت تمہیں اچھی ہی لگے۔“

(المائدہ: 100/5)

یعنی حقوڑا سا حلال مال بہت سے حرام مال سے بہتر ہے۔ کیونکہ حلال حقوڑا بھی ہو تو برکت والا ہوتا ہے اور حرام زیادہ بھی ہو تو بے برکت ہوتا ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْحَقُ اللَّهُ الزُّبْرًا وَيُزِيهِ الصَّدَقَاتِ﴾

”اللہ سوکھنا پودوں (یعنی بے برکت) کرتا ہے اور نیرات (کی برکت) کو بڑھا دیتا ہے۔“ (البقرہ: 276/2)

اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ”سو زیادہ بھی ہو تو اس کا انجام قلت ہی ہے۔“

نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”بیچنے والا اور خریدنے والا (سودا قائم رکھنے یا ختم کرنے کا) اختیار رکھتے ہیں، جب تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں۔ اگر وہ بیچ بولیں اور (سودے کی حقیقت کو) واضح کریں، تو دونوں کو ان کے سودے میں برکت دی جاتی ہے اور اگر وہ چھپائیں (اور ایک دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کریں) اور رجوت بولیں تو ان کے سودے کی برکت مٹ جاتی ہے۔“

شعیب علیہ السلام کے اس فرمان: ﴿كَفَيْتُ اللَّهُ حَازِلَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونِ﴾ ”اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔“ کا یہی مطلب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَمَا أَرَاكُمْ عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ﴾ ”اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں“ کا مفہوم یہ ہے کہ میں تمہیں جو حکم دیتا ہوں اس پر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور ثواب کی نیت سے عمل کرو، اس لیے نہیں کہ میں یا کوئی اور تمہیں دیکھ رہا ہے۔ قوم نے اکھڑ پین کا مظاہرہ کیا اور یوں گویا ہوئی:

﴿يُغِيْبُ أَصْلُوكُمْ تَأْمُرُ أَنْ تَعْبُدَ آبَاءَكُمْ أَوْ أَنْ تَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ﴾

﴿إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَكِيمُ الْوَشِيدُ﴾

اور عادی و خود کے کافر اور حق کے مخالف اللہ کے خداؤں کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ پھر فرمایا: ﴿وَمَا قَوْمٌ لَوْطٌ مِّثْلَهُمْ بَعِيدٌ﴾ اور لوط علیہ السلام کی قوم تم سے کچھ دور نہیں، یعنی وہ کوئی بہت پرانے دور کا واقعہ نہیں۔ بلکہ ان کے کفر و عناد کی وجہ سے آنے والا عذاب تمہیں معلوم ہے۔ ایک مطلب یہ ہے کہ ان کا علاقہ اور مسکن تم سے کچھ دور نہیں۔ ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ لوگ عادات اور بد اعمالیوں کے لحاظ سے تم سے کچھ دور اور زیادہ مختلف نہیں تھے۔ وہ بھی تمہاری طرح مسافروں کو لوٹنے اور پریشان کرنے والے اور طرح طرح کے کفر و فحش کے ذریعے سے اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے لوگوں کا مال سرعام بھی چھین لیتے تھے اور خفیہ طور پر بھی لے لیتے تھے۔

یہ سب اقوال درست ہیں کیونکہ وہ زمانہ مقام اور اعمال کے لحاظ سے ان سے قریب تھے۔ آخر میں تہیب کے بعد پھر ترغیب کا پہلا اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأَسْفِرُوا رَيْبَكُمْ لَكُمْ تَوْبَةٌ الْيَوْمَ إِنَّ رَبِّي بَحِيمٌ ذَوُو دُوْدٍ﴾

”اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔ بیشک میرا پروردگار رحم والا (اور) محبت والا ہے۔“

(ہود: 90/11)

یعنی اپنے موجودہ گناہوں سے باز آ جاؤ اور رحمت کرنے والے محبت کرنے والے رب کے آگے توبہ کرو کیونکہ جو بندہ توبہ کرتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر اتنا زیادہ رحم کرنے والا ہے کہ ماں بھی اپنے بچے پر اس قدر شفقت نہیں کر سکتی۔ وہ قابل محبت ہے کیونکہ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے خواہ کتنے ہی برے اور تباہ کن گناہوں کے بعد توبہ کرے۔

☞ قوم کا اعلان بغاوت: حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کی ہر طرح سے خیر خواہی کی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل شدہ خبر و برکت یاد دلانی اور برائیوں سے روک کر قوم نے ماننے کی بجائے آپ کو سنگسار کرنے اور بستی سے نکال دینے کی دھمکیاں دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِمَّا نَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فَيِّنًا ضَعِيفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجِسْنَا ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بَعِزٌّ ۚ﴾

”انہوں نے کہا کہ شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو۔ اور اگر تمہارا بھائی بندہ نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔“

(ہود: 91/11)

یہ ان کے شدید کفر و عناد کا اظہار ہے کہ انہوں نے کہا: تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ کیونکہ وہ ہمیں پسند نہیں، نہ ہم انہیں سنا یا سمجھنا چاہتے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جو قریش کے کفاروں نے رسول اللہ ﷺ سے کہی تھی۔

یہ ایک عظیم خوبی ہے۔ اس کے برعکس کیفیت ایک مذموم خرابی ہے جس میں بنی اسرائیل کے علماء اور جاہل خطباء آخری زمانے میں گرفتار ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّفَّاسَ بِالْبَيِّنَاتِ وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۚ﴾

”(یہ) کیا (میں) عقل کی بات ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور خود کو فراموش کر دیتے ہو، حالانکہ کتاب (اللہ) بھی پڑھتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟“ (البقرہ: 44/2)

انور بنی ﷺ نے فرمایا: ”(قیامت کے دن) ایک آدمی کو لا کر جہنم میں پھینکا جائے گا، اس کے پیٹ سے انتڑیاں باہر نکل آئیں گی۔ وہ ان کے ارد گرد (تکلیف کی شدت سے) پتھر کا بنا شروع کر دے گا، جس طرح (پتھر چلانے والا) گدھا بچکی کے گرد گھومتا ہے۔ جنہی اکٹھے ہو جائیں گے۔ وہ کہیں گے: فلاں صاحب! آپ کو کیا ہوا؟ کیا آپ ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیا کرتے تھے اور برے کاموں سے منع نہیں کیا کرتے تھے؟ وہ کہے گا: ”ہاں! میں نیکی کی تلقین تو کرتا تھا، لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔ برائی سے منع تو کرتا تھا، لیکن خود اس کا ارتکاب کر لیا کرتا تھا۔“

انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے والے فاسق بدکاروں کی یہی کیفیت ہوتی ہے، لیکن اہل عقل علماء جو رب کا خوف رکھتے ہیں، ان کی کیفیت وہ ہوتی ہے جیسے اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿وَمَا أَرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَكُمْ عَنْهُ إِنَّ أَرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ﴾

”اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں، میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے

(تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں۔“ (ہود: 88/11)

یعنی مجھے ہر حال میں اللہ ہی سے توفیق ملتی ہے اور میں تمام معاملات میں اسی پر اعتماد کرتا ہوں۔ میرے ہر کام کا انجام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سارا کام ”ترغیب“ پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد آپ نے ”ترہیب“ کا پہلا اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَقَوْمٌ لَّيِّنٌ مِّثْلَكُمْ شَقَاقٌ ۚ إِنَّ شُعَيْبَكُمْ ۚ وَمَا أَصَابَ قَوْمٌ نُّوحٌ أَوْ قَوْمٌ هُودٌ أَوْ قَوْمٌ صَالِحٌ ۚ وَمَا قَوْمٌ لَوْطٌ مِّثْلَهُمْ بَعِيدٌ ۚ﴾

”اور اے میری قوم! میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کروا کہ جیسی مصیبت نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی

قوم پر واقع ہوئی تھی ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو اور لوط کی قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دور نہیں۔“ (ہود: 89/11)

یعنی میری مخالفت اور میرے لائے ہوئے پیغام سے نفرت تمہیں اس طرف نہ لے جائے کہ اپنی گمراہی اور جہالت پر قائم رہو، جس کے نتیجے میں تم پر اللہ کا عذاب آ سکے، جس طرح تم جیسے پہلے کفاروں پر آ تھا، یعنی جس طرح قوم نوح

اس کا وہی مفہوم ہے جو اس آیت مبارکہ کا ہے:

وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٥٠﴾

”اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کیے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ (الأعراف: 87)

عذاب کی آمد اور قوم کی ہلاکت پر نبی ﷺ کا اظہارِ افسوس

عذاب کی آمد: قوم کے سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بددست دھمکیاں دیں اور مومنوں کو اپنے پرانے مذہب میں واپس آنے کی تلقین کی۔ جب مومن ڈٹ گئے تو قوم کی زیادتیاں اور بھی بڑھ گئیں لہذا حضرت شعیب علیہ السلام نے نصرت ربانی کے لیے دعا کروئی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَلْزَمُوا مِنْ قُوَّةِهِ لِيُخْرِجُوهُ يَسْعَفُ وَالَّذِينَ انْضَا مَعَهُ مِنْ قُوَّتَيْنَا
أَوْ لِيُتَوَدَّدُوا فِي مَوْبَانِهِ قَالَ أَوْ لَوْ كُنَّا كَرِهِينَ ﴿١٠٠﴾ قَدْ أَفْتَرْنَا عَلَى اللَّهِ كِبَارًا عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ
بَعْدَ إِذْ نَحْنُ بِاللَّهِ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِنْ أَيْسَّرَهُ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ
شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِكِ الْوَالِقِ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿١٠١﴾

”اُن کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہتے گئے کہ شعیب! (یا تو ہم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو اپنا شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ انہوں نے کہا خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزاری ہو) (تو بھی؟) اگر ہم اس کے بعد کہ اللہ میں اس (کفر) سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے اللہ پر افترا (جھوٹ) بائنا خدا اور ہمیں لائق نہیں کہ اس میں لوٹ جائیں۔ ہاں اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے تو (ہم پر مجبور ہیں) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔ اے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ (الأعراف: 89، 88)

کافروں نے مطالبہ کیا کہ مومنوں کو دوبارہ اپنے آپ باہر ادا مذہب اختیار کر لینا چاہیے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے مومنوں کی طرف سے جواب دیے ہوئے فرمایا: ﴿اَوَلَوْ كُنَّا كَاهِلِينَ﴾ یعنی مومن اپنی خوشی سے تو کفر کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ اگر بغیر بحال ایسا بھی گماتا تو دوبارہ رائے ظلم کی وجہ سے مجبور ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایمان کی حقانیت میں دل جاگزیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوا أَفُلُونَا فِي أَكْثَرِ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنَكَ حِجَابٌ فَاغْمِزْ إِنَّا عَمِلُونَ﴾ ﴿٢٠﴾

”اور وہ کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اُس سے ہمارے دل پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ (یعنی بہرا پن) سے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے سو تم (انہا) کام کرو کہ (انہا) کام کرتے ہیں۔“

(لَحْمِ السَّجْدَةِ: 5/41)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ يَقُومِ ارْهُطْنِي اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ

” (شعیب نے) کہا کہ اے میری قوم! کیا میرے بھائی اندول کا دیا تم پر اللہ سے زیادہ ہے؟“ (ہود: 92)

یعنی ترخانان اور قبیلے سے ڈرتے ہو اور اس کی وجہ سے میرا (کچھ نہ کچھ) لحاظ کرتے ہو لیکن تمہیں اللہ کے عذاب سے خوف محسوس نہیں ہوتا؟ تمہارا لحاظ اس وجہ سے کیوں نہیں کرتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ گویا تمہاری نظروں میں میرا قبیلہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ طاقت والا ہے۔

﴿وَإِذْ يُؤْمَرُ بِدَوَائِقِهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ بِالْحَيَاءِ وَالنَّكَاحِ وَالْزُّكْرِ وَالْحَنَانِ﴾ اور تم نے اللہ کے احکام اور خوف کو پس پشت ڈال دیا ہے۔“ ﴿إِنَّ رَبِّي يَسَوِّدُ لِلْكَافِرِينَ﴾ ”میرا پروردگار تو تمہارے سب اعمال پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔“ یعنی اسے معلوم ہے جو تم کر رہے ہو۔ وہ تمہاری ہر چھٹی بڑی حرکت سے باخبر ہے۔ جب تم اس کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہیں اس کی پوری سزا دے گا۔ اور کہا:

وَيَقُومُوا أَعْمَالًا عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فِي يَوْمٍ ذُلٍّ أَوْ هَيْبَةٍ تَقُولُ لَهُمْ السَّامِعُ إِنَّكَ لَكَاذِبٌ ۖ وَأَرْقُبُوا رِجْلَيْكُمْ ۖ إِنَّكُمْ لَخَائِفُونَ ۚ مَنْ يَآتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَأَرْقُبُوا رِجْلَيْكُمْ ۖ إِنَّكُمْ لَخَائِفُونَ ﴿٢٠﴾

”برادران ملت! تم اپنی جگہ کام کی جاؤ میں (اپنی جگہ) کام کیے جاتا ہوں۔ تمہیں غمگین معلوم ہو جائے گا کہ رزوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جو کون ہے؟ اور تم بھی انتظار کر دو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔“

اس میں سخت وعید ہے کہ اگر وہ باز نہیں آتے تو اپنے طریقے پر قائم رہیں، جلد ہی اس کا نتیجہ سامنے آ جائے گا۔ پھر

انہیں معلوم ہو گا کہ کس کا انجام اچھا ہوتا ہے اور کس پر تباہی نازل ہوتی ہے یعنی دنیا کی زندگی میں رسوائی اور آخرت میں دائمی عذاب کس پر لٹتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں نے جو خبریں سنی ہیں اور بتھیں گے ہیں، اس میں جو سنا ہوں باتیں تم غیب اور دروانِ جہنم پر اچھا یا بُرا اس میں تم جھوٹے ہو۔ ﴿وَاتَّقُوا إِلَهِيَّ مَحْذُومَاتٍ﴾ ”اور تم بھی انتظار کرو“ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔“

آگ کے اٹکا رہے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر سورت میں کلام کے سیاق و سباق کے مطابق کسی ایک عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی اور ان کے ساتھیوں کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے دین حق کو ترک نہ کیا تو انہیں ہستی سے نکال دیا جائے گا۔ اس [از جاف] "خوف زدہ کرنے" کی سزا [زجفۃ] "زلزلہ" تھا۔

سورۃ ہود میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے نبی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا:

﴿أَصْلُوكَ تَأْمَكُونَ أَنْ تَكُونَ مَا يَعْجَبُ أَبَاؤُنَا أَوْ أَنْ تَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ۝﴾

"کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں جو تصرف کرنا چاہیں نہ کریں۔ تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔" (ہود: 87/11)

انہوں نے نبی سے گستاخ کرتے ہوئے جو بڑی باتیں کہیں تھیں اس کی سزا کے طور پر ایک ہولناک آواز کا عذاب نازل ہوا جس سے وہ تباہ ہو گئے اور تمام آوازیں خاموش ہو گئیں۔

سورۃ شعراء میں مذکور ہے کہ ان پر "سابان والے دن" کا جو عذاب آیا وہ ان کے سطلے کا جواب تھا جو انہوں نے کیا تھا:

﴿إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَطَّلُكَ لَئِنْ لَكُنَّ بِدِينٍ ۝ فَتَقْطُوعُ عَلَيْنَا كَيْفًا قَبْلَ السَّيِّئَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّیْ أَعْلَمُ بِمَا كَتَبُونَ ۝﴾

"تم تو جاوید و زود ہوا اور کچھ نہیں ہمارے جیسے آدمی ہو۔ اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ اگرچہ ہر ہوتو ہم پر آسان سے ایک ٹکڑا لکرا کر گراؤ۔ شیعہ نے کہا تم جو کام کرتے ہو میرا پروردگار اس سے خوب واقف ہے۔"

(الشعراء: 185-186/26)

اس کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظِّلِّ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝﴾

"تو ان لوگوں نے اس (شیعہ) کو جھٹلایا پس سابان والے دن کے عذاب نے ان کو آکھڑا۔ بیشک وہ بڑے (خست) دن کا عذاب تھا۔" (الشعراء: 189/26)

مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پر سخت گرمی مسلط ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سات دن ہوا روک لی۔ گرمی کی شدت پانی سے کم ہوتی نہ سائے سے اور نہ تہہ خانوں میں داخل ہو جانے سے۔ نہ چھپو وہ گھر وں سے میدان میں نکل آئے۔ اچانک ان پر ایک بادل آیا، تو وہ سب اس کے نیچے چھپ گئے تاکہ گرمی سے تسکین حاصل ہو۔ جب وہ سب کے سب جمع ہو گئے تو اس میں سے چنگاریاں اور شعلے برسنے لگے۔ زمین زلزلے سے لرزنے لگی اور آسمان سے انتہائی شدید آواز گونجی، جس سے وہ تباہ و برباد ہو گئے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ہو جائے تو پھر انسان کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ اس کو ناپسند کرے یا اسے ترک کر دے۔ اس لیے آپ نے فرمایا:

﴿قَدْ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّيْنَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۝﴾

"اگر ہم اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس (کفر) سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بیشک ہم نے اللہ پر افترا (جھوٹ) باندھا اور ہمیں لائق نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں۔ ہاں اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے (تو ہم مجبور ہیں) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا اللہ ہی ہر پھر و سہا ہے۔" (الأعراف: 89/7)

یعنی وہ اللہ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔ وہ ہمارے حفاظت کرنے والا ہے۔ ہر معاملے میں وہی ہمارا ملجا و مولى ہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ قوم کے خلاف آپ کی مدد کرے اور انہیں وہ سزا دے جس کے وہ مستحق ہیں فرمایا:

﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۝﴾

"اے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں حق انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔" (الأعراف: 89/7)

آپ نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی دعاؤں میں کیا کرتا، جب وہ تکبریں و مخالفین کے خلاف دعا فرمائیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی بد اعمالیوں پر قائم رہنے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ ان کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے:

﴿لَئِنْ اتَّبَعْتُمْ شُعْبًا لَأَكْفَرَنَّ إِذَا تَأْمُرُونَ ۝﴾

"(لوگو!) اگر تم نے شیعہ کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔" (الأعراف: 90/7)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَخَذَتْهُمُ الرَّحْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثَثِينَ ۝﴾

"تو ان کو زلزلے نے آکھڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔" (الأعراف: 78/7)

یعنی زمین لرزنے لگی، شدید زلزلہ آ گیا جس کی وجہ سے ان کے جموں سے رو جس پر واز کر گئیں۔ ان کے بے جان لاشے ٹیٹھے کے ٹیٹھے رہ گئے۔ ان میں جان رہی نہ حرکت۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کئی طرح کی سزائیں دیں اور کئی طرح کے عذاب ان پر نازل کیے کیونکہ وہ بری عبادوں میں جلتا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا زلزلہ مسلط کیا جس سے وہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گئے اور ایسی چیخ کا عذاب بھیجا کہ تمام آوازیں خاموش ہو گئیں اور ایسے بادل کا سایہ کیا جس سے ہر طرف

کفرین

”تو شیعہ اُن میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائی! میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیا ہے میں اور تمہاری خیر خواہی کی تھی سو میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج و غم کیوں کروں؟“ (الأعراف: 93/7)

یعنی ان لوگوں کے جاہ ہو جانے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی بہتی سے یہ کہتے ہوئے چل دیے کہ میں نے پوری خیر خواہی کرتے ہوئے اللہ کے احکام مکمل طور پر تمہیں پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور جس جس طرح مجھ سے ہو سکا، میں نے ہر طریقے سے تمہیں ہدایت سے سرفراز کرنے کی کوشش کی لیکن تم اس سے کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکتے کیونکہ ہدایت دینا اللہ کے قبضے میں ہے۔ اس کے بعد تم پر آنے والے عذاب کا مجھے کوئی افسوس نہیں کیونکہ یہ تم ہی تھے جو ہدایت قبول کرتے تھے نہ رسوائی اور عذاب کے دن کا خوف محسوس کرتے تھے۔ اسی لیے فرمایا کہ میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج اور غم کیوں کروں؟ یعنی میں ان لوگوں کا غم کیوں کروں جو حق قبول نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اس کے نتیجے میں ان پر اللہ کا وہ عذاب آ گیا جسے روکا جاسکتا ہے نہ اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کہیں اس سے پناہ مل سکتی ہے۔



﴿فَاصْبِرْ فِي دَارِهِمْ جَلِيلًا ۖ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا يَعْنُوا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ﴾

”اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (یہ لوگ) جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہو گئے گویا وہ اُن میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے۔ (غرض) جنہوں نے شعیب کو چھٹا یا وہ خسارے میں پڑ گئے۔“ (الأعراف: 92,91/7)

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو بھالیا۔ جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجِّنَا شُعَيْبًا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا ۖ وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَاصْبِرْ فِي دَارِهِمْ جَلِيلًا ۖ كَانُوا يَعْنُوا فِيهَا ۚ أَلَا بَعْدَ لَمَدَيْنَ لِمَا بَعَدَ لَكُمْ ۚ﴾

”اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو تو اپنی رمت سے بھالیا اور جو ظالم تھے ان کو چھٹا کرنے آدو چا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا اُن میں کبھی اُسے ہی نہ تھے۔ سن رکھو کہ مدین پر (دہلی ہی) پھنکارا ہے جیسی نمود پر پھنکارا ہوئی تھی۔“ (ہود: 95,94/11)

اور مزید فرمایا:

﴿وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لِبَنِي إِسْحَاقَ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخُسِرُونَ ۚ فَاصْبِرْ فِي دَارِهِمْ جَلِيلًا ۖ كَانُوا يَعْنُوا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ﴾

”اور ان کی قوم میں سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (لوگو) اگر تم نے شعیب کی بیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔ تب اُن کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (یہ لوگ) جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہو گئے گویا وہ اُن میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے (غرض) جنہوں نے شعیب کو چھٹا یا وہ خسارے میں پڑ گئے۔“ (الأعراف: 92-90/7)

جب کہ وہ لوگ کہتے تھے:

﴿لِبَنِي إِسْحَاقَ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخُسِرُونَ﴾

”اگر تم نے شعیب کی بیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔“ (الأعراف: 90/7)

﴿قَوْمٌ كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقَتَلُوا عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمُ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولِي فَأَلَيْسَ الْبَغْيَ عَلَيْكُمْ بَأْسًا ۚ فَذُكِّرْتُمْ ۚ﴾

نتائج و فوائد عن بنی و حبتین

اصلاح کے بنیادی اصول: حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے سے داعیان الہی اللہ کو اصلاح معاشرہ کے بنیادی اصول ملے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے تجارت میں و سود کو دہی کی اخلاقی پیاری میں مبتلا تو م کی اصلاح کا ارادہ فرمایا تو قوم نے ان کی مصلحتانہ کوششوں کی سخت مخالفت کی۔ اور اپنے کردار عمل پر پختگی سے وابستہ رہنے کا اظہار کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کے اس باطل رد عمل کو اصلاح کے ان بنیادی اصولوں سے رد فرمایا:

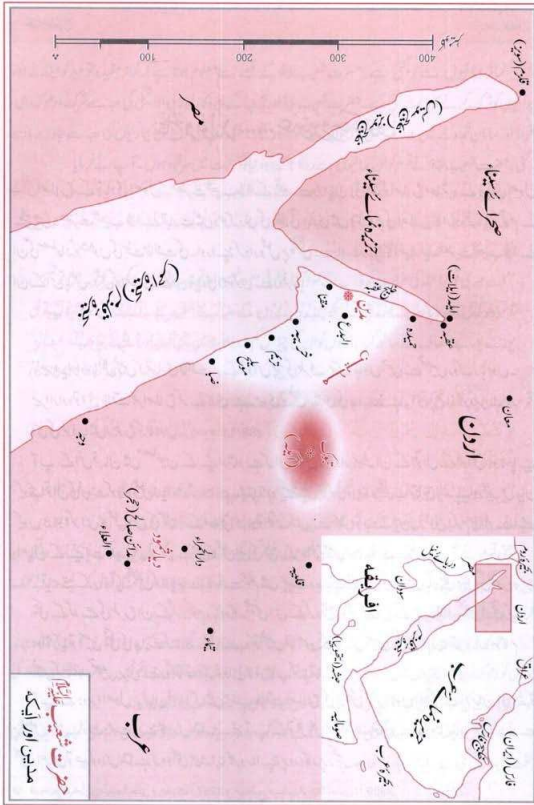
﴿وَمَا أُوْنِدُ أَنْ أَخْلِفَكُمْ إِلَى مَا أَنْهَكُم عَنْهُ ۖ إِنْ أُوْنِدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَاسِيَةُ أُوْنِبُ ۝﴾

”میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہاری مخالفت کر کے خود اس چیز کی طرف جھک جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں۔ میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔“ (ہود: 88/11)

آپ کے اس فرمان میں مصلحین کے لیے ارشاد ہے کہ ان کا عمل و کردار ہمیشہ ان کے اقوال کے موافق ہونا چاہیے کیونکہ اقوال کی نسبت کردار و عمل زیادہ موثر ہوتا ہے۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی واعظ و خطیب کتنا ہی بلند پایہ اور شیریں بیان کیوں نہ ہو اگر اس کا عمل اس کی گفتار کے مطابق نہ ہو تو لوگ اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ایسے داعیان کے لیے سخت وعید بیان فرمائی ہے جن کا عمل ان کی تبلیغ کے موافق نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا:

”قامت کے روز ایک شخص ڈھلا دیا جائے گا، اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا اس کی آنتیں باہر نکلی ہوں گی اور وہ بیگی کے گدھے کی طرح ان کے گرد گھوم رہا ہوگا۔ جنہی اس کے گرد گھوم ہو کر پوچھیں گے: اے فلاں شخص! تجھے کیا ہوا؟ کیا تو ہمیں نیکی کی ہدایت کرتا اور برائی سے روکتا نہیں تھا؟ وہ کہے گا: میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود وہ کام نہیں کرتا تھا۔ تمہیں برائی سے روکتا تھا جبکہ خود اس کا ارتکاب کرتا تھا۔“

آپ نے دوسرا اصول یہ بیان فرمایا کہ میں حسب طاقت اصلاح کی کوشش کر رہا ہوں، اس سے داعیان الہی اللہ کو پر غلطی اور بے لوث دعوت دینے کا درس ملتا ہے۔ نیز آپ کے توکل علی اللہ اور اللہ تعالیٰ سے مدد و تائید حاصل کرنے سے بھی داعیان تو حید کو درس ملتا ہے کہ وہ بھی ہمیشہ اپنا بھروسہ اپنے پروردگار پر رکھیں۔





حَضْرَتِ اِسْمَاعِیلؑ

سیرت حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنی بیٹے تھے۔ ان میں سے زیادہ مشہور وہ جو بھائی ہیں جو عظیم نبی اور رسول ہیں۔ ان میں سے عمر میں بڑے اور عظمت و شان میں برتر وہ ہیں جو ذبح اللہ ہیں یعنی اسماعیل علیہ السلام جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلوئے بیٹے ہیں اور حضرت ہاجرہ قطیہہ علیہا السلام سے پیدا ہوئے۔ ان پر اللہ عظیم و جلیل کا سلام ہو۔

جو یہ کہتا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبح تھے، اس کا قول بنی اسرائیل سے مانوڑ ہے، جنہوں نے تورات و انجیل میں تحریف و تاویل کی ہے۔ بلکہ ان کے پاس جو کتابیں موجود ہیں، ان سے بھی اس موقف کی تردید ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنا پہلوئی کا بیٹا اللہ کی راہ میں قربان کریں اور ایک روایت کے مطابق اپنے اکلوتے بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کا حکم ہے۔

جو بھی یہودیہل کی روشنی میں ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھپاسی برس تھی جب ان کے ہاں اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسحاق علیہ السلام کی ولادت اس وقت ہوئی جب حضرت خلیل علیہ السلام کی عمر سو سال تھی۔ یعنی اسماعیل علیہ السلام ہی یقیناً پہلے بیٹے ہیں اور وہی ظاہری طور پر بھی اور معنوی طور پر بھی اکلوتے ہیں۔

اَلْاِبْرٰهِيْمُ اَنْبِيَا

گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور ان واقعات کے نتیجے میں کیا صورت حال پیش آئی؟ آپ پر اللہ کی رحمتیں اور سلام نازل ہو۔

ان کے زمانے میں پیش آنے والے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے حالات و حالات بھی بیان کیے جا چکے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مدین کے حالات بیان کیے کیونکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان دونوں اقوام کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے واقعات کے بعد قوم مدین کے حالات بیان کیے ہیں۔ صحیح قول کے مطابق اصحاب الایکہ سے قوم مدین ہی مراد ہے۔ چنانچہ قرآن کے انداز بیان کی اتباع میں ہم نے بھی ان اقوام کا ذکر اسی ترتیب سے کر دیا۔

اس کے بعد ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کے بارے میں بیان کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت اور آسمانی کتابوں کا سلسلہ آپ کی اولاد میں رکھا ہے اور آپ کے بعد جو نبی بھی آیا ہے وہ آپ کی اولاد ہی میں سے آیا ہے۔

ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک مقرب اور نیک لوگوں میں سے تھے اور اسماعیل اور ابراہیم اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔“ (ص: 48/38)

اور فرمایا:

﴿وَأَسْمِعِلْ وَإِذْ نَسِيَ وَذَا الْكِفْلِ كُلِّ مِنَ الصَّابِرِينَ ۖ وَأَخْلَنَهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُمْ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝﴾

”اور اسماعیل اور ابراہیم اور ذوالکفل (کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بلاشبہ وہ نیکو کار تھے۔“ (الانبیاء: 86/25)

اور مزید فرمایا:

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالصَّابِرِينَ مِنْ بَعْدِهِ ۖ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ ۖ﴾

”(اے نبی!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اُن کے بعد آنے والے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی، اور ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور ان کی اولاد (و غیرہ کی طرف وحی بھیجی۔“ (النساء: 163/4)

نیز ارشاد ہے:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ ۖ﴾

”مسلمانو! کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اُتری اُس پر اور جو (حقیقت) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُن کی اولاد پر نازل ہوئے اُن پر (بھی ایمان لائے۔“ (البقرة: 136/2)

اور فرمایا:

﴿أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۚ قُلْ

ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ ۖ﴾

”(اے یہود و نصاریٰ!) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُن کی اولاد

یہودی یا عیسائی تھے؟ (اے نبی!) ان سے کہہ دو کہ بھلا تم زیادہ علم رکھتے ہو یا اللہ؟“ (البقرة: 140/2)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہر خوبی بیان فرمائی۔ آپ کو اپنا نبی اور رسول بنا کر مخاطب کیا اور جابلوں نے آپ کی طرف جو غلط باتیں منسوب کی تھیں، ان کی تردید فرماتے ہوئے آپ کو مزہور اور پاک بیان فرمایا اور مومنوں کو حکم دیا کہ آپ پر نازل ہونے والی وحی اور ہدایت پر ایمان رکھیں۔

علمائے نسب کا بیان ہے کہ سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے گھوڑوں پر سواری کی۔ اس سے پہلے گھوڑے آزاد جنگلی

ظاہری صورت میں اکیلے اس طرح کہ وہ تیرہ سال تک اپنے والد محترم کی اکیلی اولاد رہے اور معنوی طور پر اکیلے اس طرح کہ وہ دودھ پیتے پیتے چلے گئے، جب انہیں اور ان کی والدہ کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے اور انہیں فاران کے پہاڑوں میں جا بسایا۔ فاران کے پہاڑ وہ ہیں جو مکہ کے ارد گرد ہیں۔ وہاں تھوڑا سا پانی اور تھوڑی سی غذا کے کرٹھہر اور صرف اللہ پر اعتماد اور توکل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی اور کرم فرمایا۔ یقیناً اللہ بہترین کارساز اور بہترین محافظ و نگہبان ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر بھی اور حقیقی طور پر بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ”اکیلے“ اور ”اکھوتے“ تھے لیکن اس کھتے کو کوئی ہاشو رنگتہ دان ہی سمجھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف کرتے ہوئے آپ کے یہ اوصاف بیان فرماتا ہے کہ آپ علم اور صبر والے تھے۔ وعدے کے سچے اور نماز کے پابند تھے۔ آپ اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیتے تھے تاکہ انہیں عذاب سے بچاسکیں اور دوسروں کو بھی یہی دعوت دیتے تھے کہ اللہ رب العالمین ہی کی عبادت کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَشِّرْهُ بِعَلَمِ حَلِيمٍ ۖ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَؤُا إِلَىٰ آرَىٰ فِي الْمَمَارِ آتَىٰ أَذْبَحَكَ ۖ فَانْظُرْ مَاذَا تَأْمُرُ ۖ قَالَ إِنِّي أَنَا اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝﴾

”تو ہم نے اُن کو ایک نرم لڑکے کی خوشخبری دی۔ جب وہ اُن کے ساتھ دوڑنے کی (مر) کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا: بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم دیکھو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا: ابا جان! جو

آپ کو کہہ رہے وہی سچے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔“ (الصافات: 102, 101/37)

آپ کے والد نے آپ کو جس قربانی کی طرف بلایا، آپ نے اسے دل و جان سے قبول فرمایا۔ آپ نے صبر کا وعدہ کیا تو وعدہ پورا بھی کیا اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے دکھایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَذِّنْ فِي النَّبِیِّ إِسْمَاعِيلَ ۖ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ۖ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِیًّا ۖ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِیًّا ۝﴾

”اور کتاب میں اسماعیل کا بھی ذکر کرو وہ وعدے کے سچے اور (ہمارے) پیغمبر بھی تھے اور اپنے نبی تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ (اور برگزیدہ) تھے۔“ (مريم: 55, 54/19)

اور فرمایا:

﴿وَأَذِّنْ عَبْدَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۖ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذُكِّرَى الدَّارِ ۖ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ۖ وَأَذِّنْ لِسُيْعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِنَ الْأَخْيَارِ ۝﴾

”اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو باتھوں والے اور آنکھوں والے تھے، ہم نے اُن کو

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی: ”آپ جس جگہ دفن ہوں گے، میں وہاں سے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دوں گا اور آپ کو قیامت تک جنت کی ہوا آتی رہے گی۔“
حجاز کے تمام عرب قبائل حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دو بیٹوں نابت اور قیداریک اولاد سے ہیں۔



جانوروں میں شامل تھے آپ نے انہیں پالتو بنایا اور ان پر سواری فرمائی۔
سب سے پہلے آپ ہی نے فصیح و بلیغ عربی میں کلام فرمایا۔ آپ نے یہ زبان عرب عابد کے ان افراد سے سیکھی تھی جنہوں نے مکہ میں آپ کے پاس رہائش اختیار کی تھی۔ ان لوگوں کا تعلق جرہم، غمالیق، اہل یمن اور ان دوسرے عرب قبائل سے تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی اور اولاد

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جوان ہونے پر غمالیق کی ایک عورت سے شادی کی جسے بعد میں اپنے والد کے حکم پر طلاق دے دی۔ اس کا نام عمارۃ بنت سعد بن اسامہ بن اکبل غمالیتی تھا۔ اس کے بعد ایک اور خاتون سے نکاح کیا جن کے بارے میں ان کے والد نے حکم دیا کہ ان سے جدائی اختیار نہ کریں۔ چنانچہ وہ آپ کے نکاح میں رہیں ان کا نام سیدہ بنت مضاض بن عمرو جزیہی تھا۔

بعض مورخین نے انہیں آپ کی تیسری زوجہ محترمہ قرار دیا ہے۔ ان میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں: نابت، قیدار، ازبل، میثی، مسمع، ماش، دوصا، آزر، یطور، نبش، طیمنا، قیدما اہل کتاب نے اپنی کتاب میں ایسے ہی لکھا ہے۔^①

حضرت اسماعیل علیہ السلام اس علاقے اور قرب وجوار کے قبائل کی طرف مبعوث ہوئے تھے جن میں جرہم اور غمالیق کے قبائل اور یمن کے باشندے شامل ہیں۔ جب آپ کی وفات کا وقت آیا، تو آپ نے اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور اپنی بیٹی نتمہ کی شادی اپنے بھتیجے عیسیٰ بن اسحاق علیہ السلام سے کردی۔^② اس سے عیسیٰ کا بیٹا ”روح“^③ پیدا ہوا۔ عیسیٰ کے بیٹے بنی اصغر کہلاتے ہیں، کیونکہ عیسیٰ زرد رُو تھا۔

اللہ کے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے قریب ”حجر“ میں دفن کیے گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ایک سو پینتیس برس تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مکہ مکرمہ کی گری کی شکایت کی تو بالکل کے موجودہ نقشہ میں یہ نام کچھ مختلف ہیں۔ کتاب پیدائش میں لکھا ہے: ”اور اسماعیل کے بیٹوں کے نام یہ ہیں اور یہ نام ترتیب وار ان کی پیدائش کے مطابق ہیں: اسماعیل کا پہلا دو تباہیوت تھا۔ پھر قیدار اور اوئیل اور مسماع اور دوصا اور مہسا اور حداد اور تہا اور یطور اور نبش اور قدمہ (پیدائش باب 24، فقرہ 13، 14، 15) عربی نسخوں میں حدوک“ حداد“ اور نبش کو تافیش لکھا گیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

② [عیسیٰ] کا نام بالکل میں [عیسیٰ] مذکور ہے اور [نتمہ] کا نام [نتمہ] بتایا گیا ہے۔ (پیدائش 3:36)

③ بالکل میں اسے [روحانیل] کہا گیا ہے۔ دیکھیے کتاب پیدائش 4:36

کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔“

حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد اور ان کی باہمی عداوت اور سب

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنے والد کی زندگی میں رفقا^① بنت بتو اہل سے شادی کی، اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی وہ بائیس تھی۔ آپ نے اللہ سے دعا کی وہ امید سے ہو گئی۔ پھر اس کے باں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام یعقوب تھا جسے اہل عرب غیس کہتے ہیں۔ وہ رو میوں کا جدا جدا ہے۔ اور دوسرا جو اپنے بھائی کی ایڑی سے پکڑے ہوئے پیدا ہوا، اس کا نام ”یعقوب“ رکھا گیا۔ ان ہی کا نام ”اسرائیل“ بھی ہے۔ اسی لیے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسبت عیسو سے زیادہ محبت تھی۔ کیونکہ وہ ان کا پہلا بیٹا تھا اور رفقا کو یعقوب سے زیادہ محبت تھی کیونکہ وہ چھوٹے تھے۔

اولاد اسحاق علیہ السلام کی باہمی عداوت اور سب: جب حضرت اسحاق علیہ السلام بڑھے ہو گئے اور ان کی نظر کمزور ہو گئی تو انہوں نے اپنے بیٹے عیسو سے کھانا تیار کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اسے حکم دیا کہ جا کر کوئی جانور شکار کرے اور اس کا گوشت پکا کر کھائے تاکہ آپ اس حق میں خیر و برکت کی دعا کریں۔ عیسو شکار پیش آ دی تھا وہ شکار کی تلاش میں نکل گیا۔ رفقا نے اپنے بیٹے یعقوب سے کہا کہ اپنی بکریوں میں سے دو عمدہ بھینے ذبح کر کے اپنے والد کی پسند کا کھانا تیار کرے اور عیسو کے آنے سے پہلے والد کو پیش کر دے تاکہ وہ اس حق میں دعا کریں۔ پھر اس نے یعقوب کو عیسو کے کپڑے پہنا دیے اور عیسو کی کھال اس کے بازوؤں اور گردن پر لپیٹ دی کیونکہ عیسو کے جسم پر بہت ہال تھے اور یعقوب علیہ السلام کا جسم بالوں سے صاف تھا۔ جب اس نے کھانا لاکر پیش کیا تو اسحاق علیہ السلام نے فرمایا: ”تو کون ہے؟“ اس نے کہا: ”آپ کا بیٹا (عیسو) ہوں۔“ آپ نے اس سے معاف کیا اور فرمایا: ”آواز تو یعقوب کی ہے لیکن چھوٹے اور کپڑوں سے عیسو معلوم ہوتا ہے۔“ جب حضرت اسحاق علیہ السلام نے کھانا کھا لیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو عادی کر کے وہ اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ معزز ہو، وہ ان کا اور بعد والی قوموں کا سردار ہوا اور اس کا رزق اور اولاد بہت زیادہ ہو۔

جب وہ آپ کے پاس سے نکلے تو ان کا بھائی عیسو بھی والد کے حکم کے مطابق کھانا لے کر حاضر ہوا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے فرمایا: ”بیٹا! یہ کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”یہ وہ کھانا ہے جس کی آپ نے خواہش کی تھی۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تو تھوڑی دیر پہلے میرے پاس کھانا نہیں لایا تھا جسے کھا کر میں نے تجھے عادی کر دیا؟“ اس نے کہا: ”نہیں! اللہ کی قسم!“ اسے

① صحیح البخاری، احادیث الانبیاء باب ”ہم کثمت شہداء“ حدیث: 3382

② اردو بائبل میں رافیل بت و تکل درج ہے۔



حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند ابراہیم

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سال تھی۔ آپ کی والدہ حضرت سارہ علیہ السلام کو جب آپ کی ولادت کی خوش خبری دی گئی تو وہ نوے سال کی تھیں۔ آپ اپنے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چودہ سال بعد پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۖ وَبُرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۖ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَاهِرٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝﴾

”اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکو کاروں میں سے (ہوں گے) (اور ہم نے) اُن پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں۔ اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکو کار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گناہگار) بھی ہیں۔“ (الصافات: 112، 113)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آپ کا ذکر اور تشریف موجود ہے۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کریم شخصیت کے پڑپوتے، کریم کے پوتے، کریم کے بیٹے اور خود بھی

معلوم ہو گیا کہ اس کا بھائی (یعقوب) اس سے پہلے کھانا پیش کر کے دعا لے چکا ہے چنانچہ اسے اس پر بہت غصہ آیا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ اس نے بھائی کو جسکی دی کہ باپ کی وفات کے بعد اسے قتل کر دے گا۔ اس کے مطالبے پر اس کے والد (اسحاق علیہ السلام) نے اس کے لیے دوسری دعا کی کہ اس کی اولاد کو نجات (اور زرخیز) زمین ملے اور ان کے رزق اور بچوں میں اضافہ ہو۔

جب ان کی ماں نے سنا کہ عیسوا نے اپنے بھائی یعقوب کو دھمکیاں دے رہا ہے تو اس نے یعقوب سے کہا کہ اپنے ماموں ”لابان“ کے پاس حراں کے علاقے میں چلا جائے اور بھائی کا غصہ ٹھنڈا ہونے تک وہیں رہے اور اس کی بیٹیوں میں سے کسی سے شادی کر لے۔ اس نے اپنے خاندان اسحاق علیہ السلام سے بھی کہا کہ یعقوب کو ایسا کرنے کی نصیحت کرے اور اسے دعا دے۔ چنانچہ اسحاق علیہ السلام نے ایسے ہی کیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام دن کے پچھلے پہر روانہ ہوئے۔ راستے میں شام ہو گئی تو وہ ایک جگہ پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک سیڑھی لگی ہوئی ہے جس پر فرشتے چڑھ اور اتر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں (یعقوب علیہ السلام) کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے: ”میں تجھے برکت دوں گا اور میری اولاد بہت بڑھاؤں گا اور یہ زمین تجھے اور میری نسل کو دودن گا۔“ جب آپ بیدار ہوئے تو اس خواب کی وجہ سے بہت خوش تھے۔ آپ نے نذر مانی کہ اگر وہ سلامتی سے گھر پہنچ گئے تو اس مقام پر اللہ کی عبادت کا ذکر تیر کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو جو کچھ بھی دے گا اس کا دھواں حصہ اللہ کے لیے دیں گے۔ پھر آپ نے اس پتھر پر بطور نشانی تیل لگا دیا۔ اس جگہ کا نام ”بیت ایل“ یعنی بیت اللہ رکھا گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج کل بیت المقدس واقع ہے جسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعد میں بنایا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی حراں آمد اور شادی

جب حضرت یعقوب علیہ السلام حراں کے علاقے میں اپنے ماموں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی دو بیٹیاں ہیں۔ بڑی کا نام لیا تھا اور چھوٹی کا نام راحیل۔ آخر اللہ کی زیادہ خوش شکل تھی۔ یعقوب نے اس کا رشتہ طلب کیا تو اس (بڑی) کے والد (لابان) نے یہ مطالبہ اس شرط پر منظور کر لیا کہ آپ سات سال تک اس کی بکریاں چرائیں۔ جب یہ مدت پوری ہو گئی تو لابان نے لوگوں کو جمع کیا اور کھانا کھلایا۔ رات کو اپنی بڑی بیٹی لیا کو یعقوب سے پاس بھیج دیا۔ اس کی آنکھیں پٹختی تھیں۔ صبح ہوئی تو یعقوب علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ انہوں نے لیا کے ساتھ رات گزاری ہے تو انہوں نے اپنے ماموں سے کہا: میں نے تو آپ سے راحیل کا رشتہ مانگا تھا۔ اس نے کہا: ہمارے ہاں یہ رواج نہیں کہ بڑی سے پہلے چھوٹی کی شادی کر دیں۔ اگر تم راحیل سے نکاح کرنا چاہتے ہو تو سات سال میں میری خدمت کرو، میں اس کا نکاح تم ہی سے کر دوں گا۔“

آپ نے سات سال مزید خدمت کی۔ تب ان کا نکاح راحیل سے بھی ہو گیا۔ ان کی شریعت میں یہ جائز تھا کہ ایک شخص دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھے۔ پھر تو رات میں اس سے منع کر دیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گزشتہ انبیاء کی شریعتوں میں بھی احکام منسوخ ہوتے رہے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس عمل سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ معصوم تھے۔ لابان نے اپنی دونوں بیٹیوں کو ایک ایک لونڈی دی۔ ”لیا“ کو جو لونڈی دی گئی اس کا نام لُئی تھا اور راحیل کی لونڈی کا نام بانیہ تھا۔

آل اولاد: اللہ تعالیٰ نے لیا کی کمزوری دور کی کہ انہیں کئی بیٹے عطا فرما دیے۔ یعقوب سے ان کے ہاں سب سے پہلے ”دوئیل“ پیدا ہوا۔ پھر ”شمعون“ پھر ”لاوی“ پھر ”یہودا“۔ تب راحیل کو نصیرت آئی کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہو رہی تھی اس نے اپنی لونڈی بانیہ یعقوب کو بہ کر دی۔ آپ نے اس سے غلطی تو وہ امید سے ہو گئی اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام ”دان“ تھا۔ اس کے بعد ایک اور لڑکا ہوا۔ اس نے اس کا نام ”نفتالی“ رکھا۔ جب ”لیا“ بھی اپنی لونڈی زلفی یعقوب علیہ السلام کو بہ کر دی۔ اس سے آپ کے دو لڑکے ”جاد“ اور ”اشیر“ پیدا ہوئے۔ پھر لیا کے ہاں پانچواں بیٹا پیدا ہوا۔ اس نے اس کا نام ”ایساکر“ رکھا۔ اس کے بعد اس کا چھٹا بیٹا ہوا، اس کا نام ”داوود“ رکھا گیا۔ اس کے بعد اس کے ہاں ایک بیٹی ”دینا“ پیدا ہوئی۔ اس طرح اس کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کے سات بیٹے پیدا ہوئے۔

اس کے بعد راحیل نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اسے حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک بیٹا عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور اس کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک عظیم، معزز اور خوبصورت بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اُس نے ”یوسف“ رکھا۔

یہ تمام اولاد اس وقت ہوئی جب وہ لوگ ”حراں“ کے علاقے میں رہائش پذیر تھے۔ آپ اپنی دو ماموں زادوں سے نکاح کے بعد مزید چھ سال اپنے ماموں کے پاس رہ کر ان کی بکریاں چراتے رہے۔ اس طرح آپ کی وہاں رہنے کی کل مدت تیس سال ہے۔

مال و متاع: جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں لابان سے درخواست کی کہ انہیں اپنے گھر جانے دے۔ آپ کے ماموں نے کہا: ”مجھے تیری وجہ سے برکت حاصل ہوئی ہے، اس لیے میرے مال سے جو کچھ چاہے طلب کر لے۔“ آپ نے فرمایا: ”تو مجھے بکریوں سے اس سال پیدا ہونے والے وہ بچے دے دینا جو چھتے ہوں جو بھیڑ کا بچہ سفید ہو لیکن اس کے رنگ میں سیاہی بھی ہو اور جو سیاہ ہو لیکن اس میں سفیدی بھی ہو اور بکر میں اس سے جو بے سینک اور سفید ہو۔“ اس نے کہا: ”ٹھیک ہے۔“ اس کے بیٹوں نے اپنے باپ کے ریوڑ میں سے اس قسم کے بکرے الگ کر دیے، تاکہ کوئی مینسا اس طرح کا پیدا نہ ہو اور انہیں لے کر اپنے باپ کے ریوڑ سے تین دن کے فاصلے پر چلے گئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بادام اور سفید لے کر تازہ شامیں لے کر انہیں چھپایا اور انہیں کہیں سے سیاہ اور کہیں سے سفید کر

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے خطرہ محسوس کیا۔ آپ نے اللہ سے بہت گڑگڑا کر عاجزی سے دعا مانگی اور اللہ کو اس کے وعدے کا صلہ دیا اور دعا کی کہ اللہ آپ کو آپ کے بھائی عیسو کے شر سے محفوظ رکھے۔ آپ نے عیسو کے لیے عظیم الشان تختہ تیار کیا۔ یعنی دوسو کھرباں میں، بیس کبرے، دوسو بیسیریں، بیس مینڈھے، تیس مینڈھے والی اونٹنیاں، چالیس گائیں، دس بیل، بیس گدھیاں اور دس گدھے۔

آپ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ ہر غول کو الگ کریں اور ہر یوز کو دوسرے سے فاصلہ پر رکھیں۔ جب عیسو پہلے گروہ سے ملے اور پوچھے: ”تو کون ہے؟“ اور تیرے ساتھ جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟“ تو اسے چاہیے کہ کہے: ”تیرے خادم یعقوب کے ہیں، جو اس نے میرے آقا عیسو کے لیے تختہ کے طور پر بھیجے ہیں۔“ اس کے بعد ملنے والا گروہ بھی عیسو کے لیے اور اس کے بعد والا بھی اور اس کے بعد والا بھی اور ہر گروہ یہ بھی کہے: ”یعقوب بھی ہمارے پیچھے آ رہے ہیں۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی دوؤں بیویوں، دوؤں لونڈیوں اور گیارہ بیٹوں کے ساتھ دو درواتوں کے فاصلے تک ان سے پیچھے رہے۔^① اس دوران میں وہ رات کو سفر کرتے اور دن کو چوپھ جاتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیوی بچوں کے آگے آگے چلے اور جب انہیں اپنا بھائی عیسو نظر آیا تو اسے سات با صبرہ کیا۔ اس زمانے میں ان کے سلام کا یہ طریق تھا اور ان کی شریعت میں جائز تھا جس طرح فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا اور جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی اور والدین نے سجدہ کیا۔ تفصیل حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گی۔

جب عیسو نے آپ کو دیکھا تو آگے بڑھ کر آپ سے بے تکلیف ہو گیا اور بوسہ دیا اور بوسہ دیا۔ پھر اس نے نظر اٹھائی اور عورتوں اور بچوں کو دیکھا۔ اس نے کہا: ”آپ کو یہ سب کچھ کہاں سے ملا؟“ آپ نے فرمایا: ”یہ سب کچھ آپ کے خادم کو اللہ نے دیا ہے۔“ دوؤں لونڈیوں اور ان کے بچوں نے بھی آگے بڑھ کر عیسو کو سجدہ کیا۔ لہذا اور اس کے بیٹوں نے بھی آگے بڑھ کر سجدہ کیا۔ پھر راتیں اور اس کا بیٹا یوسف آگے بڑھے اور انہوں نے سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے عیسو کو تحفے پیش کیے جو آپ کے اصرار کرنے پر اس نے قبول کر لیے۔ تب عیسو واپس ہوا اور آگے آگے چلا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیوی بچوں، جانوروں اور غلاموں کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے سامعیر کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب آپ ساحور^② کے مقام سے گزرے تو اپنے لیے ایک گھر بنایا اور جانوروں کے لیے چھوٹے بنائے۔ پھر شجر^③ کے شہر اور شہیم (یرشلم) کے پاس سے گزرے۔ وہاں آپ نے شہر کے قریب ڈیرے لگائے۔ آپ نے شجر بن جنور سے سو

① بائبل کے موجودہ فصول میں صرف ایک رات کا ذکر ہے جس میں بقول اہل کتاب فرشتے سے کشتی ہوئی۔ شاید امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے دور کی بائبل میں دو درواتوں کا ذکر ہو۔ ان فصول میں ہر دور میں دو درواہاں ہوتا رہا ہے۔ اس کے مفصل دلائل کے لیے دیکھیے۔ ”ظہار الحق“ یا اس کا رد و ترجمہ“ بائبل سے قرآن تک۔“

② اور بائبل میں سکات سے عربی نسخے میں اسے سکوت کہا گیا ہے۔ (پیدائش: 16/33)

③ اردو بائبل میں سکندر اور عربی بائبل میں شہیم ہے۔ (پیدائش: 18/33) آج کل اسے شمس کہا جاتا ہے۔

دیا۔ وہ انہیں بھیج کر یوں کے پانی پینے کی جگہ ان کے سامنے کھڑی کر دیتے تھے۔ تاکہ کھریاں انہیں دیکھیں اور ان سے خوف محسوس کریں اور ان کے بچے ان کے بیٹوں میں حرکت کریں، تو ان بچوں کے رنگ بھی اسی طرح (چمکبرے) ہو جائیں۔

اگر یہ بات صحیح ہے تو اسے خرق عادت اور معجزات کی قبیل سے شمار کرنا چاہیے۔^①

اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بہت سی کھریاں، اونٹ، گدھے اور غلام وغیرہ ہو گئے۔ تب یعقوب علیہ السلام نے محسوس کیا کہ آپ کے ماموں اور ماموں کے بیٹوں کا رویہ بدل گیا ہے اور وہ آپ سے حسد کرنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا کہ اپنے باپ دادا کے علاقے میں واپس چلے جائیں۔ انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو بتایا تو وہ تیار ہوا ہو گئے۔ آپ اپنے بیوی بچوں اور مال (جانوروں) کو لے کر چل پڑے۔ چلتے وقت راحیل اپنے والد (لابان) کے بت چلے آئے۔

جب وہ لوگ اپنے علاقے میں پہنچے تو پیچھے سے لابان اور اس کی قوم کے افراد بھی آ پیچھے۔ لابان نے یعقوب سے اس بات پر ناراضی کا اظہار کیا کہ وہ بغیر بتائے کیوں نکل آئے۔ اگر وہ بتا کر آتے تو وہ انہیں خوشی خوشی روانہ کرتا اور اپنی بیٹیوں اور ان کی اولاد کو خود اوداع کرتا۔

اور اس نے یہ بھی کہا کہ تم میرے بت کیوں لے آئے ہو؟ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان بتوں کے بارے میں بالکل علم نہ تھا، اس لیے آپ نے اس الزام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لابان اپنی بیٹیوں اور ان کی لونڈیوں کے خیموں میں داخل ہوا اور تلاش کی، لیکن اسے کچھ نہ ملا۔ راحیل ان بتوں کو اونٹ کے کپڑے میں رکھ کر ان پر پیٹھ لٹی تھی وہ وہاں سے نہ اٹھی اور یہ عذر پیش کیا کہ وہ ایام سے ہے، اس لیے بزرگوں کے سامنے کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اس طرح لابان بتوں کو تلاش کر رہا۔

اس وقت انہوں نے ”جلعاد“ نام کے ایک ٹیلے کے پاس باہمی عہد و پیمانہ کیا کہ یعقوب اس کی بیٹیوں کی اہانت نہیں کریں گے اور ان کی موجودگی میں مزید عورتوں سے شادی نہیں کریں گے اور یہ ٹیلہ دوؤں کے درمیان حد فاصل ہوگا جس سے نہ لابان تجاوز کرے گا نہ یعقوب۔ وہاں انہوں نے کھانا تیار کیا اور سب نمل کر کھانا کھایا۔ پھر ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے علاقے میں چلے گئے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام ”سامعیر“ کی سرزمین کے قریب پہنچے تو فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بھائی عیسو کی طرف اپنی بیچ کر اس سے مہربانی اور شفقت کی درخواست کی۔ انہیں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ عیسو سو سواروں کے ساتھ ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔

① بائبل کے موجودہ فصول میں لکھا ہے کہ جب کھریاں ان شاخوں کے سامنے حائل ہوتی تھیں تو اس طرح کے پتے پیدا ہوتے تھے (پیدائش: باب 30) تاہم بائبل کے بیان سے اس قدر تفسیر نہیں کرنا کہ کوئی ثابت کرنے کے لیے تاویلات کا سہارا لے رہا ہے۔

قصص الانبیاء	عربی بائبل	اردو بائبل	انگریزی تلفظ
زابلون	زبولون	زبولون	Zebulun
یوسف	یوسف	یوسف	Joseph
بنیامین	بنیامین	بنیمین	Benjamin

بحوالہ کتاب پیدائش 29, 30, 35

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے والد حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس آگئے اور کنعان (حبرون) کے علاقے میں اپنے والد کے پاس رہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام رہتے تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ایک سو اسی سال کی عمر میں بیمار ہو کر فوت ہو گئے اور آپ کے بیٹوں یسوا اور یعقوب علیہ السلام نے آپ کو آپ کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب اس غار میں دفن کیا جو انہوں نے خرید ا تھا جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔^① ان سب پر اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔

بھیڑوں کے عوض زمین کا ٹکڑا خرید لیا۔^② وہاں آپ نے اپنا خیمہ لگایا اور ایک مذبح بنایا اور اس کا نام ”ہیل“ ایلہ اسرائیل رکھا۔ آپ کو اللہ نے اس کی تعمیر کا حکم دیا تھا تاکہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ یہی آج کل بیت المقدس کے نام سے معروف ہے۔ اسی کو بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے سنہ سترے سے تعمیر فرمایا تھا۔ یہ اسی چٹان (صخرہ) کی جگہ تعمیر کیا گیا، جس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے تیل ڈال کر نشان لگایا تھا جیسے کہ پہلے بیان ہوا۔

اس کے بعد رامیل کے باں ایک چٹان ”بنیامین“ پیدا ہوا۔ انہیں ولادت کے موقع پر درد زدہ کی سخت تکلیف ہوئی اور وہ بنیامین کی ولادت کے بعد فوت ہو گئیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو ”افراث“ یعنی بیت لحم کے مقام پر دفن کیا اور یعقوب نے ان کی قبر پر ایک پتھر نصب کر دیا۔ وہ آج تک ”رامیل کی قبر“ کے طور پر مشہور ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے: اپنا سے روئیل، شمعون، لاوی، یہودا، ایساخار اور زابلون۔ ”رامیل“ سے یوسف اور بنیامین۔ رامیل کی لونڈی [لہے] سے دان اور نفتالی۔ اپنا کی لونڈی ژلفی سے عا دا اور اشیر۔ اپنا کے بطن سے ایک بیٹی [ہی] تھی تو لہ ہوئی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے نام

قصص الانبیاء	عربی بائبل	اردو بائبل	انگریزی تلفظ
روئیل	راوبین	روبن	Reuben
شمعون	شمعون	شمعون	Simeon
لاوی	لاوی	لاوی	Levi
یہودا	یہودا	یہودا	Judah
دان	دان	دان	Dan
نفتالی	نفتالی	نفتالی	Naphtali
جاد	جاد	جد	Gad
اشیر	اشیر	آشر	Asher
ایساخار	یساکو	ایساخار	Issachar

① بائبل میں ہے: اور زمین کے جس قطعہ پر اس نے اپنا خیمہ لگایا تھا اس نے سنہ سترے کے باپ حمور کے لوگوں سے چاندی کے سونے دے کر خرید لیا۔ (پیدائش: 33/19)

① حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب شہر لکھل کو حبرانی میں حبرون (Hebron) کہتے ہیں۔ یہ بیت المقدس سے تقریباً 35 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ قورات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حبرون میں صوحا رحیل سے یہاں زمین کا ایک ٹکڑا چار سو سو فرسیں درہموں میں خریدا اور اس میں سارہ کو دفن کیا چنانچہ یہاں ایک غار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ سارہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی اہلیہ رقیلہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ ایساخار حضرت یوسف علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم کی قبر بھی اسی غار (مغارہ ملکیلہ) میں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہی اگلی کے مطابق ان انبیاء کے کرام کی قبروں پر چتر بنا چھت بنا دی۔ (اطلس القرآن اردو (دارالاسلام) صفحہ 85 بحوالہ نعم المبدان جلد: 2)



حضرت یوسفؑ

حسن القصص

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو حسن و جمال کے پیکر، صبر و ثبات کے مجسمے اور غفور و درگزر کے عظیم علمبردار عطا فرمائے اور انہیں منصب نبوت سے سرفراز کیا۔

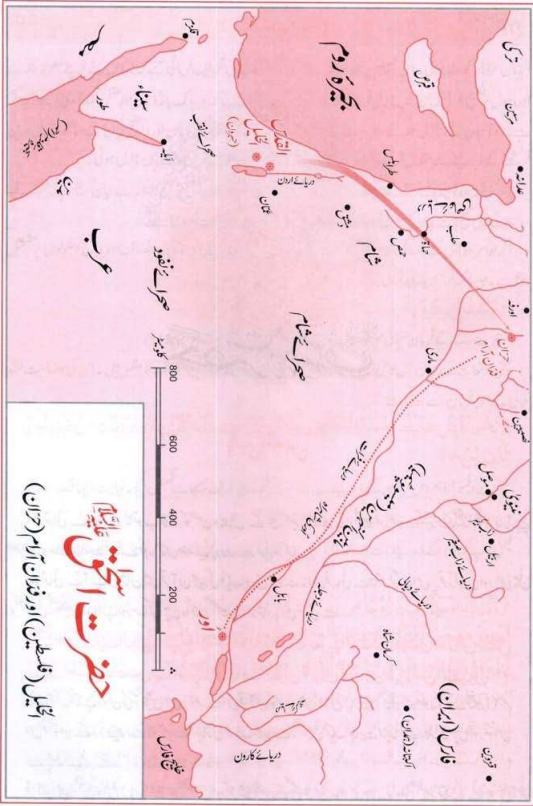
اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں قرآن مجید کی ایک پوری سورت نازل فرمائی ہے تاکہ لوگ اس پر غور کریں اور اس میں جو حکمتیں، نصیحتیں، آداب اور مسائل ہیں، انہیں سمجھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْوَيْلُ لَكَ يٰٓاَيُّهَا الْكٰتِبُ الْيٰٓسِيْنَ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ تَحٰنَ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءٰنَ ۝ وَلَوْ اَنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الْغٰفِلِيْنَ ۝﴾

”السر، یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔ ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔ (اے پیغمبر!) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے، تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں اور تم اس

سے پہلے بے خبر تھے۔“ (یوسف: 3-12)

قرآن مجید فصیح و بلیغ زبان، بہترین قصص اور گزشتہ ام کے صحیح ترین حالات بتانے والی عظیم کتاب ہے جو نبی آخر



میں فیصلہ کرے گا۔“ (الشوری: 53، 52، 42)

اور مزید فرمایا:

﴿كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَكَذَلِكَ أَنْتَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۚ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا ۖ خَلِيلَيْنِ نَذِيرًا وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِمْلًا ۖ﴾

”اسی طرح ہم تم سے وہ حالات بیان کرتے ہیں جو گزر چکے ہیں اور ہم نے تمہیں اپنے پاس سے نصیحت (کی کتاب) عطا فرمائی ہے۔ جو شخص اس سے منہ پھیرے گا وہ قیامت کے دن (گناہ کا) بوجھ اٹھائے گا اور ایسے لوگ ہمیشہ اس (عذاب) میں (جلا) رہیں گے اور یہ بوجھ قیامت کے دن ان کے لیے برا ہے۔“ (ملہ: 101-99-20)

یعنی جو شخص اس قرآن سے اعراض کر کے دوسری کتابوں کی پیروی کرے گا، اسے یہ سزا ملے گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اہل کتاب کے کسی آدمی سے ایک کتاب مل گئی۔ وہ اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پڑھ کر نبی ﷺ کو سنانے لگے۔ نبی ﷺ جلال میں آگئے اور فرمایا:

”اے خطاب کے بیٹے! کیا تم لوگ بھی اس (شریعت) کے بارے میں پرانہ وہ دینی کا شکار ہو جاؤ گے؟ قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس صاف سحری روشن شریعت لے کر آیا ہوں۔ ان (اہل کتاب) سے کوئی چیز نہ پوچھو۔ (ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) وہ تمہیں صحیح بات بتائیں گے تم اسے تسلیم نہ کرو گے یا وہ تمہیں غلط بات بتائیں گے اور تم اسے تسلیم کر لو گے۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میرا اتباع کیے بغیر انہیں بھی چارہ نہ ہوتا۔“ اس کے بعد آپ کے حکم سے اس تحریر کا ایک ایک حرف مناد یا گیا۔

ایک اور سند کے ساتھ یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے اندر شریف لے آئیں۔ پھر تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے تم میرے حصے کی امت و اور میں تمہارے حصے کا نبی ہوں۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب

سورہ یوسف کی ابتدا میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک خواب کا تذکرہ ہے جس کی تعبیر بہت عظیم اور شاندار ثابت ہوئی

① مستند أحمد: 387/3 السنة لابن أبي عاصم - حديث: 50

② مجمع الزوائد: 1/174

الزمان ﷺ کو عطا ہوئی۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب کی تعریف فرمائی ہے کہ جو اس نے اپنے معزز بندے اور رسول پر فصیح عربی زبان میں نازل فرمائی اور جو اتنی واضح اور سلیس ہے کہ ہر پاک باز جن اور عقل مند آدمی اسے سمجھ سکتا ہے۔ وہ آسان سے نازل ہونے والی سب سے مقدس کتاب ہے جو بڑی فصیح زبان اور واضح بیان کے ساتھ مقدس ترین فرشتے کے ذریعے سے مقدس ترین انسان پر مقدس ترین مقام پر اور مقدس ترین وقت میں نازل ہوئی۔

اگرگزشتہ اور آئندہ زمانے کے واقعات ہوں تو قرآن انہیں بہترین اور واضح ترین انداز سے بیان کرتا ہے۔ مختلف فیہ معاملات میں صحیح بات بیان کرتا ہے اور غلط بات کی تردید کر کے اسے غلط ثابت کر دیتا ہے۔

اگر اوامر و نواہی کے مسائل ہوں تو قرآن کا پیش کردہ قانون سب سے زیادہ قیمتی برائے انصاف اور واضح اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُنْتُمْ خَلِيفَتِ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا ۚ﴾

”تم میرے رب کے فرمان سچائی اور انصاف میں کامل اور مکمل ہیں۔“ (الأنعام: 115/6)

یعنی واقعات کے بیان میں کامل ترین حقیقت اور اوامر و نواہی میں کامل ترین انصاف کا مظہر ہیں۔ اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

﴿تَعْنِ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْصَيْنَا لَكَ هَذَا الْقُرْآنُ ۚ وَلَنْ نُنْثِرَ مِنْ قَبْلِهِ لَكُمْ الْغَفْلِينَ ۖ﴾

”(اے پیغمبر!) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔“ (یوسف: 3/12)

یعنی آپ کو وہی کے ذریعے سے جو کچھ بتایا گیا ہے، آپ اس سے پہلے اس سے بے خبر تھے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَكَذَلِكَ أَوْصَيْنَا لَكَ وَوَحَّيْنَا أَمْرًا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا تَهْدِي بِهِ نَاسًا مَشَاءَ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَأَنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ صِرَاطِ اللَّهِ الْبَاقِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۖ﴾

”اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے وہی بھیجی ہے۔ تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اُس کو نور بنایا ہے کہ اُس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور بے شک (اے پیغمبر!) آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں (یعنی) اللہ کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے۔ دیکھو! سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے (اور وہی ان

اور ان کی اولاد پر آترے (ان پر ایمان لائے۔) (آل عمران: 84/3)

وہ کہتے ہیں کہ [اسیاط] سے بھی افراد مراد ہیں۔ لیکن یہ استدلال قوی نہیں کیونکہ اسیاط سے مراد بنی اسرائیل کے قبائل ہیں۔ ان قبائل ہی میں وہ انبیاء پیدا ہوئے جن پر آسمانوں سے وحی نازل ہوتی رہی۔ (والد علم)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے نبی نہ ہونے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث میں آپ کے کسی بھائی کا نام لے کر اسے نبی نہیں کہا گیا۔ اس سے بھی ہمارا موقف درست ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس ارشاد نبوی سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے: ”کریم شخصیت کے پڑ پڑتے، کریم شخصیت کے پوتے، کریم شخصیت کے بیٹے اور خود بھی کریم“ یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم رحمہ اللہ ہیں۔^①

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند آپ کو بتدہ کرتے ہیں۔ گیارہ ستاروں سے مراد آپ کے گیارہ بھائی تھے اور سورج اور چاند سے مراد آپ کے والدین۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب دیکھ کر خوف محسوس کیا اس لیے نیند سے بیدار ہو کر اپنے والد محترم کو یہ خواب سنایا۔ آپ کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ آپ کو یاد اور آخرت میں بلند مقام و مرتبہ حاصل ہونے والا ہے، جس کی وجہ سے آپ کے بھائی اور والدین بھی آپ کے سامنے جھک جائیں گے۔ والد نے آپ کو کھلم دیا کہ اپنے بھائیوں کو خواب نہ سنائیں تا کہ وہ لوگ حسد نہ کریں اور کمرور غریب کے ذریعے سے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ اسی لیے کسی بزرگ نے فرمایا ہے: ”اپنی ضروریات پوری کرنے میں انشاء سے مدد لیونکہ ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے۔“

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب والد کے ساتھ بھائیوں کو بھی سنایا تھا۔^② بیان (اہل کتاب) کی غلطی ہے۔

برادران یوسف کا قصہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے چھوٹے بیٹے یوسف سے بے حد محبت تھی۔ بھائیوں کو سب محبت برداشت نہ ہوئی تو وہ حسد کی آگ میں جلنے لگے اور یوسف علیہ السلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّمَن كَانَ يُؤْمِنُ ۚ إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَخُوهُ أَحِبِّ إِلَيَّ آيَاتِنَا مِمَّا

① صحيح البخاري: أحاديث الأنبياء: باب هاتم شتمه إلهذا إذ حضر يعقوب الموت: حديث: 3382

② دیکھئے: کتاب بیضاء، باب 37، صفحہ 10، بائبل میں پورے افسانے اس طرح ہیں: ”اور اس نے اسے اپنے باپ اور بھائیوں دونوں کو بتایا، تب اس کے باپ نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ یہ خواب کیا ہے جو تو نے دیکھا ہے؟ کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی کچھ تیرے آگے نہیں پر جھک کر تجھے سجدہ کریں گے؟“

ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَخِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ فِي سُجُودٍ لِّي ۚ قَالَ لَيْسَ بِكَ تَفَكُّضٌ ۖ وَرَأَيْكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۚ وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَتْكَ ۚ عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۖ﴾

”جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ دیکھا (کیا) ہوں کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا! اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی غریب کی چال چلیں گے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اور اسی طرح اللہ تمہیں برگزیدہ (وممتاز) کرے گا اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔ اور جس طرح اُس نے اپنی نعت پہلے تمہارے دادا پر دادا ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی اسی طرح تم پر اور اولاد یعقوب پر پوری کرے گا۔ بے شک تمہارا پروردگار (سب کچھ) جانتے والا (اور) حکمت والا ہے۔“ (یوسف: 6-12/4)

﴿وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ﴾ یعنی جس طرح اللہ نے آپ کو یہ عظیم خواب سکھایا ہے۔ اگر آپ اسے چھپائیں گے تو آپ کو طرح طرح کے الطاف اور رحمتوں سے نوازے گا۔ ﴿وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ اور آپ کو حکام کا وہ مفہوم اور خوابوں کی وہ تعبیر سکھائے گا جو دوسرے نہیں سمجھ سکتے۔ ﴿وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل کرے کہ اپنی نعمت کی تکمیل فرمادے گا۔ ﴿وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ﴾ یعنی آپ کی جہ سے آل یعقوب کو یاد اور آخرت کی بھلائی حاصل ہوگی۔ ﴿كَمَا أَتَتْكَ عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ ۚ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرما کر آپ کو کبھی نبوت کی نعمت عطا فرمائے گا جس طرح آپ کے والد یعقوب، آپ کے دادا اسحاق اور آپ کے پردادا ابراہیم علیہم السلام کو عطا فرمائی تھی۔ ”بے شک تمہارا پروردگار سب کچھ جانتے والا حکمت والا ہے۔“

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ بنی اسرائیل کے تمام قبائل انہی بارہ کی طرف منسوب ہیں جن میں سے سب سے معزز زاور سب سے افضل اور سب سے عظیم حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

متعدد علماء نے بیان کیا ہے کہ ان میں سے صرف حضرت یوسف علیہ السلام نبوت کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کے دوسرے بھائی نبی نہیں تھے۔ آپ کے واقعہ میں ان کا جو کردار سامنے آیا ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

بعض لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ ۖ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَالْيَسٰطِطَ ۚ﴾

”کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو جیسے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب

ہو تو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کرو کیونکہ یہ کام اسے قتل کرنے یا نہیں دور چھوڑ کر آنے سے آسان ہے۔

اسو رے پر اتفاق ہو گیا تو انہوں نے اپنی اس تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوا يَا نَارُ كَايَا نَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَنَنصَحُونَ ﴿١١﴾ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَزْنِجْ وَبَلِّغْ وَإِنَّا لَنَحْفُظُونَ ﴿١٢﴾ قَالَ إِنِّي أَتَّبَعُونَ ﴿١٣﴾ أَن تَذْهَبُوا بِهِ وَكَأَخَف أَن يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنَّهُمْ عَمَّنْ غُفُلُونَ ﴿١٤﴾ قَالُوا كَلَّ الْأَهْلُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَّخَبِيرُونَ ﴿١٥﴾﴾

”کہنے لگے کہ اب جان! کیا سب ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا احتیاج نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل! اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ خوب چھل کھائے اور کھیلے تو ہم اُس کے نگہبان ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ امر بھی غنما کھائے دیتا ہے کہ تم اُسے لے جاؤ (یعنی وہ مجھ سے جدا ہو جائے) اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ تم (کھیل میں) اُس سے غافل ہو جاؤ اور اُسے بھیڑ یا کھا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں اُسے بھیڑ یا کھا گیا تب تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے۔“ (یوسف: 11-14-15)

انہوں نے اپنے والد سے مطالبہ کیا کہ ان کے ساتھ ان کے بھائی یوسف کو بھی بھیج دیں اور ظاہر یہ کیا کہ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ یوسف بھی ان کے ساتھ جا کر کھیل کود آئیں اور تفریح کر لیں اور جو بات ان کے دل میں تھی، وہ تو صرف اللہ ہی جانتا تھا۔ ان کے والد نے فرمایا: بیٹو! مجھ سے تو اس کی جدائی گھڑی بھر برداشت نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی ڈر لگتا ہے کہ تم اپنے کھیل کود میں مشغول ہو کر اس سے غافل ہو جاؤ گے اور کوئی بھیڑ یا آکر اسے کھا جائے گا۔ وہ تو اتنا چھوٹا ہے کہ تمہارے غافل ہونے کی صورت میں اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکے گا۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں اُسے بھیڑ یا کھا گیا تب تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے۔ یعنی اگر بھیڑ یا اس پر حملہ کرے اس کے ہمارے درمیان سے اٹھا کر لے گیا یا ہم ایک جماعت ہو کر بھی اس سے اس طرح غافل ہو گئے کہ خدا خواست یہ حادثہ ہو گیا تو ہم کسی کام کے نہ ہوئے۔ تب تو ہمہرے برابر ہوئے۔

اہل کتاب کہتے ہیں: ”حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے پیچھے بھیج دیا۔ آپ راستہ بھول گئے۔ کسی نے آپ کو راستہ بتایا۔ یہ ان لوگوں سے ترجمہ کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ یعقوب علیہ السلام تو آپ کو بھائیوں کے ساتھ بھی بھیجنا نہیں چاہتے تھے تو اس کیلئے کیسے بھیج دیا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْعَلُوا عَلَى الْغَنِيِّ عَصِيْبَةً وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوا يُبْغُونَ ﴿١٦﴾ قَالُوا يَا نَارُ كَايَا نَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَاجْعَلُوا لَهُمْ عَصِيْبَةً لَّا يُضْلَعُوهُ ﴿١٧﴾ وَعَادُوا بِأَاهُمْ عَشَاءَ يُبْكُونَ ﴿١٨﴾ قَالُوا يَا نَارُ كَايَا نَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا كَالْأَهْلِ الذِّئْبُ ﴿١٩﴾ وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿٢٠﴾ وَجَعَلُوا عَلَى قَبْرِهِ يَدًا ﴿٢١﴾ كَذِبًا ﴿٢٢﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ﴿٢٣﴾ وَاللّٰهُ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٤﴾﴾

﴿وَحَنَّ عُصْبَةً ۖ إِنَّ آيَاتِنَا لَمُبْلَلٌ ﴿٢٥﴾ فَمِنْهُمْ يُوسُفُ ۖ وَأَوْرَثُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهَهُ ۖ أَيْمُهُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ ۖ وَالْقُوَّةُ فِي عَصِيْبَتِ الْحَبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٢٧﴾﴾

”ہاں! یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں پوچھنے والوں کے لیے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ جب انہوں نے (آپس میں) تذکرہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی اب جان کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم جماعت (کی جماعت) ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ اب جان صریح غلطی پر ہیں لہذا یوسف کو (یا تو جان سے) مار ڈالو یا کسی ملک میں چھپک آؤ پھر اب جان کی تصرف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے۔ اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو جان سے نہ مارو اور کسی گھرے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گریہ رکھ لے (کسی اور ملک میں) لے جائے اگر تم کو کرنا ہے (تو یوں کرو۔“ (یوسف: 10-12-17)

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں موجود نشانیاں، حکمتوں، نصائح اور دلائل کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے بھائیوں کے حسد کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے والد ان سب کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے گئے بھائی بنیامین سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ بزرگم خوش اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان سے محبت کی جائے کیونکہ وہ ایک بڑی جماعت ہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا: ہمارے والد غلطی پر ہیں کہ ہم سب کی نسبت ان دونوں کو محبت کے معاملے میں ترجیح دیتے ہیں۔

پھر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیں یا کسی ایسی دور دراز جگہ پھینکا دیں جہاں سے واپس نہ آسکیں تاکہ والد کی محبت انہی کے لیے ہو کر رہ جائے اور انہیں زیادہ محبت اور توجہ حاصل ہو۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ بعد میں تو پھر کر لیں گے۔

جب انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا اور اس پر اتفاق کر لیا تو ﴿قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ﴾ ”ان میں سے ایک نے کہا“ ﴿لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ﴾ ”یوسف کو قتل نہ کرو۔“

علاء اللہ کہتے ہیں: یہ کہنے والا شمعون تھا۔ سدی اللہ کہتے ہیں: وہ یہود تھا۔ قتادہ اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ کہتے ہیں: وہ سب سے بڑا بھائی یعنی روبن تھا۔ (روبن) اس نے کہا: ﴿الْقُوَّةُ فِي عَصِيْبَتِ الْحَبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ﴾ ”اسے کسی گھرے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گریہ رکھ لے (دوسرے ملک میں) لے جائے۔“^①

یعنی کوئی آنے جانے والا مسافر اسے لے جائے گا۔ ﴿إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ﴾ ”یعنی اگر تمہیں ضرور وہ کام کرنا ہے جو کہہ رہے

① ہائل میں اس کا قائل رابن یزید کو بتایا گیا ہے۔ (پیدائش، ص 37، فقرہ 21)

② تفسیر ابن کثیر: 319/4، تفسیر سورہ یوسف آیت: 10

دھوکے پر پردہ پڑ جائے۔ اور کہنے لگے کہ ابا جان! ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے۔ یعنی اپنے سامان کے پاس چھوڑ کر خود دوڑتے ہوئے دور نکل گئے تو ہماری غیر موجودگی میں اسے بھیڑیا کھا گیا۔ اور ساتھ ہی کہنے لگے ہمیں معلوم ہے کہ آپ ہماری بات پر یقین نہیں کریں گے خواہ ہم سچ ہی کہتے ہوں۔ یعنی ہم آپ کی نظر میں قابل اعتبار بھی ہوتے تب بھی آپ ہماری اس بات پر یقین نہ کرتے کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے اب جب کہ ہم لوگ آپ کی نظر میں شکوک ہیں تو آپ ہم پر کیسے یقین کریں گے؟ آپ نے یہ خطرہ ظاہر کیا تھا کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا اور ہم نے آپ کو خائنوت دی تھی کہ اسیا نہیں ہوگا کیونکہ ہم بہت زیادہ افراد اس کے ارد گرد موجود ہوں گے۔ آپ نے تب بھی ہم پر اعتبار نہیں کیا تھا۔ لہذا موجودہ صورت حال میں ہمیں سچا نہ سمجھنے میں آپ واقعی معذور ہیں۔ اور وہ اپنے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لیے یوسف علیہ السلام کے کرتے پر ہوبھو بھی لگا لائے۔ یہ جھوٹ موٹ کا خون تھا۔ کیونکہ انہوں نے ایک مینالے کو ذبح کیا تھا اور اس کا خون یوسف علیہ السلام کی قمیص پر لگا رہے یا ور کرنا چاہا تھا کہ یوسف کو بھیڑیے نے کھا یا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں: انہیں قمیص کو پھانسنے کا خیال نہ آیا۔ ان پر شک کی علامات واضح تھیں اس لیے والد کے سامنے ان کی بات نہ بن سکی۔ آپ جانتے تھے کہ وہ یوسف سے عداوت رکھتے ہیں اور اس بات پر ان سے حسد کرتے ہیں کہ والد کے دل میں ان کی محبت زیادہ ہے کیونکہ ان پر بچپن ہی سے شان اور عظمت کے آثار نظر آتے تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو شرف نبوت سے نوازا جاتا تھا۔ جب وہ پہلا پھلہا کر انہیں لے گئے تو فوراً ٹھکانے لگانے کی کوشش کی تاکہ انہیں والد کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے دور کر دیں پھر جھوٹ موٹ کے غم کا اظہار کرنے کے لیے روتے ہوئے آئے اور یہ ان کی متفقہ سازش تھی۔ اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام فرمایا:

﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرًا جَمِيعًا ۚ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ﴿۱۰﴾﴾

”حقیقت حال یوں نہیں ہے (بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنالائے ہو۔ اچھا! صبر (کردی) خوب ہے) اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔“

یوسف علیہ السلام سرزمین مصر میں

یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے زعم باطل میں ان کو مار کر گھر لوٹ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بذریعہ وحی ملی و علیٰ اولم و حکمت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَةً قَالَ يَبْنَؤُا هَذَا عِلْمٌ ۖ وَأَسْرَوْهُ بِضَاعَتَهُ ۖ وَاللَّهُ

”غرض جب وہ اس کو لے گئے اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اس کو گھر سے کنوئیں میں ڈال دیں تو ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ (ایک وقت ایسا آئے گا) تم ان کو اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو (اس وحی کی) کچھ خبر نہ ہو گی۔ (یہ حرکت کر کے) وہ رات کو باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ ابا جان ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تو آج بھیڑیا کھا گیا اور آپ ہماری بات کو خواہ ہم سچ ہی کہیں، مامیں گے نہیں۔ اور وہ ان کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ یعقوب نے کہا: (کہ حقیقت حال یوں نہیں ہے) بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنالائے ہو۔ اچھا! صبر (کردی) خوب ہے) اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔“ (یوسف: 12، 15-18)

وہ لوگ اپنے والد گرامی سے اسرار کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے یوسف کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ جو نبی وہ لوگ آپ کی نظروں سے اوصل ہوئے، انہوں نے یوسف سے گالی گلوچ اور زبان و لسان سے ایذا رسانی شروع کر دی۔ انہوں نے پختہ فیصلہ کر لیا کہ آپ کو کنوئیں کی گہرائی میں اس کے درمیان پڑے ہوئے اس بڑے پتھر پر پھینک دیں گے جسے ”راغوث“ کہتے تھے۔ جب کنوئیں میں پانی کم ہو جاتا تو ایک آدمی کنوئیں میں اتر کر اس پتھر پر کھڑا ہوتا اور ڈول میں خود پانی بھرنا تھا یا ہر کھڑا ہوا دوسرا آدمی رسی کے ذریعے سے ڈول کھینچ لیتا تھا۔^①

جب انہوں نے آپ کو کنوئیں میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ آپ جس مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں، اس سے آپ کو ضرورت نجات ملے گی۔ آپ اس وقت بھائیوں کو ان کے کرتوت یاد دلا دیں گے جب آپ کو عزت و اقتدار حاصل ہوگا اور یہ لوگ آپ کے کتاج بھی ہوں گے اور آپ سے خوف زدہ بھی اور انہیں معلوم نہیں ہوگا۔

﴿وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ کی تشریح دو طرح سے کی گئی ہے۔ مجاہد اور قتادہ جیسے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یوسف کی طرف یہ وحی کی تو بھائیوں کو پتہ بھی نہ چلا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ انہیں یہ باتیں بتائیں گے اس وقت وہ آپ کو بچان نہیں رہے ہوں گے۔ یہ قول ابن جریر رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا ہے۔^②

جب وہ آپ کو کنوئیں میں ڈال کر چل دیے تو آپ کی قمیص لے کر اسے خون آلود کر لیا اور عشاء کے وقت جب والد کے پاس آئے تو اپنے بھائی کی مڑومہ ہلاکت پر رورہے تھے۔ اسی لیے ایک بزرگ نے فرمایا ہے: ”عظمیٰ شکایت کرنے والے کے نالہ و شہین سے دھوکا نہ کھاؤ۔ بعض اوقات ظالم بھی رو کر دکھا دیتے ہیں۔ جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائی رات کو اپنے والد کے پاس روتے ہوئے آئے تھے۔“ (عشاء)

① علامہ قاضی سلیمان منصور پوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ [جب] چاہہ جو زیادہ گہرا اور اس میں پانی بھی زیادہ ہو۔ (انجمال و انکمال)

② تفسیر الطبری 210:7

فوائد و برکات حاصل ہونے والے تھے۔

یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر میں

جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے محسوس کیا کہ قافلہ والے آپ کو لے گئے ہیں، تو وہ ان سے جا ملے اور بولے: یہ ہمارا غلام ہے جو ہمارے پاس سے بھاگ گیا تھا۔ قافلہ والوں نے ان سے آپ کو معمولی قیمت کے عوض خرید لیا۔^①

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ فِصْوٍ لِمَا يَأْتِيهِ أَكْرَجِي مَثْوَاهُ عَلَىٰ أَنْ يَتَذَكَّرَ ذِكْرًا ۖ وَأَنَّهُ إِذَا دَارَىٰ عَنْهُ الْغَوِيُّ فَقَرَاهُ غِيًّا ۖ وَسِعْهُ رَحْمَتُ رَبِّهِ ۖ وَسِعَ رَبُّهُ كُلَّ شَيْءٍ عَنَّا ۚ وَكَانَ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا ۖ وَكَانَ مُخْتَلِفًا أَلْوَانًا ۚ﴾ اور مصر میں جس شخص نے اُس کو خریدا اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت و اکرام سے رکھو یہ نہیں کہے یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم سے بیٹا بنائیں۔ “مقبوض یہ ہے کہ آپ پر اللہ کے لطف و رحمت کا اظہار اور آپ پر اس کا احسان تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بلند منصب کا اہل بنا کر دنیا و آخرت کی بھلائی سے سرفراز کرنا چاہتا تھا اور مصر میں آپ کو خریدنے والا عزیز مصر یعنی شاہ مصر کا وزیر تھا، جو ملک کے خزانوں کے معاملات کا ذمہ دار تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَكَذَلِكَ مَثَلُ الْيُوسُفَٰ فِي الْأَحْزَابِ﴾ ”اور اسی طرح ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی۔“ کا مقبوض یہ ہے کہ ہم نے عزیز مصر اور اس کی بیوی کے دل میں یہ بات ڈال کر کہ آپ کی دیکھ بھال اور آپ سے حسن سلوک کریں، آپ کو مصر میں ایک ٹھکانا مہیا کر دیا۔ اور آپ کو باتوں کی سمجھ اور خوابوں کی تفسیر کا علم عطا فرمایا۔ ﴿وَاللَّهُ تَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ﴾ یعنی جب وہ کوئی فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے رد و عمل آنے کے ایسے اسباب پیدا فرمادیتا ہے جنہیں لوگ سمجھیں نہ سکتے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام واقعات پہنچنے کا راز اور کامل فہم فرماست کی عمر تک پہنچنے سے پہلے واقعہ ہو چکے تھے۔ اس سے مراد چالیس سال کی عمر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں پر اسی عمر میں وحی نازل فرماتا ہے۔ ان سب پر درود و سلام ہوں۔

⑤ یوسف علیہ السلام کو ورغلا نے کی ناکام کوشش: یوسف علیہ السلام کو جانی کی دہلیز پر پہنچتے تو آپ کا حسن و جمال اور مردانہ وجاہت اپنے عروج پر تھی۔ عزیز مصر کی بیوی آپ کے حسن پر فریفتہ ہو گئی اور آپ کو ورغلا نے کی سعی لا حاصل کرنے لگی۔

⑥ غلام سلیمان معصوم پوری دھڑے سے اس سے اتفاق نہیں کیا کہ یوسف کو بھائیوں نے فروخت کیا تھا۔ ان کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ اس مقام پر قافلہ والوں کا یوسف کو بیچنا مردار ہے۔ آپ نے اس کی تائید میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول بھی نقل کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے فتح البیان، 192/5، ابن کثیر، 15/5)

⑦ ابن اسحاق رضی اللہ عنہ اس کا نام ”طیغر“ بتایا ہے۔ بائبل میں ”فوطیفا“ کہا گیا ہے۔

عَلَيْهِمْ سَامًا ۖ يَتَّبِعُونَ ۚ وَشَرُّهُ بِقَبْلِ يَحْيَىٰ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۖ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِلِينَ ۚ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ فِصْوٍ لِمَا يَأْتِيهِ أَكْرَجِي مَثْوَاهُ عَلَىٰ أَنْ يَتَذَكَّرَ ذِكْرًا ۖ وَأَنَّهُ إِذَا دَارَىٰ عَنْهُ الْغَوِيُّ فَقَرَاهُ غِيًّا ۖ وَسِعَ رَبُّهُ كُلَّ شَيْءٍ عَنَّا ۚ وَكَانَ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا ۖ وَكَانَ مُخْتَلِفًا أَلْوَانًا ۚ﴾ ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾

”اور ایک قافلہ آ یا اور انہوں نے (پانی کے لیے) اپنا سقا (پانی لانے والا) بھیجا۔ اس نے کنوئیں میں ڈول لٹکایا (تو یوسف علیہ السلام اس سے لٹک گئے) وہ ڈول بازے قسمت سے تھمتھمتا (نہایت حسین) لڑکا ہے اور اس کو قبیح سرمایہ سمجھ کر چھپا لیا اور جو سمجھو کہہ رہے تھے اللہ کو سب معلوم تھا۔ اور انھوں نے اس کو تھوڑی سی قیمت یعنی چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا اور انہیں ان کے بارے میں سمجھ لا بھیجی نہ تھا۔ اور مصر میں جس شخص نے اُس کو خریدا اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت و اکرام سے رکھو۔ بعد نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم سے بیٹا بنائیں۔ اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور غرض یہ تھی کہ ہم ان کو باتوں (خوابوں) کی تفسیر سکھائیں۔ اور اللہ اپنے کام پر عتاب سے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔“ (یوسف: 22-19/12)

اس مقام پر اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈال دیا گیا تو کیا ہوا؟ آپ بیٹھے اللہ کی مدد اور رحمت کا انتظار فرما رہے تھے کہ آپ کو ایک قافلہ آ گیا۔ اہل کتاب کہتے ہیں: قافلہ والوں کا سامان تجارت پتہ دستور اور علم (پتہ سے ملتا جلتا ایک چمچ) پر مشتمل تھا۔ انہوں نے کنوئیں سے پانی لانے کے لیے ایک آدمی بھیجا۔ جب اس نے کنوئیں میں ڈول لٹکایا تو یوسف علیہ السلام اس سے لٹک گئے۔ (اس طرح بائبل آئے)

جب اس آدمی نے آپ کو دیکھا تو بولا: میرے لیے تو شہری ہے کہ بے ایک لڑکا ہے۔ ﴿وَأَسْرُوهُ بِضَاعَةً﴾ یعنی انہوں نے غلام کر کیا کہ ان کے سامان تجارت میں یہ غلام بھی شامل ہے۔ ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ ”اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کو سب معلوم تھا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ آپ کے بھائیوں نے کیا سازش کی ہے اور وہ بات بھی معلوم تھی جو قافلہ والوں نے یہ کہہ کر چھپائی تھی کہ یوسف ان کے سامان تجارت میں شامل ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صورت حال کو تبدیل نہ کیا کیونکہ اس میں اللہ کی ایک عظیم حکمت پوشیدہ تھی، جس کا فیصلہ نقد پر الہی نہایت پسند کر دیتا تھا۔ لڑکا جو مصر میں ایک قیدی غلام کی طرح داخل ہو رہا تھا، اس کے ذریعے سے اہل مصر پر رحمت نازل ہونے والی تھی۔ اس کے ساتھ میں ان کے تمام معاملات (اور حکومت) کی باگ ڈور آنے والی تھی اور اس کے ذریعے سے ان لوگوں کو دنیا اور آخرت کے بے حد و حساب

⑧ بائبل کے موجودہ نسخوں میں ان کے سامان تجارت کو گرم مسالا، روغن بلسان اور مرہ پر مشتمل بتایا گیا ہے۔ (کتاب پیدائش: 25/37)

روایت کے مطابق شاہ مصر بیان بن ولید کی بھانجی تھی۔

ادھر یوسف علیہ السلام بھی جوان اور بیکار حسن و جمال تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بیویں کی آل تھے۔ اس لیے آپ کو آپ کے رب نے گناہ سے بچا لیا اور عورتوں کے مکر سے محفوظ فرمایا۔ کیونکہ وہ مردار اقیاء تھے، جو سایہ عرش سے شرف ہونے والے سات قسم کے اولیاء میں سے ایک قسم میں شامل تھے جن کے بارے میں فرمان خاتم الانبیاء علیہ السلام ہے:

”سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سامنے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سامنے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا: انصاف کرنے والا اور انکسار، تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے اشک بار ہو جانے والا انسان، وہ آدمی جو مسجد سے نکلتا ہے تو وہاں تک اس کا دل وہیں اٹکا رہتا ہے، اللہ کے لیے محبت رکھنے والے دوست جو اس بنیاد پر ملتے ہیں اور اسی حالت میں ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہیں، وہ آدمی جو صدقہ دیتا ہے تو اس قدر پیٹھ دھکتا ہے کہ دائیں کے دیبے کا بائیں ہاتھ کو نہیں پہنچتا“ وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں جوانی گزارتا ہے اور وہ مرد جسے کسی صاحب حیثیت اور صاحب جمال عورت نے دعوت گناہ دی تو اس نے کہہ دیا: میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔“

الغرض اس نے آپ کو گناہ کی دعوت اور آپ کو آپ کا آدمہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن آپ نے فرمایا: ﴿مَعَادُ اللّٰهِ إِنَّكَ رَافِقٌ﴾ ”اللہ کی پناہ! وہ میرا مالک ہے، یعنی گھر کا مالک اور تیرا خاندان میرا آقا ہے۔“ ﴿أَحْسَنُ مَثْوًى﴾ ”مجھے اس نے بہت اچھے طرح رکھا ہے۔“ یعنی مجھ پر احسان کیا اور عزت و احترام سے رکھا ہے۔ ﴿إِنَّكَ لَا تُلَاقِي الظَّالِمِينَ﴾ ”بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا۔“

فرمان الہی: ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بِرُحْمًا رَّحِمَہٗ﴾ کی وضاحت ہم نے اپنی تفسیر میں کافی تفصیل سے کر دی ہے۔ اس مضمون پر زیادہ تر اقوال اہل کتاب سے ماخوذ ہیں، ان کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ ہمیں جو عقیدہ رکھنا

① صحیح البخاری: ”الْأَذَانُ“ باب من جلس فی المسجد..... حدیث: 660 وصحیح مسلم: ”الزَّكَاةُ“ باب فضل إحقاق الصَّلَاةِ“ حدیث: 1031

② علامہ منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے یوسف علیہ السلام کے اس فرمان کی جو تشریح کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے: ”میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، وہ (اللہ) میرا مالک ہے، جس نے میرا مقام پاک اور بلند بنالیا ہے۔“ تفصیل کے لیے دیکھیے: الجہان والکمال کا محقق مقام۔

③ علامہ طبرسی بیان کیا ہے کہ عورت نے بھی برائی کا آدمہ کیا اور یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی برائی کا خیال آ گیا۔ لیکن انہیں لایقوب علیہ السلام کی صورت نظر آئی یا عورت نے اپنے بت کے پیرے پر کپڑا ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میرا رب تو ہر حال میں دیکھتا ہے۔ علامہ منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے امام رازنی کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿لَوْلَا﴾ کا جواب اس سے پہلے ﴿هَمَّ﴾ ہے۔ اس صورت میں آپ نے مبارک کار ترجمہ یوں ہوگا: ”وہ بھی اس عورت کا قصد کر لیتے، اگر انہوں نے اپنے رب کی برہان نہ دیکھی ہوتی۔“ اس کے بعد اعلیٰ راسے یہ ظاہر فرمائی ہے کہ ﴿هَمَّتْ بِهٖ﴾ میں ضمیر کا مرجع اس عورت کا کلام ﴿هَمَّتْ لَکَ﴾ ہے۔ اور ﴿هَمَّ بِهَا﴾ میں ضمیر کا مرجع یوسف علیہ السلام کے تین ارشادات میں: ﴿مَعَادُ اللّٰهِ﴾ ﴿إِنَّكَ رَافِقٌ أَحْسَنُ مَثْوًى﴾ ﴿إِنَّكَ لَا تُلَاقِي الظَّالِمِينَ﴾ اس صورت میں آپ کا مطلب یہ ہوگا: ”وہ عورت اپنی بات پر اصرار کرتی رہی اور یوسف اپنے جوابات پر اصرار کرتے رہے۔“ اقتدار جو کہ مشہور امام احمد بن حنبل کی تعاقب نے ﴿هَمَّتْ﴾ کے معنی میں فرمائے ہیں: ”وَكَانَتْ مُصْرِئًا“ ”وہ اصرار کرتی رہی۔“ (دیکھیے الجہان والکمال از قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ تعالیٰ نے اس کے مکر فریب کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَرَادَّتْهُ الْيَتٰی هُوَ فِیْ یَتٰیہِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ وَعَلَقَ الْبَوَابَ وَقَالَتْ هَمَّتْ لَکَ قَالَ مَعَادُ اللّٰهِ إِنَّكَ رَافِقٌ أَحْسَنُ مَثْوًى إِنَّكَ لَا تُلَاقِي الظَّالِمِينَ﴾ ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بِرُحْمًا رَّحِمَہٗ﴾ ﴿كَذٰلِکَ لِنُصْرِفَ عَنْہُ الشَّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّکُمْ مِنْ عِبَادِنَا الْبٰحْثِیْنَ﴾ ﴿اَسْتَبَقَا الْبَابَ وَكَذَبَتْ قَبِیضَہٗ مِنْ دُبُرٍ وَالْغَیْبَ سَیَدَهَا لَکَ الْبَابُ قَالَتْ مَا جَآءُکُمْ مِنْ اَرَادَ مَا خَلِیْتَ سُوْءًا اِلَّا اَنْ یُّشْجَعَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ ﴿قَالَ جِی رَادُّنِیْ عَنْ نَفْسِیْ وَشَہِدْ شَہَادً مِّنْ اَہْلِیَّ اِنْ کَانَ قَبِیضَہٗ قَدْ مِّنْ قَبْلِ هَٰذِکَ فَکَذَبَتْ وَهٰوْنٌ لِّکَذِبِیْنَ﴾ ﴿وَ اِنْ کَانَ قَبِیضَہٗ قَدْ مِّنْ دُبُرٍ فَکَذَبَتْ وَهٰوْنٌ لِّکَذِبِیْنَ﴾ ﴿فَلَمَّا رَا قَبِیضَہٗ قَدْ مِّنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّکُمْ لَکٰیۤدٌ اِنْ کُنَّیۤکُنَّ عَظِیْمٌ﴾ ﴿یُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرْ لِیْ ذُنُوبِیْ اِنَّکَ لَذٰتُ مِّنَ الرَّحِیْمِ﴾

”تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اُس نے اُن کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کنبے گئی (یوسف) جلدی آؤ! انہوں نے کہا کہ اللہ پناہ میں رکھے وہ یعنی تمہارے مہاں تو میرے آقا ہیں۔ انہوں نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے (میں ایسا غلام نہیں کر سکتا) بیٹک خالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔ اور اس عورت نے اُن کا قصد کیا اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر وہ اپنے پروردگار کی نشانی نہ دیکھتے۔ یوں اس لیے (کیا گیا) کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں۔ چٹک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔ اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے اور عورت نے اُن کا گرتا پیچھے سے (کپڑا کر جو کھینچا تو) چھڑا ڈالا۔ اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاندن مل گیا۔ تو عورت بولی کہ جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اُس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ یا تو قید میں رکھا جائے یا دکھ کا عذاب دیا جائے۔ یوسف (علیہ السلام) نے کہا: اس نے مجھ کو مائل کرنا چاہا تھا۔ اور اس کے قہیلے میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر اس کا گرتا آگے سے پھٹا ہو تو یہ سچی اور یوسف جھوٹا اور اگر گرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا۔ جب اس کا کریتہ دیکھا تو پیچھے سے پھٹا تھا۔ (جب اس نے زلیخا سے) کہا کہ یہ تمہارا فریب ہے اور یقیناً تم عورتوں کے فریب پر بڑے (بھاری) ہوتے ہیں۔ یوسف! اس بات کا خیال نہ کرو! (زلیخا!) تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ بے شک خطا میری ہی ہے۔“ (یوسف: 23-29)

ان آیات مبارک میں اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کی بیوی کا وہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب اس نے یوسف علیہ السلام سے وہ نازیبا مطالبہ کیا، جو آپ کے مقام و مرتبہ کے لائق نہیں تھا۔ وہ مال و جمال میں بے مثال تھی، شاہانہ جاہ و جلال اور ہرچیز پر شاہِ حاصل تھا۔ اس نے آپ کو اکیلے چار کسب دروازے بند کر لیے اور پوری طرح بناؤ گتھار کر کے بہترین فاخرانہ لباس پہن کر اسے برائی کی محبت دی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ کوئی عام عورت نہیں تھی بلکہ وزیر کی بیوی تھی۔ اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی

پیش آیا ہے یہ تم عورتوں کی چال بازی ہے۔ تو نے خود ہی اسے ورغلانے کی کوشش کی اور خود ہی اس پر جھوٹا الزام لگا دیا۔ پھر اس کے خاوند نے اس بات کو نظر انداز کر دیا اور کہا: ﴿يُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هَذَا﴾ ”یوسف! اب بات کو جانے دو۔“ یعنی کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا کیونکہ ایسے معاملات کو چھپانا ہی مناسب اور بہتر ہوتا ہے اور عورت کو حکم دیا کہ اس سے جو گناہ سرزد ہو گیا ہے، اس پر استغفار کرے اور اپنے رب کے آگے تو یہ کہتا ہے کہ تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

مصر کے لوگ اگر چہ بتوں کی پوجا کرتے تھے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور ان کی سزا دینے والا اکیلا اللہ ہی ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس لیے اس کے خاوند نے اس سے یہ بات کہی اور اسے بعض لحاظ سے معذور سمجھا کیونکہ وہ ایسے خوش شکل انسان کی موجودگی میں اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتی تھی۔ لیکن یوسف علیہ السلام پاک دامن تھے۔ آپ نے اپنی عزت کو داغ دار ہونے سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ اس نے کہا: ﴿وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ مِنَ الْظَالِمِينَ﴾ ”(اے عورت!) تو اپنے گناہ سے توبہ کر، بے شک تو گناہ گاروں میں سے ہے۔“

عزیز مصر کی بیوی کا شہر میں چرچا اور زمان مصر کی ضیافت

عزیز مصر کی بیوی کا عشق شہر میں مشہور ہوا تو دیگر دو سہا کی عورتوں نے اسے لعن طعن کرنا شروع کر دیا اور اسے عار دلائی کہ وہ اپنے غلام پر غریب نہ ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقَالَ يَسُوْفُ اِنَّ الْمَدِيْنَةَ اَوْرَثَ الْعَزِيْزُ تَرٰوَدُّ فَعَلَهَا عَنْ نَفْسِهِ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۚ اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ صَلٰبٍ مُّضِيٍّ ۚ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَرَضِهَا اَرْسَلَتْ اِلَيْهِمْ ۚ وَاتَّخَذَتْ لَهَا مِنْكُمْ وَكِئًا ۚ وَاتَتْ هُلًّا وَّاجِدًا ۚ فَبَنَتْهُنَّ بُيُوْتًا ۚ وَكَالَتْ اُخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا اَلْبَسَتْهُنَّ وَكَلَّعْنَّ اِيْلَهُنَّ ۚ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۙ اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۚ قَالَتْ فَلَيْلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِيْ فَبَيِّنْ ۚ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ ۚ فَاسْتَصْرَمَ ۚ وَلَكِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَّا اَمَرَهُ لِيَتَجَبَّنَ وَلِيَكُوْنَا مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۚ قَالَ رَبِّ اِنِّسْجُوْنَ ۚ اَحَبُّ اِلَيَّ وَمِمَّا يَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ ۚ وَارَاكَ تَصِفُّرٌ عَنِّيْ كَيْدُكُنَّ اَصْبَحَ اِلَيْهِنَّ ۚ وَاَكُنَّ مِنَ الْاٰجِلِيْنَ ۚ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُ ۚ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۚ﴾

”اور شہر میں عورتیں گفتگو کرتے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے، ہمیں لگتا ہے کہ وہ صریح کمرانی میں ہے۔ جب اس (عزیز کی بیوی) نے ان عورتوں کی (گفتگو جو حقیقت میں دیدار یوسف کے لیے ایک) چال (تھی) سنی تو ان کے پاس (دعوت کا) پتھام

مصروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو محفوظ رکھا اور بے حیائی کے ارتکاب سے بچالیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ لِيُصِفَ عَنْهُ الشُّعْرَ وَالْفَضْلَةَ ۚ اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾ ”یونہی ہوا، اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دور کریں، بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔“ (یوسف: 34/12)

﴿وَاسْتَجَابَ الْاَلْبَابُ﴾ ”دووں دروازے کی طرف دوڑے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس سے بچنے کے لیے باہر نکلنے کے ارادہ سے دروازے کی طرف دوڑے اور اس نے آپ کا تعاقب کیا۔ ﴿وَالْقَالِيَةَ سَيَدُهَا كَذٰلِكَ الْاَلْبَابُ﴾ ”اور دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو بل گیا۔“ اس نے بات کرنے میں پہلی کی اور اسے آپ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ کہنے لگی: ﴿مَا جِئْتُهُنَّ اِلَّا اَدَا بِكُنَّ سَمُوْعًا اِنَّ اَكْنَ لَيَسْجُنَ اَوْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ ”جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برادر ارادہ کرے، بس اس کی سزا ایسی ہے کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے۔“ (یوسف: 35) اس نے آپ پر الزام لگا دیا، حالانکہ قصور خود اس کا تھا۔ اس طرح اس نے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿هِيَ رَاوَدَّتْنِيْ عَنْ نَفْسِيْ﴾ ”یہ عورت مجھے بھڑا رہی تھی۔“

عورت کے قبیلے کے ایک شخص نے گواہی دی کہ واقعی یوسف علیہ السلام کوئی قصور نہیں۔ ایک قول کے مطابق گواہی دینے والا چھوٹا بچہ تھا، جو ابھی گوارے میں تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کے خاوند قبطی کا رشتہ دار تھا۔ ایک قول کے مطابق خود اس عورت کا رشتہ دار تھا اس نے کہا: ﴿اِنْ كَانَ قَبِيْضَةُ قَدْ مِّنْ قُبْلَىٰ حَدَّثَتْكَ وَهَوَّ مِنَ الْكَلْبِيْنَ﴾ ”اگر اس کا کرتا آگے سے پشنا ہو تو عورت جی پی ہے اور یوسف جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔“ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ یوسف نے اس سے چھپر چھاڑی ہو اور اس نے انہیں پیچھے ہٹانے کی کوشش کی ہوجس کے نتیجے میں کرتا آگے سے پشنا گیا ہو۔ ﴿وَاِنْ كَانَ قَبِيْضَةُ قَدْ مِّنْ دُبُرٍ فَلَا تَبْذُرْ وَهَوَّ مِنَ الطُّرُقِيْنَ﴾ ”اور اگر اس کا کرتا پیچھے کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا۔“ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے بچنے کے لیے بھاگے ہوں اور اس نے پیچھا کر کے پکڑ لیا ہو جس کی وجہ سے کرتا پھٹ گیا ہو اور واقعہ ہوا بھی ایسے ہی تھا۔ خاوند نے جو دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیٹھ کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو صاف کہہ دیا: ﴿اِنَّهُ مِنْ كَيْدِيْنَ اِنَّ اَكْبَدَ لَكُنَّ عَظِيْمٌ﴾ ”یہ تم عورتوں کی چال بازی ہے۔ بے شک تمہاری چال بازی بہت بڑی ہے۔“ (یوسف: 37) یعنی یہ جو واقعہ

① علامہ ابن کثیر نے ان روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، جن میں یوسف کے گواہ کو گوارے میں مجرمانہ طور پر بولنے والے بچوں میں شمار کیا گیا ہے۔ (مسلمۃ الامامین الضعیفہ، 272/2، حدیث: 880) علامہ منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس گواہ نے (جس کا ذکر آیت میں ہے) جانب داری سے کام لیا تھا کیونکہ اس قسم کے مقدمہ میں اصولی طور پر عورت کا معاذیہ ہونا چاہیے تھا۔ تا کہ تشدد کا ثبوت تلاش کیا جائے لیکن اس نے صورت معاملہ کو بدل کر یوسف کے معاذیہ کے لیے کہا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ نے اس کی تدبیر ناکام بنادی اور قصور پھر بھی عورت ہی کا ثابت ہوا۔ لہذا خاوند کو یوسف علیہ السلام سے کہنا چاہیے کہ اس بات کو جانے دو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی معراج کی حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ انہیں آدھا سن دیا گیا ہے۔“^①

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے آدھا سن دیا گیا تھا۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی خاص روح ڈالی۔ لہذا آپ انسانی حسن و جمال کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ اس لیے جتنی جب جنت میں داخل ہوئے تو انہیں حضرت آدم علیہ السلام کا سا قد و قامت اور حسن حاصل ہو گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن حضرت آدم علیہ السلام سے نصف تھا اور ان دونوں ہستیوں کے درمیان ان دونوں سے زیادہ حسین کو انسان پیدا نہیں ہوا۔ اس طرح حضرت حوا علیہا السلام کے بعد کوئی عورت ان سے اس قدر مشابہ نہیں تھی جس قدر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام سے مشابہ تھیں۔

اس وقت عزیمصر کی یوی نے کہا: ﴿قَدْ لَبِثْتُ الْاَزَى لَمُتْنِي فِرْعَوْنُ﴾ ”یہی ہیں جن کے بارے میں تم مجھے طعنے دے رہی تھیں۔“ پھر اس نے آپ کی کامل و اعلیٰ پاک دہائی کی تحریف کرتے ہوئے کہا: ﴿وَلَقَدْ ارَادْنَاهُ عَنِ نَفْسِهِ قَاتِلًا مَصْعَدًا وَلَكِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا امْرَاةُ يُحْسِنُ وَكَانَ مِنَ الضَّالِّينَ﴾ ”میں نے ہر چند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا۔ اور جو شخص اس سے کہہ رہی ہوں، اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً قید کر دیا جائے گا اور بے شک یہ بہت ہی بے عزت ہو گا۔“ ان سب عورتوں نے آپ کو اپنی مالکدہ کی فرماں برداری کرنے کی تلقین کی تھی، لیکن آپ نے سختی سے انکار کر دیا کیونکہ

آپ انبیاء کرام علیہم السلام کی آل میں سے تھے۔ اس وقت آپ نے رب العالمین سے دعا کی اور فرمایا: ﴿رَبِّ الْيَتِيمِ احْبَبْ اِلَيَّ يٰاَيُّهَا عَلِيُّ بْنُ اَبِي تَالِبٍ وَرَاٰكَ صَوِّفْ عَلَيَّ كَيْدَهُنَّ اَصَّبْ الْيَتِيمَ وَارْتِنْ مِنْ الْجَلِيلِ﴾ ”اے میرے پروردگار! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاری ہیں، اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے۔ اگر تو نے ان کا فریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بالکل نادانوں سے جا ملوں گا۔“ لیکن اگر تو نے مجھے میری ذات کے پرہیز کر دیا (اور اپنی حفاظت اٹھالی) تو میری ذات تو کمزور ہے، میں تو اپنی جان کے لیے بھی کسی نفع نقصان کا مالک نہیں، مگر جو اللہ کی مرضی ہو۔ میں مکرور ہوا اب یہ کہ تو مجھے قوت بخشے اور میری حفاظت فرما۔ اور تیری توفیق میرے شامل حال ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ

سبیلوں نے آپ ﷺ کو بھی دکھایا ہو۔ آخر آپ کئی سال سے اس گھر میں رہ رہے تھے۔ وہ عورتیں اکثر آتی جاتی ہوں گی۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے یک زبانی ہو کر یوسف کو اناداکہ راستہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ کے صاف انکار پر انہوں نے خود بھی کی دھمکی دی۔ جب آپ اس سے بھی متاثر نہ ہوئے تو ہاتھ دھ کر لے کر یہ غالی دیکھیں۔ جس طرح ہم نے ہاتھ کاٹے ہیں تمہارے مزید انکار کی صورت میں خود بھی کئی سختی ہیں اور ہمارا خون آپ کے سر ہو گا۔ جب اس مرحلہ پر بھی یوسف علیہ السلام جاہل قدم رہے تو انہوں نے کہا کہ یوسف علیہ السلام انسان نہیں۔ اگر انسان ہوتا تو ہمارے ایک اشارے پر اس طرح چلا آتا جس طرح لوہا ہتھکڑی کی طرف کھینچتے ہے۔ یقیناً یہ انسانی صورت میں فرشتہ ہے جو انسانی جذبہ و خواہشات سے ہمراہ ہے۔ واللہ اعلم۔

بھیجا اور ان کے لیے ایک مخمل مرتب کی اور (پچھل تراشنے کے لیے) ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور (یوسف علیہ السلام سے) کہا کہ ان کے سامنے باہر آؤ تو ان کا رعب (حسن) اُن پر (ایسا) چھا گیا کہ (پچھل تراشنے تڑپنے) اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بے ساختہ یوں انھیں کہ سبحان اللہ (پس کُن!) یہ آدھی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ تب اس نے کہا کہ یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں اور بے شک میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر یہ بچا رہا اور اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جو ہمیں بتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہو گا۔ یوسف نے دعا کی کہ پروردگار! جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت مجھے قید پسند ہے اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں داخل ہو جاؤں گا۔ سو اللہ نے اُن کی دعا قبول کر لی اور اُن سے عورتوں کا کمر و رفع کر دیا۔ وہ سننے (اور) جاننے والا ہے۔“ (یوسف: 30-34)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شہر کی عورتوں یعنی درباریوں اور سرداروں کی بیویوں اور بیٹیوں کے طرز عمل کا ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے عزیمصر کی یوی کو اس لیے طعن و تفتیح کا نشانہ بنایا کہ اس نے اپنے غلام کو رغلانے اور اس سے شہر بہت محبت کا اظہار کیا حالانکہ وہ غلام ہونے کی وجہ سے اس لائق نہ تھا کہ اس کی طرف اس قدر میان غا ہر کیا جاتا اس لیے ان عورتوں نے کہا: ﴿اِنَّكَ لَكِرَاهٍ فِيْ صُلٰبِ نٰمِيْنٍ﴾ ”ہمارے خیال میں وہ صریح گمراہی میں ہے۔“ کیونکہ اس نے ایک چیز (محبت کے جذبات) کو غلط مقام پر رکھ دیا ہے۔

عزیمصر کی یوی نے جب ان کی پر فریب غیبت کا حال سنا اور لوگوں کے طعن و تفتیح کی خبریں اس تک پہنچیں تو اس نے چاہا کہ ان کے سامنے اپنا غنڈہ پیش کرے اور دافع کر دے کہ جو ان دیکھا نہیں، جیسا وہ سمجھتی ہیں اور ان کے غلاموں جیسا نہیں۔ اس لیے انہیں بلا بھیجا اور انہیں گھر میں جمع کر لیا اور ان کے لیے ان کے لائق خیاات کا بندوبست کیا۔ اس میں ایسی چیزیں بھی پیش کیں جو چاقو چھری سے کاٹ کر کھائی جاتی ہیں۔ اس لیے پروردگار کو چھری دی۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہترین لباس پہنا کر تیار کیا ہوا تھا اور آپ کی جوانی کا حسن پورے جوہن پر تھا۔ اس نے آپ کو حکم دیا کہ عورتوں کے سامنے آئیں۔ آپ آئے تو چودھویں کے چاند کا حسن آپ کے سامنے تھا۔ ان عورتوں نے جب آپ کو دیکھا تو بہت بڑا جانا یعنی آپ کی عظمت و جلال سے مرعوب ہو گئیں۔ وہ سوچ نہیں سکتی تھیں کہ انسانوں میں ایسا حسین بھی ہو سکتا ہے۔ وہ آپ کے حسن و جلال سے اس قدر مہموت ہوئیں کہ انہیں اپنے آپ کا ہوش نہ رہا۔ انہوں نے ان چھریوں سے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور انہیں زخموں کا احساس ہی نہ ہوا۔ اور ان کی زبان سے نکل گیا: ﴿حَاشَ لِلّٰہِ مَا هٰذَا بَشَرًا فَاِنْ هٰذَا اِلَّا مَلٰٓئِکَۃٌ رَّسُوْاۤہُ﴾ ”حاشا للہ (اللہ کی پناہ!) یہ انسان ہرگز نہیں بلکہ یقیناً کوئی بہت ہی بزرگ فرشتہ ہے۔“^①

① مصنف رحمۃ اللہ علیہ آگے جا کر لکھا ہے کہ ان سب عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی تنہا کی تھی کہ اپنی مالکدہ کی فرماں برداری کریں۔ اس لیے بعض علماء کی رائے ہے کہ انہوں نے آپ کے سن سے مہموت ہو کر ہاتھ نہیں کاٹے تھے۔ وہ کوئی باحیا معاشرہ تھا کہ امراء و اعزازی کی

ہوں اور اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں۔ ہمیں لائق نہیں کہ کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک بنائیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، ہم پر بھی اور دوسرے لوگوں پر بھی، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ میرے جیل خانے کے ساتھ بھلائی جدا جدا آقا جیسے یا (ایک) اللہ کی دعا ہے۔ جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی (سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اُس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ میرے جیل خانے کے رفیقو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا اور پرندے اُس کا سر نوچ کھا لیں گے۔ جو امر تم مجھ سے پوچھتے تھے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔“ (یوسف: 12/34-41)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ عزیز مصر اور اس کی بیوی کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام قصور ہیں۔ اس کے باوجود انہیں یہی مناسب معلوم ہوا کہ آپ کو کچھ عرصہ کے لیے قید کر دیا جائے تاکہ لوگوں کی چند نیکیاں ختم ہو جائیں اور یہ معاملہ دب جائے۔ یہ مقصد بھی تھا کہ عام یہ خیال کریں کہ حضرت یوسف علیہ السلام چھپر چھڑا ہیں جیل کی ہوگی، اس لیے انہیں قیدی سزا دی گئی ہے۔ بہر حال آپ کو جیل میں بھیجنا ان کا ظلم تھا تاہم اس میں اللہ کی حکمت تھی کہ اس طرح آپ ان عورتوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے بچ گئے اور ان کی شرارتوں سے محفوظ ہو گئے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان کے ساتھ یہ دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے تھے۔ کہتے ہیں ان میں سے ایک بادشاہ کا ساتھی تھا اس کا نام یوسف بتایا جاتا ہے اور دوسرا بادشاہ کا باورچی تھا۔ اس کا نام تلحٹ بتایا جاتا ہے۔ وہ کسی جرم کے سلسلے میں مشکوک تھے اس لیے بادشاہ نے انہیں قید کر دیا تھا۔ جب جیل میں ان کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی تو وہ آپ کے اخلاق و کردار، عادت و اطوار، اقوال و افعال، کثرت عبادت اور مخلوق خدا پر شفقت سے بہت متاثر ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک خواب آیا، جو اس کے شب و روز کے مشاغل سے مناسبت رکھتا تھا۔

مفسرین فرماتے ہیں: ان دونوں نے ایک ہی رات میں خواب دیکھا۔ ساتھی نے خواب میں دیکھا کہ انگریز کی تیل کی تین شاخیں ہیں، ان میں پتے آگ آئے اور انگریزوں کے گھے گھے لگ چک گئے۔ اس نے انہیں لے کر بادشاہ کے پیالے میں نچڑا اور اسے وہ مشروب پلایا۔ روٹیاں پکانے والے باورچی نے دیکھا کہ اس کے سر پر درویشوں کی تین نوکریاں ہیں اور پرندے سب سے اوپر کی نوکری سے کھا رہے ہیں۔

دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا اپنا خواب سنایا اور تعبیر کی درخواست کی۔ دونوں نے کہا: ﴿إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”ہمیں تو آپ خوبییوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں۔“ آپ نے انہیں بتایا کہ وہ خوابوں کی تعبیر کے علم سے بخوبی واقف ہیں۔ اور کہا ﴿لَا يَأْتِيَنَّكَ عَلاَمٌ تَزِدُّهُ ذَنْبًا يَأْتِيَنَّكَ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَنَّكَ﴾ ”تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے

لے فرمایا: ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ زَلْزَلَتْنَاهُمْ﴾ ”اِنَّکَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ“ ”اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان عورتوں کے داؤ بیچ اس سے بچیر دے، یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت ہو جانے کے باوجود آپ کو قید خانے میں ڈال دیا تاکہ اپنے خاندان کے عیب کو چھپا سکے اور لوگ اس قصے کو فراموش کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس قید کو حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے باعث خیر و برکت بنانے کا فیصلہ کیا ہوا تھا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ بَلَغَ الْهُمُ مِنْ بَعْدِ مَا دَاوُاْ إِلَيْكَ لِيَجْعَلَكَ هَتَفًا ۖ وَدَخَلَ مَعَهُ السَّجَنَ فَتَبَيَّنَ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرِيتُ أُخْبِرُ أَخَصْرًا ۖ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرِيتُ أُخْبِرُ رَافِعِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۖ قَالَ لَا يَأْتِيَنَّكُمَا عَلاَمٌ تَزِدُّهُ ذَنْبًا يَأْتِيَنَّكَ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَنَّكَ ۖ ذُلُّكُمَا مِمَّا عَمِلْتُمْ ۖ إِنِّي أَتُوبُ إِلَهُ ۖ قَوْلُهُ لَآ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۖ وَاتَّبَعَتْ مَلَكَةً أَبَا بَرٍّ إِذْ هُمْ وَاسْتَفْزَعَتْ ۖ وَأَشْفَقَ وَيَعْقُوبُ ۖ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشِيرَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ ذَلِكُمْ مِنْ قَضَاءِ اللَّهِ عَلَيْكَ وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۖ إِصْرَاجِي السَّجَنَ ۖ أَرَا بَابَ مُتَعَفِّقُونَ خَيْرًا ۖ إِنَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۖ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمِيَتْهُمُ اللَّاتُ وَالأُتَّى ۖ هَٰذَا أَتُّوْا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ يَهْدِي مَنْ سُلْطٰنُ ۖ إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ ۖ أَمَرَ أَكَ تَعْبُدُ إِلَّا الْآيَاتُ ۖ ذَلِكُمُ الدِّينُ الْقَوِيمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۖ إِصْرَاجِي السَّجَنَ ۖ أَفَنَا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبُّهُ خَمْرًا ۖ وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ۖ فَفُيَ الدُّنْيَا فِيهِ السَّجَنُ ۖ﴾

”بچھرا جو دوس کے کردہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے ان کی رائے یہی تھی کہ کچھ عرصے کے لیے ان (یوسف) کو قیدی کر دیں۔ اور ان کے ساتھ دو اور جوان بھی داخل زمان (جیل) ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ (میں خواب) میں دیکھتا ہوں کہ شراب (کے لیے انگو) نچڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ (میں نے بھی خواب دیکھا ہے) میں یہ دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھانے ہوئے ہوں اور پرندے ان میں سے کھا رہے ہیں (لہذا) ہمیں ان کی تعبیر بتا دیجیے کہ ہم تمہیں نیکو کر سمجھتے ہیں۔ یوسف نے کہا کہ جو کھانا تم کو ملے والا ہے وہ انے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ ان (باتوں) میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں۔ جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت کا انکار کرتے ہیں میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے

فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ساقی ہے۔ ”وَاقْبَا الْاُخْرَ فَيَصْلُبُ فَنَأَى كُلُّ الْكَلْبِ مِنْ زَابِيهِ“ ”لیکن دوسرا صلیب دیا جائے گا اور پرندے اس کا سرو توج کھائیں گے۔“ کہتے ہیں اس سے مراد بادریچی ہے۔ ﴿فَصَفَى الْاُخْرَ الَّذِي فِيْهِ تَسْتَفْتِيْنَ﴾ ”تم دونوں جس کے بارے میں استفسار کر رہے تھے، اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے،“ یعنی یہ لازماً ہو کر رہے گا۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تک خواب کی تعبیر نہ کی جائے، وہ پرندے کے پاؤں پر ہے۔“ (اس کا واقع ہونا اور نہ ہونا دونوں ممکن ہیں جیسے پرندے کے حیر میں پکڑی ہوئی چیز کا گرنا اور نہ گرنا دونوں ممکن ہیں) جب تعبیر کردی جائے تو وہ واقع ہو جاتی ہے۔^①

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ اَنْهَ اَتَاكَ نَجَاجٌ مِنْهَا الذَّكَوْنِ عِنْدَ رَبِّكَ فَانْسَسْهُ الشَّيْطَانُ ذَكَرَ رَبِّهِ فَلَمْ يَكُنْ فِي السَّيْنِ يَضَعُ سَيْنِيْنَ ۝﴾

”اور دونوں شخصوں میں سے جس کی نسبت (یوسف نے) خیال کیا کہ وہ رہا ہوا چاہا ہے گا“ اُس نے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا لیکن شیطان نے اُن کا اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف کئی برس جیل خانے ہی میں رہے۔“ (یوسف: 42/12)

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس شخص سے کہا جو اُن کے خیال میں نجات پانے والا تھا، یعنی ساقی سے کہا: ﴿الذَّكَوْنِ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ ”اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دینا۔“ یعنی بادشاہ کو میرا معاملہ بتانا اور میرا بغیر جرم کے قید ہونا ذکر کرنا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسباب کو اختیار کر کے کوشش کرنا جائز ہے اور یہ اللہ رب العالمین پر توکل کے معنائی نہیں۔ ﴿فَانْسَسْهُ الشَّيْطَانُ ذَكَرَ رَبِّهِ﴾ ”پھر اسے شیطان نے اپنے بادشاہ سے ذکر کرنا بھلا دیا۔“ یعنی شیطان نے چھوٹ جانے والے قیدی کو بھلا دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے جوتا کید کی تھی، اس کا ذکر بادشاہ سے کرتا۔ حضرت عجاہد بن محمد بن اسحاق رحمہ اللہ اور دوسرے متعدد علما نے کرام نے یہی فرمایا ہے اور یہی درست ہے۔ اہل کتاب کے ہاں بھی (بائبل میں) یہی لکھا ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمْ يَكُنْ فِي السَّيْنِ يَضَعُ سَيْنِيْنَ﴾ ”اور اس (یوسف) نے کئی سال قید خانے ہی میں کاٹے۔“ [یضَعُ] کا لفظ تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔^②

جن حضرات نے ﴿فَانْسَسْهُ الشَّيْطَانُ ذَكَرَ رَبِّهِ﴾ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ”شیطان نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے رب کی یاد بھلا دی۔“ ان کا موقف درست نہیں۔

① سنن ابی داؤد: ”الادب“ باب فی الروایۃ: حدیث: 5020

② علامہ منصور پوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا اتفاق اس بات پر ہے کہ یوسف صدیق علیہ السلام زندان میں سات سال تک رہے تھے۔ (انجیل و انکمال)

تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔“

اس کی تفسیر اس طرح بھی کی گئی ہے کہ تمہیں جو خواب بھی نظر آئے، میں اس کی تعبیر کے واقع ہونے سے پہلے تعبیر بتا دوں گا۔ پھر جیسے میں نے بتایا ہو گا اسی طرح واقع ہو گا۔ اور ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے پاس کھانا آنے سے پہلے میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کھانا کیسا ہو گا! بیٹھایا کھانا؟ جیسے حضرت یسٰی علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَاَنْتَ لَتَكُونَنَّ مِمَّا كَانُوا عَلٰی فِئْتٍ خَوْنٍ فِیْ یَوْمِئِذٍ﴾ ”اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔“ (آل عمران: 49/3)

آپ نے فرمایا: ”یہ سب کچھ مجھے اللہ نے سکھایا ہے کیونکہ میں اس پر ایمان رکھتا ہوں، اس کی توحید پر کاربند ہوں اور اپنے معزز اجداد ابراہیم خلیل الرحمن، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے مذہب ولایت کا قیام کرتا ہوں۔ ہمیں ہرگز یہ سزا اور عذاب کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں۔ یہ ہم پر اللہ کا خاص فضل ہے کہ اس نے ہمیں اس کی ہدایت بخشی اور تمام لوگوں پر بھی کہ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم انہیں اس کی طرف بلائیں اور ان کی اس طرف رہنمائی کریں۔ یہ (عقیدہ توحید) ان کی فطرت میں پیوست ہے اور ان کی جبلت میں شامل ہے۔ لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔“

① قید خانے میں دعوت توحید: پھر آپ نے انہیں توحید کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت کی مذمت فرمائی، معبودانِ باطلہ کی تحقیر اور ضعف کو واضح فرمایا اور کہا: ﴿يُصَاحِبِي السَّيْنِ اَزْبَابٌ فَتَقِفُ قُوْنٌ خَيْرٌ اَوْ اَللّٰهُ اَوَّالُ الْفَقَارِ ۚ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ اِلَّا اَنْسَاءً سَبَّحْتُمُوْهُنَّ اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ عَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلٰطٰنٍ ۚ اِنَّ الْعُلَمٰۤءَ لَآ يَلٰٓئِمُوْهُ ۚ﴾ ”اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا کئی ایک متفرق پروردگار رہتے ہیں یا ایک اللہ رب مدست طاقتور؟ اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود ہی گھڑ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔“ فرماں روا ہی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔“ (یوسف: 40/39)

یعنی وہ اپنی مخلوق میں تعریف کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کہ لیتا ہے، جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ رہنے دیتا ہے۔ اس کا فرمان ہے: ﴿اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ﴾ ”میں دین درست ہے۔“ یعنی سیدھا اور صحیح راستہ ہے۔ ﴿وَلَكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“، اور وہ اس کے واضح ہونے کے باوجود اس تک نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اس موقع پر انہیں تبلیغ کرنا اپنی حکمت و کمال کا مظہر ہے کیونکہ ان کے دلوں میں آپ کی عظمت جاگزیں ہو چکی تھی، لہذا وہ آپ کی بات سننے اور تسلیم کرنے پر آمادہ تھے۔ اس لیے مناسب تھا کہ انہوں نے جو کچھ دریافت کیا انہیں اس سے زیادہ اہم اور زیادہ مفید امر کی طرف توجہ دلوائی جاتی۔

پھر جب آپ تبلیغ کا فرض ادا کر چکے اور ان کی رہنمائی فرما چکے تو فرمایا: ﴿يُصَاحِبِي السَّيْنِ اَمَّا اَصَدُّكُمْ فَيَسْبِقُ رَبُّكَ خَيْرٌ﴾ ”اے میرے قید خانے کے رفیقو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا۔“ علماء

لوگ اس میں رس پھڑیں گے۔“ (یوسف: 43، 49)

یہ بھی ان اسباب میں سے ایک سبب ہے جن کی بنا پر حضرت یوسف علیہ السلام کو بڑے اعزاز و کرام کے ساتھ جیل سے باہر لایا گیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ مصر کے بادشاہ کو ایک خواب آیا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ گویا وہ ایک دریا کے کنارے پر ہے۔ دریا سے سات موٹی تازی گائیں نکلیں اور وہاں مرغزار میں چرے لگیں۔ پھر اسی دریا سے سات ڈبلی گائیں نکلیں اور ان کے ساتھ چرے لگیں۔ پھر وہ ڈبلی گائیں ان موٹی گائیوں کو کھا گئیں۔ بادشاہ گہرا کر بیدار ہو گیا۔ جب دوبارہ سوایا تو اس نے دیکھا کہ گندم کے ایک پودے میں سات سبز بالیاں ہیں، اچانک سات چلی چلی خشک بالیوں نے انہیں کھا لیا۔ وہ پھر گہرا کر بیدار ہو گیا۔ (ہائل، کتاب پیدائش باب: 41)

جب اس نے اپنے دو باریوں اور دوسرے افراد کو یہ خواب سنایا تو کوئی اس کی تعبیر نہ بتا سکا بلکہ انہوں نے کہا: **«أَعْصَاكَ أَحْلَامُ»** ”یہ تو پریشان خواب ہیں۔“ اس قسم کے خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی اور پھر یہ بات بھی ہے کہ ہمیں اس علم میں کوئی مہارت حاصل نہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا: **«وَمَا تَعْنِ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِطُيُولَيْنِ»** ”اور ہم خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔“

اس وقت قید سے نجات پانے والے (ساقی) کو یوسف کی بات یاد آئی جو انہوں نے فرمایا تھا کہ بادشاہ کے پاس ان کا ذکر کرنا لیکن اسے ایک بات یہ بھی بتا دی رہی تھی۔ یہ اللہ کی تقدیر تھی جس میں اللہ کی خاص حکمت پوشیدہ تھی۔ اس نے جب بادشاہ کا خواب سنا اور لوگوں کو اس کی تعبیر سے عاجز دیکھا تو اسے حضرت یوسف علیہ السلام کی بات چیت اور نصیحت یاد آ گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **«الَّذِي نَجَّاهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أَمْقٍ»** ”ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہوا تھا، اسے مدت کے بعد یاد آ گیا۔“ یعنی تین سال بعد اسے یاد آ گیا تو اس نے اپنی قوم سے اور بادشاہ سے کہا: **«أَنَا أَنَا نَعْلَمُ بِتَأْوِيلِهِ فَارْسِلُونَا»** ”میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا، مجھے جانے کی اجازت دیجیے۔“ یعنی مجھے یوسف علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت دیجیے، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: **«يُوسُفُ أَتَىٰ الصِّدِّيقَ الْاُخْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ يَسَانٍ يَأْكُلُ مِنْ سَبْعِ عَجَافٍ وَسَبْعِ سَنَابِلٍ خَضِرٍ وَآخَرَ يَسْتِ لَعَلَّيْ أَنْجِ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ»** ”یوسف! اے بہت بڑے سچے یوسف! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلا دیجئے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں، جنہیں سات ڈبلی چلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالکل سبز خوشے ہیں اور سات ہی) دوسرے بالکل خشک ہیں، تاکہ میں وہاں جا کر ان لوگوں سے کہوں تاکہ وہ سب جان لیں۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے کوئی شرط لگے بغیر اور جلد رہائی کا مطالبہ کیے بغیر باخیر انہیں اپنے وطن سے مستفید فرما دیا اور بادشاہ کے خواب کی تعبیر بیان کر دی کہ ”پہلے سات سال شادابی ہوگی اور پھر سات سال قحط پڑے گا اور اس کے بعد جو سال آئے گا، اس میں لوگوں پر خوب بارش برسانی جائے گی جس سے زرخیزی اور خوش حالی آئے گی اور اس میں خوب رس پھڑیں گے۔“ یعنی انگوڑوں کا رس، زیتون اور تلون وغیرہ کا تیل جیسے پہلے حاصل کیا کرتے تھے، پھر حاصل کر لیں گے۔

بادشاہ کا خواب اور اس کی تعبیر

حضرت یوسف علیہ السلام کا قیدی رہا ہوئے پر بادشاہ کے سامنے آپ کا تذکرہ کرنا بھول گیا۔ پھر جب بادشاہ کو خواب آیا اور عام دو باری اس کی تعبیر سے عاجز آ گئے تو اسے حضرت یوسف علیہ السلام یاد آئے کہ آپ خوابوں کی بہترین تعبیر جانتے ہیں۔ لہذا وہ بادشاہ کی اجازت سے آپ کے پاس تعبیر ہو چکنے کے لیے حاضر ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

«وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ يَأْكُلْنَ سَبْعَ عَجَافٍ وَسَبْعَ سَنَابِلٍ خَضِرٍ وَآخَرَ يَسْتِ لَعَلَّيْ أَنْجِ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ» **«وَقَالَ الَّذِي نَجَّاهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أَمْقٍ أَنَا أَنَا نَعْلَمُ بِتَأْوِيلِهِ فَارْسِلُونَا»** **«يُوسُفُ أَتَىٰ الصِّدِّيقَ الْاُخْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ يَسَانٍ يَأْكُلُ مِنْ سَبْعِ عَجَافٍ وَسَبْعِ سَنَابِلٍ خَضِرٍ وَآخَرَ يَسْتِ لَعَلَّيْ أَنْجِ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ»** **«قَالَ تَذَرُونِ سَبْعَ سَنِينَ دَابَّاءَ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُونَهُ فِي سَنَابِلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ»** **«ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَحْصُونَ»** **«ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَيَصْفَرُونَ»**

”اور بادشاہ نے کہا کہ میں (خواب دیکھا ہے) دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات ڈبلی چلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز ہیں اور (سات) خشک۔ اے سردار! اگر تم خوابوں کی تعبیر جانتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ؟ انہوں نے کہا یہ تو پریشان سے خواب ہیں اور ہمیں ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں آتی۔ اب وہ شخص جو دونوں قیدیوں میں سے رہائی پا گیا تھا اور جسے مدت کے بعد وہ بات یاد آئی بول اٹھا کہ میں آپ کو اس کی تعبیر (لا کر) بتلا دیتا ہوں۔ مجھے (بیل خانے) جانے کی اجازت دیجیے۔ (غرض وہ یوسف کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے یوسف! اے بڑے سچے (یوسف) ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتائیے کہ سات موٹی گائیوں کو سات ڈبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز ہیں اور سات سوکھے تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جا کر تعبیر بتاؤں تاکہ وہ جان لیں۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال متواتر بیج کر رہو گے سو جو (غلہ) کاٹو تو تھوڑے سے غلے کے سا جو کھانے میں آئے اسے خوشوں ہی میں رہنے دو۔ پھر اس کے بعد (خشک سالی کے) سات سخت سال آئیں گے جو (غلہ) تم نے بیج کر کے رکھا ہوگا وہ اس سب کو کھا جائیں گے۔ صرف وہی تھوڑا سا غلہ رہ جائے گا جو تم اختیار سے رکھ چھوڑو گے۔ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا کہ خوب مینہ برے گا اور

ہیں تو اس نے حکم دیا کہ آپ کو اس کے دربار میں حاضر کیا جائے تاکہ آپ کو خناسان دربار میں شامل کیا جائے۔ جب شہ پاک فرستادہ آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے چاہا کہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ آپ کو قید کیا جاتا محض ظلم و عدوان تھا اور جو گناہ آپ کی طرف منسوب کیا گیا وہ صریح بہتان تھا۔ تب آپ نے اس سے فرمایا: ﴿رَجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسَلِّ مَا بَالُ الْمُسْلِمِ﴾ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ یٰمُحَمَّدٌ اِنِّیْ رَجَعْتُ بِکَیْهِمْ عَلَیْهِمْ ۝ ”اپنے مالک یعنی بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا قضیہ کیا واقعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ میرا رب ان کے لیے سے واقف ہے۔“

﴿رَجِعْ﴾ ”میرا مالک، آقا“ سے ایک قول کے مطابق عزیز مراد ہے یعنی اسے تو معلوم ہے کہ میں اس الزام سے بری ہوں! لہذا بادشاہ سے کہو کہ وہ ان عورتوں سے بھی پوچھئے کہ جب انہوں نے مجھے ہرکنا چاہا تو میں نے ان کی بات ماننے سے کس قدر تندی سے انکار کیا تھا؟ جب عورتوں سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اصل واقعہ کا اعتراف کر لیا اور یہ تسلیم کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کردار بے داغ تھا۔ انہوں نے کہا: ﴿حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ شَیْءٍ﴾ ”عذا اللہ! ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں پائی۔“

اس وقت ”عزیز کی بیوی“ زلیخا بھی بول اٹھی کہ اب تو سچی بات تھرائی، یعنی حق واضح ہو گیا ہے اور حق ہی کی پیروی ہوئی چاہیے۔ اس نے کہا: ﴿اَنَا رَاوَدُّہُ عَنْ نَّفْسِہٖ ۝ وَ اِنَّہٗ لَکَیِّنَ الضَّالِّیْنَ﴾ ”میں نے ہی اسے اس کے جی سے ورغلا یا تھا، اور وہ یقیناً بچوں میں سے ہے۔“ یعنی اس کی یہ بات بالکل سچ ہے کہ وہ بے گناہ ہے، اس نے مجھے گناہ کی دعوت نہیں دی بلکہ اسے جھوٹ اور بہتان کی بنیاد پر ظلم و عدوان سے قید کیا تھا۔

آیت مبارکہ ﴿ذٰلِکَ لَیَعْلَمَنَّ اَنَّہٗ لَمْ اُخْنَعْہُ بِالْقَبْرِ ۝ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یُہْدِیَ الْکٰفِرِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۝﴾ کو بعض علماء نے یوسف علیہ السلام کا کلام قرار دیا ہے۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ میں نے یہ تحقیق اس لیے کرائی ہے تاکہ عزیز کو معلوم ہو جائے گا کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں، اس کی خیانت نہیں کی تھی (یعنی زلیخا سے ناجائز تعلق قائم نہیں کیا تھا)۔ اور بعض دوسرے علماء اسے زلیخا کا کلام قرار دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے اعتراف کر لیا ہے تاکہ میرے خاندان کو ظلم ہو جائے کہ میں نے اپنے خاندان کی عیادت نہیں کی تھی۔ صرف مائل کرنے کی کوشش ہوئی تھی، بدکاری کا عمل سرزد نہیں ہوا۔

متاخرین علماء میں سے بہت سے حضرات اس (دوسرے) قول کی تائید کرتے ہیں۔ البتہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ صرف پہلا قول نقل کیا ہے۔

﴿وَمَا اَبْرَئِیْ نَفْسِیْ ۝ اِنَّ النّٰفِثَ لَکَاذِبًا ۝ اِلَّا مَا رَجِمَ رَبِّیْ ۝ اِنَّ رَبِّیْ لَعَلَّوْہُ رَجِیْمٌ﴾ ”اور میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتی، بے شک نفس تو برائی پر ابھارتا ہے والا ہی ہے، مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے۔ یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربان فرماتے والا ہے۔“

آپ نے انہیں تعبیر بھی بتائی اور اچھی تدبیر بھی سمجھائی اور دونوں حالتوں یعنی زنجیری اور قید کے ایام کے بارے میں ان کی رہنمائی فرمائی کہ ابتدائی سالوں یعنی زنجیری کے دور میں غلہ خوشوں میں رکھیں، صرف کھانے کی ضرورت کے مطابق دانے نکالیں اور قید سالوں کے دور میں سچ کم بولیں کیونکہ زیادہ امکان یہی ہے کہ کھیت سے بیج کے برابر بھی پیداوار نہ ہوگی۔ اس سے آپ کے ظلم اور ظہم دونوں کے کمال کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصور ثابت ہوتے ہیں

خواب کی تعبیر معلوم ہونے پر بادشاہ بڑا خوش ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو حاضر کرنے کا حکم دیا تاکہ انہیں اپنے خاص وزراء میں شامل کرے مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی مکمل بے گناہی کا اظہار کر دیا بغیر جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقَالَ الْمَلِکُ اَتُتْبِعُ بِہٖ فَلَمَّا جَاءَہُ الرَّسُوْلُ قَالَ اِنِّیْ اَرْسَلْتُکَ اِلٰی رَبِّکَ فَسَلِّ مَا بَالُ الْمُسْلِمِ ۝ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ یٰمُحَمَّدٌ اِنِّیْ رَجَعْتُ بِکَیْهِمْ عَلَیْہِمْ ۝ قَالَ مَا حَظَبْتُکَ اِذَا رَاوَدُّکَ عَنْ نَفْسِہٖ ۝ قُلْنَا حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ شَیْءٍ ۝ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ اَلَنْ حَضَمْتُ الْعَجْزَ ۝ اَنَا رَاوَدُّہُ عَنْ نَفْسِہٖ ۝ وَ اِنَّہٗ لَکَیِّنَ الضَّالِّیْنَ ۝ ذٰلِکَ لَیَعْلَمَنَّ اَنَّہٗ لَمْ اُخْنَعْہُ بِالْقَبْرِ ۝ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یُہْدِیَ الْکٰفِرِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۝﴾

”بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لے آؤ۔ جب قاصدان کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کہ اپنے آقا کے پاس لوٹ جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے بے شک میرا پروردگار ان کے مکر سے خوب واقف ہے۔ بادشاہ نے (عورتوں سے) پوچھا بھلا اس وقت کیا ہوا تھا، جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ سب بول اٹھیں کہ [حاشا للہ! ہم نے اس میں کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ عزیز کی عورت نے کہا: اب سچی بات تو ظاہر ہو رہی ہے گی (اصل یہ ہے کہ) میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بے شک سچا ہے۔ (یوسف نے کہا کہ میں نے) یہ بات اس لیے (پوچھی ہے) کہ عزیز کو یقین ہو جائے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر کو براہ رسد دیتا۔ اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتی کیونکہ نفسِ انمارہ (انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا رب پروردگار رحم کرے۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔“ (یوسف: 50/52-53)

جب بادشاہ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام علم وافر، عقل کامل، رائے صاحب اور ظہم کا بے متصف

محفوظ رکھا جاسکتا ہے اور گودام کی طرح بہتر حالت میں رہ سکتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے بارے میں جانتا ہو کہ وہ کسی عہدے کی اہلیت رکھتا ہے اور دیانت داری سے متصف ہے، اس کے لیے حکومتی عہدہ طلب کرنا جائز ہے۔

اہل کتاب کہتے ہیں: فرعون (یعنی اس وقت کے شاہ مصر) نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے حد عزت افزائی کی اور آپ کو پورے مصر کا حاکم بنادیا۔ اس نے آپ کو اپنی شای انگشتی پہنائی، ریشم کا لباس پہنایا^①، سونے کا بار پہنایا اور آپ کو اپنے دوسرے رتھ میں سوار کرکے آپ کے آگے یہ منادی کرانی کہ تو مالک اور مختار ہے اور اپنے بارے میں کہا: فقط تحت کما ملک ہونے کے سبب سے میں بزرگ تر ہوں گا۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ﴾^② ”اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک کا قبضہ دے دیا وہ جہاں نہیں چاہے رہے ہے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ قید اور تنگی کی زندگی گزارنے کے بعد پورے مصر میں خود مختار ہو گیا۔ جہاں چاہے عزت و احترام سے رہے ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَأُصِيبَ بِرَحْمَتٍ مِّنْ لَّدُنَّاهُ وَلَا تُصِيبُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾^③ ”ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں اور ہم نیکو کاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔“ یہ سب اس جزا اور ثواب کا ایک حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کو دیا کرتا ہے اور جس کے ساتھ آخرت میں عظیم نعمتیں اور بہترین ثواب محفوظ ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿وَلَا تُجْرَ الْأَخْرَجَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾^④ ”یقیناً ایمان داروں اور پرہیز گاروں کا آخری اجر بہت ہی بہتر ہے۔“

عجائبِ دہشت سے محفل ہے کہ مصر کا بادشاہ، یان بن ولید یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لے آیا تھا۔^⑤ (واللہ اعلم)

برادرانِ یوسف علیہ السلام مصر میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو طویل آزمائشوں کے بعد تختِ مصر سے نوازا جبکہ آپ کے حاسد بھائی قاتلِ سالی کا شکار ہو کر آپ کے پاس غلے کے حصول کے لیے آتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۖ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالُوا إِنَّا تَوَاضَعُنَا لِوَجْهِكَ وَأَخَذْنَا مِنْ ذِي قُوَّةٍ أُنًى ۚ وَاتَّخَذُوا خَيْرَ الْمَبْذُولِينَ ۚ قَالُوا لَمَّا تَوَلَّوْا يَهُدُ قُلُوبُكُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ يُّوَسُفَ ۚ قَالُوا اسْتَرْوَادُهُ عَنَّا بَابٌ ۚ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ۚ وَقَالَ لِفَتْيَاهِ

① بائبل میں ”بارک تان“ کا لباس کہا گیا ہے۔ (پیدائش، 42:41) بہر حال مقصود لباسِ فاخرہ ہے۔

② تفسیر ابن کثیر: 339/4 تفسیر سورۃ یوسف آیت: 57

بائبل آیت کے بارے میں اختلاف کی بنیاد پر اس آیت کو بھی بعض علماء نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے اور بعض نے زلیخا کا۔ زیادہ مناسب اور زیادہ قوی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی زلیخا کا کلام ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت یوسف علیہ السلام منصبِ حکومت پر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ الْتَوَيْبَةُ إِنِّي اسْتَخْلَصْتُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلِمَةً قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ۚ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۚ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا ۚ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ وَأُصِيبَ بِرَحْمَتٍ مِّنْ لَّدُنَّاهُ وَلَا تُصِيبُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۚ وَلَا تُجْرَ الْأَخْرَجَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۚ﴾

”بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنے اہل صاحب خاص بناؤں گا۔ پھر جب اُن سے گفتگو کی تو کہا کہ آج سے تم ہمارے ہاں صاحب منزلت اور صاحب اعتبار ہو (یوسف علیہ السلام نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف بھی ہوں۔ اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو ملک (مصر) میں جگہ دی اور وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے۔ ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں نازل کرتے ہیں اور نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے اُن کے لیے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔“ (یوسف: 54-57)

جب بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت ہوگئی اور اسے علم ہو گیا کہ آپ پر لگایا جانے والا الزام سراسر بے بنیاد تھا۔ تو اس نے کہا: ﴿الْتَوَيْبَةُ إِنِّي اسْتَخْلَصْتُ لِنَفْسِي﴾ ”اے میرے پاس لے آؤ، میں اسے اپنے خاص کاموں کے لیے مقرر کر لوں۔“ پھر جب اس سے بات چیت کی اور آپ کی بات چیت سن کر آپ کی صلاحیتیں خوب معلوم ہو گئیں تو کہنے لگا: ﴿إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ﴾ ”آپ ہمارے ہاں آج سے ذی عزت اور امانت دار ہیں۔“ (یوسف علیہ السلام نے) کہا: ﴿اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۚ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا ۚ﴾ ”آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے، میں حفاظت کرنے والا اور بار خیز ہوں۔“ آپ نے بادشاہ سے کہا کہ وہ آپ کو غلے کے سرکاری گوداموں کی نگرانی کا منصب سونپ دے، کیونکہ شادابی کے سات سال گزرنے کے بعد حالاتِ خراب ہونے کا خدشہ تھا اس منصب پر فائز ہونے کی صورت میں آپ اس وقت عوام کے لیے مفید اور محتاط پالیسی اختیار کر سکتے تھے۔ آپ نے بادشاہ کو بتایا کہ آپ ”حفاظت کرنے والے“ ہیں، یعنی آپ دیانت داری کے ساتھ ان کی حفاظت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور ”بار خیز“ ہیں، یعنی آپ کو معلوم ہے کہ اشیاء کو کیسے

اجْعَلُوا بِضَاعَهُمْ فِي رَحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَ إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾
 ”اور یوسف کے بھائی (کنعان سے مصر میں غلہ خریدنے کے لیے) آئے تو یوسف کے پاس گئے۔ یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچان سکے۔ جب یوسف نے ان کے لیے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا کہ (پھر آنا تو) باپ کی طرف سے جو تمہارا ایک اور بھائی ہے اُسے بھی میرے پاس لیتے آنا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں باپ بھی پورا پورا دیتا ہوں اور مہمان داری بھی خوب کرتا ہوں؟ اور اگر تم آسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو نہ جنہیں میرے ہاں سے غلہ ملے گا اور نہ تم میرے پاس آسکو گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اُس کے بارے میں اس کے والد سے تذکرہ کریں گے اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے۔ اور (یوسف نے) اپنے خادموں سے کہا کہ ان کا سر مبارک (یعنی غلے کی قیمت) اُن کے برووں میں رکھ دو تا کہ جب یہ اپنے اہل و عیال میں جائیں تو اُسے پہچان لیں (اور) بعید نہیں کیا یہ پھر یہاں آئیں۔“ (یوسف: 62-58/12)

ان آیات میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے غلہ لینے کے لیے مصر میں آنے کا ذکر ہے۔ اس وقت قحط کے سال شروع ہو چکے تھے اور تمام علاقے قحط سے متاثر تھے۔ اس وقت مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت قائم تھی۔ چنانچہ جب وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں پہچان لیا، لیکن انہوں نے آپ کو نہ پہچانا کیونکہ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) اس مقام و مرتبہ پر فائز ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے آپ نے انہیں پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ بالکل میں لکھا ہے: جب وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو سجدہ کیا۔ آپ نے انہیں پہچان لیا اور چاہا کہ وہ آپ کو نہ پہچانیں۔ اس لیے ان سے سخت لہجے میں بات کی اور فرمایا: ”تم جاسو ہو، تم ہمارے ملک کی اچھی چیزیں لینا چاہتے ہو!“ بھائیوں نے کہا: ”اللہ کی پناہ! ہم تو قحط اور بھوک کی وجہ سے اتنا جھینے آئے ہیں۔ ہم کنعان کے رہنے والے ہیں اور ایک ہی باپ کے بارہ بیٹے ہیں، جن میں سے ایک ہم ہو گیا ہے اور چھوٹا بھائی ہمارے والد کے پاس ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”میں تمہارے معاملے کی تحقیق کروں گا۔“ آپ نے انہیں تین دن تک نظر بند رکھا پھر چھوڑ دیا۔ آپ نے شمعوں کا پتے پاس رکھا تاکہ دوسرے بھائی بنائیں کو لے کر آئیں۔^۱ ان تفصیلات میں بعض باتیں غلط بھی ہیں۔

گزشتہ آیات کی تفسیر: ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ﴾ ”اور جب انہیں ان کا سامان مہیا فرمایا۔“
 یعنی حسب معمول ہر شخص کو ایک اونٹ کے بوجھ کے مطابق غلہ دے دیا تو کہا: ﴿اِفْتُونِي يَا بَيْتَ لَكُمْ مِّنْ لِّبَنَةٍ﴾ ”تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا، جو تمہارے باپ سے ہے۔“ آپ نے ان سے ان کے حالات پوچھے لیے تھے اور پوچھا کہ وہ کتنے افراد ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم بارہ بھائی تھے۔ ایک ہم ہو گیا اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا: اگلے سال آؤ گے تو اسے بھی ساتھ لیتے آنا۔ ﴿اَلَا تَرَوْنَ اَنِّي اُوفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ﴾ ”کیا تم نہیں

دیکھتے کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین میزبانی کرنے والوں میں سے ہوں۔“ یعنی میں نے تمہاری میزبانی بہترین طریقے سے کی ہے۔ آپ نے یہ باتیں انہیں ترغیب دینے کے لیے فرمائیں، تاکہ وہ اس بھائی کو لے کر آئیں۔ پھر انہیں دھمکی دی اور فرمایا: ﴿فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ﴾ ”پس اگر تم میرے پاس سے لے کر نہ آئے تو میری طرف سے تمہیں کوئی ماپ (غلہ) نہ ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ چکنا۔“ یعنی پھر میں جنہیں غلہ نہیں دوں گا اور تمہاری مہمانی بالکل نہیں کروں گا یعنی پہل بات کے برعکس معاملہ ہوگا۔ اس طرح آپ نے ترغیب و ترہیب کے ذریعے سے پوری کوشش کی کہ وہ لوگ بنائیں کو بھی ساتھ لے آئیں تاکہ آپ اپنے بھائی سے ملاقات کے اشتیاق کی تسکین کر سکیں۔ انہوں نے کہا: ﴿سَرَّادُ عَيْنَاهُ أَبَاوَهُمَا وَكَانَ لِفُلُوحِهِمْ﴾ (اچھا!) ہم اس کے باپ کو اس کی بابت ترغیب دیں گے اور پوری کوشش کریں گے۔ یعنی ہم اسے لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے اور ہم ضرور اسے ساتھ لا کر رہیں گے۔

پھر آپ نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ لوگ غلہ خریدنے کے لیے جو چکھ لائے ہیں، وہ ان کی لالچی میں ان کے سامان میں رکھ دیا جائے۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَ إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ”تاکہ جب لوٹ کر اپنے اہل و عیال میں جائیں اور پوچھیں کو پہچان لیں، تو بہت ممکن ہے کہ یہ پھر لوٹ کر آئیں۔“ اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب وہ وطن پہنچ کر غلے میں پونجی پائیں گے تو واپس کرنے ضرور آئیں گے۔ یا یہ وجہ ہے کہ آپ کو خطرہ تھا کہ شاید ان کے پاس مزید رقم نہ ہو، جسے لے کر وہ بارہ غلہ لینے کے لیے آئیں، یا وجہ یہ ہے کہ آپ کو غلہ کے عوض ان سے رقم لینا اچھا معلوم نہ ہوا۔

نبیائین کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات

نبیائین نے حسب وعدہ نبیائین کو ساتھ لے جانے کی درخواست کی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے سختی سے رد کر دی۔ پھر بیٹوں کی منت سماجت اور پختہ وعدوں کے بعد ساتھ بھیج دیا۔ اس طرح نبیائین اپنے گئے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ جاتے ہیں ارشاد ربانی ہے:

﴿فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أٰبَائِهِمْ قَالُوا يَا اٰبَا نَا مَنۡعَ مِنَّا الْكَيْلَ فَاَنۡسَبَ لَنَا مِمَّا آٰخَاۡنَا لَنُكَلِّمَ وَاِنَّا لَهٗ لَخٰفِضُوۡنَ ۚ قَالَ هَلۡ اٰمَنۡتُمۡ عَلٰیہِۚ اِلَّا كَمَا اٰمَنۡتُمۡ عَلٰی اٰخِیۡہِۚ مِنْ قَبۡلُ ۚ فَاَلٰہُ خَبِیۡرٌ حَفِیۡظٌ ۚ وَہُوَ اَرْحَمُ الرَّحِیۡمِیۡنَ ۚ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوۡا بِضَاعَهُمْ رَدَّتِ الْیۡسٰۤءُ قَالُوۡۤا یٰۤاٰبَا نَا مَا لَیۡسَ لَہِۚ ہٰذَا بِضَاعُنَا رَدَّتِ الْیۡسٰۤءُ وَتَوٰہِیۡرُہٗۤا اَھَلُّوۡا وَحَفَظُوۡا اَمَّا نَا وَكَذٰۤلَہٗ کَلِمَۃٌ لَّیۡسَ بِہِۚ ۙ قَالَ لَیۡنَ اُرِیۡسَکُمۡ مَّعَہُ حَتّٰی تَوۡفِیۡقُوۡنَ ۙ مَوْفِیۡقًا مِّنۡ لِّہٖ لَمَّا تَلَقَّیۡنِیۡ بِہٖ ۙ اِلَّا اَنْ یَّحَاطَ بِکُمۡ ۚ فَلَمَّا اَتَوۡہُ مَوْفِیۡقَہُمۡ قَالَ اَلٰہُ عَلٰی مَا نَقُوۡلُ وَکَلِیۡلٌ ۚ وَكَانَ یَبِیۡنُ لَہِۚ تَلَ خَلُوۡا مِنْۢ بَابٍ وَّاجِبٍ وَادۡخُلُوۡا مِنْ

گے۔ ”وَلَوْ كُنْطُ أَفْئَاكَ وَتَوَدَّادُ كَيْلٍ بَعِيدٍ ذَلِكْ كَيْلٌ يَسِيرٌ“ اور اپنے بھائی کی گھرائی رکھیں گے اور اس کی وجہ سے ایک اونٹ کا بار زیادہ لائیں گے۔ یہ بار تو بہت آسان ہے۔ ①

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کی شدید خواہش رکھتے تھے کیونکہ اس میں نہیں یوسف کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔ انہیں یہ اطمینان ہوتا تھا کہ یوسف کی غیر موجودگی میں ان کا بھائی موجود ہے۔ اسی لیے انہوں نے فرمایا: **لَنْ أَرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِي مَوْعِدًا مِنَ اللَّهِ لَنَأْتِيَنَّكَ بِهِ إِنْكَ أَنْ يَمُوتَ بَلْخَ”** میں تو اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا، جب تک کہ تم اللہ کو بیچ میں رکھ کر مجھے قول و قرار نہ دو کہ تم اسے میرے پاس واپس لاؤ گے، سوائے ایک صورت کے کہ تم سب مغلوب ہو جاؤ۔ یعنی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ بنیامین کو بحفاظت واپس لانا تمہارے بس سے باہر ہو جائے۔ ”جب تم بے قصور ہو گے۔ جب انہوں نے پکا قول و قرار دے دیا تو انہوں نے کہا: **اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ**“ ہم جو کچھ کہتے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام بہت پختہ تدبیر و بیان لیے اور اپنے بیٹے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کا مظاہرہ فرمایا لیکن تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی۔ اگر آپ کو اور آپ کے کنبے کو خوراک کی شدید احتیاج نہ ہوتی تو آپ اپنے پیارے بیٹے کو کبھی نظروں سے اوجھل نہ کرتے۔ لیکن تقدیر کے اپنے طریقے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے فیصلے فرما دیتا ہے، وہی کامل حکمت والا مکمل علم والا ہے۔

پھر آپ نے انہیں حکم دیا کہ شہر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہوں، بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہوں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ آپ نے انہیں یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ انہیں نظر نہ لگ جائے کیونکہ وہ سب خوب صورت اور خوش شکل تھے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مقصد یہ تھا کہ الگ الگ داخل ہونے سے شاید کسی کو یوسف کا سراغ مل جائے۔ پہلا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اس لیے فرمایا: **وَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ**“ میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو تم سے نہیں ناپ سکتا۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي أَنْفُسِهِمْ يَتَعَقَّبُونَ كُضْمَهُمْ وَإِنَّهُ لَكُلٌّ وَعِلْمُهُ لَمَّا عَلِمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ** ②

① آیت کے اس حصے کا ترجمہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ ”یہ ماپ تمہارا ہے۔“ یعنی بتانا انا ج ملے ہے، وہ تمہارا ہے۔ ہماری ضرورت پوری نہیں کر سکتا۔

② علامہ منصور پوری رشتہ نے ایک وجہ یہی فرمائی ہے کہ ”ممکن ہے یعقوب علیہ السلام نے **إِنْكَ أَنْ يَمُوتَ بَلْخَ** کی دعوت پر غور فرمایا ہو اور پھر سمجھا ہو کہ اگر احاطہ تو سب یہ میرے میں آ جائیں گے۔ اسی لیے بہتر ہے کہ کوئی ایسی صورت بھی نکال دی جائے کہ کسی مصیبت کے پڑنے پر سب کے سب گرفتار نہ ہو جائیں۔“ (الجمال والکمال)

أَبَآبٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْ أَمَرَ لَكَ عَلَيْهِمْ وَكَوْنَتْ وَعَلَيْهِمْ قَلْبُوكَ الْبُتْرُكُونَ ③ لَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي أَنْفُسِهِمْ يَتَعَقَّبُونَ كُضْمَهُمْ وَإِنَّهُ لَكُلٌّ وَعِلْمُهُ لَمَّا عَلِمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ④

”جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس گئے تو کہنے لگے کہ ابا جان (جب تک ہم بنیامین کو ساتھ نہ لے جائیں) ہمارے لیے غلطی بندش کر دی گئی ہے سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم پھر غلام لائیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔ یعقوب نے کہا کہ میں اس کے بارے میں تمہارا اعتبار نہیں کرتا مگر وہی ایسی جیسا اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا“ لہذا اللہ ہی بہتر نگہبان ہے اور وہ سب کے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کا سرمایہ ان کو واپس کر دیا گیا ہے۔ کہنے لگے ابا جان! ہمیں (اور) کیا چاہیے (دیکھیے) یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔ اب ہم اپنے اہل و عیال کے لیے پھر غلام لائیں گے اور اپنے بھائی کی نگہبانی کریں گے اور ایک بارشتر زیادہ لائیں گے (جو ہم لائے ہیں) تمہارا ہے۔ یعقوب نے کہا کہ جب تک تم اللہ کا عہد نہ دو کہ اس کو میرے پاس (صحیح سلامت) لے آؤ گے میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا مگر یہ کہ تم گھیر لے جاؤ (یعنی بے بس ہو جاؤ تو مجبوری ہے) جب انہوں نے اُن سے عہد کر لیا تو یعقوب (نے) کہا کہ جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں اس کا اللہ ضامن ہے اور ہدایت کی کہ لے بیٹا! ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا اور میں اللہ کی تقدیر تو تم سے روک نہیں سکتا“ بے شک حکم الہی کا ہے۔ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اہل توکل کو کسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اور جب وہ اُن اُن مقامات سے داخل ہوئے جہاں جہاں سے (داخل ہونے کے لیے) (باپ نے) اُن سے کہا تھا تو وہ تدبیر، اللہ کے حکم کو ذرا بھی انہیں نہیں سکتی تھی۔ ہاں وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی جو انہوں نے پوری کی تھی اور بے شک وہ صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ (یوسف: 63-68)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب وہ لوگ اپنے والد کے پاس واپس پہنچے، جب کیا واقعات پیش آئے۔ انہوں نے کہا: **لَمَّا عَلِمْنَا الْكَيْلَ** ”ہم (سے) غلے کا ماپ روک لیا گیا۔“ یعنی اگر آپ نے ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ نہ بھیجا تو اس سال کے بعد غلے نہیں ملے گا۔ لیکن اگر آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیں گے تو ہمیں غلام مل جائے گا۔

وَلَمَّا فَخَّصُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَآءَهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ قَالُوا إِنَّا بِمَا كَانُوا كَانُوا ”جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اپنا سرمایہ موجود پایا، جو ان کی جانب لوٹا دیا گیا تھا۔ کہنے لگے ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟“ اب تو ہمیں اپنا سرمایہ بھی واپس مل چکا ہے۔ اس لیے **تَسْبِيحُ الْهَيْكَلِ** ”ہم اپنے خاندان کو سرملادیں

”جب وہ انہی راستوں (دروازوں) سے گئے جن کا حکم اُن کے والد نے انہیں دیا تھا، پھر نہ تھا کہ اللہ نے جو بات مقرر کر دی ہے، وہ اس سے انہیں ڈرا بھی نہ جائیں مگر یعقوب کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا جسے انہوں نے پورا کر لیا۔ بلاشبہ وہ ہمارے سکھائے ہوئے علم کے عالم تھے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

بائبل میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے ہاتھ عزیز مصر کے لیے تحفہ کے طور پر پرت، بادام، صنوبر کے ”بج“ شہدار مژ وغیرہ بھیجا۔ بھائیوں نے پہلے درجہ ہی ملے لیے اور چکرو اور ایشیا میں غلہ خریدنے کے لیے ساتھ لے گئے۔^①

② حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک تدبیر: حضرت یوسف علیہ السلام باوجود اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ نہیں سکتے تھے لہذا انہوں نے بھائی کو روکنے کی ایک تدبیر کی اور شادی تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَى الْيَسُوْفُ أَكْأَفَ قَالَ إِنِّي أَتَاكَوَلَفَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ فَلَمَّا بِحَتْمُهُمْ بِهَآءِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَتَيْهَا الْعَبْدُ الرَّحْمُ لَسُوفُونَ ۖ قَالُوا وَقِيلُوا لَهُمْ هَآذَا تَقَفُّوْنَ ۖ قَالُوا أَتَقَفُّوْا صَوَاعُ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ ۖ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ۖ قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْتُمْ لِنَفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سِرْقِينَ ۖ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِن كُنْتُمْ كَذِبِينَ ۖ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَن وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ ۖ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۖ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاۤءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاۤءِ أَخِيهِ كَذٰلِكَ كِدَآلُ يُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَخْلُفَ أَكْأَفَ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَن يَشَآءَ اللّٰهُ ۚ تَرْفَعُ دَرَجَةً مِّنْ نَّشَآءَ ۚ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۖ قَالُوا إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلُ ۚ فَأَسْرَهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبَيِّهَآ لَهُمْ ۖ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَآءَ ۖ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ۖ قَالُوا يَا أَبَتَا هَآءِهِمَا الْعَبْرِيُّ لَزَّآءَ أَلَّا شَيْعًا كِبِيرًا فَقَدْ أَحْسَنَ مَا مَكَآءَ ۖ إِنَّا نُرِيكَ مِنَ الْخَبِيرِينَ ۖ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّا لَنَآخِذُ بِكَ مَن وَجَدْنَا مَتَاعًا عِنْدَآ ۖ إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ ۖ﴾

”اور جب وہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ تیرا بھائی ہوں سو جو ملوک (ہمارے ساتھ) کرتے رہے ہیں اس پر افسوس نہ کرنا۔ جب یوسف نے اُن کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے کباوے میں پانی پینے کا پیالہ رکھ دیا پھر (جب وہ آبادی سے باہر نکل گئے تو) ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ اسے قافلے والو اتر تو چور ہو۔ وہ اُن کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کون سی چیز کھو گئی ہے؟ وہ بولے کہ بادشاہ (کے پانی پینے) کا پیالہ کھو گیا ہے اور جو شخص اس کو لے آئے اس کے لیے ایک باشر (ایک اونٹ کا سامان) ہے اور میں اس کا ضامن ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! تم کو معلوم ہے کہ ہم (اس)

ملک میں اس لیے نہیں آئے کہ خرابی کریں اور ہم نہ چوری کیا کرتے ہیں۔ وہ بولے کہ اگر تم جھوٹے (یعنی چوری ثابت ہوگئی) تو اس کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ دستیاب ہو وہی اس کا بدلہ قرار دیا جائے ہم غلاموں کو بیس سزا دی کرتے ہیں۔ جب یوسف نے اپنے بھائی کے سامان سے قفل ان کے سامانوں کو دیکھنا شروع کیا پھر اپنے بھائی کے سامان میں سے اس (پیالے) کو نکال لیا۔ اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی (ورنہ) بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ مشیت الہی کے سوا اپنے بھائی کو نہ لے سکتے تھے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں اور ہم علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔ (بزداران یوسف نے) کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہو تو (کچھ عجب نہیں کیونکہ) اس کے ایک بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی۔ یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا اور ان پر غابر نہ ہونے دیا (اور) کہا کہ تم بڑے بد قماش ہو اور جو تم بیان کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! اس کے والد بہت بوڑھے ہیں (اور اس سے محبت بھی رکھتے ہیں) سو (اس کو چھوڑ دیجیے اور اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ احسان کرنے والے ہیں۔ یوسف نے کہا کہ اللہ پناہ میں رکھے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں۔ ایسا کریں تو ہم بڑے بے انصاف ہیں۔“ (یوسف: 69-79)

ان آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ لوگ اپنے بھائی بنائیں گے تو اس کے گئے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے اسے اپنے قریب جگہ دی اور پوشیدہ طور پر اسے بتایا کہ آپ اس کے بھائی ہیں اور اسے حکم دیا کہ ابھی یہ بات بھائیوں کو نہ بتائیں۔^① علاوہ ازیں ان کی بدسلوکی پر اسے تسلی دی۔

پھر آپ نے ایک تدبیر کی تاکہ بنائیں گے دوسرے بھائیوں سے الگ کر کے اپنے پاس رکھ لیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ آپ کا پیالہ ان کو ملے ہوئے بغیر اس کے بورے میں رکھ دیں۔^② آپ اسی پیالے میں پانی پیتے تھے اور اسی سے باپ کر لوگوں کو غلہ دیتے تھے۔ جب وہ روانہ ہوئے تو ان کے پیچھے چند افراد بھیج دیے۔ انہوں نے جاکر کہا: تم لوگ بادشاہ کا بیٹا نہ چلا آئے ہو۔ اگر تم واپس کر دو گے تو ایک اونٹ غلام بدو یا جائے گا۔

اعلان کرنے والے نے اس وعدہ کے پورا ہونے کی ذمہ داری قبول کی۔ انہوں نے اس الزام کی صحت سے انکار کیا اور الزام لگانے والوں پر ناراضی کا اظہار کیا اور انہوں نے کہا: ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْتُمْ لِنَفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سِرْقِينَ﴾

① غالباً بنائیں گے ان کے انصاف کروانے سے یوسف علیہ السلام کا مقصد یہ ہو گا کہ واپس جا کر والد کو بتائے تو ان کا غم دور ہو جائے تاہم بعد میں حالات سے جو رخ اختیار کیا، اس کی وجہ سے بنائیں کو اپنے پاس روکنا بڑا اور یعقوب علیہ السلام کے اٹلا کی مدت مزید طویل ہو گئی۔

② علامہ مصور پوری دقت کی رائے ہے کہ پیالے کو پوری میں رکھنے کا کام یوسف علیہ السلام نے کیا تھا۔ جس کا علم بنائیں کے سوا کسی کو نہ تھا۔ بھائیوں کے روانہ ہونے کے بعد جب نوکروں کو معلوم ہو گا کہ پیالہ موجود نہیں تو قدرتی طور پر انہی لوگوں پر شک ہو گا جو ابھی یہاں سے گئے تھے لہذا اُن کا حق قبہ کر کے انہیں چالیا۔ (الجمال والکمال)

کپڑوں میں چھپا دیے۔ پھر تلاش کیا گیا تو ان کے پاس سے نکلا۔ انہیں تو معلوم نہیں تھا کہ یہ کیوں کیا جا رہا ہے۔ پھر وہ بھی محبت کی وجہ سے چلتی تھیں کہ آپ کے پاس رہیں! اس لیے یہ تدبیر کی۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ گھر سے کھانا چرا کر غریبوں کو کھلادیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔^① اس لیے بھائیوں نے کہا: ”اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔“ یوسف علیہ السلام نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے ظاہر نہ کیا۔ جو بات ظاہر نہ کی گئی تھی وہ آپ کے اگلے الفاظ ہیں کہ ﴿اَنْتُمْ شَرُّ قَوْمٍ مِّنْ اِنَّهُمْ﴾ ”تم بڑے بدشاہد ہو اور جو تمہیں بیان کرتے ہو، اللہ بھی خوب جانتا ہے۔“

آپ نے علم و درگزر سے کام لیتے ہوئے یہ بات آہستہ کی، اونچی آواز سے نہ کی۔ تب وہ آپ کی منت سماجت کرنے لگے اور بولے: ﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَكَ آيَاتًا شَدِيدًا كَثِيرًا فَقَدْ أَحَدًا مَّا كُنَّا نَدْعُوكَ إِلَّا نَلْمُكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ أَفْعَلَ ذَلِكَ مَنِ امْتَنَعًا وَعَنْدَ اللَّهِ وَإِنَّا لَآ أَظْلَمُونَ“ ”اے عزیزِ مصر! اس کے والد بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں، آپ اس کے بدلے میں ہم میں سے کسی کو لے لیجیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں۔ یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے، اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے تو ہم یقیناً نا انصافی کرنے والے ہو جائیں گے۔“ یعنی اگر ہم نے طرز کو چھوڑ دیا اور بے گناہ کو گرفتار کر لیا تو یہ ظلم ہوگا۔ ہم نہ خود ظلم کر سکتے ہیں نہ کسی کو ظلم کی اجازت دے سکتے ہیں۔ ہم اگر ہم کو چھوڑ دیں گے جس سے ہمیں اپنا سامنا ملا۔

بھائیوں کا باہمی صلاح مشورہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا اسْتِئْذِنُوا مِنْهُ خَالِفُوا ثَوْبًا قَالُوا كَيْفَ نَحْمِلُهُمْ اَلَّذِينَ تَصَلُّوْنَ اَنْ اَيُّهَا كَذَّابٌ قَدْ اَخَذَ عَلَيْنَا مَوِثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمَنْ قَبْلُ مَا كُنَّا نَعْلَمُ فِي يَوْصَفُ قَدْ اَبْرَحَ اَلْاَرْضَ حَتَّى يَأْتِيَ اَنْ اَيُّ اَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِيْ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ﴾ ﴿رُجِعُوْا اِلَىٰ اٰبِيكُمْ فَقُولُوْا يٰۤاٰبَا نَا اِنَّ اَبْنَاكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا اِلَّا اَنْ سَابَ عَلَيْنَا وَمَا كُنَّا لِنَلْبِثَ خُفْيٰتٍۭ وَنَسِىَ الْغَدِيَّةَ الْاٰتِيَّۃَ لَنَا فِيْهَا وَالْعَبْرُ الْاَيُّ اَقْبَلْنَا فِيْهَا﴾ ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَعْرَآءَ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌۭ عَسَىٰ اللّٰهُ اَنْ يَّاتِيَنِيْ بِهٖمْ جَمِيْعًاۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ ﴿وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسْفَىٰ عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنُهٗ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ﴾ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ لَتَقْتُلُوْا نَذَرَ كَذَّابٌ يُّوْسُفُ حَتَّىٰ تَكُوْنُوْا حَرَجًاۭ اَوْ تَكُوْنُوْا مِنَ الْهٰكِلِيْنَ﴾ ﴿قَالَ اِنَّمَا اَسْكُوْا بَعْضِيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ وَاعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا

① یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگانا بھی اسی طرح کی نادرا حرکت ہے، جس طرح گزشتہ دو اہلِ ایمان مثلاً: والد سے بدگمانی، جھوٹ، دھوکا، بھائی پر ظلم اور انہیں توہین میں گرائے۔ ان کے مقابلے میں یوسف علیہ السلام کو چور کہہ دینا بعض شخص کا ایک معمولی سا اظہار ہے۔ ان لوگوں کے جھوٹ کو کچ عات کرنے کی کوشش میں ہے سر دیا کھانیا، بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

”اللہ قسم! تم کو خوب علم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں۔“ یعنی تمہیں معلوم ہے کہ یہاں ہمارا عزت و احترام سے استقبال کیا گیا تھا اور ہم کسی بڑے ارادے سے نہیں آئے۔

تب الزام لگانے والوں نے کہا: ﴿فَصَبْرًا جَدًّا وَفِيْ اَنْتُمْ كَذِبِيْنَ﴾ ﴿قَالُوْا جَدًّا وَفِيْ اَنْتُمْ كَذِبِيْنَ﴾ ”اچھا! چور کی سزا کیا ہے، اگر تم جھوٹے ہوئے؟ انہوں نے کہا: اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں سے پایا جائے، وہی اس کا بدلہ ہے۔ ہم تو (ہے) غلاموں کو سزا ہی دیا کرتے ہیں۔“ ان کی شریعت میں یہ تھم کہ چور کو اس کے خوالے کر دیا جائے جس کی چوری ہوئی اس لیے انہوں نے یہ بات کہی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَكَذَّبُوْا وَعَدُوْهُمْ قَبْلُ وَعَاذَ اَخِيْهِمْ وَوَعَاذَ اَخِيْهِمْ﴾ ”بھائی یوسف نے اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی، پھر اس پیلے کو اپنے بھائی کے سامان سے نکالا۔“ اس کا مقصد یہ تھا کہ یوسف پر کوئی الزام نہ آئے اور نہ بڑا زیادہ کارگر ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ كَيْدًا كَا يُّوْسُفَ مَا كَانَ لِيَّ اَخِيْذَ اَخَاهُ فِيْ وَثِيْقِ الْيَاثِبِ﴾ ”ہم نے یوسف کے لیے اسی طرح یہ تدبیر کی۔“ اس بادشاہ کے قانون کے رو سے وہ اپنے بھائی کو نہ لے سکتے تھے۔ ”یعنی اگر بھائی یہ اعتراف نہ کرتے کہ جس کے سامان سے پیلہ نکلے، اسی کو رکھ لیا جائے تو یوسف علیہ السلام مصر کے قانون کے مطابق بنیائیں کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اَنْ نَّشَآءَ اللّٰهُ فَيُفْعَلْ فَمَنْ يَّدْوِيْ فَفِيْ ذٰلِكَ دَلٰلٌۭ لِّمَنْ يَّعْلَمُ الْعِلْمَ﴾ ”مگر یہ کہ اللہ کو منظور ہو، ہم جس کے چاہیں، (ظلم میں) درجے بلند کر دیتے ہیں۔ ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے زبدا فائدہ حاصل ہونے والا تھا۔ یعنی آپ کے والد اور خاندان کے افراد ان کے پاس پہنچنے والے تھے۔

جب بھائیوں نے دیکھا کہ پیلہ بنیائیں کے سامان سے نکلا ہے تو انہوں نے کہا: ﴿اِنَّ يُّوْسُفَ فَقَدْ سَرَقَ اَنْ اَخَ لَمْ يَكُنْ قَبْلُ﴾ ”اگر اس نے چوری کی (تو تعجب کی کوئی بات نہیں) اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔“ یعنی انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو چور کہا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جس چوری کی طرف وہ اشارہ کر رہے تھے وہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں اپنے نانا کا بت چرا کر توڑ دیا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ کی چھوٹی کو آپ سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کا ایک کمر بند ان کے

① ممکن ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یہ پیلہ بھائی کو تحفے کے طور پر دیا ہو۔ لیکن جب اعلان کرنے والے نے ان کے سامان کی تلاشی کے لڑ بنیائیں کے سامان میں سے پیلہ برآمد کر دیا (منصور پوری دھننے نے آیت کا ترجمہ یہی کیا ہے) تو یوسف علیہ السلام نے خاموشی اختیار کر لی۔ کیونکہ ان کے لیے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا جواز پیدا ہو گیا تھا جسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كَذٰلِكَ كَيْدًا كَا يُّوْسُفَ﴾ ”ہم نے اسی طرح یوسف کے لیے تدبیر کی۔“

کی خدمت میں واپس جاؤ اور کہو کہ ابائی! آپ کے صاحب زادے نے چوری کی۔“ یعنی انہیں وہ بات بتاؤ جو ظاہری طور پر تمہارے مشاہدے میں آئی ہے اور کہو: ﴿وَسَلِّ الْقُرْآنَ عَلَىٰ لُكَّا فَمَهَا بَٰلَغًا وَآلَ هَبْ شَرًّا لَّكُم ۖ سَٰمِيًّا ۚ﴾ ”آپ اس شہر کے لوگوں سے دریافت فرمائیں جہاں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں۔“ یعنی ہم نے آپ کو بھائی سے چوری کی غلطی سرزد ہونے کی جو خبر سنا رہی ہے، وہ ہصر میں مشہور ہو چکی ہے، وہ ان قافلے والوں کو بھی معلوم ہے جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ ﴿وَإِلَّا لَطَمُوا نَاصِيئَتَهُم ۚ﴾ اور یقیناً وہ بالکل سچے ہیں۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام کا رنج و اہم: جب بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور بنیامین کی داستان سنانی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پرانے رخم بھی تازہ ہو گئے اور مسلسل رونے کی وجہ سے آپ کی بینائی جاتی رہی، لیکن آپ نے صبر کا دامن تھامے رکھا اور اپنے رب سے پرامید رہتے ہوئے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الْمَلَأَؤُا اذْكُم ۖ اَفْسَلُكُمْ اَمْرًا فَصَبِّرْ بَصِيرًا﴾ ”ایسا ہوا (نہیں) بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات بنائی، میں اس صبر ہی بہتر ہے۔“ یعنی تمہارا بیان غلط ہے۔ بنیامین سے چوری کا جرم سرزد نہیں ہوا۔ یہ اس کی عادت نہیں، بلکہ تم نے اپنی طرف سے ایک بات بنائی ہے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا: ”بنیامین کے بارے میں اس کی کوتاہی، یوسف علیہ السلام سے بدسلوکی کا نتیجہ تھی۔“ اسی لیے یعقوب علیہ السلام نے یہ بات فرمائی کہ کسی بزرگ کا قول ہے: ”گناہ کی سزا بعض اوقات اس طرح بھی ملتی ہے کہ ایک اور گناہ سرزد ہو جائے۔“

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿عَسَىٰ اللّٰهُ اَنْ يَّاتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا﴾ ”قرب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس پہنچا دے۔“ یعنی یوسف، بنیامین اور روئیل (روبن) کو میرے پاس واپس لے آئے۔ ﴿اِنَّ هَٰذَا عَلِيمٌ الْخُكُمِ﴾ ”وہی علم و حکمت والا ہے۔“ یعنی پیارے بیٹوں کی جدائی میں میرا جو حال ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے اور اللہ جو کچھ کرتا ہے اور جو فیصلے فرماتا ہے وہ حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ”پھر انھوں نے اپنے بیٹوں سے منہ پھیر لیا اور کہا: ﴿يَا سَلْمٰى عَلٰى يُوْسُفَ﴾ ”ہائے یوسف!“ نے غم کی وجہ سے پرانا غم بھی تازہ ہو گیا اور رنج و اہم کے جو جذبات دل میں موجود تھے، ان میں شدت پیدا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَبَيْتُ عَنْهُمْ مِنْ غَيْرِ ۚ﴾ ”ان کی آنکھیں رنج و غم کے باعث سفید ہو چکیں تھیں۔“ یعنی بہت زیادہ رونے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ ﴿فَهُوَ كَذِبٌ﴾ ”اور وہ غم کو دبا دے ہوئے تھے۔“ یعنی غم کی شدت اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے کی شدید خواہش کی وجہ سے ان کا دل غم سے لبرزد ہو گیا۔ ﴿

﴿فَهُوَ كَذِبٌ﴾ ”وہ غم کو دبا دے ہوئے تھے۔“ کے الفاظ سے اشارہ دیتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے رونے سے اجتناب کیا تھا۔ جو محض روایتا ہے اس کا رنج و غم بجا ہو جاتا ہے اور جو شخص غم میں اندری اندر گھلتا ہے تو شہادتِ غم کی جڑ سے آٹھنک ہو جاتا ہے۔ غم کی انتہائی شدید کیفیت ہے۔ ﴿تفسير ابن كثير: 347/4 تفسير سورة يوسف: آیت: 84/3

تَعْلَوْنَ ۖ﴾ ﴿يَبْنِيْ اَذْهُوًا فَتَحَصَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَآخِيْهِ وَلَا تَلَيْسُوْا مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَأْتِيْسُ مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمَ الْكَافِرُوْنَ ۝﴾

”جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر صلح کرنے لگے۔ سب سے بڑے نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کا عہد لیا ہے اور اس سے پہلے بھی تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو۔ سو جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں میں تو اس جگہ سے ہلوں گا نہیں یا اللہ میرے لیے کوئی اور تدبیر کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم سب والد صاحب کے پاس جاؤ اور کہو کہ اباجان! آپ کے صاحب زادے نے (دو) باج (جا کر) چوری کی اور ہم نے تو اپنی دانست کے مطابق آپ سے (اس کو لے آئے) کا عہد کیا تھا مگر غیب (کی باتوں) کے (جانے اور) یاد رکھنے والے تو نہیں تھے۔ اور جس بستی میں ہم (تھہرے) تھے وہاں سے (یعنی اہل مصر) سے اور جس قافلے میں ہم آئے ہیں اس سے دریافت کر لیجیے۔ اور ہم (اس بیان میں) بالکل سچے ہیں۔ (جب انہوں نے آ کر یہ بات یعقوب سے کہی تو) انہوں نے کہا: (کہ حقیقت یوں نہیں ہے) بلکہ یہ بات تم نے اپنے دل سے بنائی ہے! میں صبری بہتر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ بے شک وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔ پھر ان کے پاس سے چلے گئے اور کہنے لگے: ہائے افسوس! یوسف (ہائے افسوس) اور رنج و اہم میں (اس قدر رونے کے) ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور ان کا دل غم سے بھر رہا تھا۔ بیٹے کہنے لگے کہ واللہ! اگر آپ یوسف کو اسی طرح یاد کرتے رہیں گے تو یا تو تیار ہو جائیں گے یا جان ہی دے دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اپنے غم و اندوہ کا اظہار اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ چنانچہ یوں کرو کہ ایک دفعہ پھر (جاؤ اور) یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ کی رحمت سے بے ایمان لوگ ناامید ہوا کرتے ہیں۔“ (یوسف: 87-80/12)

جب وہ لوگ بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام سے چھڑانے میں ناکام ہو گئے تو تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔ سب سے بڑے بھائی روئیل (روبن) نے کہا: ﴿اَلَمْ نَعْلَمْكُمْ اَنْ اَنْ اَكَلَكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْنَا مَلَكُوتُ غَيْرِنَا ۚ﴾ ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کی قسم لے کر پختہ اقرار لیا ہے؟“ یعنی یہ وعدہ لیا ہے کہ واپسی میں بنیامین کو ضرور ساتھ لاؤ گے۔ اب تم عہد شکنی کے مرتکب ہو چکے ہو اور جس طرح اس تم نے پہلے یوسف علیہ السلام کے بارے میں کوتاہی کا ارتکاب کیا تھا، اب اس کے بارے میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ ﴿فَلَمَّا اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَّآذَنَ لِىْ اِنِّىْ اَوْحَيْتُكَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ حَقُّ الْحُكْمِ﴾ ”میں میں تو اس سرزمین سے نہ جاؤں گا بلکہ میںیں پھر اہل ہون کا حق کہ والد صاحب خود مجھے واپس لے آئے کی اجازت دے دیں یا اللہ تعالیٰ میرے اس معاملے کا فیصلہ کر دے (کہ میں کیس طرح اپنے بھائی کو اپنے والد کے پاس لے جا سکوں)۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔“ ﴿ارْجِعُوْا اِلٰى اٰبِائِكُمْ فَقُولُوْا لِيْ اٰبَا اِنَّكَ سَدَقَ﴾ ”تم سب والد صاحب

اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں۔ آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجیے اور خیرات کیجیے کہ اللہ خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے۔ (یوسف نے) کہا: تمہیں معلوم ہے کہ جب تم نادانی میں جھنسنے ہوئے تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ وہ بولے: کیا تم ہی یوسف ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں میں ہی یوسف ہوں اور (بنیامین کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے) یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ بلاشبہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکہ کاروں کا اجر خالص نہیں کرتا۔ وہ بولے: اللہ کی قسم! اللہ نے تو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور ہر ملک ہم خطا کا تھے۔ (یوسف نے) کہا کہ آج کے دن (سے) تم پر کچھ عتاب (اور ملامت) نہیں ہے۔ اللہ تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ یہ میرا کرتا ہے جاؤ اور اسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دو۔ وہ دینا جو ہمیں گناہوں اور اپنے تمام اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ“ (یوسف: 88-93)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے دوبارہ ان کے پاس آ کر غلہ مانگنے کا اور بنیامین کو دوبارہ ان کے حوالے کرنے کی درخواست کا ذکر فرمایا ہے۔ جب یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: ﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَاً وَاهْلَكْنَا مِنَ الضُّرِّ﴾ ”اے عزیز! ہم کو ہمارے خاندان کو دکھ پہنچا ہے۔“ یعنی زیر کفالت افراد زیادہ ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ قحط سالی اور جنگ کی کاسا منا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمُ الْهَمْزَ﴾ ”اور ہم تقیر پونجی لائے ہیں۔“ یعنی ایسی چیز لائے ہیں جو عام طور پر قبول نہیں کی جاتی، یعنی کوئلے کا تھوڑے سے درہم یا صنوبر یا طلم کے قبیح نچر تھے۔

ایک قول کے مطابق پرانی بویاں اور سیان وغیرہ لے کر آتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿قَافٍ لَنَا الْكَيْلَ وَكَصَدَقِي عَلَيْكَ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ﴾ ”ہنس! آپ ہمیں غلہ کا پورا پورا دیجیے اور ہم پر خیرات کیجیے۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے۔“ خیرات اور صدقہ سے مراد یہ ہے کہ ہماری گلی کی چیزیں ہی قبول کر لیجیے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا بھائی ہمیں واپس دے دیجیے۔

جب آپ نے ان کی یہ کیفیت دیکھی کہ ان کے پاس صرف ناکارہ اشیاء رہ گئی ہیں، تو آپ کو ان پر ترس آ گیا۔ چنانچہ آپ نے پیشانی سے کچرا ہٹا دیا اور انہیں اپنی پہچان کراتے ہوئے اللہ کے حکم سے فرمایا: ﴿هَلْ عَسَيْتُمْ فَا قَعَلْتُمْ يَوْسُفُ﴾

۱) پہلی دو جملہ قاتوں میں بھائی یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچان سکے۔ اس کی یہ بدترین قیاس نہیں کہ آپ چہرہ چھپا کر رکھتے تھے۔ بلکہ اس کی کچھ دوسری وجوہات بھی ہو سکتی ہیں مثلاً:

✦ حضرت یوسف علیہ السلام نے جدائی ہوئی تو آپ سزا سزا کے لالے تھے اور اس واقعہ کے وقت چالیس سال کی عمر کے پختہ کار مردین تھے۔ عمر کے اس فرق کے ساتھ کسی بھی انسان کی شکل و شباهت میں تبدیلی شاذ و نادر ہو سکتی ہے۔

✦ ہمایوں کو یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ یوسف علیہ السلام کہیں زندہ موجود ہیں۔ ان کے خیال میں اگر زندہ ہونے کا کوئی امکان ہوتا تو کہیں ملائی کی خشتیاں رے رہے ہوں گے۔ آپ کے تحت حکومت پر متکلم ہونے کا تو انہیں خیال بھی نہیں آ سکتا تھا۔ انہیں جس چیز نے یوسف علیہ السلام کی شناخت کرنی تھی وہ جیسی کہ کسی ایسی شخص کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ رابع صدی پہلے گزرنے ہوئے واقعات کا طمک طرح ہو سکتا ہے۔

جب آپ کے بیٹوں نے آپ کو جدائی کے رنج و الم میں اس طرح غلٹاں و پچٹاں دیکھا تو آپ پر ترس کھاتے ہوئے کہا: ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ كُنَّا أَكْثَرَ يَوْسُفَ حَتَّىٰ كُنَّا نَحْنُ حَصَاً أَوْ كُنَّا مِنَ الْهَالِكِينَ﴾ ”اللہ! آپ ہمیشہ یوسف کی یاد میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ کلھ کا مٹھل یا قتم ہی ہو جائیں۔“ یعنی اگر آپ اسی طرح یوسف کو یاد کرتے رہے تو آپ کا جسم افر ہو جائے گا اور تو ختم ہو جائے گی۔ اس لیے آپ کے لیے بھی بہتر ہے کہ کچھ حوصلہ کریں۔ آپ نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں۔ مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔“ آپ نے بیٹوں سے فرمایا: میں اپنی مصیبت کی شکایت تم سے تو نہیں کر رہا نہ کسی اور انسان سے شکایت کر رہا ہوں۔ میں تو اللہ عز و جل سے شکایت کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ میری مشکلات اور غم ختم فرما دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ یوسف کا خواب سچا ہو کر رہے گا اور اس کے مطابق میں اور تم سب اسے ضرور سمجھ کر رہیں گے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔“

پھر آپ نے انہیں یوسف اور بنیامین کی تلاشی کی ترغیب دلائے ہوئے فرمایا: ﴿يَكُونِي إِذْ هَبُوا فَيَخْسَعُوا مِنِّي يَوْمَ يُؤْصَفُ وَأَخِيهِ وَلَا تَتَلَفَسُوا مِنْ دُخَانِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْتِ الشَّيْءَ مِنْ دُخَانِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمَ الْكَافِرُونَ﴾ ”میرے پیارے بچو! تم جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو پوری طرح تلاشی کرو اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہونا۔ یقیناً اللہ کی رحمت سے نا امید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔“ یعنی مصیبت کے بعد راحت کے حصول سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ کی رحمت سے اور مشکلات سے نجات مقدر ہونے سے مایوس تو کافروں کا کام ہے۔

۲) بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی چٹنا سناتے ہیں: حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ایک بار پھر قحط سالی سے تنگ آ کر آپ کے پاس تلے کے حصول کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ اس بار حضرت یوسف علیہ السلام ان حقیقت سے آشنا کرتے ہیں اور تمام اہل و عیال کو مصر لائے کا مطالبہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَاً وَاهْلَكْنَا مِنَ الضُّرِّ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمُ الْهَمْزَ فَجَعَلْنَاهُ يَوْسُفَ لَنَا الْكَيْلَ وَكَصَدَقِي عَلَيْكَ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ﴾ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ فَا قَعَلْتُمْ يَوْسُفُ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ﴾ قَالُوا ءَا لَكَ لَنْتَ يَوْسُفُ قَالَ أَكُنَا يَوْسُفَ وَهَذَا أَخِي: قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَن يَفْقَهُ وَبَصِيرَةٍ قَالُوا إِنَّهُ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ آتَيْنَاكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنَّا لَنَاطِقِينَ﴾ قَالَ لَا تَتَّبِعِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يُغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ إِذْ هَبُوا فَيَقْبِضُوا هَذَا فَاَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ إِنِّي يَأْتِ بِصَيِّءٍ ءَا وَتَوْنِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ﴾

”جب وہ یوسف کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل و عیال کو بڑی مشکلات کا سامنا ہے

﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْ أَنِّي تَقَدَّرْتُ أَن تَقْدِرُونَ ۖ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّا لَنَعْنِي خَلِكَ الْقَدِيرِ ۖ فَلَمَّا آتَا جَاءَ النَّبِيُّ أَلْفَةً عَلَىٰ وَجْهِهِ فَإِذَا تَرَكَ بَصِيرًا ۚ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَنَا اللَّهُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۚ قَالُوا يَا كَايَاكُنَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ۝ قَالُوا سَوْفَ اسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَفُورُ الرَّحِيمُ ۝﴾

”اور جب قافلہ (مصر) سے روانہ ہوا تو ان کے والد کہنے لگے کہ اگر مجھ کو یہ نہ ہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ وہ بولے کہ والد آپ اسی قدیم غلطی میں (جلا) ہیں۔ جب خوشخبری دینے والا آپنچا تو اس نے کرتا یعقوب کے منہ پر ڈال دیا اور وہ جینا ہو گئے (اور بیٹوں سے) کہنے لگے: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ بیٹوں نے کہا کہ ابا جان! ہمارے لیے ہمارے گناہ کی مغفرت مانگیے، بے شک ہم خطا کار تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے پروردگار سے تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“ (یوسف: 94-98)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب قافلہ روانہ ہوا تو ایک ہوا چلی جس سے یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچ گئی۔ جب آپ نے فرمایا: ﴿إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ﴾ ”مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔“ آپ کو تین دن کے فاصلے سے یہ خوشبو محسوس ہو گئی تھی۔ ﴿لَوْ أَنِّي تَقَدَّرْتُ أَن تَقْدِرُونَ﴾ ”اگر تم مجھے غیباً ہوا قرار نہ دو۔“ یعنی بو سکا ہے کہ تم مجھ کو بڑھاپے کی وجہ سے میری عقل میں فرق آ گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے جو تین کہہ رہے ہیں۔ وہ کہنے لگے: ﴿تَاللَّهِ إِنَّا لَنَعْنِي خَلِكَ الْقَدِيرِ﴾ ”واللہ! آپ اپنے اسی پرانے خطبہ میں جلا ہیں۔“ قادیان اور سڈی بیٹھتے فرماتے ہیں: ”انہوں نے سخت ناروا لفظ استعمال کیا۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّا آتَا جَاءَ النَّبِيُّ أَلْفَةً عَلَىٰ وَجْهِهِ فَإِذَا تَرَكَ بَصِيرًا﴾ ”جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ کرتا ڈالا، اسی وقت وہ پھر سے جینا ہو گئے۔“ یعنی اس نے آتے ہی یعقوب علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر قمیص ڈال دی۔ آپ کی آنکھیں فوراً روشن ہو گئیں۔ اس وقت آپ نے بیٹوں سے فرمایا: ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَنَا اللَّهُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”کیا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟“ یعنی مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے یوسف سے ضرور ملائے گا اور مجھے انھیں کی خدمتِ خرد نصیب ہوگی اور اس کے ایسے حالات دیکھوں گا جن سے مجھے خوشی حاصل ہوگی۔

اس وقت انہوں نے کہا: ﴿يَا كَايَاكُنَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ﴾ ”ابائی! آپ ہمارے لیے گناہوں کی بخشش

① یہ بات کہنے والا یعقوب علیہ السلام کے پوتے تھے کیونکہ بچے کو اس وقت مصر میں تھے۔

② تفسیر ابن کثیر: 351/350/4 تفسیر سورۃ یوسف: آیت: 94/95

﴿وَاجِبُهُ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ﴾ ”جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی نادانی کی حالت میں کیا کیا؟“ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ کیا باز آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے لیکن آپ کو پہچان نہ سکے تھے۔ اس حیرت کے عالم میں انہوں نے کہا: ﴿إِنَّا لَنَعْنِي خَلِكَ الْقَدِيرِ﴾ ”واقعی تو ہی یوسف ہے؟“ جواب دیا: ﴿أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي﴾ ”ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔“ یعنی وہی یوسف ہوں جس کے ساتھ تم نے کیا کچھ بدسلوکی نہیں کی اور جس کے بارے میں تم سے کیا کیا تعظیم سرزد نہیں ہوئی! آپ کا یہ کیا کہ ﴿وَهَذَا أَخِي﴾ ”اور یہ میرا بھائی ہے۔“ اس میں پہلی بات کی تاکید و تائید ہے۔ اور ان کے دلوں میں پوشیدہ حسد اور ان کے گزشتہ فریب کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰنَا﴾ ”اللہ نے ہم پر فضل و کرم کیا۔“ یعنی اللہ کا ہم پر یہ فضل و احسان ہے کہ اس نے ہمیں اچھا کھانا مہیا فرمایا، ہماری عزت کے اسباب مہیا فرمائے کیونکہ ہم نے اپنے رب کی فرماں برداری کی تھی، تمہاری بدسلوکی پر صبر کیا تھا، اپنے والد کی اطاعت اور ان سے حسن سلوک کیا تھا۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ وہ اللہ گرامی کو ہم سے شدید محبت تھی۔ بات یہ ہے کہ ﴿مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی کیلک کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“

انہوں نے کہا: ﴿تَاللَّهِ لَقَدْ آتَاكَ اللَّهُ غَنًى﴾ ”اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر برتری دی ہے۔“ یعنی آپ پر فضل کرتے ہوئے آپ کو وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو ہمیں نہیں دیا۔ ﴿وَأَنَّ كُنَّا لَخَاطِئِينَ﴾ ”اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کار تھے۔“ ہم اب اس اعتراف کے ساتھ آپ کے سامنے حاضر ہیں۔ لیکن یوسف علیہ السلام ایک پاکباز دل رکھتے تھے جس میں انتقام کی کوئی خواہش موجود نہ تھی۔ آپ نے ان کے جرائم کا ایک عذر بھی خود ہی پیش کر دیا کہ یہ نادانی کے وقت کی باتیں تھیں۔ اس لیے ﴿لَا تَجْرِبُنَا عَنِ الْبُيُوتِ﴾ ”آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔“ پھر انھیں دعا دیتے ہوئے فرمایا: ﴿يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ ”اللہ تمہیں بخشے، وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو کھان میں پھرتی تھی۔ پھر آپ نے انہیں انہیں قمیص دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے لے جا کر والد صاحب کی آنکھوں پر رکھیں۔ ان کی بصارت جو ختم ہو چکی تھی، اللہ کے حکم سے انہیں دوبارہ مل گئی۔ یہ خرق عادت ہے اور آپ کا ایک عظیم مجرہ ہے جو آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

پھر آپ نے انہیں فرمایا کہ تمام اہل و عیال سمیت مصر چلے آئیں اور سب آرام و سکون سے زندگی گزاریں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کے بچھڑے ہوئے افراد کو ملا دیا اور عزت و راحت سے نوازا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”پھر انھوں نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ آخر بادشاہ بائین کو مصر لانے کی اس قدر رشہ یہ خواہش کیوں رکھتا تھا کہ یہاں تک دھمکی دے دی کہ اس کے بغیر تمہیں لٹائیں گے۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ بائین کے سامان سے بادشاہ کا خیال ملنا بھی محض اتفاق نہیں تھا۔ اس قسم کے متعدد امور تھے جن کی وجہ سے بھائیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ سخت فیصلہ سوائے یوسف کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

حالات دیگر گوں ہو گئے اور آپ کو ظالمین کی طرف سے بہت زیادہ تکالیف پیش آئیں۔

ایسے حالات میں موت کی تمنا کرنا منع ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی شخص مصیبت نازل ہونے پر موت کی تمنا پر گزندہ کرے۔ اگر وہ نیکی کرنے والا ہے تو شاید مزید نیکیاں کر لے اور اگر گناہ گار ہے تو ممکن ہے کہ (اسے زندہ زندگی میں) باز آجائے۔ بلکہ اسے یوں کہا جاسیے: اَللّٰهُمَّ اَخْصِنِي مَا كَانَتْ الْحَيٰةُ خَيْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتْ الْمَوٰفَۃُ خَيْرًا لِّیْ“

”اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو اور مجھے اس وقت فوت کر جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔“^① اس حدیث میں مصیبت سے مراد بدنی تکلیف مثلاً بیماری وغیرہ ہے، دینی مصیبت مراد نہیں۔

یوسف علیہ السلام نے مذکورہ بالا دعا یا تو وفات کے وقت کی تھی یا دعا کا یہ مطلب تھا کہ جب بھی موت آئے تو اس انداز سے آئے (کہ میں اسلام پر قائم ہوں۔)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹوں کو وصیت اور حضرت یعقوب اور یوسف علیہ السلام کی وفات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمَرْنَا لَمَّةَ شَہَدَآءِ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِیَبْنُوْٓہٗ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْٓا نَعْبُدُ اللّٰهَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ (لَهَا وَاِجِدَآءَ) وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۱۱﴾

”بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے؟ جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کسی کی عبادت کرو گے تو انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اُنسی کے حکم بردار ہیں۔“ (البقرة: 133/2)

یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اخلاص کی وصیت کی۔ اخلاص سے مراد وہ خالص دین اسلام ہے جسے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف سے لے کر مبعوث ہوئے۔

ابن کاتب کہتے ہیں: جب حضرت یعقوب علیہ السلام فوت ہوئے تو مصر کے باشندوں نے ستر دن آپ کا سوگ منایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے اہل نے یعقوب علیہ السلام کی میت کو ایک خاص خوشبو لگائی اس میں چالیس دن تک تازہ رہے

① صحیح البخاری 'المريض' باب تعمي المريض الموت' حدیث: 5671 و مسند أحمد: 263/2

نقد پر سب حکمت پر مبنی ہیں۔

② حضرت یوسف علیہ السلام کا اعظام ربانی پر اظہار تشکر: یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ آپ پر اللہ کی نعمت کی تکمیل ہو گئی ہے اور وہ والدین کے ساتھ اور گھر کے تمام افراد کے ساتھ مل گئے ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اس دنیا میں کسی کو دوام حاصل نہیں اور اس جہان کی ہر شے فانی ہے اور تکمیل کے بعد کی ہی ہوا کرتی ہے۔ اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرمائی، جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ اس کے عظیم فضل و احسان کا اعتراف فرمایا اور اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ جب ان کی وفات کا وقت آئے تو وہ اسلام کی حالت میں فوت ہوں اور اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہوں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم دعا کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں: ”یا اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور اسلام پر موت دے۔“ یعنی جب بھی ہم فوت ہوں تو اسلام پر قائم ہوں۔^①

ممکن ہے آپ نے یہ دعا اپنی وفات کے موقع پر فرمائی ہو۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا: اَللّٰهُمَّ بِیْ الرَّحِیْقِ الْاَعْلٰی [یعنی آپ کی روح مبارک کو ملّا اعلیٰ اور انبیاء و مرسلین جیسے عظیم ساتھیوں سے ملا دیا جائے۔ اس کے بعد نبی کریم علیہ السلام کی روح پرواز کر گئی۔^②

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے صحت و سلامتی کی حالت میں دعا فرمائی ہو کہ اللہ انہیں اسی وقت وفات دے دے کیونکہ ہو سکتا ہے ان کی شریعت میں ایسی تمنا کرنا جائز ہو جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول روایت کیا جاتا ہے: ”یوسف علیہ السلام سے پہلے کسی نبی نے موت کی تمنا نہیں کی تھی۔“

ہماری شریعت میں موت کی دعا کرنا منع ہے البتہ فتنوں کے وقت جائز ہے جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: (اِذَا ارَدْتَ عِبَادَکَ فِیْنَہٗ فَافْضِلْ عَلَیْکَ غَیْرَ مَفْخُوْنٍ [

”یا اللہ! جب تو لوگوں کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو میں فتنے میں مبتلا کیے بغیر فوت کر لینا۔“^③

اور حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا تھا:

﴿ یٰلَیْکَیْنِیْ مِثْ قَبْلِ هٰذَا وَکُنْتَ نَسِیًا مَّنْسِیًا ۝۱۲﴾

”کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور (لوگوں کی یاد سے بھی) بھولی ہوتی ہوتی۔“ (مریم: 23/19)

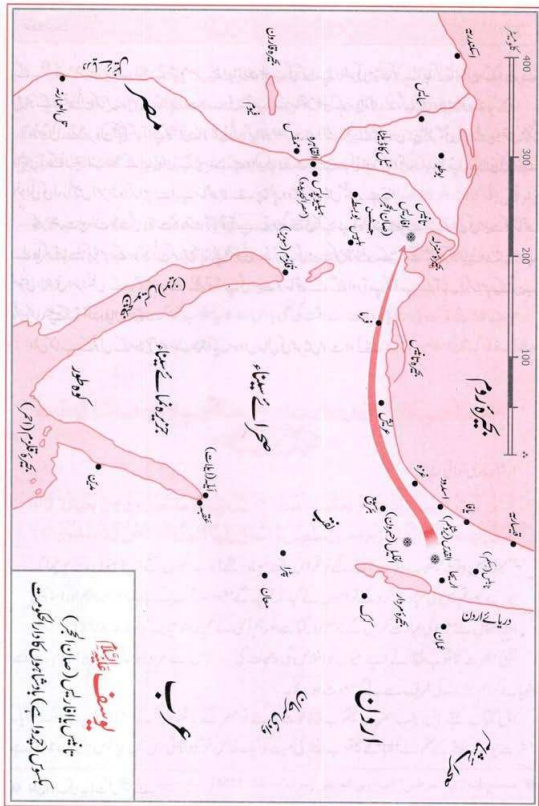
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس وقت موت کی تمنا کی تھی جب معاملات گھمبیر ہو گئے، فتنہ بہت بڑھ گیا، جنگ و جدل میں شدت پیدا ہو گئی اور طرح طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس وقت موت کی تمنا کی تھی جب

① یہی تو جہ درست ہے۔

② مسند أحمد: 200/6 'صحیح البخاری' المغازی' باب آخر ما یتکلم بہ النبی ﷺ' حدیث: 4437

③ جامع الترمذی' تفسیر القرآن' باب ومن سورۃ ص' حدیث: 3233' مسند أحمد: 368/1

اہل کتاب کے قول کے مطابق یوسف علیہ السلام ایک سو دس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔



حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي ابْرِهِيمَ إِسْمَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ إِصْرَاجِي الْيَسْبَجَ ۚ وَأَرَبَاتٍ فَتَقْتَرُونَ خَيْرٌ أَوْ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۚ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمِيُمٌ هَٰذَا أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ مَّا أَتٰكُمُ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَكَلِمَةٌ أَوْ كَالَّذِيْ لَا يُؤْتِيهِ الْقَدْرَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُ ذٰلِكَ الْيَقِيْنُ ۚ وَلَٰكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

”میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں یعنی ابراہیم اسحاق و یعقوب کے دین کا۔ میں ہرگز یہ نہ سراور نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں۔ ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا کئی ایک متفرق پروردگار بہتر ہیں یا ایک اللہ زبردست طاقت ور؟ اس کے سوا تم جن کی پوجا پائ کر رہے ہو وہ سب نام یں نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ (یوسف: 40-38/12)

حکیم الامت علامہ محمد اقبال توحید الہی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یہ ایک مجیدہ حسے تو گراں گھسٹتا ہے ہزار سجدہ سے دیتا ہے آدمی کو نہات!

مرد و زن کے اختلاط کے مفاسد: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ مرد و زن کا آزادانہ اختلاط ہمیشہ سے مفاسد کا باعث بنتا رہا ہے۔ عورت نازک، کمزور اور ضعیف مخلوق ہے مگر اپنے فطری حسن و جمال اور فتنے کے باعث مرد کے لیے ابتلا و امتحان کا باعث بن جاتی ہے اور مرد کی عقل و دانش پر غائب آ جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے عورت کے اس وصف کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”میں نے ناقص عقل اور ناقص دین والیوں سے زیادہ عقل مند شخص کی عقل کو کھونے والا کسی کو نہیں دیکھا۔“

عزیزہ مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کے آزادانہ میل جول کی وجہ سے آپ کے عشق میں مبتلا ہو گئی اور بالاخر گمراہ کے ارتکاب پر مصر ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی مصمت و حفظ و مامون رکھا۔ اس واقعے سے موجودہ دور کے نام نہاد دانشوروں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو عورت کو گھر کی چادر یواری سے نکال کر دفاتر و دکان کی زینت بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور یہ بوجہ دلائل سے عورت کی نام نہاد آزادی کا نفع و لگا کر اپنی لذت آشنائی کا بند و بست کرنا چاہتے ہیں۔

عورت کی کم عقلی اور جلد گمراہ ہو جانے کی وجہ سے اسلام نے اسے خاوند اور محرم کی پابندی سے جلا دیا ہے۔ لہذا مومن عورت گھر کی چادر یواری سے بغیر خاوند اور محرم کے نہیں نکلی سکتی اور نہ گھر کی چادر یواری میں ان کے علاوہ کسی مرد کے ساتھ

نَّبَاخ و فَوَازِد عِبْرَتِیْ وَ حِکْمَتِیْ

ایمان باللہ کے ثمرات و فوائد: حضرت یوسف علیہ السلام کے مبارک قصے سے ہمیں ایمان باللہ کے متعدد فوائد و ثمرات ملتے ہیں۔ اگر بندے کا ایمان اللہ تعالیٰ پر کامل ہو کلمہ جو کلمہ بخش و ہی ذات الہی سے مصائب و مشکلات میں دیکھ و مشکل کشا بھی وہی ہے اور رنج و الم کو دور کرنے والا غوث اعظم بھی وہی ہے، نفع و نقصان کا دانا اور رزق داوا دہیں برکت و کامیابی کا مالک و مختار بھی وہی ہے، تو بندے کو اس مستقیم و حکم ایمان کی بدولت دو عظیم نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ رنج و غم اور مصائب پر صبر جمیل کی توفیق نصیب ہوتی ہے جبکہ نعمتوں کے حصول پر شکر جزیل کی توفیق ملتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں حضرت یوسف و یعقوب علیہ السلام کی زندگی میں ہر وقت اور ہر موقع پر واضح نظر آتی ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ایمان باللہ ہمارے لیے بہترین اسوہ ہے۔ آپ کا لاؤلا، چھینا اور محبوب بیٹا یوسف جدا ہوتا ہے تو جزع فزع کرنے کی بجائے صبر و شکر کی اعلیٰ مثال بن جاتے ہیں۔ دھوکے باز بیٹوں کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿فَصَبِّرْ يٰحَبِيبُ ۖ وَاللّٰهُ السَّمْعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُّهُمْ ۝﴾

”ہاں صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی طلب ہے۔“ (یوسف: 18/12)

اسی صبر و شکر کی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے رحمت و عالم ﷺ فرماتے ہیں:

”مومن کے معاملے پر تعجب ہے۔ اس کا سارا معاملہ ہی خیر ہے۔ مومن کے سوا کسی شخص کو یہ سعادت حاصل نہیں۔ اگر اسے خوش نصیب ہو تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔“

انبیائے کرام کی دعوت کا مرکز کی نکتہ توحید الہی: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ توحید ہی تمام انبیاء و رسل کی دعوت و تبلیغ کا بنیادی اور مرکزی نکتہ تھا۔ اسی حقیقت کو نبی نوع انسانی تک پہنچانے اور انہیں سمجھانے کے لیے انبیاء کرام کی جماعت تعریف لائی۔ توحید الہی کے اقرار و ایمان سے انسان کو یسوی اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اور در بدر کی شوکروں سے نجات ملتی ہے جبکہ متعدد معبودان کی پوجا انسان کو طرح کی رسوا و خرافات میں الجھا دیتی ہے کیونکہ ہر معبود کے متعلق اعتقادات اور اس کی پوجا کے طرے مختلف ہوتے ہیں۔ انسانوں نے خود ہی ان کے بارے میں بے شمار ادھام و اعتقادات گھڑے ہوئے ہیں جن سے انسانی عقل و شعور حیران و سرگرداں ہو جاتا ہے۔

① بھائیوں کی ایذا رسائیوں کو ختم دھڑپیشانی سے برداشت کرتا۔

② کنوئیں میں ڈالے جانے اور آزاد ہونے کے باوجود غلام بنا کر بیچ جانے پر صبر و رضا کا کامل اظہار۔

③ مشفق اور رحمدل والدین کی جدائی اور ان کے سایہ شفقت سے محرومی پر صبر۔

④ عزیز پر مصر کی بیوی اور مصری عورتوں کے کٹر و فریب اور شیطانی ترغیبات پر صبر۔

⑤ بے گناہ اور مظلوم ہونے کے باوجود قید و بند کی صعوبتوں پر صبر۔

ان تمام مراحل میں اپنے رب کی رحمت کے حصول کی امید پر صبر و رضا کے کامل اظہار پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالی شان جزا عطا فرمائی۔ مصر کی بادشاہت اور زندگی کی برکت آپ کو عطا کر دی گئی۔ ظلم کرنے والے بھائی نادم و شرمندہ آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے اور طویل فراق کے بعد والدین کی محبت و مودت دوبارہ نصیب ہو گئی۔ اس پر آپ نے برملا اظہار شکر فرمایا:

﴿ إِنَّكَ مَنْ يَتَّقِنَ وَيَصْبِرُ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ ﴾

”بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیز گاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کی نیکو کار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“ (یوسف: 90/12)

⑥ عزت نفس اور شرف انسانی کی حفاظت: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں عزت و ناموس کی حفاظت کا درس ملتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی عزت نفس کا یہ عالم تھا کہ برسوں مظلوم و نذیعہ و ہندی کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن جب بادشاہ نے خواب کی تعبیر کے لیے قیل سے آپ کو بلایا تو آپ نے رہائی کے اس حکم پر سرست و شادمانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس وقت تک جیل سے رہا ہونے سے انکار کر دیا جب تک بادشاہ ان کے معاملے کی تحقیق و تفتیش کرا کے انہیں بے گناہ اور مظلوم قرار دے دے تاکہ آپ کی عزت و شرف اور عصمت و کمال اظہار ہو اور مصری عورتوں کے کٹر و فریب کا عوام کو بید چل سکے۔ لہذا جب بادشاہ نے تحقیق کرنے کے بعد آپ کی برأت اور بے گناہی کا اعلان کیا نیز آپ کے علم و فضل اور پاکدامنی کی بدولت آپ کو اپنا وزیر خاص بنانے کا اعلان کیا تو آپ نہایت فرحت و مسرور کے ساتھ نہایت عزت و افتخار کے ساتھ جیل سے باہر تشریف لائے۔

⑦ حسد و بغض کا عبرت انگیز انجام: حسد و بغض ایسی اخلاقی بیماریاں ہیں جو حاسد اور بغض کرنے والے کے لیے نہایت مضر ہیں۔ اگرچہ بغض اوقات محسوس بھی کچھ دنیوی نقصان ہو جاتا ہے مگر حاسد دنیاؤ آخرت کے خسارے سے دوچار ہو جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی حسد کی آگ میں بری طرح جلیں گئے۔ والدین کی حضرت یوسف علیہ السلام سے غفرتی محبت ان کے دل میں گناہیں بک چھڑ گئی۔ حسد کی اینٹ پڑائی نے انہیں یوسف علیہ السلام کو طرح کی آفتیں دینے پر آمادہ کیا۔ لیکن ان کی تمام تدابیر کارگر ہونے کے باوجود بالآخر وہ ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے اور یوسف علیہ السلام اگرچہ دینی اور پریشان ہوئے مگر دنیوی اور اخروی کامیابی و کامرانی ان کا مقدر بنی۔ دکھ دینے والے حاسد بھائی بالآخر نادم و شرمندہ ہو

خلوت اختیار کر سکتی ہے۔ رسالت مآب ﷺ اس فتنے کا سد باب کرتے ہوئے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص محرم کے بغیر انجمنی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ جائے۔“ ①

نیز فرمایا: ”جب بھی کوئی شخص انجمنی عورت سے خلوت اختیار کرتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔“ ②

③ عفت و عصمت کے امام حضرت یوسف علیہ السلام: تاریخ انسانی گواہ ہے کہ بڑے نامور بادشاہ، عظیم قائد اور طاقتور لشکری جنہوں نے اپنی تلوار اور گتھار سے ایک دنیا فتح کی تھی، عورت و جمال و جمال اور فطری فتنے کے سامنے ڈھیر ہو گئے۔

جنہیں کوئی فتح نہ کر سکا انہیں ایک کمزور و ناتوان عورت نے اپنے حسن و جمال کے تیرے بے آسانی شکار کر لیا۔

نہایت حسن و جمال کی مالک، بھرپور جوانی سے مزین، سلطانی رعب و دب و دب کی مالک، عزیز مصر کی بیوی کھر کے دروازے

بندر کے جوان رعنا حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ کبھی ترغیب و لالچ دے کر تو کبھی رعب اور

ڈراوے سے۔ مگر عفت و عصمت کے امام اس قدر نازک اور خطرناک موقع پر نہایت استقامت و استقلال کے ساتھ یہ

جواب دے کر عزیز مصر کی بیوی کو ناکام و نامراد اور ہمیشہ کے لیے حسرت و الم کی تصویر بنا دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّكَ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوًى ۝ ﴾

”یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میرا رب ہے مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔“ (یوسف: 23/12)

ایسے موقع پر کا میاب رہنے والوں کے لیے روز قیامت خصوصی شرف و منزلت کا اہتمام ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے

ہیں: ”سات خوش نصیب ایسے ہیں جنہیں اس روز عرض الہی کا سایہ نصیب ہوگا جس روز کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک

وہ جوان مرد ہے جسے حسب و نسب والی خوبصورت جوان عورت گناہ کی طرف بلاتی ہے تو وہ کہتا ہے: میں اللہ سے ڈرتا

ہوں۔“ ④

⑤ صبر جمیل کی عالی شان جزا: صبر و رضا ایک عظیم الشان خصلت ہے جو نہ صرف برائیوں سے بچاؤ کے لیے بہترین

ڈھال ہے بلکہ مومن کے لیے مشکلات و مصائب کے وقت بہترین راہ عمل بھی ہے۔ انسان کو زندگی کے بے شمار مراحل پر

اس خصلت کی اشد ضرورت پڑتی ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے خواہشات نفسانی کے سامنے بند باندھنے کے لیے، احباب کی

جدائی اور فراق کو برداشت کرنے کے لیے اور مالی اور جانی نقصانات کا سامنا کرنے کے لیے صبر و رضا مومن کا کامیاب

تہیہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں صبر و رضا کا اعلیٰ ترین درس ملتا ہے۔ آپ کو صبر و رضا کا کمال حاصل تھا، آپ کے

صبر و رضا کا شاندار مظاہرہ مندرجہ ذیل مواقع پر بخوبی کیا جاسکتا ہے:

① صحیح البخاری، ”النکاح“، حدیث: 5233، صحیح مسلم، ”الحج“، حدیث: 2999

② مسند أحمد: 26/1

③ صحیح مسلم، الزکاة، باب فضل إخراج الصدقة، حدیث: 1031

الواقع اس نے آپ کو تخت سلطانی تک پہنچنے کا راستہ فراہم کر دیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ الْبَلَدُ مِلْكُ الْمَلِكِ يُؤْتِيهِ الْمَلِكُ مَنْ شَاءَ وَيَنْزِعُ إِلَيْهِ مَنْ شَاءَ وَشِعْرُ مَنْ شَاءَ وَشِدْلُ مَنْ شَاءَ وَبِعْدِكَ الْغَيْظُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾

”آپ کہہ دیجیے اس میرے معبود! اے تمام جہانوں کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے“ اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائی بیان ہیں۔
بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“ (آل عمران: 26/3)

رحمت جو عالم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے اسی حقیقت سے روشناس کرایا تھا۔ آپ نے فرمایا:

”خوب جان لو! اگر پوری امت تمہیں فائدہ دینے کے لیے جمع ہو جائے تو تمہیں کوئی نفع نہیں دے سکتی سوائے اس نفع کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے۔ اور اگر سارے لوگ تمہیں نقصان پہنچانے کے لیے متحد ہو جائیں تو تمہیں تمہارے مقدر میں لکھے ہوئے نقصان کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“

اولاد کے درمیان عدل و انصاف: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں اولاد کے معاملے میں عدل و انصاف کا درس ملتا ہے۔ اولاد کے درمیان جہاں مادی وسائل و منافع اور حاجات و ضروریات کی فراہمی میں عدل ضروری ہے وہاں محبت و شفقت میں عدل کرنا بھی لازمی ہے۔ کیونکہ چھوٹا بچہ نہایت حساس، غیور اور حاسد ہوتا ہے۔ والدین کی کسی ایک بچے کو ذرا سی زیادہ اہمیت، یا ذرا سا زیادہ پیار و محبت کا برتاؤ دوسرے بچوں کے دل و دماغ میں منفی اثر چھوڑ جاتا ہے اور وہ اپنے ہی بھائی کے حاسد اور دشمن بن جاتے ہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان میں آغائیت دیکھتے ہوئے انہیں ذرا سی فوقیت دی تو دیگر بھائی نے اہمیت و قدر برداشت نہ کر سکے، اور اگے چل کر یہی جذبہ حسد اور دشمنی کا باعث بن گیا۔

نبی آخر الزماں ﷺ نے اپنی امت کو اولاد کے درمیان عدل و انصاف کا برتاؤ کرنے کا خصوصی حکم دیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے کچھ مال عطا کیا، پھر میری والدہ کی خواہش پر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ ﷺ کو اس پر گواہ بنائیں۔ آپ نے دریافت کیا: ”کیا سارے بیٹوں کو ایسا ہی مال دیا ہے؟“ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ”اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔“

لہذا حضرت نعمان کے والد نے وہ مال واپس لے لیا۔

کامیاب زندگی کا مقصد زندگی: حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کامیاب زندگی وہی

کر آپ کے دربار میں اقرار جرم کر کے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں:

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ آتٰكَ الْاَلٰهُ عَلٰمَاتًا وَاِنَّكَ لَمِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

”انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کرتے۔“
(یوسف: 91/12)

حسد جہاد کا یوں سے بچنے کے لیے رسول اکرم ﷺ نے تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

”جہلی امتوں کی بیماریوں میں سے ایک بیماری تمہارے اندر سرایت کر گئی ہے اور وہ حسد اور بغض کی بیماری ہے (اور) یہ مومن کو رکھ دینے والی ہے میں نہیں کہتا کہ بال مومن کی بلکہ یہ دین کا صفایا کر دیتی ہے۔۔۔۔۔ اللہ حد ہے۔“

پاکیزہ فطرت پر پاکیزہ ماحول کا اثر: اگر کسی شخص کی ذاتی سرشت عمدہ اور پاکیزہ ہو اور اس کا ماحول بھی پاکیزہ و مقدس ہو تو ایسے شخص کی زندگی اور کردار عملی نہایت پاکیزہ اور نمایاں صفات کا حامل بن جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی مقدس و مطہر زندگی اس کی بہترین مثال ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاکیزہ نسب کو یوں بیان کیا ہے:

”نہایت معزز شخص، بڑی عزت والے کے بیٹے، بڑے عزت دار کے پوتے، انتہائی معزز کے پڑپوتے یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کی ذاتی نیک نہادگی اور پاکیزہ فطرت نے جب لطیف و مقدس ماحول کو پایا تو تمام کمالات و اوصاف عظیمہ چمک اٹھے۔

اس کے برعکس اگر کسی شخص کی سرشت ہی ناپاک ہو یا اسے ماحول ہی پرانندہ اور آلودہ ملے تو پھر اس شخص کی زندگی جرائم پیشہ اور اس کا کردار گھناؤنا بن جاتا ہے۔

جسے اللہ رکھے! حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے یہ حقیقت بھی خوب روشن ہو جاتی ہے کہ جسے اللہ رکھے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جسے اللہ عزت دے اسے کوئی بے توقیر نہیں کر سکتا۔ جسے اللہ بچانا چاہے اسے کوئی مار نہیں سکتا۔ جسے اللہ بلند و بالا کرنا چاہے اسے کوئی گرا نہیں سکتا۔ اللہ جو بچانا چاہے وہ ہو جاتا ہے خواہ ساری دنیا وہ نہ چاہے۔ اور جو کام اللہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا خواہ ساری دنیا وہ کام کرنا چاہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کو تنویر میں چمیک کر آپ سے خلاصی مانگے تھے مگر درحقیقت وہ آپ کو بام عروج کی پہلی سیڑھی پر کھڑا کر گئے تھے۔ عزیر مصر کی بیوی نے اپنی شیطانی چال کی ناکامی پر آپ کو قیول میں بند کر دیا و یا مگر فی

اسی طرح فتح مکہ کے روز زقریش، نبی کریم ﷺ کے سامنے شکست خوردہ، سرگوں کھڑے تھے اور آپ ان سے برسوں کے ظلم و ستم کا بدلہ لینے پر پوری طرح قادر تھے۔ آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ”تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟“ انہوں نے بیک زبان عرض کیا: آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”تو میں تم میں سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی: لَا تَقْرَبْ عَلَیْکُمْ الْیَوْمَ“ آج تم پر کوئی نرس نہیں، جا کر تم سب آزاد ہو۔“

خوابوں کی تعبیر: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے تعبیر روای کی اہمیت و افادیت سامنے آتی ہے۔ نیز یہ کہ انبیائے کرام کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خوابوں کی تعبیر ایک عظیم اور اعلیٰ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بطور خاص عطا فرمایا تھا لہذا آپ نے جن خوابوں کی تعبیر بیان کی وہ ویسے ہی وقوع پذیر ہوئے۔ خواب اور ان کی تعبیر کے متعلق چند اسلامی آداب درج ذیل ہیں:

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد و گرامی ہے: ”جب تم میں سے کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اسے بیان کرے، اور اگر کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے لہذا اس کے شر سے پناہ مانگے اور کسی سے بیان نہ کرے کیونکہ وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔“

لہذا اچھا خواب نظر آئے تو اسے تین آداب ہیں: اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اس سے فرحت و سرور محسوس کرے۔ اپنے خیر خواہ اور محبوب شخص کو بتا دے۔

برے اور ناپسندیدہ خواب کے سات آداب ہیں: برے خواب سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔ شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے۔ اگر بیدار ہو جائے تو بائیں طرف تین بار تھوکرے۔ برا خواب کسی کو نہ بتائے۔ نماز نفل ادا کرے۔ جس کروٹ پر لیٹا ہوا ہے تبدیل کر لے۔ آبیہ الکبریٰ کی تلاوت کرے۔

خواب کی تعبیر کے متعلق آداب: تعبیر کی عالم دین، عقل مند اور دین شخص سے پوچھی جائے یا دوست اور خیر اندیش شخص سے پوچھی جائے۔ ناپسندیدہ شخصیت، حاسد یا کمرہ دشمن کو ہرگز خواب نہ بتائے اور نہ اس سے تعبیر پوچھے۔ تعبیر کرنے والا حسب استطاعت مثبت اور اچھے امور کے ساتھ تعبیر کرے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں، حج الہادی، کتاب تعبیر الرؤیا)

عہدے اور منصب کی طلب: کسی شخص کا عہدے اور منصب کا طلب کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔ بلکہ امارت و ریاست سے بچنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ”اے ابوذر!

ہے جو با مقصد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادَتِي﴾

”میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔“ (الذاریات: 56/51)

لہذا جب انسان اس مقصد حیات کو بخوئی سمجھ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی محبت اس کے دل و دماغ میں اثر پذیر ہو جاتی ہے تو پھر وہ قید و بند کی صعوبتوں اور زندگی کی مشکلات و مصائب کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبیل میں بھی ساتھیوں کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اپنی مشکلات کو اس راہ میں حائل نہیں ہونے دیتے۔

ایسی با مقصد زندگی گزارنے والا شخص صداقت، دیانت، امانت، شرافت، صبر و تحمل، شکر و رضا اور غنودہ و زرگر جیسی عالی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ جبکہ اس مقصد حیات کو پس پشت ڈال کر مبینے والا شخص، جھوٹ، خیانت، جزع و فزع، ناشکری، حسد و بغض اور عداوت و دشمنی جیسی منفی صفات کو اپنا کارنامہ و نامراد ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ ۖ لَهُمْ سُلُوفٌ ۖ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ ۖ لَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ ۖ لَهُمْ أُولُكُوكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أَوْ لَوْ كُنْتُمْ تُخْفِئُونَ﴾

”اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں جن کے دل ایسے ہیں کہ ان سے وہ سمجھتے نہیں، اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔“ (الاعراف: 179/7)

روح تذکرہ لَا تَقْرَبْ عَلَیْکُمْ الْیَوْمَ: حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے سے ہمیں مفہود و در گزار اور احسان و اکرام کا اعلیٰ ترین درس ملتا ہے۔ بدترین دشمن کو بغیر کسی سزا کے معاف کر دینا اور اس سے کوئی بدلہ نہ لینا، مجسمین، صدیقین اور کریمین کی ہمیشہ سے صفت رہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کے دربار میں احساس جرم سے مغلوب، نام و شرمندہ، گردنیں جھکا گئے، آپ کے فیصلے کے منتظر تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ نے سلطنت و حکمرانی عطا فرمائی تھی۔ آپ کا ایک حکم زندگی بھر کے دکھوں کا بدلہ چکانے کے لیے کافی تھا۔ مگر آپ نے جو فیصلہ فرمایا وہ تاقیامت آنے والے لوگوں کے لیے شعلہ راہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

﴿لَا تَتَّبِعْ عَلَیْکُمْ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ ۖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِ﴾

”آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تمہیں بخشے گا۔ وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔“ (یوسف: 92/12)

لیکن اگر کوئی فرد اپنی قابلیت، ذہانت اور اہلیت کی بنیاد پر سمجھتا ہے کہ کوئی خاص منصب اس کے شایان شان ہے اور وہ ملک و قوم کی فلاح و بہبود کے لیے دوسروں کی نسبت بہتر اور مزید نتائج حاصل کر سکتا ہے تو وہ اپنی خدمات کو حق و قامت کو پیش کر سکتا ہے۔ یا جب کسی اہل شخص کو احکام و مقت کی عہدے کی پیش کش کرے تو وہ اپنی اہلیت و قابلیت کے مطابق میدان عمل کا انتخاب کر سکتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے جوہر حق و صداقت اور ملک و قوم کی خیر خواہی کے جذبات کا عزم و کرم کو علم تو اس نے آپ پر لگائے تھے تمام الزامات کی تردید کے بعد آپ کی عفت و پاکدامنی کا اظہار کیا۔ نیز آپ کو اپنا خصوصی وزیر بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی امانت و دیانت اور خصوصی اہلیت و قابلیت کے پیش نظر اپنی مخصوص حکمت کی سہرا ہی طلب کی جو آپ کو دے گئی۔ آنے والے وقت نے آپ کے انتخاب اور اہلیت کو ثابت کر دیا۔

ماہوی گناہ ہے: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں یہ درس بھی ملتا ہے کہ باپائی گناہ ہے۔ حالات کیسے ہی نہ ہوں، باپ اور نواسیوں کیوں نہ ہوں انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ مشکل وقت میں صبر و رضا کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور درودِ رگیا عالم کی نصرت کا تہنیکہ کا سوال کرنا چاہیے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی جدائی اور فراق کا رنج کھایا۔ دونوں بیٹوں کے شہد غم میں بھی رحمت ربانی سے آس نہیں ٹوڑی بلکہ بیٹوں کا امید کا دامن تھامنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

يَكْفُرُ أَذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْكُلُ مِنْ رِزْقِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿٥٠﴾

”میرے پیارے بچو! تم جاؤ اور یوسف کی اور اس کے بھائی کی پوری طرح تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو! یقیناً اللہ کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔“ (یوسف: 87/12)

حضرت یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اسوجہ حسنہ میں ان لوگوں کے لیے درس عبرت ہے جو بیٹوں کی جدائی والا داد کے نہ ہونے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید اور مایوس ہو جاتے ہیں اور دین و ایمان کے لٹیروں، کالے علم، جہر اور لونگھمانے والے شمشبدہ بازوں سے ناامید و وابستہ کر لیتے ہیں۔ قریب، مزارحرا، گھر گھر کھاتے، دین و دنیا سے محروم ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

وَالْيُوسُفَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِ
مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ
فَأَنصَبْنَا فِي الْمِرْصَاتِ الْإِبراهيمَ وَأَتَيْنَاهُ الْهَاجِلَ وَمِثْلَهُ
مَعَهُ رَحْمَةً مِنَّا وَلِتَذَكِّرَ الْعَالَمِينَ



نسب نامہ اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ آپ کو روئی النسل تھے اور آپ کا نسب نامہ اسی طرح ہے: ایوب بن موسیٰ بن رازح بن عیسیٰ (عیسو) بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بعض علماء نے آپ کا نسب اسی طرح بیان کیا ہے: ایوب بن موسیٰ بن رعویل بن عیسیٰ (عیسو) بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول نقل کیا ہے کہ آپ کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی دختر تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے والدان مومنوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس نیا ایمان لائے جس دن آپ کو آگ میں ڈالا گیا اور آپ مجزاۃ طور پر سلامت رہے۔ یہاں تو زیادہ مشہور ہے۔ ہم اس آیت مبارکہ:

”اور اس (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون ہیں۔“ (الانعام: 84/6) کی تفسیر کرتے ہوئے وضاحت کر چکے ہیں کہ ﴿ذُرِّيَّتِهِ﴾ سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے نوح علیہ السلام کی اولاد و مراد نہیں، لہذا صحیح بات یہی ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں سے ہیں۔

عقل والوں کے لیے نصیحت تھی۔ اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لپھراس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔ بیکٹ ہم نے اُسے صبر کرنے والا پایا۔ وہ بہت خوب بندہ تھا بیکٹ وہ بہت رجوع کرنے والے تھا۔“ (ص: 44-41/38)

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش اور صبر کی انتہا

علمائے تفسیر اور مومنین بیان کرتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام ایک صاحب ثروت انسان تھے۔ آپ کے پاس ہر قسم کا مال موجود تھا، مثلاً: غلام، جانور (گھوڑے وغیرہ) مویشی اور حوران (شام) کے علاقے بقیہ میں وسیع اراضی کے قطعات بھی تھے۔ اس کے علاوہ آپ کی بیویاں اور بہت سے بچے بھی تھے۔ آپ سے یہ سب کچھ چھین گیا اور آپ کو سخت آزمائش سے دوچار کر دیا گیا۔ آپ نے اس پر بھی اللہ کی رضا کے لیے صبر کیا اور دن رات، صبح شام اللہ کا ذکر کرتے رہے۔

آزمائش کی مدت طویل ہوتی گئی، حتیٰ کہ دوست یا راسخ چھوڑ گئے اور آپ سے دور دور رہنے لگے۔ آپ سے ملنا جلانا چھوڑ دیا۔ اس وقت آپ کی خدمت کرنے کے لیے صرف آپ کی زوجہ محترمہ باقی رہ گئیں۔ انہوں نے آپ کے گزشتہ احسانات اور شفقت کو فراموش نہ کیا، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تھیں اور آپ کی ضروریات پوری فرمائیں حتیٰ کہ قصائے حاجت میں بھی مدد دیتیں۔ آہستہ آہستہ ان کا مال ختم ہو گیا۔ وہ آپ کی غذا اور دوا کا بندوبست کرنے کے لیے اجرت پر دوسروں کے کام کرنے لگیں۔ انہوں نے مال اور اولاد سے محرومی پر بھی صبر کیا اور خاندان پر آنے والی مصیبت کو بڑے صبر سے برداشت کیا۔ سچی وہ طرح کی لغتوں سے مالا مال تھیں اور ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا، پھر تنگ دستی آئی اور انہیں لوگوں کی خدمت کرنا پڑی۔ اس کے باوجود وہ ثابت قدم رہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”سب سے سخت آزمائش انبیائے کرام ﷺ پر آتی ہے، پھر زیادہ نیک لوگوں پر پھر جو ان سے کم درجے کے ہوں،“^①
مزید ارشاد نبوی ہے: ”انسان پر اس کے دین کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ اگر وہ دین میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش میں اضافہ ہو جاتا ہے۔“^②

اپنے رب سے صحت کی دعا

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش جس قدر شدید ہوتی گئی، آپ کے صبر، شکر اور استقامت میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا،

① المستدرک للحاکم: 343/3 و سلسلة الأحادیث الصحيحة: حدیث 143، 144

② مسند احمد: 172/1، جامع الترمذی، الزهد، باب ما جاء فی الصبر علی البلاء، حدیث: 2398

آپ ان انبیائے کرام ﷺ میں شامل ہیں جن کا نام لے کر ان پر وحی نازل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَاللّهٰدِ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِیْلَ وَاسْمٰعِیْلَ وَيَعْقُوبَ وَالْإِسْحٰقَ وَیٰعِیْسٰی وَآیُوبَ﴾

”(اے محمد!) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان سے پہلے بھیجیہوں کی طرف بھیجی تھی اور ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب کی طرف وحی بھیجی۔“ (النساء: 163/4)

صحیح یہی ہے کہ آپ عیسیٰ (عیسو) بن اسحاق علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ آپ کی زوجہ محترمہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ یعقوب علیہ السلام کی بیٹی ”انیا“ تھیں، بعض کہتے ہیں کہ وہ افرامہ کی بیٹی ”رحمت“ تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ منسا کی بیٹی تھیں اور ان کا نام ”انیا“ تھا۔ یہ قول زیادہ مشہور ہے۔

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ ایک صابر اور شاکر نبی کے طور پر ہوا ہے جنہوں نے لمبی مدت تک بیماری آل اولاد کی ہلاکت اور مال و متاع کے چھین جانے پر صبر کیا نیز دوبارہ انعامات ربانی حاصل ہونے پر شکر گزاری کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَآیُوبَ إِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اِنِّیْ مَسٰیئِلُ الضُّرِّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِیْنَ﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَكَشَفْنَا مَا بِہٖ مِنْ ضُرٍّ وَآتٰیْنٰہُ اٰھْلَہٗ وَمٰلَہُمْ مَّعَہُمْ رَحْمَۃً مِّنْ عِزِّدِنَا وَوَكَّلَیْ لِّلْعٰصِیٰیْنَ ﴿۴﴾

”اور ایوب (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ مجھے تکلیف پہنچے ہو اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور جو ان کو تکلیف تھی وہ دور کر دی اور ان کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے ان کے ساتھ اسٹنے اور بخشنے اور عبادت کرنے والوں کے لیے (یہ) نصیحت

ہے۔“ (الانبیاء: 84، 83/21)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ نَادٰی عِبْدَنَا آیُوبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اِنِّیْ مَسٰیئِلُ الضُّرِّ یُضِیْبُ وَعٰدَآیَ ۖ اُرٰیضُ بِوِجْہِکَ ہٰذَا مُغْتَسِلٌ بَآوَدٍ وَشَرَابٍ ۚ وَہٰیئَا لَہٗ اٰھْلَہٗ وَمٰلَہُمْ مَّعَہُمْ رَحْمَۃً مِّنَّا وَوَكَّلَیْ لَادُلٰی الْاَلْبَآبِ ۚ وَخَلَّیْ بِیْہِکَ یَضَعُهَا فَاضْرِبْ بِہٖ وَلَا تَخْشَہٗ اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِرًا نَّعْمَ الْعَبْدُ اِنَّکَ اَوَّابٌ ﴿۵﴾﴾

”اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو نکارا کہ (اے اللہ!) شیطان نے مجھ کو ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے۔ (ہم نے کہا کہ زمین پر) لات مارو (دیجو) یہ (چشمہ نکل آئی) نہانے کو بخشنا اور سینے کو (شیریں) اور ہم نے ان کو ابل (دوبال) اور ان کے ساتھ اسٹنے اور بخشنے (یہ) ہماری طرف سے رحمت اور

گئے تھے اور اسی قدر مد بھی عنایت فرمائے۔

وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی نازل فرمائی: ”میں نے تجھے تیرے اہل اور مال و دواہ دے دیے ہیں اور ساتھ اسنے ہی اور دے دیے ہیں، اب اس پانی سے غسل کر لے، تجھے شفا ہو جائے گی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی پیش کر اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کر کیونکہ انہوں نے تیرے معاملے میں میری نافرمانی کی ہے۔ لیکن سب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں اور اہل و عیال عطیہ کیا اور اس سے ایک گناہ زائد بھی دیے جس طرح مجاہد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔“^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے ایوب رضی اللہ عنہ کو صحت عطا فرمائی تو آپ پوسنے کی ٹڈیوں کی بارش کر دی۔ آپ انہیں ہاتھوں سے پکڑ پکڑ کر پکڑے میں ڈالنے لگے۔ آپ کو ندا آئی: ”ایوب! کیا یہ نہیں ہوئے؟“ آپ نے عرض کیا: ”یارب! تیری رحمت سے کون سیر (اور مستغنی) ہو سکتا ہے؟“^②

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایوب رضی اللہ عنہ پکڑے اتار کر غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیوں کا ایک جھنڈ آپ پر آگرا۔ ایوب رضی اللہ عنہ مٹھیاں بھر بھر کر پکڑے میں ڈالنے لگے۔ اللہ عزوجل نے آواز دی: ”ایوب! کیا میں نے تجھے اس سے مستغنی نہیں کر دیا جو تو دیکھ رہا ہے؟“ انہوں نے عرض کیا: ”جی ہاں! یارب! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔“^③

ارشاد باری تعالیٰ: ”اینا یاؤں مارو۔“ کا مطلب ہے کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو۔ ایوب رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں سے چھنڈے پانی کا چشمہ جاری فرما دیا اور حکم دیا کہ اس کا پانی پئیں اور اسی پانی سے غسل کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تکلیف، درد اور جسم کی تمام غلطیوں کو ابھنی پیاریاں دور فرما دیں اور غلطیوں سے بھٹی تدرستی کے ساتھ ساتھ کامل جہاں اور بہت سے مال سے بھی نوازا حتیٰ کہ سونے کی ٹڈیوں کی بارش ہوئی اور دولت اس طرح نازل ہوئی جیسے بندہ برتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل و عیال بھی عطا فرمائے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَ اٰتَيْنَاهُ اٰهْلًا وَّ عٰلًا مَّعْهُ﴾ ”اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے، بلکہ ان کے ساتھ اسنے ہی اور بھی۔“ (الانبیاء: 84/21) بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہی فوت شدہ افراد زندہ ہو گئے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فوت شدہ افراد کی جگہ اور اولاد دے دی اور قیامت میں پہلی اور پہلی سب اولاد جمع ہو کر آپ کو مل جائے گی۔ ﴿رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ ”(ابنی خاص مبرانی سے۔“ (الانبیاء: 84/21) یعنی ہم نے آپ کی مصیبت دور کر دی اور آپ کی تکلیف ختم کر دی۔ یہ ہماری خاص مہربانی اور احسان تھا۔ ﴿وَ اٰتٰیہٗ لِّیُغْنٰیہٗ﴾

① تفسیر ابن کثیر: تفسیر سورة الانبیاء: آیت: 84

② تفسیر ابن ابی حاتم: 246/18

③ صحیح البخاری: احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وَاٰیوبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ﴾..... حدیث: 3391/1 و مسند أحمد: 314/2

حتیٰ کہ آپ کا صبر بھی ضرب المثل بن گیا اور آپ کے مصائب بھی۔

- بائبل میں حضرت ایوب رضی اللہ عنہ کے مال و اولاد ختم ہو جانے اور جسمانی بیماری میں مبتلا ہونے کا واقعہ بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس میں کس قدر باتیں درست ہیں۔
- حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سب سے پہلے ایوب رضی اللہ عنہ چپکے کے مرض میں مبتلا ہوئے تھے۔ آپ کی آزمائش کتنا عرصہ جاری رہی اس کے بارے میں علماء سے مختلف اقوال مروی ہیں:
- ① حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”آپ پورے تین سال اس کیفیت میں رہے نہ کم نہ زیادہ۔“
- ② حسن اور قنادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”آپ کی آزمائش کی مدت سات سال چند ماہ تھی۔“
- ③ حضرت حمید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”آپ آٹھ سال بیمار رہے۔“

④ سندی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”آپ کے جسم سے گوشت جھڑ گیا تھا، صرف ہڈیاں اور ٹھٹھے باقی رہ گئے تھے۔ آپ کی زوجہ محترمہ ردا لاکر آپ کے نیچے ڈالتی تھیں۔ جب ایک طویل عرصہ اس حال میں گزر گیا تو انہوں نے عرض کیا: ”اے رب سے دعا کیجیے کہ وہ آپ کی مصیبت دور کر دے۔“ آپ نے فرمایا: ”میں نے ستر سال صحت کی حالت میں گزرا ہے، تو کیا مجھے اللہ کے لیے ستر سال مہرب نہیں کرنا چاہیے؟“ زوجہ محترمہ یہ جواب سب ک بہت پریشان ہوئیں کیونکہ وہ لوگوں کی خدمت کر کے اس کی اجرت سے ایوب رضی اللہ عنہ کے کھانے کا بندوبست کرتی تھیں۔“^⑤

بہر حال اس طرح دن گزرتے رہے۔ ان کی خدمت گزرا اور وفا شعار بیوی کے لیے بھی حالات کٹھن سے کٹھن تر ہوتے جا رہے تھے اور خود حضرت ایوب رضی اللہ عنہ کے اپنے خوش و آقا رہ بھی اُن کی سخت آزمائش اور بیماری وغیرہ کو دیکھ کر ان سے سخت بیگانگی رہنے لگی جو حضرت ایوب رضی اللہ عنہ پر بڑی شاق گزرنے لگی، بالآخر وہ بارگاہ الہی میں خوب گزر گئے اور صحت و شفا کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور اس چشمہ کھانی سے غسل کرنے کا حکم دیا جو ان کی ایڑی مارنے سے جاری ہوا تھا۔

⑤ شفا یابی پر انعامات ربانی کی بارش: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب رضی اللہ عنہ کو جنت کا لباس پہنا دیا۔ آپ (صحت مند ہو کر) بنی لاس پہن کر (ایک طرف بیٹھ گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ آئیں تو پہچان نہ سکیں۔ بولیں: ”اللہ کے بندے! یہاں جو بیٹھا تھا، وہ کہاں گیا؟ کہیں اسے بھیجیے تو اٹھا کر نہیں لے گئے؟“ انہوں نے اس طرح کی کئی باتیں کیں تو آپ نے فرمایا: ”تیرا بھلا ہوا! میں ہی ایوب ہوں۔“ انہوں نے کہا: ”مجھ سے کیوں غصہ کرتا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”تیرا بھلا ہوا! میں ہی ایوب ہوں۔ اللہ نے مجھے میرا صحیح جسم دوبارہ دے دیا ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہی مال اور وہی بچے دوبارہ دے دیے جو لے لیے

① تفسیر ابن کثیر: تفسیر سورة الانبیاء: آیت: 84

”ہا کہ چکے بندوں کے لیے (سب) نصیحت ہو۔“ (الانبیاء: 84) یعنی جس شخص کو جسم میں یا مال میں یا اولاد میں ابتلا و مصائب پیش آئیں، وہ اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام کی پیروی کرے جنہیں اللہ نے اس سے بڑی آزمائش سے دوچار کیا تھا لیکن انہوں نے صبر کیا اور اللہ سے اجر و ثواب کی امید رکھی کہ اللہ تعالیٰ نے مصائب دور فرما دیے۔

اس کے بعد ایوب علیہ السلام کے علاقے میں ستر سال زندہ رہے اور دین ابراہیمی پر قائم رہے۔ آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے دین میں تبدیلیاں کر لیں۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَحُمِّلَ الْيُسُفُفَ فَاُصِيبَ بِهٖ وَلَا تَحْتَفِزُ رَاٰ وَجَدْنَهٗ صَابِرًا بَعْدَ الْعَمَلِ اِنَّهٗ اَوَّابٌ﴾ ”اور اپنے ہاتھ میں گھول کا ایک مٹھا لے کر ماروے اور قسم کے خلاف نکر۔“ (سج تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر بندہ پایا، وہ بڑا نیک بندہ تھا اور اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔“ (ص: 44/38) کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کسی بات سے ناراض ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ جب وہ صحیح ہوئے تو اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ اپنی قسم اس طرح پوری کرو کہ ایک سو سٹاخوں والی ٹہنی لے کر مارو آپ کی قسم پوری ہو جائے گی۔^①

یہ ایک اور خصوصی رعایت تھی اس بندے کے لیے جو تقویٰ اور اطاعت الہی پر پختہ رہا اور اس خاتون کے لیے بھی جو اللہ کی رضا کے لیے نیکی کی راہ پر صبر و استقامت سے قائم رہ کر تمام دکھ جھلکتی رہیں۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رخصت کے بیان کے بعد اس کی بیان الفاظ میں ارشاد فرمائی: ﴿رَاٰ وَجَدْنَهٗ صَابِرًا بَعْدَ الْعَمَلِ اِنَّهٗ اَوَّابٌ﴾ ”سج تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر بندہ پایا، وہ بڑا نیک بندہ تھا اور اللہ کی طرف بڑی ہی رغبت رکھنے والا تھا۔“ (ص: 44/38)

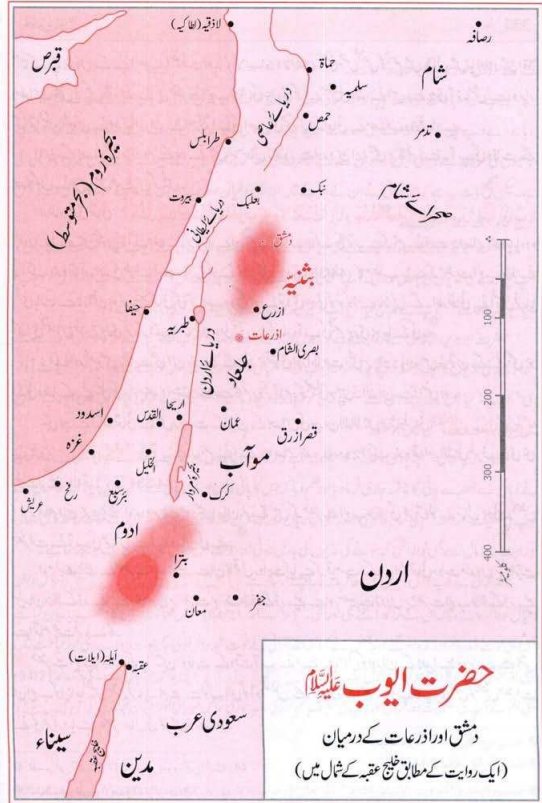
امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی عمر تیراٹھ سال ہوئی۔ بعض حضرات نے آپ کی عمر اس سے زیادہ بیان کی ہے۔^②

امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا قول روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دولت مندوں پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعے سے، غلاموں پر حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعے سے اور مصیبت زدوں پر حضرت ایوب علیہ السلام کے ذریعے سے اتمام حجت فرمائے گا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے جانشین: وفات کے وقت آپ نے اپنے بیٹے حویل کو اور ان کے بعد اپنے دوسرے بیٹے بضر بن ایوب کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ بہت سے لوگ اسی کوڈو لکھ لکھتے تھے ہیں (واللہ اعلم)۔ آپ کا یہ بیٹا جس کو بعض حضرات نے نبی قرار دیا ہے پچھتر سال کی عمر میں فوت ہوا۔

① تفسیر ابن کثیر: 317/5 تفسیر سورۃ ص: آیت 44:

② المنتظم فی تاریخ الأمم والملوک: 323/1



حضرت ایوب علیہ السلام

دمشق اور اذرعات کے درمیان
(ایک روایت کے مطابق خلیج عقبہ کے شمال میں)

تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے۔“ ①

⑤ علاج کرنا انبیاء کے کرام کی سنت ہے: حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے سے بیماری کے علاج اور دوا استعمال کرنے کا درس ملتا ہے۔ علاج کرنا اور دوا استعمال کرنا صبر و رضا کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چشمے کا پانی پینے اور اس سے غسل کرنے کا حکم دیا حالانکہ وہ مالک اس کے بغیر بھی شفا دینے پر قادر ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شفا کے حصول کے لیے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے بھی علاج کی ترغیب ملتی ہے۔ آپ نے دوا استعمال کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

”اللہ کے بندو! دوا استعمال کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفا بھی رکھی ہے (یا فرمایا) ہر بیماری کی دوا بھی رکھی ہے، سوائے ایک بیماری کے۔“ صحابہ نے عرض کی اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”بوہا پا۔“ ②

آپ نے امت کے لیے صحت بخش دوا نہیں بھی تجویز فرمائی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ علاج کرنا اور کرنا ضروری ہے۔ آپ نے کلونجی کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”سیاہ دانے (کلونجی) کو استعمال کیا کرو کیونکہ اس میں موت کے سوا ہر بیماری کی شفا ہے۔“ ③
اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ شہد کو بے حد پسند کرتے تھے اور بیمار یوں کے علاج کے لیے اسے تجویز فرماتے تھے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فِيهِ شِفَاءٌ لِّكَثِيرٍ﴾ ”اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔“ (النحل: 69/16)

لہذا نبی ﷺ فرماتے ہیں:

”تم شفا میں چیزوں میں سے پھینچے گلو ان میں، شہد کے پینے میں اور آگ سے داغ گلو ان میں لیکن میں اپنی امت کو داغ گلو ان سے منع کرتا ہوں۔“ ④

⑤ بیوی سے حسن سلوک: حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے سے مومن خاندانوں کو اپنی بیویوں سے حسن سلوک کا درس ملتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام حالت صحت اور مالی فراوانی کے ایام میں نہایت نیک سلوک کرتے تھے۔ پھر حالات نے پانسا پانا تو وفا شعار بیوی کے سوا سب لوگ آپ کو چھوڑ گئے۔ صالحہ بیوی نے تنگی ترقی کے ایام میں آپ کی خدمت میں کوئی فروگزاشت نہ کی۔ ایک دن کسی بات پر آپ کو ناراض ہو گئے اور قسم اٹھائی کہ صحت یاب ہونے پر انہیں سو کوڑے بطور سزا ماریں گے۔ آپ صحت یاب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفا شعار زوجہ مختارہ کے لیے سزا میں خصوصی ذریعے سے تخفیف کرا کے، مومنوں کو ایماندار، وفا شعار، تنگی ترقی کی سہاٹی ازدواج کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ رسول

① صحيح البخاري، المرضي، باب ما جاء في كفارة المرضي حديث: 5641

② جامع الترمذي، الطب، باب ما جاء في الدواء والحث عليه، حديث: 2038

③ جامع الترمذي، الطب، باب ما جاء في الحبة السوداء، حديث: 2041

④ صحيح البخاري، الطب، باب الشفاء في ثلاث، حديث: 5680

نتائج و فوائد عبرتیں و حجتیں

⑤ صبر و رضا کے پیکر: حضرت ایوب علیہ السلام: حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے سے اہل ایمان کو صبر و رضا کا درس ملتا ہے۔ ابتلا و شدائد پر جبرج فرج کرنے کی بجائے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اس سے شفا مانگنے کا سبق ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو صبر و رضا کی تعریف و ستائش کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا بِعَهْدِ الْعَبْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾

”[ج] تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا ہی صابر پایا، وہ بڑا نیک بندہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔“ (ص: 44/38)

حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے اموال، مویشی، چوپائے، غلام اور وسیع و عریض زمین کے علاوہ بغیر اولاد سے نوازا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آگئی اور یہ سارا مال و اسباب ختم ہو گیا۔ صرف ایک غم کسار بیوی باقی بچی۔ پھر آپ کے جسم کا بھی مرض کی شکل میں امتحان شروع ہو گیا، حتیٰ کہ آپ کو شہر سے باہر ایک ویرانے میں پناہ لینا پڑی۔ یہ یہ دراتلا 18 سالوں پر محیط رہا، مگر اس عرصے میں آپ نے کبھی شکوہ و شکایت کو زبان پر نہ دیا، بلکہ صبر و شکر کے پیکر بن کر اپنے رب کی طرف التجا و دعا کرتے۔ بالآخر آپ کی آزمائش ختم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے صبر و شکر پر پہلے سے بھی زیادہ مال و اولاد عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَيُّوبَ إِذْ تَأَذَّى ذَيِّقَةً أَمَّا مَسْحَبِ الْغَمِّ وَأَنْتَ أَحْسَنُ الرَّحِيمِينَ﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضِرٍّ وَأَتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَوَفَّيْنَاهُ مَعَهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَكَذَرْنَا لِلْغَائِبِينَ﴾ ①

”ایوب! اس کی حالت کو یاد کرو جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے اس کی سن لی اور جو دکھ انہیں تھا اسے دور کر دیا اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ ان کے ساتھ ویسے ہی اور بھی اپنی خاص مہربانی سے، تاکہ سچے بندوں کے لیے سب نصیحت ہو۔“

(الانبیاء: 83/21، 84)

اس سے معلوم ہوا کہ مشکل کشا، غوث اعظم، گنج بخش اور غنیگر صرف ذات الہی ہے۔ مشکلات اور مصائب میں صرف اسے ہی پکارنا چاہیے۔ نیز امتحان و آزمائش میں صبر و رضا کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ صبر و شکر کرنے والوں کو رب العالمین اپنی خصوصی عنایات سے نوازتا ہے۔ رسول مقبول ﷺ صبر و شکر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مومن کو جو بھی جسمانی دکھ، تکلیف، درد، حزن، بیماری یا غم پہنچتا ہے حتیٰ کہ اسے چھینے والے کانٹے سے بھی اللہ

وَالسَّاعِيْنَ
وَالَّذِيْنَ يَرْكُزُ الْكُفْلَ
كَرَّمَ نَا صَلَاتِيْنَ وَادْخَلْنَهُمْ
فِي رَحْمَتِنَا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الصَّالِحِيْنَ

حَضْرَتِ زِيَادِ الْكُفْلِ رَضِيَ اللہُ عَنْہُ

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے سورہ انبیاء میں حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَالسَّاعِيْنَ وَ الَّذِيْنَ يَرْكُزُ الْكُفْلَ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِيْنَ ۝ وَادْخَلْنَهُمْ فِي رَحْمَتِنَا اِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِيْنَ ۝﴾

”اور (اے نبی!) اسامیل اور ادریس اور ذوالکفل (کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بلاشبہ وہ سب نیکو کار تھے۔“ (الانبیاء: 86-85/21)

سورہ ص میں بھی حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ کے بعد ارشاد ہے:

﴿وَادْكُرْ عَبْدَنَا اِبْرٰهِيْمَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولٰٓئِذِيْنَ وَالْاَنْصٰرِ ۝ اِنَّا اَخٰصْنٰهُمْ بِعَالَمِيْنَ ذٰلِكَ الدَّارِ ۝ وَرَكَّعْنٰهُمْ عِنْدَنَا لَمَّا مَنَّ الْمُصْطَفٰوْنَ الْاَخْيَارُ ۝ وَادْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝﴾

”اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو قوت اور بصیرت والے تھے۔ ہم نے اُن کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے

تھے۔ اور اسامیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کرو، وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔“ (ص: 48-45/38)

اکرم ﷺ مومنوں کو پیو یوں سے حسن سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہے اور میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں۔“^①



بستر پر قیلولہ کے لیے لیٹے، تو وہ آکر دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ آپ نے فرمایا: ”کون ہے؟“ اس نے کہا: ”وہی مظلوم ضعیف بوڑھا ہوں۔“ آپ نے دروازہ کھولا اور کہا: ”میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ جب میں عدالت میں بیٹھوں گا تو میرے پاس آنا؟“ اس نے کہا: ”وہ بڑے ضعیف لوگ ہیں، انہیں جب پتہ چلا کہ آپ عدالت میں تشریف لے گئے ہیں تو مجھے کہنے لگے: ہم تجھے تیرا حق دے دیں گے۔ جب آپ نے عدالت برخاست کی، وہ مکر گئے۔“ آپ نے فرمایا: ”اب چلا جا جب میں عدالت میں جاؤں گا جب آجانا۔“

اس طرح آپ اس دن قیلولہ نہ کر سکے۔ آپ عدالت میں گئے اور اس کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن وہ نظر نہ آیا۔ آپ کے لیے خیمہ پر قابو پا یا مشکل ہو گیا تو آپ نے گھردلوں سے کہا: ”مجھے سخت خیمہ دار سی ہے۔ تم کسی کو دروازے کے قریب نہ آنے دینا، میں ذرا سولوں۔“

اس وقت وہ بوڑھا آ گیا۔ دروازے پر موجود آدمی نے کہا: ”پیچھے رہو، پیچھے رہو۔“ اس نے کہا: ”میں کل بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اپنا مسئلہ پیش کیا تھا۔“ آدمی نے کہا: ”ہرگز نہیں، قسم ہے اللہ کی! آپ کا حکم ہے کہ ہم کسی کو قریب نہ آئیں۔“

جب اس نے دیکھا کہ اس طرح آپ تک پہنچنا مشکل ہے تو ادھر ادھر دیکھا۔ اسے کمرے میں ایک روشن دان نظر آیا۔ وہ اوپر چڑھ کر اس میں سے کمرے میں داخل ہو گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ آپ کی آنکھ کھل گئی تو (دربان کو) آواز دی: ”اسے فلاں! کیا میں نے تجھے حکم نہیں دیا تھا کہ اسے کچھ عرصہ کے لیے روک لینا۔“

اس نے کہا: ”یہ شخص میری طرف سے نہیں آیا، اب ہی دیکھیں کہ کدھر سے آیا ہے؟“ آپ نے اٹھ کر دروازہ دیکھا تو وہ اندر کی طرف سے اسی طرح بند تھا جس طرح آپ نے بند کیا تھا، اس کے باوجود بوڑھا کمرے میں موجود تھا۔ تب آپ نے پہچان لیا اور فرمایا: ”کیا تو اللہ کا دشمن (شیطان) ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں! آپ نے میری ہر کو شاک نام یاد دی تھی۔ اس لیے میں نے آپ کو غصہ میں لانے کے لیے یہ سب کچھ کیا۔“

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ”ذوالکفل“ رکھا۔ کیونکہ آپ نے ایک ذمہ داری اٹھائی اور اسے نبھا کر دکھایا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہو کر یہ ارشاد فرمایا: ”ذوالکفل نبی نہیں تھے، لیکن ایک نیک آدمی تھے جو روزانہ سو نمازیں پڑھا کرتے تھے۔“^①

ذوالکفل نے اس (صبح) سے وعدہ کیا کہ اس کی وفات کے بعد وہ یہ سلسلہ جاری رکھیں جسے چنانچہ آپ روزانہ سو نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ کا نام ”ذوالکفل“ (ذمہ داری اٹھانے اور نبھانے والے) مشہور ہو گیا۔^②

① عَالَمٌ دُورٌ لَعَلَّ يَذْهَبَ نَامِرًا بِهِ۔ وَاللَّهُ اعْلَمُ

② تفسیر ابن جریر الطبری: 98/10 و تفسیر ابن کثیر: 319/5 تفسیر سورة الانبياء: آیت: 65

قرآن مجید میں انبیائے کرام علیہ السلام کے ساتھ اور تعریفی کلمات کے ساتھ آپ کا ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالکفل نبی تھے اور یہی مشہور ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ نبی نہیں تھے بلکہ ایک نیک آدمی اور انصاف پسند حاکم تھے۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے اور کسی پہلو کو ترجیح نہیں دی۔

حضرت عابد رحمہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ”آپ نبی نہیں تھے، بلکہ نیک آدمی تھے۔ آپ نے اپنی قوم کی رہنمائی کی اور ان میں انصاف کرنے کی ذمہ داری اٹھائی تھی، اسی لیے وہ ذوالکفل (ذمہ داری اٹھانے والے) کے نام سے مشہور ہوئے۔“

حضرت عابد رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت سید علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ”تنتہا اچھا ہو کہ میں اپنا ایک نائب مقرر کروں، جو میری زندگی میں ان پر حکومت کرے، تاکہ میں دیکھ لوں کہ وہ کیسے کام کرتا ہے۔ (اگر مناسب معلوم ہو تو اسے اپنی وفات کے بعد کے لیے اپنا نائب مقرر کر دوں۔“ آپ نے لوگوں کو منع کر کے فرمایا: ”جو شخص میری طرف سے عادلہ کر دین تو میں ذمہ داری قبول کرے گا، میں اسے اپنا خلیفہ مقرر کر دوں گا۔ وہ کام یہ ہیں کہ دن کو روزہ رکھے رات کو قیام کرے اور غصہ نہ کرے۔“

ایک آدمی، جو دیکھنے میں بالکل معمولی سا لگتا تھا، اٹھا اور بولا: ”میں (ذمہ داریاں قبول کرتا ہوں۔“ فرمایا: ”تو دن کو روزہ رکھا کرے گا رات کو قیام کیا کرے گا اور غصے میں نہیں آئے گا؟“ اس نے کہا: ”جی ہاں!“ اس دن آپ نے اسے واپس کر دیا (اور اپنا خلیفہ حاضر نہیں کیا) دوسرے دن آپ نے پھر یہی اعلان فرمایا۔ سب لوگ خاموش رہے۔ اسی آدمی نے اٹھ کر کہا: ”میں۔“ آپ نے اسے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔

ابن سبطانوں سے کہتا تھا: ”اس شخص کو قاتل ہو کرو۔“ لیکن سب شیطان اسے گراہ کرنے میں اور اس سے وعدہ کر کے برکس کوئی کام کرانے میں ناکام ہو گئے۔

ابن سبطان نے کہا: ”مجھے اس (ذوالکفل) سے منہ دو۔“ وہ ایک انتہائی بوڑھا فقیر بن کر آپ کے پاس اس وقت آیا جب آپ دو پہر کے وقت آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ آپ دن رات میں صرف ایک بار اس وقت سو یا کرتے تھے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے فرمایا: ”کون ہے؟“ اس نے کہا: ”ایک مظلوم ضعیف بوڑھا ہوں۔“ آپ نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا اور وہ اپنی کہانی سنانے لگا۔ اس نے کہا: ”میرا اپنی قوم کے لوگوں سے جھگڑا چل رہا ہے۔ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور یہ کیا اور یہ کیا.....“ وہ بات کو طویل دیتا چلا گیا حتیٰ کہ قیلولہ کے وقت گزر گیا اور عدالت میں جانے کا وقت ہو گیا۔ آپ نے (بوڑھے سے) فرمایا: ”جب میں عدالت میں بیٹھوں گا تو تجھے میرا حق دلا دوں گا۔“

آپ عدالت میں آ کر اپنے مقام پر بیٹھ گئے۔ آپ نے ادھر ادھر دیکھا مگر بوڑھا کبھی نظر نہ آیا۔ اگلے دن بھی آپ لوگوں کے مقدمات سنتے اور فیصلے کرتے رہے اور اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ نظر نہ آیا۔ جب آپ واپس آ کر

اصحابِ الرس

اصحاب الرس کا ذکر قرآن مجید میں ان دو مقامات پر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ۖ وَكُلًّا ضَلَلْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَيَّنَّا لَهُ ۖ﴾

”اور عاد اور ثمود اور اصحاب الرس اور اُن کے درمیان اور بہت سی جماعتوں کو بھی (ہلاک کر ڈالا) اور سب کے (سمجھانے کے) لیے ہم نے مثالیں بیان کیں اور (نہ ماننے پر) سب کا ستیاناس کر دیا۔“ (الفرقان: 25/38, 39)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿كَذَّبَتْ قَبِيلُهُمْ قَوْمَ نُوحٍ ۖ وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَثَمُودًا ۖ وَعَادًا وَفِرْعَوْنَ إِخْوَانًا لُوطًا ۖ وَأَصْحَابَ الْأَيْكَةِ ۖ وَقَوْمَ تُبَلِّقَ ۖ كُلًّا كَذَّبَ الرَّسُّلَ فَحَقَّ وَعِيدُ ۖ﴾

”ان سے پہلے نوح کی قوم اور اصحاب الرس اور ثمود جھٹلا چکے ہیں اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی اور بن کے رہنے والے اور شعیب کی قوم (غرض) ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہماری وعید (عذاب) بھی پوری ہو کر رہی۔“ (فوق: 12-14/15)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو ملیا میٹ کر دیا گیا تھا۔

عربی زبان میں ”الرس“ اس کنویں کو کہتے ہیں جس کی منڈیر پتھروں سے بنائی گئی ہو۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ ایک خاص کنواں تھا جس پر قوم شموک کا ایک قبیلہ رہتا تھا۔ وہی لوگ اصحاب الرس کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ مشہور ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے نبی کو کنویں میں پھینک دیا تھا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول روایت کیا ہے کہ ”اصحاب الرس“ قوم شموک کی ایک بہتی کے باشندے تھے۔“ ①

ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں شہر دمشق کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے ابو القاسم عبداللہ بن عبداللہ بن جرود کی تاریخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب الرس کی طرف ایک نبی کو مبعوث فرمایا تھا جن کا نام حظلہ بن صفوان (رحمہ اللہ) تھا۔ انہوں نے آپ پر ایمان لانے سے انکار کیا اور آپ کو شہید کر دیا چنانچہ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح نے اپنی اولاد سمیت رس سے ہجرت کر کے اخصاف میں رہائش اختیار کر لی۔ بعد میں ان کی اولاد پورے یمن میں پھیر پوری دنیا میں پھیل گئی۔ چھپے رس والوں کو اللہ تعالیٰ نے تباہ کر دیا۔ حتیٰ کہ عاد بن عوص کی اولاد میں سے خبیرون بن سعد بن عاد اس جگہ آ بسا

عمومی تباہی و کھار ہونے والی اقوام

ان سے مراد وہ اقوام ہیں جو تورات کے نزول سے قبل تباہ ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونِ الْأُولَىٰ﴾

”اور ہم نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی۔“ (القصص: 28/43)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے تورات کے نزول کے بعد کسی قوم کو آسمانی یا زمینی عذاب کے ذریعے سے مکمل طور پر تباہ نہیں کیا۔ سو ان (بہشتی والوں) کے جن کی صورتیں تبدیل کر کے انہیں بندر بنا دیا گیا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونِ الْأُولَىٰ﴾“ اور ہم نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قوم بھی عذاب الہی کے ذریعے سے مکمل طور پر تباہ کی گئی ہے وہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی تھی ان میں اصحاب الرس اور سورہ یونس میں مذکور قوم بھی شامل تھی۔

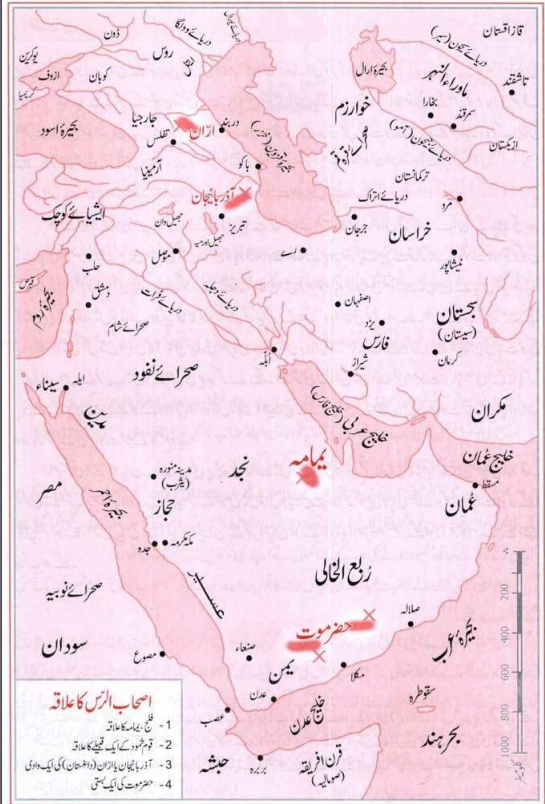
جہاں دمشق آباد ہے۔ اس نے شہر بسایا اور اس کا نام ”مجنون“ رکھا۔ اسی کو قرآن مجید میں ﴿رَمَ ذَاتِ الْجَبَادِ﴾ ”ستونوں والا اِرم“ کہا گیا ہے۔ پتھر کے ستون دمشق سے زیادہ کسی شہر میں نہیں پائے جاتے۔ ① اللہ تعالیٰ نے اس قوم عا د کی طرف حضرت ہود بن عبد اللہ بن رباح بن خالد بن طوبہ بن عاد کو احکام کے علاقے میں نبوت دے کر مبعوث فرمایا۔ وہ لوگ ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کر دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ اِلس کا زمانہ قوم عاد سے صدیوں پہلے کا ہے۔

حضرت ابو بکر محمد بن حسن نقاش رشتہ نے ذکر کیا ہے کہ اصحابِ اِلس کا ایک کنواں تھا جس سے اُن کے پینے کی اور آب پاشی کی ضروریات پوری ہو جاتی تھیں۔ ان کا بادشاہ بہت انصاف پرور اور نیک سیرت تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو لوگوں کو بہت زیادہ غم ہوا۔ ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ شیطان اس (مرحوم بادشاہ) کی صورت میں ان کے پاس آیا اور کہا: ”میں مرا نہیں تھا، میں تو غائب ہو گیا تھا تا کہ دیکھوں تم کیا کرتے ہو۔“ وہ انتہائی خوش ہوئے۔ اس نے کہا: ”میرے لیے پردہ لگا دو، میں کبھی نہیں مروں گا (لیکن تمہاری نظروں سے اوجھل رہوں گا۔)“ بہت سے لوگوں نے شیطان کی بات کو سچ سمجھ لیا اور اس کے فریب میں آ کر اس کی پوجا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک نبی مبعوث فرمایا، اس نے بتایا کہ پردے کے پیچھے سے بات کرنے والا (بادشاہ نہیں، بلکہ) شیطان ہے۔ اس نبی نے انہیں اس کی عبادت سے منع کیا اور اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔

امام تہذیبی رشتہ کا بیان ہے کہ اس نبی پر فینیکہ کی حالت میں وحی نازل ہوتی تھی اور ان کا نام حظلہ بن صفوان رشتہ تھا۔ لوگوں نے آپ پر حملہ کیا اور آپ کو شہید کر کے کنوئیں میں ڈال دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کنوئیں کا پانی خشک ہو گیا۔ درخت سوکھ گئے، پھل ختم ہو گئے، انہیں پیاس نے آلیا چنانچہ ان کے گھر ویران ہو گئے اور وہ ادھر ادھر بکھر گئے اور آخر کار سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

① بعض کے نزدیک ”الرس“ آذربائیجان کی وادی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الرس کے علاقے اِزان (کوہ قاف) میں ایک ہزار شہر آباد تھے۔ اللہ نے ان کی طرف موسیٰ نامی (موسیٰ بن عمران رشتہ کے علاوہ کوئی) نبی مبعوث کیا انہوں نے اس کی تکذیب کی تو نبی کی بدعا سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ (تہذیب البلدان جلد: 3) یہی بھی کہا گیا ہے کہ الرس یمامہ کے علاقے میں ایک بستی تھی جسے فسلج کہا جاتا تھا۔ (اطلس الجزائر اردو ص: 220-222 شائع کردہ دارالاسلام)



نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میں اس کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بناؤں؟ اگر اللہ میرے حق میں نقصان کرنا چاہے تو ان کی سفاخی مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے اور نہ وہ مجھ کو چھڑا دیں کبھی تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔ میں تمہارے (حقیقی) پروردگار پر ایمان لایا ہوں سو میری بات سنو! حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جاؤ! ”کاش! میری قوم کو خبر ہو کہ اللہ نے مجھے بخش دیا ہے اور عزت والوں میں شامل کیا ہے۔ اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر کوئی فکرم نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے۔ وہ تو صرف ایک چنگھاڑ تھی (اتقص) ناگہاں وہ سمجھ کر رہ گئے۔“ (نہ: 29-13/36)

بہت سے متقدمین اور متاخرین علماء کرام کی رائے ہے کہ یہ شہر اٹلا کی تھا۔ ان کے بادشاہ کا نام انطیخس بن انطیخس تھا اور وہ بت پرست تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف تین رسول بھیجے۔ ان کے نام صادوق، صدوق اور شلوم تھے۔ لوگوں نے ان کی تکذبی کی۔

یہ حضرات اللہ کے رسول تھے۔ بعض علماء نے انہیں مسیح علیہ السلام کے رسول یعنی آپ کے بھیجے ہوئے حواری قرار دیا ہے اور ان کے نام شمعون، یوحنا اور پولس بتائے ہیں جو اٹلا کی کی طرف بھیجے گئے تھے۔ یہ قول درست نہیں کیونکہ جب مسیح علیہ السلام نے اٹلا کی کی طرف تین حواری بھیجے تھے تو یہ شہر مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والا شہر تھا (نہ کہ انکار کر کے تباہ ہونے والا) اسی لیے یہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے جہاں عیسائیوں کے بطریق (پیشوا یا رب بڑے پادری) ہوتے ہیں۔ وہ شہر یہ ہیں: اٹلا کی، بیت المقدس، سکندریہ، روم، اور بعد میں قسطنطنیہ۔ یہ شہر تباہ نہیں ہوئے، جب کہ قرآن میں مذکور اس شہر کے لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ جیسے کہ قرآن مجید میں بیان ہے کہ جب انہوں نے رسولوں کی تصدیق کرنے والے نیک آدمی کو شہید کر دیا تو: ﴿إِنْ كَانَتْ إِلَّا صِخْرَةً وَاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خِدْلُونَ﴾ ”وہ تو صرف ایک بولناک جیج تھی کہ یکا یک وہ سب کے سب بچھ کر رہ گئے۔“ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے پہلے یہ تین رسول اٹلا کی والوں کی طرف بھیجے گئے ہوں پھر جب ان کی تکذبی کی وجہ سے وہ لوگ تباہ کر دیے گئے تو بعد میں شہر پھر آباد ہو گیا ہو۔ پھر مسیح علیہ السلام کے زمانے میں وہاں کے لوگ آپ کے حواریوں پر ایمان لے آئے ہوں۔ اگر واقعات کی تعمیر اس انداز سے کی جائے تو شاید درست ہو۔ (واللہ اعلم)

قوم کار رسولوں سے مکالمہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے فرمایا کہ آپ اپنی قوم کے سامنے اس بستی والوں کی مثال بیان کیجیے جب اس بستی میں نبی کی رسول آئے۔ جب ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا تو ان لوگوں نے دونوں کو پھینکا دیا پھر ہم نے تیسرے سے تائید کی یعنی تیسرے کو بھی بھیج کر رسالت تبلیغ کے کام میں ان دونوں کی مدد فرمائی سو ان (تینوں) نے کہا: ﴿إِنَّا إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ﴾

قوم مدینہ

اس قوم کا واقعہ سورہ بقرہ میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَرْسِلْهُمْ لَمَهٍ قَتْلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ۚ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ ۚ قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ سَمَاءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا كَذِبُونَ ۚ قَالُوا رَبَّنَا عَلِّمْنَا لَمَعًا إِنَّ إِلَيْكُمْ لَمَرْسَلُونَ ۚ وَمَا عَلَّمْنَا إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ۚ قَالُوا إِنَّا نَطَّلِقُكُمْ نَاكِدًا لَكِنْ لَمْ تَنْهَوْنَا لِمَرْسَلِكُمْ وَلَئِنْ سَأَلْتُمْ لَتَنَسَدْنَ ۚ قَالُوا قَالُوا طَائِفُكُمْ مَعَكُمْ أَيْنَ ذُرِّيَّتُكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّشْرِكُونَ ۚ وَجَاءَ مِنْ أَصْحَابِ الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ قَالَ يَدْعُوكم التَّائِبُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۚ أَتَبْعُوا مَنْ لَا نَبَأَ لَكُمْ بِهِ ۚ وَهُمْ فَهْتَدُونَ ۚ وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَالَّذِي يُرْسِلُكُمْ مِنْ دُونِهِ ۚ أَلِهَةٌ إِنَّ يَرْوُنَ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لِّئَلَّا تَعْلَمَ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْفَعُونَ ۚ إِنِّي إِذًا لَبِقَىٰ صَالِحٍ مُّبِينٍ ۚ إِنَّي أَعْتَدُ بِرَبِّكُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۚ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۚ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ۚ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ۚ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِنْ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُؤْمِنِينَ ۚ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صِخْرَةً وَاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خِدْلُونَ ۚ﴾

”اور ان سے بستی والوں کا قصہ بیان کرو جب ان کے پاس پیغمبر آئے (یعنی) جب ہم نے ان کی طرف دو پیغمبر بھیجے تو انہوں نے ان کو پھینکا دیا پھر ہم نے تیسرے سے تقویت دی تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف پیغمبر ہو کر آئے ہیں۔ وہ بولے کہ تم (اور) کچھ نہیں گھر ہماری طرح کے آدمی (ہو) اور اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم محض جھوٹ بولتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف (پیغام دے کر) بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمے تو صاف صاف پہنچا دینا ہے اور اس۔ وہ بولے کہ ہم تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کریں گے اور تم کو ہم سے ڈکھ دینے والا عذاب پہنچے گا۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری دعوت تمہارے ساتھ ہے کیا اس لیے کہ تم کو نصیحت کی گئی بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو حد سے تجاوز کر گئے ہو۔ اور شہر کے پرے لے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا کہ یہ میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلاؤ ایسے لوگوں کا اتباع کرو جو تم سے صلہ نہیں رکھتے اور وہ سیدھے رہتے ہیں۔ اور مجھے کیا ہے کہ میں اُس کی پرستش نہ کروں جس

حملہ کر کے شہید کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”حبیب تجار کو جہاد کی بیماری لگ گئی تھی۔ وہ صدقہ بھی بہت زیادہ دیتا تھا۔ اسے قوم نے شہید کر دیا تو (اس سے) کہا گیا: ﴿اٰھلَ الْجَنَّةِ﴾ ”جنت میں چلا جا۔“ یعنی جب اسے لوگوں نے شہید کر دیا تو اللہ نے اسے جنت میں داخل فرما دیا۔ جب اس نے وہاں کی نعمتیں اور خوشیاں دیکھیں تو کہنے لگا: ﴿يٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُوْنَ﴾ ﴿يٰمَعْشَرَ رِزْقِيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمَكْرُوْبِيْنَ﴾ ”کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں سے کر دیا۔“ تاکہ میری طرح وہ بھی ایمان لا کر یہ نعمتیں حاصل کر لیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”اس نے زندگی میں قوم کی خیر خواہی کرتے ہوئے کہا: ﴿اَلْبُغَا الْكُفْلِيْنَ﴾ ”ان رسولوں کی راہ پر چلو“ اور مرنے کے بعد قوم کے بھٹکے کی تسکین کرتے ہوئے کہا: ﴿يٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُوْنَ﴾ ﴿يٰمَعْشَرَ رِزْقِيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمَكْرُوْبِيْنَ﴾ ”کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں کر دیا۔“

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”آپ مومن کو ہمیشہ دوسروں کا بھلا چاہنے والا ہی پائیں گے، اسے کبھی دھوکا دینے والا نہیں پائیں گے۔ اس نے جب اللہ کی طرف سے اپنی عزت افزائی دیکھی تو کہا: ﴿يٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُوْنَ﴾ ﴿يٰمَعْشَرَ رِزْقِيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمَكْرُوْبِيْنَ﴾ ”کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں سے کر دیا۔“ اس نے یہ تمنا کی تھی کہ اسے اللہ کی طرف سے جو انعام و اکرام نصیب ہوئے ہیں، اس کی قوم کو ان کا علم ہو جائے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب انہوں نے اس اللہ کے بندے کو شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جزو توبہ نہیں فرمایا بلکہ ارشاد ہوا: ﴿اِنْ كَانَتْ اِلٰكٌ صِحَّةٌ وَّاحِدَةٌ فَاَدَّاهُمْ خُسُوفًا﴾ ”وہ تو صرف ایک ہولناک چیز تھی کہ یکا یک وہ سب کے سب بھگے نہ گئے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا اَرْزَلْنٰ اَعْلٰی قَوْفِهِمْ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ﴾ ”اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں۔“ یعنی جب انہوں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی اور ہمارے ولی کو شہید کیا تو ان لوگوں سے انتقام لینے کے لیے ہمیں آسمان سے کوئی لشکر اتارنے کی ضرورت نہیں پڑی (بلکہ) وہ تو صرف ایک ہولناک چیز تھی کہ یکا یک وہ سب کے سب بھگے نہ گئے۔“

مفسرین فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے شہر کے دروازے کی چوٹ

”ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔“ قوم نے جواب دیا کہ آپ تو ہم جیسے انسان ہیں اور وہی کچھ کہا جو پہلی بار قوموں نے اپنے رسولوں سے کہا تھا کیونکہ انہیں یہ بات نامکن محسوس ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کوئی انسانی رسول مبعوث فرمائے۔ رسولوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہم اس کے بھیجے ہوئے ہی تمہارے پاس آئے ہیں (اور) اگر ہم جھوٹی باتیں بنا کر اس کے ذمے لگاتے تو وہ ہمیں سخت سزا دیتا اور ہم سے شدید انتقام لے لیتا۔ اور کہا: ﴿وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِينُ﴾ ”اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچانا ہے،“ یعنی ہمارا فرض یہی ہے کہ اللہ نے جو پیغام دے کر ہمیں بھیجا ہے وہ تم تک پہنچا دیں۔ اس کے بعد اللہ نے چاہے ہدایت سے نوازے اور جسے چاہے گمراہی میں گرفتار رہنے دے۔ قوم نے کہا: ﴿اِنَّا نَحْكُمُكُمْ بِالْكِتٰبِ﴾ ”ہم تو تم کو انھوں سمجھتے ہیں۔“ یعنی تمہارے لئے ہوئے پیغام کو فحشیت کا باعث سمجھتے ہیں۔ ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوا لَنَكْفِيَنَّكُمْ﴾ ”اگر تم باز نہ آئے تو ہم پھر تم سے تمہارا کام تمام کر دیں گے۔“ بعض علماء کی رائے ہے کہ پھر مارنے سے مراد اس طرح تشفیغ اور تنقید و مخالفت ہے اور بعض کی رائے ہے کہ واقعی پھر مارنا مراد ہے۔ پہلے قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ﴿وَلَنَسْتَفْتِكَ عَنْهَا عَذَابُ اَلِيْمٌ﴾ ”ہم تمہیں قتل کر دیں گے (اور) تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔“

حبیب تجار کی فصاحت: ”ان (رسولوں) نے کہا: ﴿قَالُوْا مَا لَكُمْ بِكِتٰبِ الَّذِيْ يَخْبَرُكُمْ﴾ تمہاری غصہ سے تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے۔“ یعنی تمہاری بدگمانی کا نقصان تمہیں ہی پہنچے گا۔ ”کیا (تم اس کو غصہ سے بھوک) تم کو فصاحت کی جائے؟“ یعنی ہم نے تمہیں ہدایت کی طرف بلایا اور فصاحت کی ہے اور تم ہمیں قتل اور بدگیری کی دھمکی دے رہے ہو اور ہماری فصاحت کو غصہ کا نام دے رہے ہو؟ حقیقت یہ ہے ﴿اَلَمْ تَقَوْمٌ مِّنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَاءَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَحْبِلٌ يَّبْعِيْ﴾ ”اور ایک شخص اس شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا۔“ یعنی وہ رسولوں کی مدد کے لیے اور ان کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کرنے کے لیے آگیا۔ کہنے لگا: ﴿يٰقَوْمُ الْبُغَا الْكُفْلِيْنَ﴾ ﴿يٰبُغَا مِنْ اِلٰكٍ نَّسْتَكْفِيْكُمْ اَجْرًا وَهُمْ مُّقْتَدُوْنَ﴾ ”اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو۔ ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ راہ راست پر ہیں۔“ یعنی وہ بلا معاوضہ تمہیں خاص حق کی طرف بلا رہے ہیں۔

پھر اس نے لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دیتے ہوئے دوسرے معبودوں کی پوجا سے منع کیا، جو نہ دنیا میں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ آخرت میں نفع دے سکتے ہیں اور کہا کہ اگر میں اللہ کی عبادت چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کروں پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں۔

پھر اس نے رسولوں سے خطاب ہو کر کہا: ﴿اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرَبِّکُمْ فَاسْتَعُوْذُوْا﴾ ”میں تو (سچے دل سے) تم رب پر ایمان لا چکا ہوں، میں میری سزا!“ یعنی میری بات سن لو اور اللہ کے پاس اس کی گواہی دینا۔ یا اس کا یہ طلب ہے کہ اے میری قوم! اللہ کے رسولوں پر ایمان لانے کا میرا اعلان سن لو۔ یہ بات سن کر لوگوں نے اسے شہید کر دیا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ لوگوں نے اسے پھر مار مار کر شہید کر دیا۔ بعض کہتے ہیں: دانتوں سے کاٹ کاٹ کر مار دیا۔ بعض کا قول ہے کہ ایک بارگی

کو پکڑ کر ایک زور کی آواز نکالی تو وہ بچھ کر رہ گئے۔ ان کی آوازیں خاموش ہو گئیں، حس و حرکت ختم ہو گئی اور کوئی ایک آنکھ بھی چپکنے والی نہ رہی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بستی انتہا کیہ نہیں تھی کیونکہ یہ لوگ تو اللہ کے رسولوں کی تکذیب کر کے تباہ ہو گئے تھے۔ اور انتہا کیہ والے ایمان لے آئے تھے اور انہوں نے مسیح علیہ السلام کے بھیجے ہوئے حواریوں کی پیروی کی تھی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والی پہلی بستی انتہا کیہ ہے۔



قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم وہ منقرض قوم ہے جس پر عذاب الہی نازل ہوا تو اس نے توبہ کر لی، لہذا عذاب الہی ان سے دور کر دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَوْ كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَيْتَا آمَنُوا كَفَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْعُذْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ﴾

”پھر کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اُسے اُس کا ایمان نفع دیتا، سوائے قوم کی یونس کی قوم کے، جب وہ ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں اُن سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (خود اندنیا ہی سے)

اُن کو بہرہ مند رکھا۔“ (یونس: 98/10)

حضرت یونس علیہ السلام قوم سے مایوس ہو کر علاقہ چھوڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ اس وقت یونس علیہ السلام نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے نجات کی التجا کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حضرت یونس علیہ السلام چھوڑتے ہیں

مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو مومل کے علاقے میں نبیوں والوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ آپ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا۔ انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور کفر و عناد پر اڑے رہے۔ جب اسی طرح ایک طویل مدت گزر گئی تو یونس علیہ السلام بستی سے نکل گئے اور لوگوں کو فرما گئے کہ تین دن کے بعد ان پر عذاب آجائے گا۔ متعجب و سحابہ بنے اللہ و تابعین حضرت یونس علیہ السلام باہر تشریف لے گئے تو قوم کو یقین ہو گیا کہ اب عذاب ضرور نازل ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں توبہ کی طرف توجہ پیدا فرمادی۔ انہیں اپنے نبی کے ساتھ بدسلوکی پر عذاب متحسوس ہوئی، چنانچہ انہوں نے پھٹے پرانے پہن لے لیے جانوروں کے بچوں کو ان کی ماؤں سے الگ کر دیا، پھر وہ درود کا جزی کے ساتھ اللہ سے دعا میں مانگنے لگے۔ دوسری روت تھے، غور تیں بھی، بچے بھی روتے تھے اور مانگیں بھی۔ اونٹ بھی بلاتا تھے، ان کے بچے بھی۔ گائیں بھی راتی تھیں، بچھرے بھی بکریاں بھی منمناتی تھیں اور مکتے بھی۔ یہ بہت رقت آمیز منظر تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت سے ان پر وہ عذاب نال دیا جو ان کے سروں پر منزلہ نازل تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا﴾ ”یہاں کیوں نہ کوئی بستی ایمان لائی کہ اس کا ایمان لا اس کے لیے نافع ہوتا۔“ (یونس: 98/10)

یعنی کزشتہ اقوام میں کوئی ایسی بستی کیوں نہ پائی کہ جو پوری کی پوری ایمان لے آتی؟ معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ ایسے ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رِسَالَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُرْسِلُون﴾ ”اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے قائل نہیں۔“ (سبا: 34/34) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِنَّ قَوْمَ يُونُسَ لَنَمَّا آمَنُوا كَفَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ دِيَ الْخِزْيِ إِلَى الْخِزْيِ وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ﴾ ”پھر کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اسے اس کا ایمان نفع دیتا سوائے یونس کی قوم کے، جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دینیو زندگی میں ان پر سے نال دیا اور ان کو ایک (خاص) وقت تک کے لیے زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔“ (یونس: 98/10) یعنی وہ سب کے سب ایمان لے آئے۔

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان کے اس ایمان سے انہیں آخرت میں فائدہ ہوگا یا نہیں؟ اور جس طرح دنیا کے عذاب سے چھوٹ گئے آخرت کے عذاب سے بھی بچ جائیں گے یا نہیں؟ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ایمان سے انہیں آخرت میں بھی فائدہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَنَنَالَكُمْ﴾ ”جب وہ ایمان لے آئے۔“ اور فرمایا: ﴿وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَبِينُونَ﴾ ”فَآمَنُوا فَتَنَعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ“ ”اور ہم نے اسے ایک لاکھ

﴿وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ يَنْقُذَ رَبُّكَ فَإِذَا فِي السُّطُورِ أَنْ لَوْلَا إِلَهُ أَنْتَ سَجَلْتَهُ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾

”اور ذوالنون (مچھلی والے) کو یاد کرو جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہو کر) غصے کی حالت میں چل دیے اور خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ آخر اندھیرے میں (اللہ کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) جب شک میں تصور وار ہوں۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو ہم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔“ (الانبیاء: 88/87/21)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی پکار کو قبول کیا اور آپ کو قید سے نجات دے دی۔ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَإِنْ يَرَوْهُ كِسْفًا مِنَ السُّجُوتِ﴾ إِذْ أَتَىٰ إِلَى الْقَلْبِ السُّجُوتِ ﴿فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ﴾ فَالْتَمَسَهُ الْحَوْتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ﴾ لَكُنْتَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿فَبَدَّلْنَا بِالْعَازِ وَهُوَ ضَعِيفٌ﴾ وَأَلْبَسْنَا عَلَيْهِ شَجَرًا مِّنْ يَّقْطِنُ ﴿وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَبِينُونَ﴾ فَآمَنُوا فَتَنَعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ﴾

”اور جب ایک یونس بھی غیروں میں سے تھے جب بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے۔ سو اس وقت قرعہ ڈالیا تو انہوں نے رک اٹھائی۔ پھر پھٹی نے ان کو لگھلایا اور وہ اپنے آپ کو کلامت کرنے لگ گئے۔ پھر اگر وہ (اللہ کی) پاکیزگی بیان نہ کرتے تو اس روز تک اسی کے پیٹ میں رہتے جب کہ لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ پھر ہم نے ان کو جب کہ وہ بیمار تھے فرما دیں۔ میدان میں ڈال دیا اور ان پر کدو کا درخت اگایا اور ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (تنبیہ فرما کر) بھیجا تو وہ ایمان لے آئے لہذا ہم بھی ان کو (دنیا میں) ایک وقت (مقرر) تک فائدہ دیتے رہے۔“ (الصافات: 148-139/37)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْخُوْبِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ﴾ ﴿لَوْلَا أَن تَدْرِكُهُ نَفَسَةٌ مِّنْ رَبِّهِ لَكُنَتْ بِأَعْرَافِهِمْ﴾ فَالْتَمَسَهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّاحِبِينَ ﴿﴾

”سو آپ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں رہیں مگر کیجیے اور مچھلی (کا لقمہ ہونے) والے (یونس) کی طرح نہ ہونا کہ انہوں نے (اللہ کو) پکارا اور وہ غم و غصہ میں بھروسے ہوئے تھے۔ آخر تمہارا سے پروردگار کی مہربانی ان کی یادری نہ کرتی تو وہ پھیل میدان میں ڈال دیے جاتے اور ان کا حال ابتر ہو جاتا۔ پھر پروردگار نے ان کو برکیزدہ کر کے تیکو روں میں کر لیا۔“ (الغلام: 50-48/68)

بیان فرمایا ہے جو پوشیدہ چیزوں سے باخبر اور مصائب سے نجات دینے والا ہے۔ وہ ہلکی سے ہلکی آواز سنتا ہے اور بڑی سے بڑی دعا قبول کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا الْغُوثُ اِذْ ذَهَبَ مَعْاصِبًا فَطَقْنُ اَنْ لَّنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الْغُلَّتِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۚ وَنَجَّیْنَاهُ مِنَ الْغَوْۤهٖ ۚ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝﴾

”اور پھل والے کو یاد کرو جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہو کر) غصے کی حالت میں چل دیے اور خیال کیا کہ ہم اس پر قابو نہیں پاسکیں گے۔ آخر اندھیرے میں (اللہ کو) پکارنے لگے کہ تیرے سو کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بے شک میں مقصود وارہوں۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو ہم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔“ (الانبیاء: 87-72)

﴿فَطَقْنُ اَنْ لَّنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ ”اس نے خیال کیا کہ ہم اس پر قابو نہیں پاسکیں گے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے گمان کیا کہ اللہ آپ پر کبھی (اور توفیق) نہیں کرے گا۔ ﴿فَنَادٰى فِی الْغُلَّتِ﴾ ”یا آخر وہ اندھیروں کے اندر سے پکار اٹھا۔“ (الانبیاء: 87) میں اندھیروں سے مراد پھل کے پیٹ کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا اور رات کا اندھیرا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پھل کو ایک اور پھل نے نگل لیا تھا۔ اس لیے دو پھلیوں کا اندھیرا اور سمندر کا اندھیرا مراد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَوْلَا اَنَّہٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ۚ لَکَیْتُ فِی ظُلْمَۃٍ اِلٰی یَوْمٍ یَّعْبُدُوْنَ ۝﴾ ”پھر اگر وہ اللہ کی پاکیزگی بیان نہ کرتے تو اس روز تک اسی کے پیٹ میں رہتے جب کہ لوگوں کو بارہ ہزار زندہ کیا جائے گا۔“ (الصافات: 143-144) کا مطلب یہ ہے اگر آپ وہاں اللہ کی تسبیح نہ کہتے اور اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے نہ کرتے تو قیامت تک وہیں رہتے اور قیامت کو پھل کے پیٹ سے زندہ ہو کر نکلتے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر وہ پھل کے پیٹ میں جانے سے پہلے اللہ کی تسبیح کرنے والے یعنی اللہ کی اطاعت کرنے والے نماز پڑھنے والے اور ذرا لمبی کرنے والے نہ ہوتے تو نجات نہ پاتے۔

اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے لڑکے! میں تجھے کبھ بکھا سکتا ہوں! اللہ کا خیال رکھ (اسے یاد رکھ، اس کے احکام کا خیال رکھ)، اللہ تیرا خیال رکھے گا۔ اللہ کا خیال رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ راحت کے وقت اللہ کے ہاں معروف ہو یعنی اس سے تعلق جوڑ کر رکھو، وہ مشکل کے وقت تجھے بچائے گا۔“

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو پھل کے پیٹ میں قید کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ نے پھل کو وحی کی: ”اے لے لو، لیکن اس

یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا۔ پس وہ ایمان لے آئے! لہذا ہم نے انہیں ایک زمانہ تک فائدہ دے دیے۔“ (الصافات: 147-148) اس دنیوی فائدہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اخروی عذاب سے نجات حاصل نہ ہو۔ (واللہ اعلم) اس قوم کی تعداد ایک لاکھ تو یقیناً تھی۔ اس سے زیادہ ملتی تعداد تھی؟ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بہر حال یونس علیہ السلام اپنی قوم کی وجہ سے دل برداشتہ ہو کر روانہ ہو گئے تو سمندر میں سفر کرنے کے لیے ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی لہروں میں ڈمگانے اور پھلنے لگانے لگی اور قریب تھا کہ ڈوب جائے چنانچہ مسافروں نے مشورے سے یہ طے کیا کہ قرعہ اندازی کریں اور جس کے نام کا قرعہ نکلتا ہے کشتی سے سمندر میں پھینک کر بوچھم کریں۔

یونس علیہ السلام کی پھل کے پیٹ میں

www.KitaboSunnat.com

جب انہوں نے قرعہ ڈالا تو قرعہ میں اللہ کے نبی حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ لوگ یونس علیہ السلام کے زہد و تقویٰ سے واقف تھے، انہوں نے آپ کو دریا میں پھینکنا پسند نہ کیا۔ انہوں نے دوبارہ قرعہ ڈالا تو پھر آپ کا نام نکل آیا آپ نے چھلانگ لگانے کا ارادہ کیا تو دوسرے مسافروں نے پھر آپ کو منع کر دیا۔ انہوں نے تیسری بار قرعہ ڈالا، تب بھی آپ کا نام نکلا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اِیْنَ یُؤَسِّرُ لَیْمَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِنَّہٗ اِذْ رَاقَ اِلَی الْفَالِکِ السَّحُوْنِ ۚ فَسَآھَمَ لَکَانَ مِنَ الْمُنْحَضِیْنَ ۚ فَانْقَضَ الْخَوْفُ وَھُوَ مَلِیْنٌ ۝﴾ ”اور بلاشبہ یونس نبیوں میں سے تھے جب وہ بھاگ کر بحر کی کشتی میں پہنچے اور پھر قرعہ اندازی ہوئی تو یہ غلبہ ہو گئے سو انہیں پھل کے پیٹ میں نگل لیا اور وہ خدا نے آپ کو ملامت کرنے لگ گئے۔“

جب قرعہ میں آپ کا نام نکلا تو آپ کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بحیرہ روم کی ایک بڑی پھل بھیج دی، وہ آپ کو نگل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ وہ آپ کا گوشت نکالے اور ہڈی نہ توڑے کیونکہ آپ علیہ السلام پھل کا رزق نہیں تھے۔

اس نے آپ کو کھانا سمندر میں چھوڑ دیا۔ بعض علماء نے بیان فرمایا ہے کہ اس پھل کو اس سے بڑی پھل نے نگل لیا تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی پھل کے پیٹ سے پکار: جب آپ پھل کے پیٹ میں پہنچ گئے تو آپ نے سوچا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں لیکن آپ نے اپنے اعضاء کو حرکت دی تو اعضاء نے حرکت کی تب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ ابھی زندہ ہیں چنانچہ اللہ کے لیے عہدہ میں لگے اور فرمایا: ”یار اب! میں نے ایسی جگہ کو تیرے لیے مسجھ بنایا ہے، کہ اس طرح کے مقام پر کسی نے تیری عبادت نہیں کی۔“

مقتود کا نام یہ ہے کہ پھل آپ کو لے کر گھر سے سمندر میں مگھوئے لگی۔ آپ نے پھلیوں کو رحمان کی تسبیح کرتے سنا اور کنکر یوں سے اللہ کی تسبیح سنی۔ اس مقام پر آپ نے زبان حال سے اور زبان مقال سے فرمایا، جیسے اللہ ذوالجلال نے

ہر نبی صبح شام آ کر آپ کو ودھ پاتی تھی۔ یہ آپ پر اللہ کی رحمت اور اس کا احسان تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُۥ وَكَبَّيْنَهُ مِنَ الْعَذِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

”پھر ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی اور اُن کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔“
(الانبیاء: 88/21) یعنی ہم سے جو کوئی دعا کرے اور ہماری پناہ کا طالب ہو، ہم اس کے ساتھ اسی طرح احسان کرتے ہیں۔

نبی ﷺ کی فرمودہ عظیم دعا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: میں مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا اور سلام کہا۔ آپ نے میری طرف دیکھا سلام کا جواب نہ دیا۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ”کیا اسلام میں کوئی فی چیز پیدا ہو گئی ہے؟“ انہوں نے کہا: ”نہیں، کیا ہوا؟“

میں نے کہا: ”میں ابھی مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تھا، میں نے سلام کہا، انہوں نے میری طرف دیکھا، لیکن سلام کا جواب نہیں دیا۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا: ”آپ نے اپنے بھائی کو سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟“ انہوں نے کہا: ”میں نے تو ایسا نہیں کیا۔“ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”کیا ہے؟“ انہوں نے قسم کھائی (کہا نہیں نہیں ہوا) انہوں نے بھی قسم کھائی (کہا ایسے ہوا ہے)۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کچھ یاد آیا۔ فرمایا: ”اللہ مجھے معاف کرے! آپ میرے پاس سے گزرے تھے تو میں رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان دل میں دہرا رہا تھا۔ مجھے جب بھی وہ فرمان یاد آتا ہے میرے دل اور آنکھوں پر پردہ آ جاتا ہے۔“

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں آپ کو اس کے بارے میں بتاتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پہلی بار دعا کے بارے میں بیان فرمانا شروع کیا پھر ایک بدو آ گیا اور آپ اس کی طرف متوجہ ہو گئے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ (اس سے بات مکمل کر کے) اٹھ کھڑے ہوئے (اور گھر کی طرف چل پڑے) میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا حتیٰ کہ جب مجھے محسوس ہوا کہ اب آپ (میری طرف متوجہ ہوئے بغیر) گھر میں داخل ہو جائیں گے تو میں نے زمین پر پاؤں مارا (اور قدموں کی آواز پیدا کی) نبی ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کون ہے؟ ابواسحاق ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ! فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: قسم ہے اللہ کی! اور تو کوئی بات نہیں، لیکن آپ نے ایک دعا کا ذکر کیا تھا۔ پھر وہ بدو آ گیا اور آپ اس کے ساتھ (بات کرنے میں) مشغول ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ وہ وہ انون (یونس علیہ السلام) کی دعا ہے جو آپ نے پھٹی کے پیٹ میں مانگی تھی:

کا گوشت زخمی نہ کرنا اور بڑی نہ توڑنا۔“ پھٹی نے یونس علیہ السلام کو اٹھا کر سمندروں کا پتھر لگایا یونس علیہ السلام نے سمجھا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں پھر اپنا سر ملایا تو محسوس کیا کہ وہ زندہ ہیں پھر انہوں نے اپنے رب سے دعا کی۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور جب پھٹی سمندر کی تنگ پہنچی تو یونس کو ایک آواز سنا دی وہی۔ آپ نے دل میں کہا: ”یہ کیا ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: ”یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح کرنے کی آواز ہے۔“ پھٹی کو حکم دیا تو اس نے آپ کو ساحل پر لا ڈالا اور جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهُوَ سَمِیْعٌ﴾ ”وہ اس وقت بہا رہے۔“

اور پھٹی نے یونس علیہ السلام کو اگل دیا

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ ”یونس علیہ السلام کو پھٹی کے پیٹ میں ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے کا خیال آیا: ﴿لَا إِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾“ (اے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بیٹک میں تصور دار ہوں۔“ یہ دعا عرش کے نیچے جا پہنچی تو فرشتوں نے کہا: ”یا رب! ایک کمزور سی جانی پہچانی آواز کسی اجنبی مقام سے آ رہی ہے۔“ فرمایا: ”تم نے پہچانا نہیں؟“ بولے: ”نہیں اے رب! وہ کون ہے؟“ فرمایا: ”میرا بندہ یونس۔“ فرشتوں نے کہا: ”میرا بندہ یونس، جس کے مقبول عمل اور مقبول دعا میں آسمانوں پر آتی رہتی ہیں۔ یا اللہ! وہ راحت کے ایام میں تنگی کرتا تھا، تو اس پر رحم کر کے مصیبت سے نجات نہیں دے گا؟“ اللہ نے فرمایا: ”کیوں نہیں؟“ پھر پھٹی کو حکم دیا تو اس نے آپ کو پھٹیل میدان میں پھینک دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَبَدَّلَ اللّٰهُ اَمْرَہٗ﴾ یعنی ہم نے اسے ڈال دیا۔ ﴿بِالْعَزَّۃِ﴾ بخبر مقرب پر جس میں کوئی درخت نہ تھا۔ ﴿وَهُوَ سَمِیْعٌ﴾ اور آپ بیاہرائی کر رہے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”وہ روزِ زائیدہ کی طرح تھے۔“ ﴿وَاَنْقَضْنَا عَلَیْہٖ شَیْئًا کَیْفَ نَفْثِیْہِیْنَ﴾ ”ہم نے اس پر ایک تیل در درخت آگاکا دیا۔“ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ”یہ کدو کی تیل تھی۔“

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کدو آگاہنے میں بہت سی حکمتیں تھیں۔ اس کے پتے انتہائی ملائم، تعداد میں زیادہ اور سایہ مہیا کرنے والے ہوتے ہیں۔ کبھی اس کے قریب نہیں آتی۔ اس کا پھل شروع سے آخر تک کھایا جاتا ہے۔ اس کے پھلے اور بیج سے بھی فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ یہ دعا غم کو قوت دیتا ہے اور بہت سے فوائد کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک جنگلی

① تفسیر الطبری: 107/10 تفسیر سورة الانبیاء: آیت: 88، 87

② تفسیر ابن ابی حاتم: 3228/10

③ تفسیر الطبری: 122/12

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

”(اے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بے شک میں تصور وار ہوں۔“

جو مسلمان کسی بھی معاملے میں اپنے رب سے ان الفاظ کے ساتھ دعا کرتا ہے، اللہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔“

حضرت یونس علیہ السلام کے فضائل و مناقب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ (الصافات: 139/37) ”اور بلاشبہ یونس نبیوں میں سے تھے۔“ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء اور سورہ انعام میں انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ آپ کا ذکر فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی بندے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں یونس بن مثنیٰ سے بہتر ہوں۔^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مسلمان کا ایک یہودی کو تپڑ مارنے کا واقعہ مروی ہے۔ یہودی نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو کوجان والوں پر فضیلت دی۔ مسلمان کو فصدہ آیا کہ یہودی اشارتاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت محمد ﷺ سے افضل قرار دے رہا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: ”میں نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس بن مثنیٰ سے افضل ہے۔“ اس روایت سے مذکور بالا حدیث (کسی بندے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں یونس بن مثنیٰ سے بہتر ہوں۔) کے مفہوم کے بارے میں ایک قول کی تائید ہوتی ہے، یعنی کسی کو نہیں چاہیے کہ اپنے آپ کو یونس علیہ السلام سے بہتر خیال کرے۔

دوسرے قول کے مطابق حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو نہیں چاہیے کہ مجھے یونس بن مثنیٰ سے افضل قرار دے۔ جیسے کہ ایک حدیث میں آیا ہے: ”مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو، نہ یونس بن مثنیٰ پر فضیلت دو۔“^②

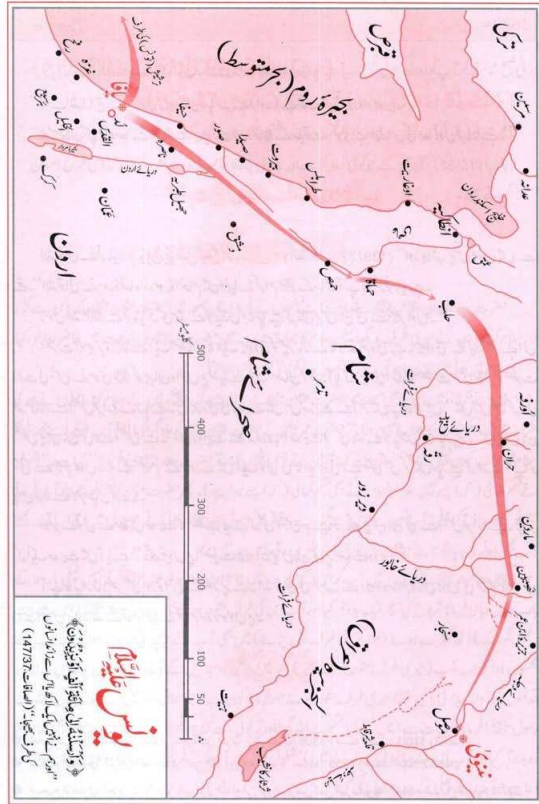
آپ کا یہ ارشاد کسرفی اور تواتر کے طور پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و سلام نازل ہوں نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر اور اللہ کے تمام انبیائے کرام اور رسولوں پر۔



① جامع الترمذی، الدعوات، باب فی دعویٰ ذی النون.....، حدیث: 3505، ومسند أحمد: 170/1 واللفظ له

② صحیح البخاری، التوحید، باب ذکر النبی ﷺ وروایہ عن ربه، حدیث: 7539، ومسند أحمد: 468/2

③ صحیح البخاری، احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾، 3415 والبدایہ والنہایہ: 237/1



زندگی سے فائدہ اٹھانے (کا موقع) دیا۔“ (یونس: 98/10)

آج مسلمان بحیثیت ایک قوم کے جن مصائب، شدائد، دکھوں اور کفار کے شکنجہ ظلم میں آئے ہوئے ہیں ان سے نجات کے لیے سب کو مل کر اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہیے۔ اپنے رب سے توبہ و استغفار کر کے، اس سے اپنے تعلق کو مضبوط بنانا چاہیے نیز رسول اکرم ﷺ کے درج ذیل فرمان پر ساری امت کو اجتماعی طور پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو، ذلت و رسوائی سے نجات دے اور عزت و شرف سے نوازے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد و گرامی ہے جو شخص: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ کے ساتھ اپنے کسی معاملے (مصیبت یا دکھ سے نجات) کے لیے دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔“

صبر و عزیمت کا درس: حضرت یونس علیہ السلام کے قصے سے داعیان الہی اللہ کو صبر و شجاعت اور عزیمت کا درس ملتا ہے۔ داعیان توحید و رسالت کو یہ درس ملتا ہے کہ انہیں ہمیشہ ثابت قدم رہتے ہوئے اپنا مشن جاری رکھنا چاہیے۔ جلد بازی اور غلت سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔ اگر کوئی طور پر لوگ دعوت کو حید کو قبول نہ کریں، ایمان باللہ کی طرف راغب نہ ہوں یا داعیان کے ساتھ تعاون اور ان کی تائید نہ کریں تو انہیں دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے نہ انہیں میدان دعوت سے فرار کا سوچنا چاہیے بلکہ اس مشن کے لیے ہر قسم کی تکلیف کو باعث اجر سمجھتے ہوئے قبول کرنا چاہیے۔ اللہ رب العزت اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو نبی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿قَاصِدٌ لِّمَا صَبَرُوا لَوْلَا الْعَزْمُ مِنَ الرَّسُولِ وَلَا تَسْتَجِيبُ لَهُمْ﴾

”پس (اے پیغمبر) تم اہل صبر کو جو عیسائی عالم امت رسولوں نے کیا اور ان کے لیے (عذاب طلب کرنے میں)

جلدی نہ کرو۔“ (الاحقاف: 35/46)

یعنی آپ اہل مکہ کی تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں اور ان کے لیے عذاب الہی کا سوال نہ کریں۔ اس میں اہل ایمان اور داعیان کے لیے بھی صبر و تحمل اور ہمت و برداشت کا درس ہے کہ وہ بھی میدان دعوت میں اسی اسوۂ حسنہ سے رہنمائی لیں۔



نتائج و فوائد..... عِبْتِدَیْ وَ حَکْمَتِیْ

ایمان باللہ اور توبہ مصائب سے نجات کی کنجی ہے: حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایمان لانا اور اس سے اپنے گناہوں کی توبہ و بخشش طلب کرنا، ہر قسم کے مصائب و بھجن سے نجات کی کنجی ہے، لہذا ہر تکلیف، دکھ، پریشانی اور مصیبت میں غوث اعظم رب العالمین کی کو پکارنا اور اسی سے التجا و گریہ زاری کرنی چاہیے۔

حضرت یونس علیہ السلام اہل عراق کے ایمان سے یابوس ہو کر، انہیں عذاب الہی کی جھمکی دے کر علاقے سے نکلے تو اللہ تعالیٰ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے مشکل کا شکار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا اجازت علاقہ دعوت چھوڑنے پر مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ اس وقت جبکہ آپ مچھلی کے پیٹ کے اندر تھے، سمندر کی تیز اور رات کی تاریکی میں جتنا لے کر لے آئے آپ نے اپنے پروردگار کو ان الفاظ میں پکارا:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

”الہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں ہو گیا۔“ (الانبیاء: 87/21)

ادھر آپ نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اپنے رب کو مدد کے لیے پکارا، ادھر اہم الراتین نے اپنے بندے کی گریہ زاری کو قبول فرما کر نجات کا بندہ بست فرما دیا۔ ارشاد ہے:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَجَدْنَاهُ مِنَ الْغُفْوِ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْفُؤَادِ﴾

”تو ہم نے اس کی پکار سن لی، اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچالیا کرتے ہیں۔“

(الانبیاء: 88/21)

دوسری طرف قوم نے عذاب الہی کو حب و وعدہ آتے دیکھا تو ساری قوم، بچوں، عورتوں، بیوقوفوں اور موبیثوں سمیت کھلے میدان میں جمع ہو گئی۔ سب مل کر اپنے گناہوں کی رورو کر معافی مانگی، خوب گریہ زاری کی اور اپنے رب سے نہایت مجر و انکسار کا اظہار کیا۔ اس پر اہم الراتین نے بھی ان سے عذاب کو نال دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ إِذْ بَنَتْ قَعْقَعَهَا إِيَّاهُمْ إِلَّا قَوْمَهُ يَوْمَ يَبُوءُ شَاطِئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾

”چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کے لیے نافع ہوتا سوائے یونس کی قوم کے، جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو نبوی زندگی میں ان سے نال دیا اور ان کو ایک وقت (خاص) تک کے لیے

ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا۔“
(الأعراف: 137/7)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَاَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِمِثْلِ مَا كَانُوا فِيهَا ۚ وَأَسْرَأْنَاهُمْ بِهِمْ اَسْرَارًا ۚ﴾

”پھر ہم نے انہیں باغات سے، چشموں سے، خزانوں سے اور اچھے اچھے مقامات سے نکال باہر کیا۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے ان (تمام) چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔“ (الشعراء: 59-57/26) اس کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آپ کی حفاظت

فرعون بنی اسرائیل کو ملنے والی بشارت اور اپنے خواب کی وجہ سے بے حد خوفزدہ ہوا لہذا اس نے ہر طرح کی احتیاطی تدابیر اختیار کیں، تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہی نہ ہوتی کہ اس نے کچھ مردوں اور دایہ عورتوں کو اس کام کے لیے مقرر کر دیا تھا کہ جو عورتیں امید سے ہوں، ان کے پاس جائیں اور ان کے ہاں پیدائش کے اوقات کا علم رکھیں، چنانچہ جب بھی کسی عورت کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا تھا، وہ جلد اداسی و غم کے وقت اسے زنگ کر دیتے تھے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ وہ لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیتا تھا کہ بنی اسرائیل کی طاقت نہ بڑھ جائے اور کسی لڑائی کے موقع پر وہ غالب نہ آجائیں۔^①

یہ بات محل نظر ہے، بلکہ واضح طور پر غلط ہے۔ یہ بات بچوں کے قتل کے اس حکم کے بارے میں بھی جاسکتی ہے جو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کے بعد جاری کیا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا اَبْنَاءَ الَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۚ﴾

”پس جب ان کے پاس (موسیٰ) ہمارے طرف سے (دین) حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ اس کے ساتھ جو ایمان والے ہیں، ان کے لڑکوں کو مار ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو۔“ (المؤمنون: 25/40)

اسی وجہ سے بنی اسرائیل نے کہا تھا:

﴿اَوْدِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ﴾

”ہم تو ہمیشہ مصیبت میں ہی رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور فرعون کا خواب

فرعون بنی اسرائیل سے اس قدر براسلوب اس لیے کرتا تھا کہ بنی اسرائیل اپنی الہامی کتابوں کی روشنی میں آپس میں ابراہیم علیہ السلام کی فرمان ذکر کرتے تھے کہ آپ کی اولاد میں سے ایک لڑکا پیدا ہوگا، جس کے ہاتھوں مصر کی سلطنت تباہ ہو جائے گی۔ آپ نے یہ بات غالباً اس وقت فرمائی تھی جب مصر کے بادشاہ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام کی عزت پامال کرنے کی کوشش ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت کو داغ دار ہونے سے محفوظ رکھا۔ (والدالم)

بنی اسرائیل میں یہ بشارت مشہور تھی۔ ان سے سن کر قبیلہ بھی اس کا ذکر کرتے تھے، حتیٰ کہ یہ خبر فرعون تک بھی پہنچ گئی۔ جب رات کے وقت بادشاہ کی محفل جہی ہوئی تو کسی درباری نے اسے یہ بات بھی سنائی۔ اس نے اس لڑکے کی پیدائش کے خوف سے بنی اسرائیل کے تمام لڑکوں کے قتل کا حکم جاری کر دیا لیکن تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی۔

امام سدی رحمہ اللہ نے کئی صحابہ کرام علیہم السلام سے روایت کیا ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی اور مصر کے تمام قبیلوں کے گھر جلا گئے لیکن بنی اسرائیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس خواب سے خوف زدہ تھا۔ اس نے اپنے کاہنوں، عاملوں اور جادو گروں کو جمع کیا اور ان سے اس کی تعمیر پوچھی۔ انہوں نے کہا: یہ لڑکا انجمنی میں پیدا ہوگا اور اس کے ہاتھوں اہل مصر تباہ ہو جائیں گے اس لیے اس نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑنے کا حکم جاری کر دیا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ عَلَى الدِّیْنِ السُّفْهٰوْنَ فِی الدِّیْنِ﴾ ”پھر ہم نے یہاں کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں سے حد کمزور کیا دیا گیا تھا۔“ اور وہ بنو اسرائیل تھے۔ ﴿وَيَجْعَلُہُمْ اٰیَةً ۙ وَيُخَذِّلُہُمْ الْوَلَدِیْنَ﴾ ”اور ہم ان کو چشموں اور (زمین کا) وارث بنائیں“، یعنی آخر کار مصر کی حکومت اور سرزمین انہیں مل جائے۔ اور یہ بھی کہ ﴿وَمُؤْمِنٍ لَّہُمْ فِی الدِّیْنِ وَیُوْیِ فِرْعَوْنَ وَہَا مِنْ وَجُوْدِہُمْ وَہُنَّہُمْ مَا کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ﴾ ”اور ہم انہیں زمین میں قدرت و اختیار دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ (منظر) دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے تھے۔“ یعنی ہم کمزوروں کو طاقتور، مغلوب کو غالب اور ذلیل کو عزت والا بنائیں گے چنانچہ بنی اسرائیل کو یہ سب کچھ نصیب ہوا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاَوْزَنَّا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضَفُّوْنَ مُضَارِی الدِّیْنِ وَمَعَارِبِہَا اَلَّتِیْ بُرِکْنَا فِیْہَا وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ لَمَّا صَبَرُوْا﴾

”اور ہم نے ان لوگوں کو باوجود کمزور و شارب کیے جاتے تھے، اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا جس میں

”اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف معلوم ہو تو اسے دیا میں بہاد بنا اور کوئی ذر خوف یا رنج غم نہ کرنا۔ ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے پیغمبروں میں سے بنانے والے ہیں۔ سو فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھالیا آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنا۔ کچھ شک نہیں کہ فرعون، ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطا کار۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا: یہ تو میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں اور وہ (انجام سے) بچ رہے۔“ ﴿القصص: 9/28﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف جو وحی کی گئی اس وی سے مراد الہام اور رہنمائی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ مَبِيتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۖ ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ﴾

”آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی اونچی اونچی پردہ والی جگہوں میں اپنے گھر (بچے) بنا، پھر ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی آسان راہوں پر چلتی پھرتی رہ۔“ (النحل: 68-69)

امام سبکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ”موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ”امارخا“ یا ”ایازخت“ تھا۔ ان کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ فرعون غم نہ کر، اگر یہ بچہ تیرے پاس سے چلا گیا تو اللہ تعالیٰ اسے تیرے پاس واپس لائے گا، اسے نبوت عطا فرمائے گا اور دنیا و آخرت میں اس کی شان بڑھائے گا چنانچہ انہوں نے الہام کے ذریعے سے ملنے والے حکم کی قبول کی۔ ایک دن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو دریا میں ڈالا، لیکن اس کی رسی باندھنا چھو گئیں۔ صندوق دریا سے نیل کے پانی میں بہتا چلا گیا، حتیٰ کہ فرعون کے محل کے پاس سے گزرا تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اٹھالیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَكُونُ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُودَهُمَا كَانُوا خِطِينَ﴾ ”آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنا۔ کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطا کار۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ”لوٹریوں نے دریا میں بہتا ہوا صندوق نکال لیا لیکن اسے کھولنے کی جرأت نہ کی۔ بلکہ اسے فرعون کی ملکہ ”آسیہ“ کے سامنے پیش کر دیا۔ آسیہ (علیہا السلام) کا نسب یوں ہے: آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن ریان بن

(الأعراف: 129/7)

اس لیے سچے بات یہی ہے کہ فرعون نے بچوں کے قتل کا بہانہ حکم موسیٰ علیہ السلام کے وجود میں آنے کے ڈر سے جاری کیا تھا۔ اور فرعون کی یہ تدبیریں تھیں، اور تقدیر اس پر پس رہی تھی اور کبہ رہی تھی: اے ظالم بادشاہ! جسے اپنی افواج کی کفرت پر، اپنے اقتدار کی طاقت پر اور وسیع سلطنت پر غرور ہے، اس عظیم خالق کی طرف سے جس کی تقدیر کا کوئی تو ذنب نہیں اور جس کے فیصلوں کو رد کرنے کی کسی کو جال نہیں، یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ جس بچے سے تو خوف زدہ ہے، جس کی وجہ سے تو نے بے شمار معصوم بچوں کو قتل کیا ہے، وہ تیرے ہی گھر میں پرورش پائے گا اور تیرے ہی گھر میں کھائے پیئے گا، تو خود اسے جٹا بنا کر پالے گا اور رب کے عہدوں کو نبیوں جانے گا، پھر تیری دنیا و دنیا آخرت کی تباہی اسی کے ہاتھوں ہوگی کیونکہ تو اس کے لائے ہوئے واضح حق کو جھٹلائے گا اور اس پر نازل ہونے والی وحی پر ایمان نہ لائے گا اور اس لیے بھی کہ تجھے کچھ تمام مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ آسمانوں اور زمین کے مالک ہی کی یہ شان ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہی قدرت و قوت والا ہے، اسی کی مشیت ہر حال میں پوری ہو کر رہتی ہے۔

متعدد مفسرین نے بیان کیا ہے کہ قبطیوں نے فرعون سے شکایت کی کہ بنی اسرائیل کے لڑکے قتل کرنے کی وجہ سے ان کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے اور خطرہ ہے کہ ان کے بڑے مرتے جائیں گے اور بچے قتل ہوتے جائیں گے تو ایک وقت آئے گا جب مسیح وہ کام خود کرنے پڑیں گے جو بنی اسرائیل کرتے ہیں۔ تب فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال بچے قتل کیے جائیں اور ایک سال رہنے دیے جائیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بچے قتل نہیں کیے جا رہے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بچے قتل کیے جا رہے تھے۔ آپ کی والدہ گردنہ ہوئیں اور انہوں نے محل کے ابتدائی ایام ہی سے احتیاط کی۔ ان سے محل کی علامات بھی ظاہر نہ ہوئیں (جس کی وجہ سے دوسروں کو حمل کا ظلم نہ ہو سکا)۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈال دیا کہ ان کے لیے ایک صندوق بنالیں۔ آپ کا گھر نیل کے کنارے پر تھا۔ آپ نے صندوق کو ایک رسی سے باندھ دیا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلاتا اور جب خطرہ محسوس کرتیں تو آپ کو صندوق میں ڈال کر دریا میں چھوڑ دیتیں۔ خود رسی کا سرا پکڑے رکھتیں۔ جب خطرہ دور ہو جاتا تو رسی کے ذریعے سے صندوق کھینچ کر بچہ کو نکال لیتیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنِ اضْمُرِي بَنِيكَ فَإِذَا دَخَلْتَ عَلَيْهِ قَالِقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَفِي ۚ إِنَّا كَادُّوهُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَجَاعَلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۚ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۚ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُودَهُمَا كَانُوا خِطِينَ ۚ وَكَانَتْ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتْ عَيْنًا لِّي وَلِكُ ۚ لَا تُفْتَقَرُ عَلَىٰ أَنْ يُنْفَعُوا أَوْ تُنَجَّدَ ۚ وَلَكِنَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۚ﴾

الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَقَالَتْ لِحُفَّتِهِ قُصِّيبُ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۖ وَحَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلٍ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَخْلُفُونَ لَكُمْ وَهُمْ لَكُمْ نَصِیْحُونَ ۖ قَرَدْنَاهُ إِلَىٰ آلِهِ ۚ كَا تَفَرَّقَ عَيْنَاهُ وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَتِلْكَ الْأَنفُسُ الَّتِي أُدْخِلْنَاهُمْ لِئَلَّا يَكْفُرَ الْإِنْسَانُ بِمَا كُنَّ أَفْئِدَةً ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ

”اور موسیٰ کی ماں کا دل صبر ہو گیا۔ اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا کہ وہ اس (حقے) کو ظاہر کر دیں (اور اس سے) غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں میں رہیں اور اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا لہذا وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان (لوگوں) کو کچھ خبر نہ تھی۔ اور ہم نے پہلے ہی سے اس پر (دانیوں کے) دودھ حرام کر دیے تھے سو موسیٰ کی بہن نے کہا کہ تم جہیں ایسے گھر والے بتاؤ کہ تمہارے لیے اس (بچے) کو پالیں اور اس کی خیر خواہی سے پرورش کریں۔ پس ہم نے اس طریق سے ان (موسیٰ) کو ان کی ماں کے پاس واپس پہنچایا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور معلوم کر لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے۔“ (النقص: 13-10/28)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ قَوَادِرَ مَوْنِي قَوَادِرَ﴾ ”موسیٰ کی والدہ کا دل خالی ہو گیا۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ کے سوا دنیا کے ہر کام اور خیال سے خالی ہو گیا (یعنی دل بہت سے قرا ہو گیا) ﴿كَادَتْ لَتَبْدِي بِهِ﴾ ”قریب تھا کہ اس واقعہ کو ظاہر کر دیتیں۔“ یعنی سب کے سامنے آپ کے بارے میں پوچھنے لگتیں ﴿لَوْ أَنَّ رَبَّنَا عَلَيَّ قَوْلُهُ﴾ ”اگر ہم اس کے دل کو دلوں حصار نہ دے دیتے۔“ یعنی مروت و شہادت سے نہ نوازتے۔ ﴿يَخْلُفُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَقَالَتْ لِحُفَّتِهِ﴾ ”جاہلوں کا وہ یقین کرنے والوں میں رہے۔ اور اس (موسیٰ علیہ السلام کی والدہ) نے آپ کی بہن سے کہا۔“ یعنی اپنی بڑی بیٹی سے فرمایا: ﴿قُصِّيبُ﴾ ”تو اس کے پیچھے پیچھے جا۔“ اور اس کے حالات معلوم کر کے مجھے بتا۔ ﴿فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ﴾ ”لہذا وہ اسے دوری دور سے دیکھتی رہی۔“ قارہہ ۲۸ فرماتے ہیں: یعنی وہ انہیں اس انداز سے دیکھتی رہیں گے کہ مقصود ان کا خیال رکھنا نہیں (بلکہ اسے کسی کام سے جاری ہیں) اس لیے فرمایا: ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”اور ان (فرعونوں) کو اس کا علم بھی نہ ہوا۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے محل میں پہنچے تو ان لوگوں نے آپ کو کچھ کھانا پلانا نہ کہا۔ لیکن آپ نے نہ کسی عورت کا دودھ پیا اور نہ کوئی اور چیز قبول کی۔ وہ لوگ بہت پریشان ہوئے آپ کو ہر طرح غذا دینے کی کوشش کی لیکن آپ نے کچھ نہ کھایا۔ یہ جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَحَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلٍ﴾ ”ان کے پیچھے سے پہلے ہم نے موسیٰ پر دانیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔“

انہوں نے آپ کو عورتوں کے ہاتھ بازار بھیجا کہ شاید کوئی ایسی عورت مل جائے جو آپ کو دودھ پلا سکے۔ وہ لوگ وہاں کھڑے تھے اور عورتیں جمع تھیں کہ آپ کی بشیرہ نے آپ کو دیکھ لیا۔ انہوں نے یہ ظاہر نہ کیا کہ وہ آپ کو جانتی ہیں بلکہ کہا: ﴿هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَخْلُفُونَ لَكُمْ وَهُمْ لَكُمْ نَصِیْحُونَ﴾ ”کیا میں تمہیں ایسا گھرانا بتاؤں جو تمہارے

ولید۔ یہ ریان بن ولید وہی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ آسیہ علیہا السلام اسرائیل ہی سے تعلق رکھتی تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبیلے میں سے تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ آپ کی بچہ بچی تھیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت آسیہ علیہا السلام کی عظمت و مقام کے بارے میں روایات حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ میں ذکر کی جائیں گی کیونکہ یہ دونوں خواتین جنت میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی۔

حضرت آسیہ علیہا السلام جب صندوق کو کھولا اور کپڑا نکالیا تو موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ انوار نبوت سے روشن نظر آیا۔ جب ان کی نظر آپ کے چہرہ اقدس پر پڑی تو ان کے دل میں آپ کی شدید محبت پیدا ہو گئی۔ جب فرعون آیا تو بولا: ”یہ کیا ہے؟“ اور اسے ذبح کر دینے کا حکم دے دیا۔ حضرت آسیہ علیہا السلام نے مزاحمت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُوَّتِي عَلَىٰ نَبِيِّ وَلَدٍ﴾ ”یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی جھنڈک ہے۔“ فرعون نے کہا: ”تیرے لیے تو ہے، میرے لیے نہیں۔“ زبان کی کہی ہوئی بات حقیقت بن جایا کرتی ہے۔

آسیہ علیہا السلام نے کہا تھا: ﴿عَلَيَّ أَنْ يَنْقَلِبَ﴾ ”بہت ممکن ہے یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے۔“ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ فائدہ عطا فرمایا جس کی انہوں نے امید ظاہر کی تھی۔ دنیا میں یہ فائدہ کہ انہیں آپ کی وجہ سے ہدایت نصیب ہوئی اور آخرت میں یہ کہ آپ کی وجہ سے انہیں جنت میں ٹھکانا مل گیا۔ انہوں نے فرعون سے کہا: ﴿أَوَلَمْ نَكُنْ لَكَ بِنَايَ نَبِيًّا﴾ ”کیا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنائیں۔“ انہوں نے آپ کو اس لیے بولا جو بیٹا بنایا کہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”اور وہ لوگ (انجام سے) بے خبر تھے۔“ انہیں معلوم نہ تھا کہ اللہ نے ان کے ہاتھوں موسیٰ علیہ السلام کو پانی سے نکلو کر فرعون اور اس کی افواج کو تباہ کرنے کا بندوبست کر دیا ہے۔ ①

اہل کتاب کے بیان کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو دیا سے نکالنے والی فرعون کی بیٹی ”دریہ“ تھی۔ ان کے ہاں فرعون کی بیوی کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ ان سے اللہ کی کتاب (تورات) میں غلطی ہوئی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو والدہ کی طرف لوٹانے کی الہی تدبیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں چلے گئے۔ ادھر ان کی والدہ محترمہ بیٹے کی جدائی اور فراق میں سخت غمگین ہو گئیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کو تسلی دی اور آپ کا بیٹا نہایت خوبصورت تدبیر سے لوٹا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ قَوَادِرَ مَوْنِي قَوَادِرَ ۚ إِنَّ كَادَتْ لَتَبْدِي بِهِ لَوْ أَنَّ رَبَّنَا عَلَيَّ قَوْلُهُ لَتَكُونُ مِنَ

کہ تو اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں چھوڑ دے، پس دریا اسے کنارے لا ڈالے گا اور میرا اور خود اس کا دشمن اسے لے لے گا اور میں نے اپنی طرف کی خاص محبت و مقبولیت تجھ پر ڈال دی تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔“ (طہ: 37-39)

یعنی تجھے آرام و آسائش کے ساتھ بہترین غذا اور بہترین لباس ملے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ تجھے میری خصوصی حفاظت حاصل ہے کیونکہ میں نے تجھ پر احسانات فرمائے اور تیرے لیے وہ کچھ مقدر فرمایا جس کی قدرت میرے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ تَبَثُّوا أَخَذَكُمْ فَتَقُولُ كُلٌّ عَلَىٰ مَن لَّكُلُّهُ فَوَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُولَٰئِكَ تَتَقَرَّرُ عَلَيْهِمْ وَلَا تَحْزَنُ ۚ وَوَقَلْتُمْ نَفْسًا تَكْفُرُ بِكَ مِنَ الْغَمِّ وَكَنتُمْ لَا تَخْتَفُونَ﴾

”یاد کر کہ جب تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اگر تم کو بتو میں تمہیں بتاؤں جو اس کی کفالت کرے (اس تدبیر سے) ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچایا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا، اس پر بھی ہم نے تجھے غم سے بچا لیا۔ غرض ہم نے تجھے اچھی طرح آزمایا۔“ (طہ: 40/20)

ان آزمائشوں کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قطعی کی اتفاقی ہلاکت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حَمِيمًا وَوَعَلْنَا لَدُنَّ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ جِبْنٍ عَفْفَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فُجُودًا فَبَعَثْنَاهُ فِي بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۚ فَاسْتَعَاذَهُ الْآلِئَةُ مِنْ يُدُعِيَهِ عَلَىٰ آلِئَةٍ مِّنْ عَدُوِّهِ ۚ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ۚ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرْنَا لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۚ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَتَّبِعَنَّ ۖ وَلَئِنْ كُنْتُ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ۖ﴾

”اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچے اور پورے توانا ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا۔ نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور موسیٰ ایک ایسے وقت میں شہر میں آئے جبکہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے تو یہاں دو شخصوں کو لاتے ہوئے پایا۔ یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں

لیے اس بچے کی پرورش کرے اور ہوں بھی وہ اس بچے کے خیر خواہ؟“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب موسیٰ علیہ السلام کے بہن نے یہ بات کہی تو ان لوگوں نے کہا: ”تجھے کیا معلوم کہ وہ اس کے خیر خواہ ہوں گے اور اس پر شفقت کریں گے؟“ وہ بولیں: ”وہ بادشاہ کو خوش کرنا چاہیں گے اور اس سے فائدہ کی امید رکھیں گے۔“

تب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ ان کے گھر گئے۔ آپ کی والدہ نے آپ کو اٹھایا اور آپ کو دودھ پلانا چاہا تو آپ فوراً دودھ پیئے گئے۔ وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ ایک آدمی نے جا کر فوراً آسیہ علیہا السلام کو خوشخبری دی۔ آسیہ علیہا السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو پیش مل بایا اور انہیں وہیں رہنے کی پیشکش کی اور کہا کہ ان پر (ملکہ کی) نظر عنایت ہوگی۔

انہوں نے یہ پیشکش قبول کرنے سے معذرت کر لی اور عرض کی کہ میں بال بچوں والی عورت ہوں اور میرا خاوند بھی موجود ہے (اس لیے خاوند کی خدمت اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے مجھے اپنے گھر میں رہنا پڑے گا) میں تو دودھ پلانے کی خدمت اسی صورت میں انجام دے سکتی ہوں کہ آپ بچے کو میرے ساتھ ہی (میرے گھر) رہنے دیں۔ آسیہ علیہا السلام نے اجازت دے دی اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی تنخواہ مقرر کر دی۔ اس کے علاوہ انعام و خلعت سے نوازا۔ آپ بچے کو لے کر گھر آ گئیں اور اللہ نے بیٹے کو ماں سے ملا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ آوِيهِ كَيْ تَقَرَّرَ عَلَيْهِمْ وَلَا تَحْزَنُ ۚ وَلَيَعْلَمَنَّ أَنَّهُ مَعَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ﴾ ”پھر ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ آرزوہ خاطر نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، یعنی اللہ نے آپ کو واپس پہنچانے کا اور رسول بنانے کا وعدہ فرمایا تھا تو اب واپس پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی رسالت کی خوشخبری بھی سچ ہے (جو ضرور پوری ہوگی) ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر انعامات ربانی

جس رات موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے احسانات یاد دلانے سے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۖ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ يَا مُوسَىٰ ۚ أَنِ اقْبَلْ هَٰذِهِ فِي الثَّابُوتِ ۚ فَاقْبَلْ هَٰذِهِ فِي الْبَيْتِ ۚ فَلَمَّا جَلَّ يَأْخُذُهُ عَدُوُّوهُ ۖ وَعَدُوُّ لَكَ ۖ وَالْقَبِيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلَيُصْنَعَنَّ عَلَىٰ عَيْنَيْكَ﴾

”ہم نے تجھ پر ایک بار اور بھی بڑا احسان کیا ہے۔ جب ہم نے تیری ماں کو وہ الہام کیا جس کا ذکر اب کیا جا رہا ہے

خلاف موسیٰ علیہ السلام سے فریادی تو آپ اس کی طرف مڑے اور ﴿فَوَكَكْ﴾ ”اے ایک ضرب لگائی۔“ یعنی مکا مارا یا بٹھا مارا۔ ﴿فَقَضَىٰ عَلَيْهِ﴾ ”جس سے وہ مر گیا۔“

وہ قطعی کار تھا، اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا تھا۔ ویسے بھی موسیٰ علیہ السلام سے قتل نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اسے سبب کرنا اور روکنا چاہتے تھے۔ اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي نَفَكْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ مِنَ الْغَفُورِ الرَّحِيمِ﴾ ”یہ تو شیطان کا کام ہے۔ یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بھگانے والا ہے۔ (پھر) کہنے لگے: اے میرے رب! میں نے آپ پر ظلم کیا، تو مجھے معاف فرما۔“ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ وہ بخشش اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔ (موسیٰ) کہنے لگے: ﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَصْنَعْتَ عَلَيَّ﴾ ”اے میرے رب! جیسے تو مجھ پر کرم فرمایا۔“ یعنی قوت اور شان عطا فرمائی ہے ﴿فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ﴾ ”میں بھی اب ہرگز کسی گناہ گار کا مددگار نہ ہوں گا۔“

اس کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاصْبِرْ فِي الْمَدِينَةِ حَتَّىٰ يَأْتِيَ تَرْقُبَ قَوْمًا الَّذِينَ اسْتَنْصَرُوا بِالْأَخْيَاسِ يَسْتَصْرِخُونَ﴾ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَنَوَيْ مُبِينٌ ﴿فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْطِيشَ بِالْأَخْيَاسِ هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا﴾ قَالَ يُمُوسَىٰ أُتِرْتُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَخْيَاسِ ﴿إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُؤْتِيهِمْ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُبْلَغِينَ﴾ بَجَاءِ جَلٍّ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ يُسْأَلُ قَالَ يُمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتِيهِمْ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّصِيحِينَ﴾

”موسیٰ صبح ہی صبح ڈرتے اندیشہ کی حالت میں خبریں لینے کو شہر میں گئے کہ اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی ان سے فریاد کر رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے کہا: اس میں شک نہیں تو تو صریح گمراہ ہے۔ پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کو پکڑنا یا تو وہ (فریادی) کہنے لگا: موسیٰ! کیا یہی طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا، مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟ تو تو ملک میں ظالم و ستم شل ہونا چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔ اور شہر کے پرے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا: موسیٰ! (یہاں کے) سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں پس تو (فوراً) چلا چلا۔ میں یقیناً تیرا خیر خواہ ہوں۔“ (القصص: 18/20)

اس دن جب صبح کے وقت آپ شہر میں چل رہے تھے، تو کیفیت یہ تھی کہ آپ خوف محسوس کر رہے تھے اور ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ اچانک وہی اسرائیلی مل گیا، جس نے کل آپ سے مدد چاہی تھی اور آپ سے فریاد کرنے لگا اور ایک اور آدمی کے خلاف آپ سے مدد مانگنے لگا، جس سے اس کا جھگڑا ہوا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی بار بار کی شرارتوں کی بنا پر اسے ملامت کی اور اسے فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَنَوَيْ مُبِينٌ﴾ ”اس میں شک نہیں کہ تو تو صریح گمراہ ہے۔“ پھر آپ نے اس قطعی پر

نے اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا، اس (موسیٰ) سے فریاد کی، جس پر موسیٰ نے اسے ایک ضرب لگائی، جس سے وہ مر گیا۔ موسیٰ کہنے لگے: یہ تو شیطان کا کام ہے، یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بھگانے والا ہے۔ (پھر دعا کرنے اور) کہنے لگے: اے پروردگار! میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما دے، سو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا۔ وہ بخشش اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔ (موسیٰ) کہنے لگے: اے میرے رب! جیسے تو مجھ پر یہ کرم فرمایا، میں بھی اب ہرگز کسی گناہ گار کا مددگار نہ ہوں گا۔“ (القصص: 14-28)

اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بیان فرمایا ہے کہ اس نے آپ کی والدہ پر احسان فرمایا کہ آپ کو ان کے پاس واپس بچپنا دیا۔ اب یہ بیان ہو رہا ہے کہ جب آپ اپنی پوری جوانی کو بکھینچ گئے اور پورے توانا ہو گئے، یعنی جسمانی اور اخلاقی طور پر کمال کے درجہ تک پہنچ گئے، اکثر علماء کے نزدیک اس سے چالیس سال کی عمر مراد ہے، تب اللہ نے آپ کو حکمت اور علم یعنی نبوت و رسالت کا منصب عطا فرمایا جس کی بشارت آپ کی والدہ کو اس فرمان میں دی گئی تھی: ﴿إِنَّا رَأَوُہُ وَجَاءَہُ مِنْ الْمُسُوسِينَ﴾ ”ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے پیغمبر بنانے والے ہیں۔“

(القصص: 7/28)

﴿قَطْعِي﴾ کی موت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پشیمانی: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے نکل کر مدین کے حالات میں پہنچنے کا باعث بنا۔ آپ وہیں قیام پذیر رہے حتیٰ کہ مقررہ مدت ختم ہو گئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ سے ہم کام ہو کر آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا جیسے کہ آئندہ بیان ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور موسیٰ ایک ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔“ اس میں ”وقت“

کی بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، عمرہ بن قتادہ اور سدی رحمہم فرماتے ہیں: ”یہ وہ پہلا وقت تھا۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ کا مقبول: ﴿وَقَدْ فِيهَا جَنَّاتٌ يَنْفَعِينَ﴾ ”یہاں دو جناتوں کو لاتے ہوئے پایا۔“ یعنی وہ آہل بس میں مار کٹائی کر رہے تھے۔ ﴿هَذَا مِنْ شَيْعَتِهِ﴾ ”یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا۔“ یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا۔ ﴿وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ﴾ ”اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے“، یعنی قطعی تھا۔ ﴿فَاسْتَأْذَنُہُ الَّذِیْ مِنْ شَيْعَتِہٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّہٖ﴾ ”اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا، موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔“ اس کی وجہ یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو مصر کے ملک میں ایک باوقار مقام حاصل تھا کیونکہ آپ کا فرعون سے ایک اہم تعلق قائم ہو چکا تھا جس نے آپ کو بیٹا بنایا تھا اور آپ نے اس کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ اب وہی سے بنی اسرائیل کو بھی عزت نصیب ہوئی تھی اور وہ سر اٹھا کر چلنے لگے تھے کیونکہ وہ دودھ کے رشتے سے خود کو آپ کے ننھیالی رشتہ دار سمجھتے تھے۔ جب اس اسرائیلی نے اس قطعی کے

وَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يَصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَيُّونا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۖ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٨﴾

”پس موسیٰ وہاں سے خوف زدہ ہو کر دیکھتے بھالے نکل کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے: اے پروردگار! مجھے خالوں کے گردوے سے بچالے۔ اور جب مدین کا رخ آ کر کہنے لگے: مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے گا۔ جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتیں الگ کھڑی (اپنے جانوروں کو) روک رہی ہیں۔ پوچھا: تمہارا کیا معاملہ ہے؟ وہ بولیں: جب تک یہ چرواہے واپس نہ چلے جائیں، ہم پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔ پس آپ نے خود ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف ہٹ آئے اور کہنے لگے: اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے، میں اس کا محتاج ہوں۔“ (القصص: 24-28)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے، اپنے رسول اور اپنے حکیم کے بارے میں بیان فرما رہا ہے کہ وہ مصر سے نکلے تو ادھر اُھر دیکھتے بھالے نکلے۔ آپ خوف محسوس کر رہے تھے کہ فرعون کی قوم کا کوئی شخص آپ تک پہنچ جائے۔ آپ کو کچھ معلوم نہ تھا کہ سرطس رخ کریں اور کون سی راہ اختیار کریں کیونکہ اس سے پہلے کبھی مصر سے باہر نہیں گئے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ بِلِقَاءِ رَبِّهِ﴾ ”اور جب مدین کا رخ کیا“، یعنی ایک راہ پر چل دیئے تو کہنے لگے: ﴿عَلَىٰ رَبِّي أَن يُهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ ”مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے گا۔“ یعنی امید ہے کہ اس راہ سے وہ منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے اور ایسے ہی ہوا۔ انہیں منزل مل گئی اور کتنی عظیم منزل مل گئی! ﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ﴾ ”جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے۔“ یعنی اس کنویں پر جا پہنچے جس سے لوگ جانوروں کو پانی پلاتے تھے۔ مدین وہی شہر ہے جس میں اصحاب الایکہ اللہ کے عذاب کی وجہ سے تباہ ہوئے۔ یہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھے۔ ایک قول کے مطابق ان کی ہلاکت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے پہلے ہو چکی تھی۔

جب آپ اس کنویں پر پہنچے تو: ﴿وَجَدَ عَلَيْهِمْ أَمْعَةً مِنَ النَّاسِ يَتَسَوَّوْنَ فَا وَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ﴾ ”دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتیں الگ کھڑی (اپنے جانوروں کو) روک رہی ہیں۔“ یعنی اپنی بکریوں کو روک رہی ہیں کہ لوگوں کی بکریوں میں نہ مل جائیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ وہ سات لڑکیاں تھیں لیکن یہ غلط ہے۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ شعیب علیہ السلام کی سات لڑکیاں ہوں، لیکن جانوروں کو پانی پلانے کا کام دو ہی کرتی تھیں۔ یہ تو یہی ممکن ہے بشرطیکہ سات کی روایت قابل اعتماد ہو ورنہ قرآن کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو ہی تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: ﴿مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يَصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَيُّونا شَيْخٌ كَبِيرٌ﴾ ”تمہارا کیا

ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا جو موسیٰ علیہ السلام کا بھی دشمن تھا اور اسرائیلی کا بھی، تاکہ اسے منع کریں اور اسرائیلی کو اس سے چھڑائیں۔ جب آپ اس ارادے سے قبیلہ کی طرف بڑھے تو اس نے کہا: ﴿يُؤْمِنُ أَتُؤْمِنُونَ إِن تَفْتَلِحُوا نَسْتَكْفِيْكُمْ فَتُلْقُوا فِي السَّيْلِ﴾ ”موسیٰ! کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا، مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟ تو تو ملک و سرکش ہونا چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔“

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ بات اس اسرائیلی نے کہی تھی جس نے موسیٰ علیہ السلام کا گزشتہ روز کا واقعہ دیکھا تھا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس نے جب موسیٰ علیہ السلام کو قبیلہ کی طرف بڑھتے دیکھا تو یہ سمجھا کہ وہ خود اس (اسرائیلی) کو سازنا پنا چاہتے ہیں، کیونکہ آپ اسے فرما چکے تھے: ﴿إِنَّكَ لَعَفْوَ مُّبِينٌ﴾ ”تو تو صریح گمراہ ہے۔“ اس لیے اس شخص نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات کہہ کر کل والا راز فاش کر دیا اور قبیلہ نے فوراً فرعون کے پاس جا کر موسیٰ کی شکایت کر دی۔

اکثر علمائے کرام نے یہی تشریح بیان کی ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کلام قبیلہ کا ہو۔ اس نے جب آپ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ڈر گیا۔ اس نے اعزاز سے یہ بات کہہ دی کہ ممکن ہے کل والے مقتول کو موسیٰ علیہ السلام ہی نے قتل کیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسرائیلی نے فریاد کرتے وقت ایسے الفاظ استعمال کیے ہوں جس سے قبیلہ کو حقیقت کا علم ہو گیا ہو۔ (واللہ اعلم) الغرض فرعون کو معلوم ہو گیا کہ وہ شخص موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے آپ کی گرفتاری کے لیے آدمی بھیجے۔ لیکن ایک وفادار آدمی ان سے پہلے قریب کے راستے سے موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا۔ جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدْيَنَ بِبُيُوتِي قَالَ يَمُوتُ رَجُلٌ فَتَقُولُونَ لَهُ لَقَدْ مَنَعَكَ اللَّهُ مِنْ الضَّلَاجِ إِنَّا كَلَمُ مِنَ الْمُفْجِينَ﴾ ”شہر کے پرے کنارے سے ایک شخص دوڑتا آیا اور کہنے لگے اے موسیٰ! سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں پس تو اس شہر سے چلا جا، میں یقیناً تیرا خیر خواہ ہوں۔“ اس لیے یہ بات بتا رہا ہوں۔ ﴿۱﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام دین تشریف لے جاتے ہیں

جب موسیٰ علیہ السلام کے اتفاق قتل کی خبر بادشاہ تک پہنچی گئی اور اس نے آپ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو آپ خوفزدہ ہو کر اجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ﴿٢٩﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ بِلِقَاءِ رَبِّهِ قَالَ عَلَىٰ رَبِّي أَن يُهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٣٠﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أَمْعَةً مِنَ النَّاسِ يَتَسَوَّوْنَ فَا

کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں، اللہ کو منظور ہے تو آگے چل کر آپ مجھے بھلا آدمی پائیں گے۔ موسیٰ نے کہا: خیر! تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہوگئی۔ میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، اس پر اللہ (گواہ اور) کارساز ہے۔“ (الفصص: 28-25/28)

جب موسیٰ ایلانہ سے میں بیٹھے اور فرمایا: ﴿رَبِّ اِنِّیْ لَمَّا اَنْزَلْتَ اِلَیْ مِنْ خَیْرِ قَبِيْرٌ ۚ﴾ ”اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے، میں اس کا محتاج ہوں۔“ تو ان خواہشیں نے یہ بات سن لی۔ جب وہ والدہ کے پاس پہنچیں تو انہیں اتنی جلدی واپس آ جانا ہے پر تعجب ہوا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عجیب آدھ واقعہ بیان کیا۔ والدہ نے ایک کوکم دیا کہ جا کر ان کو بلا لائے۔ ﴿فَجَاءَتْهُ اِحْدَاهُمَا تُنْذِرُ عَلَى اسْتِحْیَا ۚ﴾ ”تو ان دونوں عورتوں میں سے ایک شریف زادوں کی طرح شرم دیا ہے چلتی ہوئی آئی۔ کہنے لگی: ﴿اِنَّ اِبْنِیْ یَدْعُوکَ لِیَجْزِیْکَ اَجْرٌ مَّا سَقَمْتُ لَنَا﴾ ”میرے والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے، اس کی اجرت دیں۔“

اس نے واضح طور پر وجہ بیان کر دی تاکہ اس کی بات سے کوئی غلط فہمی یا شک و شبہ پیدا نہ ہو۔ یہ بھی اس خاتون کی حیا اور پاک دہنی کا مظہر ہے۔ ﴿فَلَمَّا جَاءَهُ وَ قَضَ عَلَیْہِ الْقَصَصَ﴾ ”جب (حضرت موسیٰ علیہ السلام) ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا۔“ اور بتایا کہ مصر کے بادشاہ فرعون کے ڈر سے اپنا وطن مصر، چھوڑ کر نکلے ہیں۔ تو وہ بزرگ کہنے لگے: ﴿لَا تَخَفْ ۚ نَّصُوْرَتُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ﴾ ”اب نہ ڈر! تو نے ظالم قوم سے نجات پائی۔“ یعنی اب ان کے دائرہ اختیار سے باہر آ گئے ہیں کیونکہ اب آپ ان کی سلطنت کی حدود میں نہیں۔

بزرگ نے آپ کی مہمان نوازی کی اور عزت و احترام سے رکھا اور آپ کا واقعہ سن کر خوش خبری دی کہ آپ ان سے نجات پا چکے ہیں۔ تب ایک لڑکی نے اپنے والد سے کہا: ﴿يَا اَبْتَا اِسْتَأْجِرْہٗ﴾ ”ابا! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجیے۔“ تاکہ وہ آپ کی بکریاں چرائیں۔ پھر آپ کی یہ خوبی بیان کی کہ وہ طاقت ور اور دیانت دار ہیں۔

حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر علماء سے روایت ہے کہ جب اس نے یہ بات کہی تو اس کے والد نے پوچھا: ”مجھے اس کی قوت و امانت کی کیا خبر؟“ اس نے کہا: ”جو ہماری پیچرز آدمی اٹھاتے ہیں، انہوں نے اکیلے ہی اٹھالیا (اس سے مجھے ان کی طاقت کا اندازہ ہوا) اور جب میں انہیں لے کر آ رہی تھی تو میں آگے چل رہی تھی۔ انہوں نے کہا: ”میرے پیچھے چلو، جب رستہ مزینا ہو تو مجھے راستہ بتانے کے لیے اس طرف نگرہ پھینک دینا۔“ ﴿۱﴾

جب موسیٰ علیہ السلام کے گھر پہنچے تو اس بزرگ نے کہا: ﴿اِنَّ اَرْوَدُ اَنْ اُكَلِّکَ اِحْدٰی اِبْنَتَیْ هَتَنِیْ عَلٰی اَنْ تَاْجُرَیْ فُلَیْیَ حَیْجَ ۚ فَاِنْ اَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِکَ وَمَا اَرِیْدُ اَنْ اَشْفِیْ عَلَیْکَ سَجْدَتِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ﴾ ”میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں اس (مہر) پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج

معاملہ ہے؟ وہ بولیں: جب تک چرواہا وہاں نہ چلے جائیں ہم پانی نہیں پلائیں اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔“ یعنی ہم کمزور عورتیں ہونے کی وجہ سے بکریوں کو اس وقت پانی نہیں پلا سکتیں جب تک چرواہا پانی پلانے سے فارغ نہ ہو جائیں اور میں خود بکریاں چرائے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ ابا جان بوڑھے اور کمزور ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسَقَى لَہُمَا﴾ ”پس آپ نے خود ان کے جانوروں کو پانی پلایا۔“ ﴿فَتَدْعُوْنِیْ اِلَی الْقَلْبِ﴾ ”پھر سائے کی طرف ہٹ آئے۔“ مفسرین کہتے ہیں یہ نیکر کے درخت کا سایہ تھا اس وقت آپ نے دعا کی: ﴿رَبِّ اِنِّیْ لَمَّا اَنْزَلْتَ اِلَیْ مِنْ خَیْرِ قَبِيْرٌ ۚ﴾ ”اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے، میں اس کا محتاج ہوں۔“ ﴿۲﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محفوظ مقام میسر آ گیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام طویل سفر کے بعد تھکے ہارے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی جو فوری قبول ہوگئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَجَاءَتْہٗ اِحْدَاهُمَا تُنْذِرُ عَلَى اسْتِحْیَا ۖ قَالَتْ اِنَّ اِبْنِیْ یَدْعُوکَ لِیَجْزِیْکَ اَجْرٌ مَّا سَقَمْتُ لَنَا ۖ فَلََمَّا جَاءَهُ وَ قَضَ عَلَیْہِ الْقَصَصَ ۖ قَالَ لَا تَخَفْ ۚ نَّصُوْرَتُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ ۖ قَالَتْ اِحْدَاهُمَا یَا اَبْتَا اِسْتَأْجِرْہٗ ۖ اِنَّ خَیْرَ مِّنْ اِسْتَاْجَزَتِ الْقَوٰی اَلْاَمِیْنَ ۖ قَالَ اَرِیْدُ اَنْ اُکَلِّکَ اِحْدٰی اِبْنَتَیْ هَتَنِیْ عَلٰی اَنْ تَاْجُرَیْ فُلَیْیَ حَیْجَ ۚ فَاِنْ اَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِکَ ۚ وَمَا اَرِیْدُ اَنْ اَشْفِیْ عَلَیْکَ سَجْدَتِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ ۚ قَالَ ذٰلِکَ بَیِّنٰی وَبَیِّنٰکَ ۚ اَیْمًا اَلْاَکَلِیْنِ فَصَدَّقَتْ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیْ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَعْمُوْلُ وَکَلِیْلٌ ۝۱﴾

”اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم دیا ہے چلتی ہوئی آئی۔ کہنے لگی: میرے والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں۔ جب (حضرت موسیٰ علیہ السلام) ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے: اب نہ ڈر! تم نے ظالم قوم سے نجات پائی۔ ان دونوں میں سے ایک نے کہا: ابا! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجیے کیونکہ انہیں آپ اجرت پر رکھیں، ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانتدار ہو۔ اس بزرگ نے کہا: میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں اس (مہر) پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج کریں۔ ہاں! اگر آپ دس سال پورے کر دیں تو یہ آپ کی طرف سے (بطور احسان) ہے، میں یہ ہرگز نہیں چاہتا

الرَّهْبِ قَدْ بَلَكَ بُرْهَانُكَ مِنْ رَبِّكَ إِلَى فَدْعَتِكَ وَمَلَائِكَةُ اللَّهِ كَانُوا قَوْمًا مُبْتَلَيْنَ ۝

”جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو وہ طور کی طرف آگ دیکھی۔ اپنی بیوی سے کہنے لگے: بھگھرو! میں نے آگ دیکھی ہے، بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خیر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارا لاؤں تاکہ تم سب تک لو۔ پس جب وہاں پہنچے تو اس بارکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے انہیں آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں، سارے جہانوں کا پروردگار۔ اور یہ (یعنی آواز آئی) کہ اپنا عصا جھینک دے۔ پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پیچھے ہٹا رہا ہے تو پیچھے پیچھے کر واپس ہو گئے اور مرکز رخ بھی نہ کیا۔ (ہم نے کہا): اے موسیٰ! آگے آ، ڈرمت، یقیناً تو (ہر طرح) امن والا ہے۔ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال، وہ بغیر کسی قسم کے روگ کے بالکل سفید (چمکتا ہوا) نکلے گا۔ اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنے بازو اپنی طرف ملا لے پس یہ دونوں معجزے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں، فرعون اور اس کی جماعت کی طرف یقیناً وہ سب کے سب نافرمان لوگ ہیں۔“ (القصص: 28-32)

جب موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری کر لی تو اپنے گھر والوں سمیت واپس مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں رات ہو گئی رات تاریک اور سرد تھی وہ راستہ بھول کر معروف راہ سے ہٹ گئے۔ ان حالات میں آپ کو طور کے دامن میں آگ روشن نظر آئی آپ اپنے گھر والوں سے کہنے لگے: ”امْكُثُوا اِنِّي اَسْتَشْفَا نَارًا“ ”بھگھرو! میں نے آگ دیکھی ہے۔“ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آگ صرف آپ کو نظر آئی تھی آپ کے اہل کو نہیں کیونکہ یہ اصل میں نور تھا جسے ہر کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ”لَعَلَّيْ اَنْتُمْ فِئْهَا بِخَيْرٍ“ ”بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خیر لاؤں۔“ یعنی وہاں مجھے جو کوئی ملے، اس سے راستہ پوچھ لو یا آگ کا کوئی انگارا لاؤں تاکہ تم سب تک لو۔“ معلوم ہوا کہ وہ رات سرد اور تاریک تھی جیسے سورۃ طہ میں ارشاد ہے:

﴿وَهَلْ اَنْتَ حَدِيْثُ مُوسٰى ۝ اِذْ اٰنَا قَالًا فَقَالَ لِاهْلِيْهِ امْكُثُوْا اِنِّيْ اَسْتَشْفَا اَنْتُمْ فِئْهَا بِخَيْرٍ ۝ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝﴾

”کیا آپ کو موسیٰ کا قصہ معلوم ہے؟ جب اس نے آگ دیکھ کر اپنے گھر والوں سے کہا: تم ذرا سی دیر بھگھرو جاؤ۔ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میں اس کا کوئی انگارا تمہارے پاس لاؤں یا آگ کے پاس رہنمائی میسر ہو۔“ (طہ: 90-109)

اس سے معلوم ہوا کہ وہاں اندھیرا تھا اور وہ راستہ بھول گئے تھے۔ سورۃ نمل میں بھی ان سب باتوں کا ذکر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ قَالَ مُوسٰى لِاهْلِيْهِ اِنِّيْ اَسْتَشْفَا نَارًا ۝ سَابِقَتْكُمْ فِئْهَا بِخَيْرٍ ۝ اَنْتُمْ اَوْ اَجِدُ قَبْسًا لَّعَلَّكُمْ

کریں۔ ہاں آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے (بلور احسان) ہے، میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں۔ اللہ کو منظور ہے تو آپ مجھے بھلا آدمی بنا دیں گے۔“

بعض علماء نے اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ روٹی کپڑے پر مردوری کرنا درست ہے جیسے کہ معروف رواج ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَالَ ذٰلِكَ نَبِيُّكَ وَبَيْنَكُمْ اَيُّمَا الْاَحْكَامِ فَصِيْحَةٌ فَلَا عُدُوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ﴾ ”موسیٰ نے کہا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہو چکی ہے۔ میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ (گواہ اور) کارساز ہے۔“ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سر سے فرمایا: آپ نے جو بات کہی وہ درست ہے۔ میں جوئی مدت پوری کروں، مجھے اس کا حق ہو گا۔ اس سلسلے میں مجھ پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ ہماری مفاہمت پر اللہ گواہ ہے جو سب کچھ کن رہا ہے۔ تاہم موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ مدت پوری کی۔ یعنی پورے دس سال ان کی خدمت کی۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: انہوں نے فرمایا: مجھ سے کہ ایک یہودی نے پوچھا موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے کئی مدت پوری کی تھی؟ میں نے کہا: ”مجھے تو معلوم نہیں“ البتہ میں عرب کے بڑے عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے دریافت کروں گا۔ تو میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا: ”آپ نے زیادہ اور بہتر مدت مکمل کی تھی۔ اللہ کا رسول جب کوئی بات کہہ دے تو اسے پوری کرتا ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے پاس مقررہ مدت پوری کی اور پھر اپنی زوجہ محترمہ کو ساتھ لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں حکیم اللہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوسٰى اَلْحَجَّ وَاسَّارَ اَهْلِيْهٖ اَنْسَ مِنْ حَاجِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۝ قَالَ لِاهْلِيْهِ امْكُثُوْا اِنِّيْ اَسْتَشْفَا نَارًا لَّعَلَّيْ اَنْتُمْ فِئْهَا بِخَيْرٍ ۝ اَوْ جَدَوَةٌ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا اَتٰهَا نُورٌ مِّنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنَّ يُّمُوْسٰى اِنَّ اِنَّا اَللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ اَنَّ اَنْتَ عَمَّاكُ ۝ فَلَمَّا رَاَهَا فَهَمَّ بِهَا فَاَنْتَ اَنْتَ وَلٰى مَدِيْرًا ۝ وَلَمْ يَعْصِ يُّمُوْسٰى اَقْبَلَ وَلَا تَخَفْ ۝ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِيْنِ ۝ اَسْلَمَ يَدَكَ فِي حَبِيْبِكَ تَخْضَعُ بِيْضًا ۝ وَغِيْرَ سُوْرٍ ۝ وَاضْمَمَ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنْ

خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہو، ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔“ (طہ: 16-11/20)

مفسرین فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی طرف چلے جو انہیں نظر آئی تھی۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک کانٹے دار درخت میں آگ کے شعلے نظر آ رہے ہیں، لیکن درخت زیادہ سے زیادہ سرسبز ہوتا جا رہا ہے۔ آپ تعجب سے وہیں ٹھہر گئے۔ وہ درخت آپ کی دائیں طرف پہاڑ کے مغربی پہلو میں تھا۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْنِيِّ إِذْ قَضَيْتُنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾^①

”اور طور کے مغربی جانب، جبکہ ہم نے موسیٰ کو احکام کی وحی پہنچائی تھی، نہ تو موجود تھا اور نہ تو دیکھنے والوں میں سے تھا۔“ (القصص: 44/28)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وادی میں تھے، اس کا نام طویٰ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ قبلہ (یعنی جنوب) کی طرف تھا۔ وہ درخت آپ کے دائیں طرف مغرب کی سمت تھا۔ اس مقدس وادی طویٰ میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام کیا۔ پہلے جوتے اتارنے کا حکم دیا، اس کا مقصد اس مقدس مقام کا احترام تھا۔ بالخصوص اس مبارک رات میں تو اس مقام کو مزید تقدس اور برکت حاصل ہو گئی تھی۔^②

بائبل میں لکھا ہے کہ روشنی اس قدر شدید تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نظر ختم ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا، چنانچہ آپ نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور معجزات

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ یہ دنیا فانی ہے دائمی گھر قیامت کو ملے گا جو یقیناً قائم ہونے والی ہے۔ ﴿يُعْجِزُ كُلُّ نَفْسٍ مِّمَّا تُعْطَىٰ﴾ تاکہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو، یعنی نیکی اور بدی کا بدلہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دن کے عمل کے لیے کرنے کی تریب دی اور ایسے لوگوں سے الگ رہنے کی ہدایت فرمائی جو اپنے مالک کی نافرمانی کرتے ہیں اور اپنے ولی کی خواہش کے پیچھے چلتے ہیں۔ پھر اپنی قدرت کے اظہار کے لیے اور اپنی [مُحَنِ فَيُكُونُ] کی شان دکھانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ﴾ (طہ: 17/20) ”اے موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں یہ کیا ہے؟“ کیا وہی لاشی نہیں جو تیری دیکھی بھالی ہے جب سے تجھے ملی ہے؟ جواب دیا: ﴿هِيَ عَصَايَ اَنْتَ كُنْتَ عَلَيْنَا وَ اَنْتَ عَلَيْنَا وَلِي فِيهَا مَا يَدْرِي اَمْحُرِي﴾ (طہ: 18/20) ”یہ میری لاشی ہے جس پر میں لپک لپک ہاتھوں اور جس سے میں اپنی کمریوں کے لیے پتے بھجوا کر لیتا ہوں“ اس میں مجھے اور بھی بہت فائدہ ہے۔“

تَصَلُّونَ

”جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں سے کوئی خبر لے کر آیا آگ کا کوئی سگلا ہوا لگا لگا کر جلد تمہارے پاس آ جاؤں گا تاکہ تم تپ سکو۔“ (النمل: 71/27)

وہ واقعی ایک خبر لے کر آئے، وہ وقتی عظیم خبر تھی! انہیں رہنمائی ملی تھی اور کئی عظیم الشان تھی وہ رہنمائی! انہوں نے وہاں سے ایک بے مثال روشنی حاصل کی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُمُوسَىٰ إِنَّي

أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾

”پس جب وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے انہیں آواز دی گئی: اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں، سارے جہانوں کا پروردگار۔“ (القصص: 30/28)

سورہ نمل میں ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ يُكَلِّمَ مِنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

”جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ بابرکت ہے وہ جو اس (آگ) میں ہے اور برکت دیا گیا ہے وہ جو اس کے آس پاس ہے اور پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔“ (النمل: 8/27)

یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو فعلے چاہتا ہے نافذ فرماتا ہے۔ اے موسیٰ! (سن!) ﴿إِنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

”بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ غالب، حکمت والا ہوں۔“ (النمل: 9/27) سورہ طہ میں ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ إِلَهَكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طَوًى وَاتَا اخْتِزَلَكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ إِلَهَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أَخْفِيهَا يُعْجِزُ كُلُّ نَفْسٍ مِّمَّا تُسْأَلُ فَلَا يَصْذَكَ عَنْهَا مَنْ لَكَ يَوْمَئِذٍ بِهَا وَاتَّبِعْ هَوَاكَ تَكْذِبُ﴾

”جب وہ وہاں پہنچے تو انہیں آواز دی گئی: اے موسیٰ! یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں، تو اپنی جوتیاں اتار دے کیونکہ تو پاک میدان طویٰ میں ہے اور میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے، اب جو وحی کی جائے اسے کان لگا کر سن! بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو۔ پس تجھے اس (کے یقین) سے کوئی ایسا شخص روک نہ دے، جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی

بَيَّضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوٍّ وَآصَحُّمُ لَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ ﴿۱﴾ ”اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال۔ وہ سفید چمکیلا لٹکا لٹکا بغیر کسی عیب کے۔ اور خوف سے (پے) اپنے بازو اپنی طرف ملائے۔“ (القصص: 32/28) کہا جاتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تجھے خوف محسوس ہو تو اپنے دل پر ہاتھ رکھ لے، تجھے تسکین ہو جائے گی۔ سورہ نمل میں فرمایا:

﴿وَادْخُلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخَرُّجَ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوٍّ فِي تَسْبِيحٍ لَيْلٍ إِلَى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۱﴾﴾

”اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال۔ وہ سفید چمکیلا لٹکا لٹکا بغیر کسی عیب کے یہ نو نشانیاں میں سے ہے (ان کے ساتھ) فرعون اور اس کی قوم کی طرف جا۔ یقیناً وہ نافرمانوں کا گروہ ہے۔“ (النمل: 12/27)

عصا اور ہاتھ کے مجھڑے کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: ﴿فَإِنَّكَ بِرُؤْاهُنَّ مِنْ رَبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ﴾ ”پس یہ دونوں مجھڑے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں، فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف“ (القصص: 32/28) ان کے ساتھ سات نشانیاں اور تینیں۔ یہ نو نشانیاں ہیں، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّقَوْمِهِ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَكْثَنُكَ يَهُودِيٍّ مَسْخُورًا ﴿۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَتَاكَ هَؤُلَاءُ إِلَّا رُبَّ شَيْطَانٍ وَّالَّذِينَ بَصَّارَةٌ ﴿۲﴾ وَإِنِّي لَأَكْثَنُكَ يَفِرُّعُونَ مَثْبُورًا ﴿۳﴾﴾

”اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دیں۔ سو بنی اسرائیل سے دریافت کرلو۔ جب وہ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ! میں خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا ان کو کسی نے نازل نہیں کیا (اور وہ جو تم کو لوگوں کے) سمجھانے کو۔ اور اسے فرعون! میں خیال کرتا ہوں کہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔“ (بنی اسرائیل: 102-101/17)

سورہ اعراف میں ان کی تفصیل اس طرح مذکور ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّبْيِ وَالْقَتْلِ مِنَ الْقَهْرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱﴾ فَإِذَا جَاءَهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا إِنَّا هِذِهِ ﴿۲﴾ وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ سَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَكُنْ مِنْهُمْ قَوْمًا يَنْسَبُونَ ﴿۳﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَاهُمْ آلَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَلَكِنْ أَلْأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴﴾ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِينَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّنُصَبِّحَنَّ بِهَا فَأَمَّا نَبُؤُكَ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۵﴾ فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالْجَمَّ إِبْرَاهِيمَ مَقْصُودًا قَامَتْ عَلَيْهِمْ سَائِبَاتٌ وَجَنَّاتٌ أُولَئِكَ هُمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۶﴾﴾

یعنی یہ وہی لاٹھی ہے جسے میں اچھی طرح پکچاتا ہوں۔ فرمایا: ﴿أَلَيْهَا يَوْمِنِي﴾ ﴿۱﴾ ﴿فَالْقُلُوبُ كَالْأَفْئِدَةِ﴾ ﴿۲﴾ ”اے موسیٰ! اسے نیچے ڈال دے“ چنانچہ ان کے ڈالے ہی وہ سانپ بن کر دوڑنے لگی۔“ (طہ: 20-19/20) یہ ایک عظیم معجزہ عقاب اور اس بات کی قاطع دلیل تھی کہ آپ سے کلام کرنے والا وہی اللہ ہے جو اپنے امر ”کُنْ“ سے ہر چیز کو پیدا کرتا ہے اور اسے ہر کام کی طاقت حاصل ہے۔

بائیں نمل میں مذکور ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ آپ کو ایسی واضح نشانی عطا فرمائی جائے جس سے اہل مصر کے سامنے آپ کی صداقت واضح ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟“ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”یہ میری لاٹھی ہے۔“ فرمایا: ”اسے زمین پر پھینک دیں۔“ آپ نے لاٹھی زمین پر پھینک دی تو وہ دوڑنے لگا بھاگنے والا سانپ بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دیکھ کر بھاگے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہاتھ پر ہا کر اس کی دم پکڑ لیں۔ جب آپ نے اسے اچھی طرح پکڑ لیا تو وہ آپ کے ہاتھ میں پھر لاٹھی بن گئی۔ ﴿۱﴾

اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿وَإِن تَنفِرْ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تُفِثَةً كَانَتْهَا جَانٌّ وَتِلْكَ مَثَلُ الْيَمِّ ﴿۱﴾﴾ ”اور یہ کہ اپنا عصا پھینک دے۔ پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھینچنا رہا ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور مرکز رخ بھی نہ کیا۔“ (القصص: 31/28) یعنی وہ ایک بہت بڑا سانپ بن گئی، جس کی جسامت بہت بڑی تھی اور بڑے بڑے دانت تھے۔ اس کے جوداؤ اس کی حرکت تیز رفتار بننے سانپ کی طرح تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگے، کیونکہ انسانی فطرت کا یہی تقاضا تھا اور پیٹھ مڑ کر نہ دیکھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دے کر فرمایا: ﴿يَوْمِنِي أَهْلُ الْقُرَىٰ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴿۱﴾﴾ ”اے موسیٰ! آگے آ، درست، یقیناً تو (مجرم) اسن والا ہے۔“ جب آپ واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَعِيدٌ مَّاسِيَةٌ كَآيَاتُ الْآيَاتِ﴾ ”بے خوف ہو کر اسے پکڑ لے، ہم اسے اس کی پہلی صورت میں دوبارہ لے آئیں گے۔“ (طہ: 21/20) کہتے ہیں: آپ کو سخت خوف محسوس ہوا۔ آپ نے اپنا ہاتھ قبض کی آستین میں ڈالا اور کپڑے میں لپیٹ کر اس کے منہ کے درمیان رکھا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ نے اس کی دم پکڑ لی۔ جب اسے اچھی طرح پکڑ لیا، تو وہ پھیلنے کی طرح دو شاخوں والا عصا بن گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالیں جب نکالا تو وہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ یہ سفیدی ماحسوس یہ دیکھ کر عرض کی وجہ سے نہیں تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَسْلُكَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ

① خروج ج: باب، 4: فقرہ، 4: 3/2

② بائیں کے الفاظ یہ ہیں: ”پھر خداوند نے اس سے یہ بھی کہا کہ تو اپنا ہاتھ سینے پر رکھ کر ڈھاٹک لے۔ اس نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر اسے ڈھاٹک لیا اور جب اسے نکال کر دیکھا تو اس کا ہاتھ گڑھ سے برف کی مانند سفید تھا۔“ (خروج ج: باب، 4: فقرہ، 6: 6) بائیں کے معنیں کی تسلی ہے

تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے۔ فرعونی تم تک پہنچ ہی نہیں سکیں گے (بہت ہمارا نشانیوں کے)۔“ یعنی چونکہ تم ہماری آیات پر عمل کرتے ہو اس لیے وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ہماری آیات کی برکت سے ﴿أَتَمْنَا وَهَمَّ اتِّبَعَكُمُ الْغُلَيُّونَ﴾ ”تم دونوں اور تمہاری اتباع کرنے والے ہی غالب رہیں گے۔“

سورۃ طہ میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذْ هَبْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي صَدْرِي ۖ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۖ وَاجْعَلْ لِّي غَلَدًا مِّنْ نِّسَائِي ۖ يَغْفِرَ قَوْلِي ۖ﴾

”تم فرعون کے پاس جاؤ (کہ) وہ سرکش ہو رہا ہے۔ کہا: میرے پروردگار! (اس کام کے لیے) میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ لیں۔“ (طہ: 24-28)

آپ کی زبان میں کچھ لکھتے رہ گئی تھی۔ اسی وجہ سے فرعون نے بزرع خوشی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عیب کا ذکر کیا تھا: ﴿وَلَا يَكْذِبُونَ﴾ ”اور صاف بول نہیں سکتا۔“ (الزحرف: 52/43) یعنی اپنے نانی الصغیر کا اظہار نہیں کر سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید التجا کی:

﴿وَجَعَلَ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِ ۚ هَؤُلَاءِ فِي أَمْرِي ۚ وَاجْعَلْ لِّي شِدَادًا يَّدْرِي ۚ وَاجْعَلْ لِّي فِي أَمْرِي ۚ كَيْ تَسْمِعَكَ كَلِمَةً ۚ وَتَذَكَّرَكَ كَلِمَةً ۚ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا صَبِيرًا ۚ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسَىٰ ۖ﴾

”میرا وزیر (معاون) میرے کنبے میں سے کر دے یعنی میرے بھائی ہارون کو اس کے ذریعے میری قوت بڑھا دے اور اسے میرا شریک کار کر دے تاکہ ہم دونوں کثرت تیری تسبیح بیان کریں اور کثرت تجھے یاد کریں۔ ہے شک تو ہمیں دیکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! تیرے تمام سوالات پر اسے کر دیے گئے۔“ (طہ: 29-36)

یعنی ہم نے آپ کی ساری دعا میں قبول کر لیں اور جو کچھ آپ نے مانگا، ہم نے دے دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ نے اپنے بھائی کے حق میں نبوت کا دعائے فرامی، اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطا فرمادی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجْهًا﴾ ”اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔“ (الاحزاب: 69/33) اور فرمایا: ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ مِمَّن رَّضَيْنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا﴾ ”اور اپنی خاص مہربانی سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا فرمایا۔“ (مریم: 53/19)

کچھ لوگ حج کی ادائیگی کے لیے سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ ایک آدمی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا ہے: ”کون سے بھائی نے اپنے بھائی پر سب سے بڑا احسان کیا؟“ وہ لوگ خاموش رہے۔ (جواب نہ دے سکے) ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اپنے جمل کے قریب کے افراد کو (اس سوال کا جواب بتاتے ہوئے) فرمایا: ”وہ

”اور ہم نے فرعون کو کھٹوں اور کھٹوں کے نقصان میں پکڑا تاکہ نصیحت حاصل کریں۔ سو جب ان کو اس سائل حاصل ہوئی تو کہتے کہ ہم اس کے سخت ہیں اور اس پر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدگلوگی جانتا ہے۔ دیکھو ان کی بدگلوگی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی بھی نشانی لے آ تاکہ اس سے ہم پر جادو کرو مگر تم ہم پر ایمان لانے والے نہیں۔ سو ہم نے ان پر طوفان اور مڑیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون کھتی کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی مجرم۔“

(الأعراف: 130-133)

یہ نو نشانیاں دس احکام سے مختلف ہیں۔ بعض لوگوں نے ان دونوں معاملات کو غلط ملط کر دیا ہے جبکہ یہ الگ الگ ہیں۔

۵۔ فرعون کو دعوت کا حکم اور موسیٰ علیہ السلام کی التجا: یہاں جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ۖ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْضَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۖ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ۖ قَالَ سَنَسُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَجَعَلُ لَكُمَا صُلْحًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۖ بِأَلَيْسَ تَبْلِيغًا ۖ﴾

”اے پروردگار! میں ان سے ایک شخص میرے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے سو مجھے خوف ہے کہ وہ (کہیں) مجھ کو مار نہ ڈالیں اور ہارون (جو) میرا بھائی (ہے) اُس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے لہذا اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کر میری تصدیق کرے، مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔ (اللہ نے) فرمایا ہم تمہارے بھائی سے تمہارے بازو مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے۔ سو ہماری نشانیاں کے سبب وہ تم تک پہنچ نہ سکیں گے (اور) تم اور جنہوں نے تمہاری بیروی کی غالب رہو گے۔“ (القصاص: 33-35)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے جب ایک قحطی قتل ہو گیا تو آپ فرعون کے ظلم سے بچنے کے لیے مصر سے نکل گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی دشمن کے پاس جانے کا حکم دیا تو آپ نے فرمایا: ﴿رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ۖ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْضَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۖ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ۖ﴾ ”پروردگار! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا، اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے بھی قتل کر ڈالیں۔ اور میرا بھائی ہارون مجھ سے بہت زیادہ فصیح زبان والا ہے، تو اسے بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دے۔ مجھے تو خوف ہے کہ وہ سب مجھے جھٹلا دیں گے۔“ یعنی اسے میرا مددگار اور در پر مقرر فرمادے تاکہ تیرا پیغام ان لوگوں تک پہنچانے میں وہ میری مدد کرے اس لیے کہ وہ میری نسبت زیادہ فصاحت و بلاغت سے بات کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ درخواست قبول کرتے ہوئے فرمایا: ﴿سَنَسُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَجَعَلُ لَكُمَا صُلْحًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۖ﴾ ”ہم

جائیں۔ فرعون پھر بکبر کے جذبات غالب آ گئے۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا: ”کیا تو وہی نہیں جسے ہم نے اپنے گھر میں پالا اور طویل عمر تک تجھ سے حسن سلوک کرتے ہوئے اعانت کی بارش کیے رکھی؟“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس فرعون کے پاس سے آپ فرار ہوئے تھے، اسی کی طرف ہی بنا کر بھیجے گئے۔ اس کے برعکس اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ جس فرعون کے دور میں مصر سے نکل کر مدین تشریف لے گئے تھے، وہ آپ کے مدین میں مقیم ہونے کے دوران میں مر گیا تھا۔ اور نبوت ملنے کے بعد جس کے پاس گئے وہ اور فرعون تھا۔^①

﴿وَقَالَتْ فَذَلِكُنَّ الْبَنَىٰ فَلَمَّا دُفِنَتْ وَانْتَمَنَ الْكَافِرِينَ﴾ ”پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔“ یعنی تو نے قطعی آدمی کو قتل کیا اور ہمارے پاس سے بھاگ گیا اور ہمارے احسانات کا منکر ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿فَعَلَّمَهَا يٰۤاٰدَا وَاَنَا مِنَ الْغَافِلِينَ﴾ ”میں نے یہ کام اس وقت کیا تھا جب میں راہ بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا۔“ (الشعراء: 20/26) یعنی اس وقت مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ ﴿فَقَرَّرْتُ مِنْكُمْ لَنَآ خِفْتُمْ لَكُمْ فَهَبْ لِي رَبِّي عَلَيَّ وَصَلَّيْكَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ ”پھر تم سے خوف کھا کر میں تم سے بھاگ گیا۔ پھر مجھے میرے رب نے حکم (و علم) عطا فرمایا اور مجھے اپنے پیغمبروں میں سے کر دیا۔“ (الشعراء: 21/26)

پھر فرعون نے آپ پر پردوش اور حسن سلوک کا جو احسان بتلایا تھا، اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: ﴿وَالَيْكَ نِعْمَةٌ تَنْتَهِا عَنْكَ اَنْ عَصَيْتَ رَبِّي اِسْرَآءِيْلَ﴾ ”مجھ پر تیرا کیا مہربانی وہ احسان ہے جسے تو جتا رہا ہے کہ تو نے نبی اسرائیل کو ظلم نہ کر رکھا ہے؟“ (الشعراء: 22/26) یعنی تو نے مجھ کی فرد پر جو احسان کیا ہے، کیا تو اپنے اس ظلم کے مقابلے میں اس کا ذکر کر سکتا ہے کہ تو نے ایک پوری قوم کو ظلم نہ کیا، بنا کر اپنی خدمت میں لگا رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء کی مندرجہ ذیل آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ بیان فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۚ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ اِنْ كُنْتُمْ مُّوقِنِينَ ۚ قَالَ لِمَنْ حٰوِلَةٌ اَلَّا تَشْتَعِبُوْا ۚ قَالَتْ رَبُّنَا رَبُّ الْاَوَّلٰتِ ۚ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمْ الْبَنٰی اِسْرَآءِيْلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٍ ۚ قَالَ رَبُّ الْمَسْكُوْرِيْنَ اَلْغٰوِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ﴾

”فرعون نے کہا: رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم یقین رکھنے والے ہو فرعون نے اپنے ارد گرد والوں سے کہا: کیا تم سن نہیں رہے؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔ فرعون نے کہا: (لوگو! تمہارا یہ رسول بالکل کی کتاب خروج، باب: 2، فقرہ: 23 میں اس فرعون کے مرنے کا ذکر ہے جس کے دور حکومت میں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور باب: 3 میں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کا ذکر ہے۔

موسیٰ بن عمران تھے جنہوں نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے حق میں دعا کی تو ان کی طرف بھی وحی نازل ہونے لگی۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَّحْمَتِنَا اَخَاهُ هٰرُونَ نَبِيًّا﴾ ”ہم نے اپنی خاص مہربانی سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا فرمادیا۔“

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں

موسیٰ اور ہارون علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچ کر اسے دعوت توحید دیتے ہیں اور بنی اسرائیل پر ظلم و ستم بند کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جبکہ فرعون خمارت سے یہ بات ماننے سے انکار کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ تَاٰی رَبُّكَ مُوسٰی اِنْ اَتَيْتَ الْقَوْمَ الظَّٰلِمِيْنَ ۚ قَوْمٌ فِرْعَوْنُ ۚ اَلَا يَعْقِلُوْنَ ۚ قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَلِّمُوْنِیْ ۙ وَ یَضِلُّوْا صَدْرِیْ ۙ وَلَا یَبْطِیْقُوْا لِسٰنِیْ فَاَنْزِلْ اِلٰی هٰٓؤُنَّ ۙ وَ لَهُمْ عَلٰی ذٰلِكَ فَاخَافُ اَنْ یُّفْتَنُوْا ۙ قَالَ كَلَّا ۚ فَاِذْ هٰٓؤُنَّ بِاٰیٰتِنَا اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَعِيْنُوْنَ ۚ فَاٰتِیْنَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلًا ۙ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ اَنْ اَنْزِلَ مَعَنَا بَنٰی اِسْرَآءٰیْلَ ۙ قَالَ اَلَمْ نُرْكَبْ فِیْہَا وِلَدًا ۙ وَ لَبِثْتُ فِیْہَا مِنْ عَمْرِیْ سِنِیْنٍ ۙ وَ قَعَلْتَ فَعَلْتَك الْبَنٰی فَلَمَّا دُفِنْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكَٰفِرِیْنَ ۙ﴾

”اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ ظالم قوم کے پاس جا، قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ پرہیزگاری اختیار نہ کریں گے؟ موسیٰ نے کہا: میرے پروردگار! مجھے تو خوف ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے، میری زبان چل نہیں رہی، پس تو ہارون کی طرف بھی (وحی) بھیج، اور میرے ذمے ان کا ایک قصور بھی ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مارتے ڈالیں۔ باری تعالیٰ نے فرمایا: ہرگز ایسا نہ ہوگا! تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ، ہم تم کو سننے والے ہیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو: ”ہم بلاشبہ رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے۔ فرعون نے کہا: کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن میں اپنے نہیں پالا تھا؟ اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں نہیں گزارے؟ پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔“ (الشعراء: 19-10/26)

ان آیات کا مفہوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر اسے توحید کا پیغام دیں کہ وہ صرف اکیلے اللہ کی عبادت کرے جس کا کوئی شریک نہیں اور بنی اسرائیل کو اپنے قبضے اور تسلط سے آزاد کرے۔ وہ جہاں چاہیں جا کر اپنے رب کی عبادت کریں اور اس کی توحید پر کاربند رہتے ہوئے اس سے دعا و التماس میں مشغول ہو

پھر اسی برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم (اللہ) ہی پیدا کرتے ہیں۔ تم خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ! کچھ شک نہیں کہ اس میں عقل مندوں کے لیے بہت ہی نشانیاں ہیں۔ اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تم سب کو کھڑا کریں گے۔ (طہ: 54-59/20)

اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں بیان فرماتا ہے کہ اس نے خالق کا انکار کرتے ہوئے کہا: **قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَلَقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ** ”اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟“ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ”ہمارا رب وہ ہے، جس نے ہر چیز کو اس کی خاص شکل و صورت عطا فرمائی، پھر اہل ایمان کو، یعنی وہی ہے جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا، ان کے اعمال، رزق اور عمر کا فیصلہ فرمایا اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج کر لیا۔ پھر مخلوق کو وہ راستہ بھیجا جس کے لیے اسے پیدا کیا تھا“ چنانچہ اس کے اعمال اسی انداز سے ظاہر ہوئے جو اللہ کی تقدیر اور اس کے علم کے مطابق تھا اور یہ اس کے علم کا حل ہوئے کی دلیل ہے۔ اسی مضمون میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ الَّذِي خَلَقَ فَهْوَ ۖ وَالَّذِي قَدَّدَ هَقْدَىٰ ۖ﴾

”اپنے بلند مرتبہ مالک کے نام کی باریزگی بیان کر جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا“ اور جس نے (ٹھیک ٹھیک)

اندازہ کیا اور پھر راہ دکھائی۔“ (الاعلیٰ: 3-1/87)

اس نے کہا: **﴿فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ﴾** ”اگلے زمانے والوں کا کیا حال ہے؟“ یعنی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اگر تیرا رب ہی پیدا کرنے والا، تقدیر بنانے والا اور اس کے مطابق لوگوں کو راہ دکھانے والا ہے اور اس کی شان ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، پھر سابقہ دور کے لوگوں نے غیر اللہ کی پوجا کیوں کی؟ اور اس کے ساتھ ستاروں اور باطل معبودوں کیوں شریک کرتے رہے؟ مگر تشریح زمانوں کے لوگوں کو اس بات کی سمجھ کیوں نہ آئی جو تو ہمیں بتا رہا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: **﴿عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَىٰ﴾** ”ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے۔ میرا رب نہ تو غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔“ یعنی اگر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی پوجا کی ہے، تو یہ بات تیرے حق میں دلیل نہیں بنتی اور نہ اس سے میری بات غلط ثابت ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگ بھی تیری طرح جاہل تھے۔ ان کے تمام چھوٹے بڑے اعمال ان کے کردار میں درج ہیں میرا رب ان کا صحیح بدلہ دے گا۔ وہ کسی پروردگار پر برا بھی ظلم نہیں کرے گا کیونکہ بندوں کے تمام اعمال اس کے پاس کتاب میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔ میرا رب ان میں سے کوئی چیز نہیں بھولتا، نہ غلطی کرتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے اللہ کی عظمت بیان فرمائی کہ وہ تمام اشیاء پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس نے زمین کو بچھڑا اور آسمان کو کھنکھلاتے بنایا ہے۔ آسمانوں، مویں، پتھروں اور دوسرے جانوروں کے رزق کے لیے بادلوں اور بارشوں کو مسخر کر رکھا ہے۔ وہ فرماتا ہے: **﴿كُلُوا وَارْعَوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ﴾** ”تم خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں

”تم اس کے پاس جا کر کہو: ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں۔ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ ان کی سزائیں موقوف کر۔ ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے۔ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے، اس کے لیے عذاب ہے۔“ (طہ: 48/47/20)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس آ کر اسے اللہ کی طرف بلائیں اور اسے توحید کی دعوت دیں کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرے اور بنی اسرائیل کو قید و بند سے آزاد کرے ان کے ساتھ بھیج دے اور انہیں عذاب میں مبتلا نہ رکھے۔ **﴿قَدْ جَنَّكَ بَاطِلٌ مِّنَ الْبَاطِلِ﴾** ”ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے دلیل لے کر آئے ہیں۔“ وہ عظیم دلیل عصا اور بدھیشا کے معجزات ہیں۔ **﴿وَالسَّلَامُ عَلٰی هٰٓمِ الْفَتٰحِ الْهٰدٰی﴾** ”اور سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے۔“ یہ ایک مبلغ، عظیم اور مفید نکتہ ہے۔ پھر دونوں حضرات نے فرعون کو تکذیب کے برے نتیجے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: **﴿إِنَّا كُنَّا نُنْذِرُكَ أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ﴾** ”ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے اس کے لیے عذاب ہے۔“ یعنی دل سے تکذیب کرے اور بدن کے ساتھ عمل سے پہلو تہی کرے۔

فرعون پر اتمام حجت

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کئی دلائل سے دعوت دی مگر اس کا کفر نے سب کا انکار کر کے آپ کو جادوگر قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ مَحْنُكُمْ يُحَنَّاسُ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ حَلَقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۖ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۖ قَالَ عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَىٰ ۖ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا ۖ وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَخَازِنًا بِهِ ۖ أَنْزَلْنَا مِنْ سَمَاءٍ مَّائَاتٍ ۖ وَكُلُوا ۖ وَارْعَوْا أَنْفُسَكُمْ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ۖ وَمِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ ۖ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ ۖ وَفِيهَا نُعَذِّبُكُمْ ۖ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۖ﴾

”فرعون نے پوچھا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خاص شکل و صورت عطا فرمائی، پھر اہل ایمان کو، یعنی وہی ہے جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا، ان کے اعمال، رزق اور عمر کا فیصلہ فرمایا اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج کر لیا۔ پھر مخلوق کو وہ راستہ بھیجا جس کے لیے اسے پیدا کیا تھا“ چنانچہ اس کے اعمال اسی انداز سے ظاہر ہوئے جو اللہ کی تقدیر اور اس کے علم کے مطابق تھا اور یہ اس کے علم کا حل ہوئے کی دلیل ہے۔ اسی مضمون میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

اسی جیسا جادو ضرور لائیں گے، پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کر لے کہ نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں اور نہ تو، مصاف میدان میں مقابلہ ہو۔ موسیٰ نے جواب دیا: زینت اور جشن کے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھتے ہو جائیں۔“ (طہ: 56-59/20)

اللہ تعالیٰ فرعون کی بد نصیبی، جہالت اور حماقت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے اللہ کی آیات کو بھٹایا اور تکبر کی وجہ سے ان کو ماننے سے انکار کیا اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا: تو نے جو مجھے پریش کیے ہیں یہ جادو کے جھنڈے ہیں۔ ایسے شیعہوں کے ساتھ ہم بھی تیرا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ ایک دن مقابلے کا وقت مقرر کر لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود بھی یہی چاہتے تھے کہ سب لوگوں کے سامنے اللہ کی آیات، معجزات اور دلائل و براہین ظاہر کریں اس لیے آپ نے فرمایا: ﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ﴾ ”زینت اور جشن کے دن کا وعدہ ہے۔“ لیکن کہ ایک تہوار کا دن تھا جس میں وہ بیچ ہوتے (میلہ لگاتے اور خوش مناتے) تھے۔ ﴿وَأَن يُحْشَرَ النَّاسُ هُنَا﴾ ”اور یہ کہ لوگ دن چڑھتے ہو جائیں۔“ یعنی سے مراد دن کے شروع کا وہ وقت ہے جب دھوپ خوب نکل آئے۔ آپ نے یہ وقت اس لیے پسند فرمایا کہ حق خوب واضح اور ظاہر ہو جائے۔ آپ نے رات کے اندھیرے کا وقت منتخب نہیں فرمایا بلکہ یہ مطالبہ فرمایا کہ مقابلہ دن دہاڑے سر عام ہونا چاہیے کیونکہ آپ کو رب کی طرف سے علم و بصیرت کی بنیاد پر یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو اوروں کو سر بلند کرے گا، خواہ قبلی کا فرایز یا چوٹی کا زور لگالیں۔

﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ﴾ جادو گر آئے سننے، فرعون نے ملک بھر سے جادو گر جمع کیے انہیں انعامات کا لالچ دیا اور مقررہ دن موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں لے آیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقَالُوا يَوْمَئِذٍ لَّيْسَ بِشَيْءٍ مُّجْتَمِعٍ كَيْدُهُ ثُمَّ أَتَىٰ ۚ قَالَ لَهُمْ مُّوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَٰكُمُ الْيَوْمَ عَلٰٓى اٰلِهٰٓى كَيْدٌ ۚ فَيَسْجُدْكُمْ بِحَدِّ آٰيَةٍ ۚ وَكَذٰلِكَ نَحَابُ مِنَ الْاٰتِ ۚ فَلَمَّا اٰتٰهُمُ اٰمُرَهُمْ سَجْدُوْا لِلنَّجْوٰى ۚ قَالُوْٓا اِنْ هٰٓذِیْنَ اٰیٰتِیْہِیْمُنْ اَنْ یُّخْرِجُکُمْ مِنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِہِمْ اَوْ یَذٰہِبَ بِطَرِیْقَتِکُمْ الْبَشَرِ ۚ فَاجِیْعُوْا کَيْدَکُمْ ثُمَّ اٰتٰهُمُ صٰحٰۃً ۚ وَكَذٰلِكَ فَخٰلَجَ الْیَوْمَ مِنَ السَّجَنِ ۚ﴾

”پھر فرعون لوٹ گیا اور اپنے جھنڈے جمع کیے، پھر آگیا۔ موسیٰ نے ان سے کہا: تمہاری شامت آچکی، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افتراء نہ باندھو کہ وہ تمہیں کسی عذاب سے ملایا میت کر دے۔ (یاد رکھو!) اور کبھی کامیاب نہ ہوگا، جس نے جھوٹی بات گھڑی۔ پس یہ لوگ آپ کے مشوروں میں مختلف رائے ہو گئے اور چپ کر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے۔ اور کہنے لگے: یہ دونوں محض جادو گر ہیں اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں اور تمہارے بہترین مذہب کو بر باد کریں۔ تم بھی اپنی کوئی داؤد اٹھانہ رکھو، پھر صرف ہندی کر کے آؤ، جو آج غالب آ گیا وہی بازی لے گیا۔“ (طہ: 60-64/20)

کو بھی چراؤ۔ اس میں عقل مندوں کے لیے یقیناً نشانیاں موجود ہیں۔“ جو عقل سلیم اور فطرت سلیم کے مالک ہیں، وہ سمجھ لیتے ہیں کہ اللہ ہی رازق ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَعْبُدُوْا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ ۚ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۚ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَآءَ بَنَآءً ۚ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَخٰلَجَ بِہٖ مِنَ الشَّجَرِ اَنْۢبَاقًا لَّکُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِمِمْلَکِہٖۤ اٰۤاٰ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

”اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے، جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو کچھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی۔ (خبردار!) جاننے کے باوجود اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔“ (البقرہ: 22/21/2)

جب یہ ذکر ہوا کہ بارش سے زمین زندہ ہو جاتی ہے اور اس کی نباتات آگ کر لہلہاتے لگتی ہے، تب اس سے آخرت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿مِنْهَا خَلَقَکُمْ وَفِیْہَا نُعِیْدُکُمْ وَفِیْہَا نُخْرِجُکُمْ ۚ تَارَةً اٰخٰرٰی﴾ ”اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا، اسی میں لوٹائیں گے اور اسی میں سے دوبارہ تم سب کو نکال کر دیں گے۔“ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿کَمَا بَدَأَکُمْ تَعُوْدُوْنَ﴾ ”تم کو اللہ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا، اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔“ (الأعراف: 29/7/29)

اور فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَبْسُطُ الْوَالۡثِقَۃَ ثُمَّ یُعِیْدُہَا وَهُوَ اٰهَوٰنٌ عَلَیْہٖ ۚ وَلَہٗ الْبَسِیْلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝﴾

”وہی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان بہت بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔“ (الرہم: 27/30)

فرعون کا جادو گروں کے ذریعے مقابلے کا چیلنج

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاکُمْ اٰیٰتِنَا لَکُمْ اٰیٰتًا ۚ وَاٰتٰی ۚ قَالَ اٰجِئْتُنَا بِسِحْرٍ جَنّٰتٍ ۚ اَمْ اَرْضُنَا بِسِحْرِکَ یٰمُوسٰی ۚ فَلَمَّا اٰتٰیۤکَ بِسِحْرِہٖ قَبِلْہَا فَجَاعَلَ لِّیۡنِنَا وَیَبَّکَ مَوْعِدًا اَکْثَرَ خَلْفًا ۚ نَحْنُ وَاَکْثَرُ مَکٰنًا سَوٰی ۚ قَالَ مَوْعِدُکُمْ یَوْمَ الزَّيْنَةِ ۚ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ هُنَا ۚ﴾

”ہم نے اسے اپنی نشانیاں دکھا دیں پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا۔ کہنے لگا: اے موسیٰ! کیا تو اسی لیے آیا ہے کہ میں اپنے جادو کے زور سے تمہارے ملک سے باہر نکال دے۔ (اچھا) ہم بھی تیرے مقابلے میں

لوگوں کو جادو گروں کی رسیاں اور لاشعیاں دوڑتے ہوئے سانپ نظر آنے لگیں، اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قَالُوا يُمُوْسَى اِنَّمَا اَنْتَ نَجْوَى وَامَّا اَنْ تَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ اَلْفَى ۖ قَالَ بَلْ اَلْقَوْا ۚ فَاِذَا جِبَاہُمْ وَعَصِيہُمْ يَخْتَلِلُ الْيَدِیْنَ مِنْ سِحْرِہُمْ اِنِّہَا لَسَعٰی ۚ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِہٖ خِیْفَةُ مُّوْسٰی ۚ فَلَمَّا لَا تَخَفْ رَاَنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ۚ اَلَيْسَ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلَقَّفَ مَا صَنَعُوْا ۚ اِنِّہَا صَنَعُوْا کِیْدٌ سَیْرُطٌ وَلَا یَفْلِحُ السَّاجِدِ حِیْثُ اَتٰی ۙ﴾

”کہنے لگے: اے موسیٰ! یا تو تو پہلے ڈال یا ہم پہلے ڈالنے والے بن جائیں۔ جواب دیا کہ نہیں، تم ہی پہلے ڈالو۔ اچانک موسیٰ کو ان کے جادو کی وجہ سے یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں دوڑ بھاگ رہی ہیں لہذا موسیٰ نے اپنے دل ہی دل میں ڈر محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا: کچھ خوف نہ کر، یقیناً تو ہی غالب اور برتر رہے گا۔ اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے کہ وہ ان کی تمام کاریگری کو لنگھ جائے۔ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے، یہ صرف جادو گروں کے کرتب ہیں اور جادو گر کہیں سے بھی آئے، کامیاب نہیں ہوتا۔“ (طہ: 69-65/20)

جب جادو گر صرف بنا کر کھڑے ہو گئے اور ان کے سامنے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کھڑے ہوئے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ”آپ پہلے اپنا کام دکھائیں گے یا ہم دکھائیں؟“ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”بَلْ اَلْقَوْا“ ”تم ہی پہل کر دو۔“ انہوں نے رسیوں اور لاشعیوں میں پارہ وغیرہ بھر کر تھا تھا، یا اس قسم کا کوئی اور انتظام کر رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ رسیاں اور لاشعیاں حرکت کرتی تھیں اور دیکھنے والے کو یوں محسوس ہوتا تھا گویا وہ خود بخود حرکت کرتی ہیں۔ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں کو بخور کر کے انہیں خوف زدہ کر دیا۔ جب انہوں نے رسیاں اور لاشعیاں زمین پر پھینکیں تو کہا: ﴿یَعْرِضُوْنَ فِرْعَوْنَ رَاٰ کَانَ الْغٰلِبِیْنَ ۙ﴾ ”فرعون کے جاہ و حال کی قسم! ہم یقیناً غالب رہیں گے۔“ (الشعراء: 44/26)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا اَلْقَوْا سَخَّرَہُمْ اَعْيُنَ النَّاسِ وَاَسْتَرْہَبُوْہُمْ وَاَعٰوْا وَیُسْحِرُوْہُمْ عَظِیْمٌ ۙ﴾

”جب انہوں نے (جادو) ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھایا۔“ (الأعراف: 116/7)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِذَا جِبَاہُمْ وَعَصِیہُمْ یَخْتَلِلُ الْیَدِیْنَ مِنْ سِحْرِہُمْ اِنِّہَا لَسَعٰی ۚ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِہٖ خِیْفَةُ مُّوْسٰی ۙ﴾ ”اچانک موسیٰ کو ان کے جادو کی وجہ سے یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں دوڑ بھاگ رہی ہیں۔ لہذا موسیٰ نے اپنے دل ہی دل میں ڈر محسوس کیا۔“ (طہ: 66/20) یعنی عصا پھینکنے سے پہلے انہیں یہ خوف محسوس ہوا کہ لوگ ان کے جادو سے متاثر ہو جائیں گے جبکہ آپ حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ اس نازک وقت میں اللہ نے

ان آیات مبارک میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرعون نے ملک کے تمام جادو گروں کو جمع کر لیا۔ اس زمانے میں مصر میں بے شمار ایسے جادو گر موجود تھے جو اپنے فن میں بے مثال مہارت رکھتے تھے، چنانچہ ہر شہر سے اور ہر جگہ سے جادو گروں کو بلایا گیا تو جادو گروں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔

فرعون، اس کے وزیر، ملک کے عہدیدار اور شہر کے تمام افراد حاضر ہو گئے کیونکہ فرعون نے اعلان کر دیا تھا کہ اس اہم موقع پر سب حاضر ہوں۔ وہ یہ کہتے ہوئے جمع ہوئے: ﴿لَمَّا لَبِثَ لَیْلَتَا السَّحَرَةِ اِنْ کَانَ لَوْہُمُ الْغٰلِبِیْنَ ۙ﴾ ”اگر جادو گر غالب آجائیں تو شاید ہم ان ہی کی پیروی کریں۔“ (الشعراء: 40/26)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جادو گروں کی طرف بڑھے، انہیں وعظ و نصیحت فرمائی۔ انہیں جادو کے جھوٹے عمل سے منع فرمایا، جس کو اللہ کی آیت اور ہارون کے مقابلے میں پیش کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ﴿وَلَیْسَ لَہُمْ اَنْتُمْ وَاعِلُ الْاَلٰہِ لَکِنِّیْ فَاَسِحِّرْکُمْ بِعَذَابِ ۙ وَقَدْ خَابَ مِنْ اَفْثٰرِیْ ۙ فَکَانَ اَعْوٰی اَمْرُہُمْ بَیْنَہُمْ ۙ﴾ ”اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افتراء نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے لمبا بیٹ کر دے۔ (یاد رکھو!) وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا، جس نے جھوٹی بات گھڑی ہے۔ پس وہ لوگ آپس کے مشوروں میں مختلف رائے ہو گئے“ (طہ: 62-61/20) یعنی ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ کسی نے کہا: یہ تو نبی کا کلام ہے اور موسیٰ جادو گر نہیں۔ کسی نے کہا: بلکہ وہ جادو گر ہیں۔ (واللہ اعلم)

بہر حال انہوں نے چپکے چپکے اس طرح کی باتیں کیں اور کہا: ﴿اِنَّ ہٰذِیْنَ لَسٰجِدُوْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِنْ اَرْضَکُمْ بِسِحْرِہُمْ ۙ﴾ ”یہ دونوں شخص جادو گر ہیں اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں۔“ (طہ: 63/20) یعنی موسیٰ اور ہارون بہت بڑے ماہر جادو گر ہیں ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگ ان کے ساتھ مل جائیں اور لوگ بادشاہ اور ہارون پر ہملہ کر کے ملک پر قبضہ کر لیں اور تمہیں شتم کر دیں۔ اسی لیے ﴿فَاجْبَعُوْا کِیْدَکُمْ ثُمَّ اِنْتَوٰا صَفًّا ۙ وَکَانَ الْاٰخِرَ الْیَوْمَ مِنَ السَّعٰی ۙ﴾ ”تم بھی اپنا کوئی داؤ اٹھانا نہ رکھو، پھر صرف بندی کر کے آؤ۔ جو آج غالب آ گیا، وہی بازی لے گیا۔“ (طہ: 64/20) انہوں نے پہلی بات اس لیے کہی تھی کہ غور و فکر کے متفقہ طور پر اپنے تمام کفر و فرب سے کام لے کر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن ان کے سب منصوبے ناکام ہو گئے۔ بھلا جادو اور بہتان سے معجزات کا مقابلہ کیسے ممکن ہے؟ وہ تو اللہ ذوالجلال نے اپنے بندے اور رسول اکرم اللہ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر کیے تھے اور آپ کو ایسی برہان عطا فرمائی تھی جس سے آنکھیں خیرہ ہو جائیں اور ذہن جگر تھک کر رہ جائیں۔

انہوں نے کہا: ﴿فَاجْبَعُوْا کِیْدَکُمْ ثُمَّ اِنْتَوٰا صَفًّا ۙ﴾ ”تم بھی اپنا کوئی داؤ اٹھانا نہ رکھو، پھر صرف بندی کر کے آؤ،“ یعنی سب اکٹھے ہو کر مقابلہ کرو۔ انہوں نے ایک دوسرے کو پوشیدہ قدمی کی تلقین کی اور ایک دوسرے کی ہمت بڑھائی کیونکہ فرعون نے ان سے بڑے بڑے وعدے کر رکھے تھے۔ لیکن شیطانی وعدے تو دھوکا اور فرب ہی ہوتے ہیں۔

جادو گروں نے لوگوں کی نظر بندی کر دی: جادو گروں نے مقابلے کی ابتدا کی اور لوگوں کی نظر بند کر دی، لہذا

اعلان کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالِقُ السَّحَرَةُ سَجْدًا، قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَى، قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَلِيلًا اَنْ اَذِنَ لَكُمْ؟ اِنَّهٗ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِى عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ، فَلَا ظِعَنَ اِيْدِيكُمْ وَاَنْجَلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَاَكُوْا صَلْبَكُمْ فِيْ جُلْدٍ مِّنَ النَّعْلِ وَاَتَمَّكُم مِّنْ اَنْتَا اَشَدُّ عَآءًا وَاَنْفٰى، قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِكَ عَلٰى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِى فَطَرَنَا قَاطِئَ مَا اَنْتَ قَاطِئٌ اِلَيْنَا نَغْفِىْ هٰذِهِ الصِّغَرَةَ الدُّنْيَا، اِنَّا اَمَّا بِرَبِّنَا لِنَغْفِرَنَّكَ خَطِيئَتَا وَمَا اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ، وَاللهُ خَيْرٌ وَّاَنْفٰى، اِنَّهٗ مِنْ يَّاتٍ رَّكْبَةً مُّجْرِمًا قَاتِلًا لِّهٖ جَهَنَّمُ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى، وَمَنْ يَّاتِيْهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحٰتِ فَاتُوْلِكَ لَهُمُ الْكَافِرَةُ الْعُلٰى، جَنَّتٌ عَدْنٌ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا، وَذٰلِكَ جَزَاؤُا مَن تَزَكٰى﴾

”جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم بارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔ (فرعون) بولا: بیشک اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے۔ بیشک وہ تمہارا بڑا (استاد) ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے لٹکا دوں گا اور تمہیں سمجھو کہ تنوں پر سونے چڑھا دوں گا۔ اس وقت تم کو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے کس کا مذاب زیادہ خدہ خدہ اور دیرینہ رہنے والا ہے۔ انہوں نے کہا: جو دلائل ہمارے پاس آگے ہیں، اُن پر اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر ہم تجزیر کر رہے ہیں۔ ہرگز ترجیح نہیں دیں گے سو تجھے جو حکم دیتا ہے، دے دے اور تو جو حکم دے سکتا ہے وہ دنیا ہی کی زندگی میں (دے سکتا) ہے۔ ہر ایک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہمارے لٹکا ہوں کو معاف کرے اور (اُسے بھی) جو تو نے ہم سے زبردستی جادو کر دیا اور اللہ بھڑا باقی رہنے والا ہے۔ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گناہ گار ہو کر آئے گا تو اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا اور نہ جیے گا اور جو اس کے زور و ایماندار ہو کر آئے گا اور اس نے عمل بھی نیک کیے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لیے اونچے اونچے درجے ہیں (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہا رہی ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اُس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہوا۔“ (ہطہ: 76-70/20)

مفسرین فرماتے ہیں: جب جادوگروں نے سجدہ کیا تو انہیں جنت کے محلات نظر آئے جو ان کے لیے عرش کیے اور سچے ستارے جا رہے تھے، اس لیے ان پر فرعون کی جھمکنیاں کوئی اثر نہ ہوا۔

جب فرعون نے دیکھا کہ یہ جادوگر مسلمان ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے عوام کی نظروں میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام کی قدرومنزلت میں بیش بہا اضافہ ہو گیا ہے تو وہ گھبرا گیا اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا چنانچہ اس نے اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے مکر و فریب کا سہارا لیا اور لوگوں کے سامنے جادوگروں کو مخاطب کر کے کہا: ﴿اَمَنْتُمْ لَهُ قَلِيلًا اَنْ اَذِنَ لَكُمْ﴾ ”کیا میری

دی فرمائی: ﴿لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَخْلٰى﴾ ”وَالَيْكَ مَا فِىْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا رِثٰىا سَعَوْا كَيْدٌ سَجِيْدٌ وَلَا يَفْلِحُ السَّآءِرُ حَيْثُ اَتٰى“ ”کچھ خوف نہ کر، یقیناً تو ہی غالب رہے گا اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے کہ وہ ان کی تمام کارنامی گری کو کھل جائے۔ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے، یہ سب جادوگروں کے کرب ہیں اور جادوگر کہیں سے بھی آئے گا کامیاب نہیں ہوتا۔“ (ہطہ: 69-68/20) اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا اور فرمایا: ﴿مَا جِئْتُمْ بِهٖ السِّحْرِ اِنْ اَللّٰهُ سَيَبْطِلُہٗ اِنْ اَللّٰهُ لَا يَفْصِلُ عَمَلِ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ ”وَيَحْيِیْ اللّٰهُ الْحَقُّ بِحُكْمِہٖ وَكَوْكِہٖ الْحَجَرِ مُوْنٌ“

”یہ جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ اس کو بھی دیرم برہم کر دے گا۔ اللہ ایسے فساد یوں کا کام بننے نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ حق کو اپنے فرمان سے ثابت کر دیتا ہے گو مجرم کیسی ہی ناگوار جائیں۔“ (یونس: 82/10)

جادوگروں کی شکست اور قبول اسلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو اس نے زبردست اثر دے کر شکل اختیار کر لی اور جادوگروں کی تمام رسیاں لٹک گیا۔ یہ مچھوڑ دیکھ کر جادوگر فوراً مسلمان ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَوْحٰیٓ اِلٰی مُوسٰی اَنْ اَتٰی عَمَّآکَ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفٰکُوْنَ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۚ فَنَلٰکُمُ الْهٰٓتِلَکَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۚ وَالْحَقُّ السَّحَرَةُ سَجِدٰیْنَ ۚ قَالُوْا اَمَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ رَبِّ مُوسٰی وَهَارُوْنَ﴾

”اور ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ اپنا عصا ڈال دیجیے۔ اچانک اس نے ان کے سینے بنائے۔ تکمیل کو لگنا شروع کر دیا۔ یوں حق ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا تھا سب جاتا رہا۔ پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہو کر پھرنے لگے اور وہ جو سارے تھے سجدے میں گر گئے۔ کہنے لگے: ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔“ (الاعراف: 122-117/7)

متعدد علمائے کرام نے ذکر کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو وہ ایک بہت بڑا سانپ بن گیا جس کے پاؤں بھی تھے، بہت بڑی گردن اور خوفناک شکل تھی۔ لوگ اسے دیکھ کر چیخے بٹے اور بھاگنے لگے۔ وہ ان کی تھمکی ہوئی رسیوں اور لاشوں کی طرف آیا اور بہت تیزی سے ایک ایک کر کے انہیں نٹھے لگا۔ لوگ دیکھ کر کچھ کرکے رہ گئے۔ رے جادوگر، تو وہ یہ صورت حال دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ان کے سامنے ایک ایسی حقیقت آگئی تھی جس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ چیز ان کے کرفوں سے ماورات تھی تب وہ اپنے علمی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ جادو یا شعبہ نہیں، نہ دہم و خیال ہے بلکہ یہ حق ہے جو صرف حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے غفلت کا پردہ ہٹا دیا اور انہیں ہدایت کی روشنی سے منور کر دیا۔ ان کے دلوں کی سختی دور ہو کر اللہ کی طرف توجہ حاصل ہو گئی، چنانچہ وہ سجدے میں گر گئے۔ انہوں نے کسی سزا یا آزار میں کا خوف نہ رکھتے ہوئے سب کے سامنے موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لانے کا

فَعْبُوا هَٰؤُلَاءِ وَاتَّقُوا صُغِيرَيْنِ ۖ وَالْأَيْ السَّحَرَةَ سَجِدَيْنِ ۖ قَالُوا أَمَّا يَرْبُ الْعَلِيِّينَ ۖ رَبُّ مُوسَى وَهَارُونَ ۖ قَالَ فِرْعَوْنُ اأَنْتُمْ بِهِ قَبِلَ أَنْ أَذِنَ لَكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَبَكْرٌ مَكْرُمُوهٌ فِي الْمَدِينَةِ يُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ لَا تَخَفْنَ أَيُّدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ لَكُمْ ۖ لَأَكْبِلَنَّكُمْ أَجْعِبِينَ ۖ قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۖ وَمَا نَنْقِمُ مِنْكَ إِلَّا أَنْ أَمَّا بَالِيَتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَنَا ۖ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۖ ﴿٤٠٦﴾

”پھر ان جیغیروں کے بعد ہم نے موسیٰ کو نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کے پاس بھیجا تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا“ سودیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ اور موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون! میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ مجھ پر واجب ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں لہٰذا اپنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کی رخصت دو۔ فرعون نے کہا کہ تم جو نشانی لے کر آئے ہو اگر سچے ہو تو لاؤ (دکھائو) وہ نشانی۔ موسیٰ نے اپنی لاٹھی (زین پر) ڈال دی وہ اسی وقت صرغ اُڑا دی (بن گئی) اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کی نگاہوں میں سفید براق (تھا) پھر قوم فرعون میں جو سردار تھے وہ کہنے لگے کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ اس کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ بھلا تمہاری کیا صلاح ہے؟ انہوں نے (فرعون سے) کہا کہ فی الحال موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملے کو نظر انداز کیجیے اور شہروں میں نقیب روانہ کر دیجیے کہ تمام ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور جادوگر فرعون کے پاس آچھپے اور کہنے لگے کہ ہم جیت گئے تو کیا ہمیں صلہ عطا کیا جائے گا؟ (فرعون نے) کہا: ہاں (ضرور) اور (اس کے علاوہ) تم مقربوں میں داخل کر لیے جاؤ گے (جب فریقین روز مقرر پر جمع ہوئے تو) جادوگروں نے کہا کہ موسیٰ! یا تو تم (جادو کی چیز) ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں (موسیٰ نے) کہا تم ہی ڈالو۔ جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنانا کر) انہیں ڈرا دیا اور بڑا بھاری جادو دکھایا۔ (اس وقت) ہم نے موسیٰ کی طرف دیکھی کہ تم بھی اپنی لاٹھی ڈال دو وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو (ایک ایک کر کے) گلل جاتے گئے۔ تو (پھر) حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ فرعون کرتے تھے باطل ہو گیا اور وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر رہ گئے۔ (یہ) کیفیت دیکھ کر جادوگر جہدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم جہان کے پروردگار پر ایمان لائے (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر فرعون نے کہا کہ چیخو اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے؟ چیخک یہ فریب ہے جو تم نے شہر میں دکھایا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو مگر سب (اس کا نتیجہ) معلوم کرلو گے۔ میں (پہلے تو) تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کو اودوں کا پھرتا سب کو سولی پر

اجازت سے پہلے ہی تم اس پر ایمان لے آئے؟“ تم نے میری رعیت کے سامنے اتنے ہمایاں جرم کا ارتکاب کیا اور مجھ سے پوچھا بھی نہیں۔ پھر وہ بہت گر جا، برسا، بہت دھمکیاں دیں اور سفید جھوٹ بولتے ہوئے کہا: **إِنَّهُ لَكَيْدٌ كَرِيمٌ الَّذِي عَلَيَكُمْ الْبَيْعُ** ”یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے۔“

جیسے دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ اس نے کہا:

﴿إِنَّ هَٰذَا لَبَكْرٌ مَكْرُمُوهٌ فِي الْمَدِينَةِ يُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ ﴿٤٠٧﴾

”بے شک یہ سازش تھی جس پر تم نے اس شہر میں گیل کیا ہے تاکہ تم سب اس شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سو اب تم کو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔“ (الأعراف: 123/7)

اس کی یہ بات سراسر بہتان ہے اور ہر عقل مند پر واضح ہے کہ اس میں جھوٹ اور ہڈیاں ہیں۔ اس پر تو وہ بھی یقین نہیں کر سکتا جو بالکل نادان ہے کیونکہ اس کے ملک کے لوگ بلکہ دوسرے بھی جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کی زندگی میں ایک بار بھی ملاقات نہیں ہوئی، تو آپ ان کو جادو سکھانے والے کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو جمع نہیں کیا نہ آپ کو ان کے قمع ہونے کی خبر تھی بلکہ فرعون نے انہیں خود بلایا تھا اور انہیں دورزدیک سے، مصر کے اطراف و اکناف سے، شہروں سے اور دیہات سے حاضر کیا تھا۔

جادوگروں کو فرعون کی دھمکیاں: سارے عوام کے سامنے فرعون کو زبردست ہیبت کا مزہ چکھتا ہوا جبکہ اس کے بالائے ہوئے جادوگر مسلمان ہو گئے تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا اور مسلمانوں کو شہید سزا کی دھمکیاں دینے لگا۔ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۖ ۖ قَالَ مُوسَىٰ يَفِرُّوْنَ إِلَىٰ رَسُولٍ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَىٰ اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ ۖ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَاتٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَآتِ بِهَا ۖ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ۖ فَاتْلُ عَصَاكَ ۖ فَإِذَا هِيَ تَمُوتُ تَمِيمِينَ ۖ وَتَخْرُجُ يَدَاكَ فَإِذَا هِيَ مِصْبَاطٌ مُنِيرِينَ ۖ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَجْرٌ عَلَيْكُمْ ۖ يُؤَيِّدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۖ قَالُوا أَرْجُوهُ وَخَافَهُ وَآرْسِلْ إِلَى الْمَدَائِنِ خَشِيرِينَ ۖ يَأْتُواكَ بِكُلِّ سَجْرٍ عَلَيْهِ ۖ جَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَكَجْرًا ۖ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْعَلِيُّونَ ۖ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَكَبِيرُونَ الْمُتَقَرِّبِينَ ۖ قَالُوا يَمُوتُ رِجْلًا وَنُفْلِي وَرِجْلًا ۖ وَإِنَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُتَقَرِّبِينَ ۖ قَالَ أَلْقُوا ۖ فَأَلْقَوْا سَحَرَهُمْ أَغْنَىٰ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءَهُ بِسَجَرٍ عَظِيمٍ ۖ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۖ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ

فَجِئَ السَّحَرَةُ لِبُيُوتَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۖ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَبِعُونَ ۚ لَعَلَّكُمْ تَتَّبِعُونَ السَّحَرَةَ
 إِنَّ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۖ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَإِنَّا لَمَّا كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۖ
 قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَكِن مَن مَّزِيدِينَ ۚ قَالَ لَهُمْ مَوْسَى أَفَلَا تُؤْمِنُونَ ۚ قَالُوا قَدْ جَاءَهُمْ
 وَعَصِيَّتُهُمْ وَقَالُوا بِعِدَّةِ يَوْمَئِذٍ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۚ قَالَ لَهُمْ مَوْسَى عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا
 يَأْفِكُونَ ۚ فَالْقَى السَّحَرَةُ سِحْرَ مُوسَى ۚ وَقَالَ لَهُمْ مَوْسَى هُتُونَ ۚ وَقَالَ
 أَمُنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۚ إِنَّهُ لَكِيدٌ لَهُمُ الْاِتِّبَاعُ ۚ عَلِمْتُمْ سِحْرَهُمْ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَا تَقْصِرْ
 كَيْدَهُمْ وَأَجْلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصَلَيْتُكُمْ أَجْمَعِينَ ۚ قَالُوا لَا صَبْرَ لَنَا إِلَّا أَلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۚ
 إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا إِنَّ كُنَّا أَكْثَرَ الْظَالِمِينَ ۖ

”(فرعون نے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کروں گا۔ (موسیٰ نے) کہا: خواہ میں آپ کے پاس روشن چیز یعنی مجرہ ڈالوں تو بھی؟ فرعون نے کہا: اگر سچے ہو تو اسے لاؤ! (دکھاؤ!) پس انہوں نے اپنی لامچی ڈالی تو وہ اسی صریح اثر دبا بن گئی اور اپنا ہاتھ گریبان سے نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کو سفید (براق نظر آنے) لگا۔ فرعون نے اپنے ارد گرد سرداروں سے کہا کہ یہ کمال فن جادوگر ہے۔ چاہتا ہے کہ تم کو اپنے جادو (کے زور) سے تمہارے ملک سے نکال دے۔ سو تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ اُسے اور اس کے بھائی (کے بارے) میں کچھ تو سمجھ لیجیے اور مشروں میں ہر کارے بھیج دیجیے کہ تمام ماہر جادوگروں کو (مجمع کر کے) آپ کے پاس لے آئیں۔ سو جادوگر ایک مقرر دن کی عیاد پر جمع ہو گئے اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ تم (سب) کو اکٹھے ہو کر جانا چاہئے تاکہ اگر جادوگر غالب رہیں تو ہم ان کے پیرو ہو جائیں۔ جب جادوگر آگئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو تمہیں صلیبی ملے گا؟ فرعون نے کہا: ہاں اور تم مقربوں میں داخل کر لیے جاؤ گے۔ موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو چیز ڈالنا چاہتے ہو ڈالو سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم! ہم ضرور غالب ہوں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنی لامچی ڈالی تو وہ ان چیزوں کو جو جادوگروں نے بنائی تھیں، یکایک لٹکے لگی۔ تب جادوگر کعبہ سے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم تمام جہان کے مالک پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا: کیا اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں، تم اس پر ایمان لے آئے؟ یہ شک ہے تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے لہذا عترتِ رب تم (اس کا انجام) معلوم کر لو گے کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں اطراف متخالف سے کنو ادوں گا اور تم سب کو موسیٰ چڑھا دوں گا۔ انہوں نے کہا: کچھ نقصان (کی بات) نہیں! ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ بخش دے گا۔ اسی لیے ہم ازل ایمان لانے والوں میں ہیں۔“ (الشعراء: 51-29/26)

چڑھا دوں گا۔ وہ بولے کہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اور اس کے سوا کچھ کو ہماری کون سی بات بری لگی ہے کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے پروردگار! ہم پر برسرِ استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں مارنا تو بطور مسلمان مارنا۔“ (الأعراف: 126-103/7)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ثُمَّ بَدَعْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مَوْسَى وَهَارُونَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَأَسَكَبُوا بِآيَاتِنَا فَاكْتَدَبُوا كَانُوا أَقْوَمًا
 مُّجْتَبِعِينَ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا السِّحْرُ قَوْمِي ۖ قَالَ مَوْسَى أَتَقُولُونَ
 لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ أَسِحْرُ هَذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّجُّونَ ۖ قَالُوا كُفُّوا عَنَّا وَجِدْنَا عَلَيْكُمْ آيَاءَنَا
 وَكُنْتُمْ لَكُمُ الْكِبْرِيَاءَ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ۚ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِحُلٍّ سِحْرِ
 عَلَيْهِمْ ۖ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مَوْسَى أَفَلَا تُؤْمِنُونَ ۚ فَلَمَّا قَالُوا قَالِ مَوْسَى مَا
 جِئْتُكُمْ بِالسِّحْرِ إِنَّا اللَّهُ سَيِّدُكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَصْلِحُ عَنْكَ الْفَاسِدِينَ ۚ وَيُحْيِي اللَّهُ الْحَقَّ
 بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۖ﴾

”پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے ٹکڑے کرکے اور وہ گناہ گار لوگ تھے۔ سو جب ان کے پاس ہمارے ہاں سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا تم حق کے بارے میں جبکہ وہ تمہارے پاس آیا ہے یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاں نہیں پاتے۔ وہ بولے: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ جس (راہ) پر ہم اپنے باپ دادا کو پاتے رہے اُن سے ہم کو پیچیدہ اور اس ملک میں تم دونوں ہی کی سرداری ہو جائے؟ اور تم ہم پر ایمان لانے والے نہیں۔ اور فرعون نے کہا کہ سب ماہر و کمال جادوگروں کو ہمارے پاس لے آؤ! جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو تم ڈالنا چاہتے ہو ڈال دو۔ جب انہوں نے (اپنی رسیاں اور لٹھیاں) ڈالیں تو موسیٰ نے کہا کہ جو چیزیں تم (بنا کر) لائے ہو جادو ہے اللہ اس کو بھی نیست و نابود کر دے گا۔ اللہ شریوں کے کام سنوارائیں کرتا اور اللہ اپنے حکم سے سچ کو سچ ہی کر دکھائے گا اگرچہ گناہ گار برائی ماںیں۔“ (یونس: 82-75/10)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿قَالَ لَئِنْ اتَّخَذْتَ إِلَّاهًا غَيْرِي لَأَكْفِتَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُفُّتُ عَنْ عِبَادَتِي ۖ قَوْمِي ۖ قَالَ
 قَاتِلْهُ يَا أَبْنَاءَ اللَّهِ إِنَّ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ ۚ فَالْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثَلَاثُ حَنَافٍ وَقَامَتْ يَدُهَا
 بَنَاءً لِلظُّلُمِ ۚ قَالَ لِمَلِكًا حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا السِّحْرُ عَلَيْكُمْ ۖ يُؤَيِّدُ بَآيَاتِهِ يُخَوِّجُكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ
 فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۚ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْعُفْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِيَتَهُ ۚ يَأْتُواكَ بِكُلِّ سَحَابٍ عَلَيْهِ

لائے ہیں اور رب کے احکام کو تسلیم کیا ہے۔ ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الدَّيْتِ الَّتِي نَدِينُكَ﴾ ”اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان فرما!“ یہ سرکش، ظالم، یہ سنگ دل حاکم، بلکہ لعنتی شیطان ہمیں جن مصائب میں مبتلا کر رہا ہے، ہمیں ان میں ثابت قدمی عطا فرما۔ ﴿وَتَوَقَّأَ مَسِيرَينَ﴾ ”اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔“ (الاعراف: 126/7)

ان لوگوں نے فرعون کو نصیحت کرتے ہوئے اور رب کے عذاب سے ڈراتے ہوئے کہا: ﴿إِنَّكَ مَنْ يَأْتِ رَبَّكَ مَجْهُرًا فَإِنَّمَا يَذْكُرُ لَكَ سِرًّا وَلَا يُخَبِّرُكَ بِغَيْبَاتِهِ﴾ ”بات یہی ہے کہ جو بھی گناہ گار بن کر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوگا، اس کے لیے دو رخ ہے، جہاں نہ موت ہوگی، نہ زندگی۔“ (طہ: 74/20) اسی لیے ایسے لوگوں میں شامل نہ ہو۔ لیکن وہ انہی میں سے ہو کر باہر۔ ﴿وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْتَمَرًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَاتُوبَ لَهُ إِنَّهُ يَدْرَأُكَ الْغُلَىٰ﴾ ”جَنَّتْ عَذَنُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِيدِينَ فِيهَا“ ﴿وَذَلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى﴾ ”اور جو بھی اس کے پاس ایمان دار ہو کر حاضر ہوگا اور اس نے اعمال بھی یکے یکے ہوں گے اس کے لیے بلند والا درجے ہیں اور ابھی جنتیں جن کے نیچے نہیں ہیں۔ رہی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“ (طہ: 76.75/20) کوشش کر کہو تو بھی ایسے لوگوں میں شامل ہو جائے۔ لیکن اللہ کی طرف سے یہ فیصلہ طے ہو چکا تھا کہ فرعون جہنمی ہے جسے جہنم کے سب عذاب بھگتنے ہیں۔

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون نے ان مومنوں کو سزا میں دین اور سولی پر لٹکایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: ”صبح کے وقت وہ جا دو گرتے، شام ہوئی تو ادا کیا، وہ شہداء میں شامل ہو چکے تھے۔“ ﴿اس کی تائید ان کی اس دعا سے بھی ہوتی ہے۔ ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الدَّيْتِ الَّتِي نَدِينُكَ﴾ ”اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔“ (الاعراف: 125/7)

❖ دربار یوں کا کفر و عناد: جب یہ عظیم واقعہ پیش آیا جو فرعون یوں کے لیے ایک ناقابل برداشت حادثہ تھا کیونکہ قبلی مویٰ لیلۃ سے گت کھا گئے اور جن جا دو گروں کو وہ اپنی مدد کے لیے لائے تھے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر آپ کے ساتھی بن گئے تو اسے فرعون یوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ کفر و عناد میں مزید سخت ہو کر قہق سے اور بھی دور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اعراف میں فرمایا:

﴿وَقَالَ الْبَلَاءُ مِنَ قَوْمٍ ذُفِرُونَ أَتَدْرُقُونِ قَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَذِكْرُكَ وَالْهَتَاكَ قَالَ سَأَقْبِلُ أِبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَعْبِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ﴾ ﴿قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْآخِرَةُ لِلْأُولَئِينَ﴾ ﴿قَالُوا وَوَدِدْنَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوُّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾

الفرعون فرعون نے جھوٹ اور کفر کا ارتکاب کرتے ہوئے کہا: ﴿إِنَّكَ لَمَكِيدٌ مَكْرٍ﴾ ”تو تو بہتر ہے، جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔“ اور ابراہیم بتانا لگا، جس کو سب جہان والے جانتے تھے کہ یہ بہتان ہے پھر اس نے دھمکتے ہوئے کہا: ﴿لَا تَقْصِرْ يَدَيكَ وَاتَّكِلْ مِنْ جِلَافٍ وَلَا تَصْلِبْ لَكُمْ أَصْبُعِينَ﴾ ”تمہیں ہمارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کا تھکنا دوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر لٹکوا دوں گا۔“ (الشعراء: 49/26) تاکہ رعیت کا کوئی اور فرد اور اس کے مذہب کا کوئی شخص ایسی جرأت نہ کرے۔ اسی لیے اس نے کہا: ﴿وَأَوَّصَلْنَاكَ فِي جِدَارِ الْعُلَىٰ﴾ ”میں تم سب کو مجھ کے تنوں میں سولی پر لٹکوا دوں گا۔“ (طہ: 71/20) کیونکہ وہ زیادہ اونچے ہوتے ہیں اور دور سے نظر آتے ہیں۔ ﴿وَتَعْلَمُونَ أَنَّكَ عَدَاوَا بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ ”اور تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ تم میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔“ (طہ: 71/20)

انہوں نے کہا ﴿لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَهِتِ﴾ ”یہ ممکن ہے کہ ہم تجھے ان دلیلوں پر ترجیح دیں جو ہمارے سامنے آ جائیں۔“ (طہ: 72/20) یعنی ہم ہرگز تیری بات نہیں مانیں گے اور ہمارے دلوں میں جو واضح دلائل گھر گھر پکے ہیں، انہیں ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ اور اللہ پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، تجھے ترجیح نہیں دیں گے یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے کہا: ﴿وَالَّذِينَ فَطَرْنَا﴾ ”قسم ہے اللہ کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔“ ﴿فَافْضِ مَا آتَتْ قَاضٍ﴾ ”اب تو جو کچھ کرنے والا ہے کر گزرنے۔“ (طہ: 72/20) یعنی جو کچھ تجھے ہو سکتا ہے کر لے۔ ﴿إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَبْوَ الدُّنْيَا﴾ ”تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے، وہ اسی دنیوی زندگی میں ہی ہے۔“ (طہ: 73/20) یعنی جب ہم اس دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی زندگی میں پہنچ جائیں گے تو وہاں ہم پر تیرا حکم نہیں چلے گا۔ بلکہ وہاں اسی کی فرماں روائی ہوگی جس کے لیے ہم اسلام لائے ہیں اور جس کے لیے رسولوں کی بیرونی اختیار کی ہے۔ ﴿إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِنُغْفِرَ لَنَا خَطِيئَاتِنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ الْبَحْرِ وَاللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْغَىٰ﴾ ”ہم (امید سے) اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں کہ وہ ہماری خطائیں معاف کر دے اور (خاص کر) جادوگری (کا گناہ) جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے۔ اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔“ (طہ: 73/20) یعنی اس کا ثواب بہتر ہے ان انعامات اور عہدوں سے جن کا تو ہمیں لالچ دیتا ہے۔ اس کے انعامات اس فانی جہان کے مقابلے میں بہت باقی رہنے والے ہیں۔

انہوں نے کہا: ﴿لَا خَيْرَ لَنَا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ﴾ ﴿إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا﴾ ﴿إِنَّا كُنَّا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”کوئی حرج نہیں، ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اسی بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے ہیں، ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہماری سب خطائیں معاف فرمادے گا۔“ (الشعراء: 50-51/26) انہوں نے کہا: ﴿وَمَا تَنْقُضُ مِمَّا لَكَ أَنْ أَمَّا بِلَا رَبِّنَا لَنَأْتِيَنَّكَ﴾ ”تو نے ہم میں کون سا عیب دیکھا ہے بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کی آیات پر ایمان لے آئے، جب وہ ہمارے پاس آئیں۔“ یعنی ہمارا جرم یہی ہے کہ ہم رسول کے لائے ہوئے دین پر ایمان

”اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو ایسی پر توکل کرو، اگر تم مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کی: ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا“ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالموں کا فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ان کا فر لوگوں سے ہمیں نجات دے۔“ (یونس: 84-86)

انہوں نے کہا: ﴿أَوَدِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَوَدَيْنَا مَا جِئْتَنَا﴾ ”ہم تو ہمیشہ معصیت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی ہمارے بچے قتل کیے جاتے تھے اور اب بھی یہی صورت حال ہے۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿عَلَىٰ رَيْكَ أَنْ يَهْلِكَ عَدُوُّكَ وَيَسْتَخْلِفَ لَكَ فِي الْأَرْضِ فَنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾ ”بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنادے گا۔ پھر تمہارا طرز عمل دیکھے گا۔“

سورہ مؤمنین میں ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۖ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَ هٰٓؤُنَا فَكَاوَرُوْنَ ۚ فَعَاوَلُوْا سِحْرَ كَذٰٓبٍ ۝۶﴾

”ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا فرعون، ہامان اور قارون کی طرف“ سو انہوں نے کہا یہ تو جادو گر اور بہت جھوٹا ہے۔“ (المؤمن: 24-23/40)

فرعون بادشاہ تھا ہامان اس کا وزیر۔ قارون بنی اسرائیل میں سے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا لیکن وہ فرعون اور اس کے درباریوں کا ہم مذہب تھا اور اس کے پاس بہت زیادہ مال و دولت تھا۔ اس کا واقعہ بعد میں بیان ہوگا۔ (ان شاء اللہ) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا اٰبَاءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ خَلَلٍ ۝۶﴾

”پس جب ان کے پاس (موسیٰ) ہماری طرف سے (دین) حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا: اس کے ساتھ جو ایمان والے ہیں، ان کے لڑکوں کو تو مار ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو اور کافروں کی جو حیلہ سازی ہے، وہ غلطی ہی میں ہے۔“ (المؤمن: 25/40)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد لڑکوں کو قتل کرنے کا یہ حکم بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔ اور یہ مقصد بھی تھا کہ بنی اسرائیل کو طاقت حاصل نہ ہو جائے جس کی بنا پر وہ اپنا دفاع کر سکیں اور قبطیوں پر حملہ آور ہوں۔ قبطیوں کو جس چیز کا خطرہ تھا، اس تدبیر سے اس کا کچھ بچاؤ نہ ہو سکا اور اللہ کی تقدیر واقع ہو کر رہی کیونکہ اللہ جب کسی چیز کی بابت کہتا ہے کہ ہو یا تو وہ ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا: کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو بڑک کیے رہیں؟ فرعون نے کہا: ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر ہر طرح کا زور حاصل ہے۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو۔ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ مالک بنادے اور انہیں کراماتی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ قوم کے لوگ کہنے لگے: ہم تو ہمیشہ معصیت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ موسیٰ نے فرمایا: بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنادے گا، پھر تمہارا طرز عمل دیکھے گا۔“ (الأعراف: 129-127/7)

اللہ تعالیٰ فرعون کی قوم کے سرداروں کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے کہ انہوں نے فرعون کو اس بات کی ترغیب دی کہ اللہ کے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کٹیفیں دے اور آپ کی لائی ہوئی چیز شریعت کا انکار اور اس کی تردید کرے۔

انہوں نے کہا: ﴿اَتَدْعُوْا مُوسٰى وَ قَوْمَهُ لِيُخْلِفُوْا فِيْ الْاَرْضِ وَ يَذْكُرُكَ وَ اِلٰهَتَكَ﴾ ”کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں؟“ اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو بڑک کیے رہیں! ان کا مطلب یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جو ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور دوسروں کی عبادت سے منع کرتے ہیں، قبطیوں کے خیال میں فساد تھا۔ اس لفظ کی ایک قراءت یوں ہے: ﴿وَيَذْكُرُكَ وَ اِلٰهَتَكَ﴾ ”یعنی وہ تجھے اور تیری عبادت کو چھوڑے رہیں۔“ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک یہ ہے کہ تیرے مذہب کو چھوڑ دے۔ دوسرا یہ کہ تیری عبادت نہ کریں کیونکہ وہ خود معبود ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ فرعون نے کہا: ﴿سَتَقْبِلُ اٰتْيَاَهُمْ وَ تَسْتَجِيْ نِسَاءَهُمْ﴾ ”ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے۔“ تاکہ ان میں جنگ کے قابل مردوں کی تعداد زیادہ نہ ہو جائے ﴿وَ اِنَّا فَكَاوَرُهُمْ فَهَلْ يُنْجُوْنَ﴾ ”اور ہم ان پر غالب ہیں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: ﴿اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا﴾ ”اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو۔“ یعنی جب وہ چہیں لکھیں دیں تو رب سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُفْهَرُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَ الْعَالِيَةُ لِلّٰهِ اَعْيُنٌ﴾ ”زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وہ مالک بنادے اور انہیں کراماتی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔“ یعنی تم مفتی بن جاؤ تو تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے گی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَهَلْيَا تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۚ فَكَاوَرُوْا عَلَى الْاٰلِهَةِ تَوَكَّلُوْا ۚ رَكَبْنَا لَتَجْعَلُنَا فِتْنَةً لِّقَوْمٍ الظّٰلِمِيْنَ ۚ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝۶﴾

تو تم پر آپڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی رہبری نہیں کرتا جو حد سے گزر جائے والا اور جھوٹا ہو۔ اسے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ اس زمین پر تم غائب ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟ فرعون بولا: میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود کبیرہ ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتا رہا ہوں۔“

(المومن: 28-29)

یہ شخص فرعون کا چچا زاد تھا۔ وہ اپنی قوم کے ڈر سے اپنے ایمان کو خفیہ رکھتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا لیکن یہ بات درست نہیں، کام کا سیاق و سباق اپنے الفاظ کے لحاظ سے بھی اور معنوی طور پر بھی اس کی تردید کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ شخص اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھا۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے درباریوں سے اس بارے میں مشورہ کیا تو اس مومن کو خورہ محسوس ہوا کہ موسیٰ کو تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ اس نے حکمت کا انداز اختیار کرتے ہوئے فرعون کے خلاف ایسے اعزاز میں بات کی، جس میں ترغیب اور ترہیب دونوں پہلو موجود تھے۔ اس نے مشورہ اور رائے کے انداز سے بات کی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”سب سے افضل جہاد، ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے۔“ یہ شخص اس مقام سے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھا۔ فرعون نے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اور اس مومن کی بات سے بڑھ کر حق و انصاف والی کوئی بات نہیں کیونکہ اس سے نبی کے معصوم ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کام کے ذریعے سے اس نے اپنا پوشیدہ ایمان ظاہر کر دیا۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اس نے کہا: **”اَفْتَقَنُوا رَجُلًا اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ“** ”کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: ”میرا رب اللہ ہے؟“ یعنی اس بات کا یہ دعوٰی تو نہیں ہونا چاہیے کہ تم اسے قتل کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ بلکہ اس کے جواب میں تو احترام اور برداشت کا مظاہرہ ہونا چاہیے کیونکہ **”قَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ“** ”تمہارا رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے،“ یعنی اس نے معجزات ظاہر کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے والے کی طرف سے جو پیغام لایا ہے، وہ حق اور سچ ہے، اس لیے اگر تم اس سے تعرض نہ کرو تو سلامت رہو گے کیونکہ **”اِنْ يَنْكَرْكَا ذَا بَعْلَيْنِيَوَ كَذٰبٌ“** ”اگر وہ سچا ہے،“ پھر بھی تم نے اسے تنگ کیا تو: **”فَصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَبْدُوْكُمْ“** جس عذاب کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے، وہ کچھ نہ کچھ تو تم پر آ ہی پڑے گا۔“ یعنی تمہارے لیے تو یہ بات بھی خوف کا باعث ہے کہ جس عذاب سے وہ ڈراتا ہے اس کا معمولی سا حصہ بھی تم پر آجائے۔ تو اگر وہ عذاب پورے کا پورا آ گیا پھر تمہارا کیا بنے گا؟ اس موقع پر یہ کام انتہائی دور اندیشی، احتیاط اور عقل مند کی منظر ہے۔

”وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي اَقْتُلْ مُوسٰى وَلْيَدْعُ رَبِّهٖۤ اِنَّىٓ اَخَافُ اَنْ يُبَدِّلَ دِيْنَكُمْۚ اَوْ اَنْ يُظْهِرَ فِى الْاَرْضِ الْفَسَادَۙ“

”اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو مار ڈالوں اور اسے چاہیے کہ اپنے رب کو پکارے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی زبردست (بڑا) فساد برپا نہ کر دے۔“ (المومن: 26/40)

اسی لیے تو لوگ مذاق اڑاتے ہوئے (ضرب المثل کے طور پر) کہتے ہیں: ”فرعون بھی واعظ بن گیا۔“ جب موسیٰ علیہ السلام کو اس کی یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دے دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَقَالَ مُوسٰى اِنِّىٓ اَعُوْذُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْۙ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِۙ“

”موسیٰ نے کہا: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس تکبر کرنے والے شخص (کی برائی) سے جو رذو حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔“ (المومن: 27/40)

یعنی میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ فرعون مجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، ہر متکبر سے جو ظلم سے باز نہیں آتا اور اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ آخرت پر یا جزا و سزا پر یقین نہیں رکھتا۔

قوم فرعون کے ایک مومن کا اعلان حق

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو دردناک سزائیں دینے کا اعلان کیا تو فرعون کی قوم میں سے ایک مومن نے انہیں نصیحت کرنے کا حق ادا کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اٰیٰتِنَاۙ لَعَنَ اللّٰهُ اَنْفُسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْاۙ وَلَمْ يُكَلِّمْهُمْۙ وَوَقَدْ جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْۙ وَاَنْ يَّكَ كَاذِبًاۙ فَعَلِمُوْاۙ كَذِبُهٗۙ وَاَنْ يَّكَ صَادِقًاۙ يُصِيبُكُمْۙ بَعْضُ الَّذِيْ يَبْعِدُكُمْۙ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىٓ مَنْ هُوَ مُّصْرِفٌۭ كَذٰبٌۭ“ ”يَقُوْمُ لَكُمْ اَللّٰهُ الْيَوْمَ ظٰهِرٌۭ فِى الْاَرْضِۚ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بٰنِيۤ اَللّٰهِ اِنْ جَاءَنَاۙ قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِيْكُمْۙ اِلَّا مَاۤ اَدْرٰى وَمَاۤ اَهْلٰىكُمْۙ لَآ سَبِيْلَ الْنَّصٰوٰۙ“

”اور ایک مومن شخص نے، جو فرعون کے خاندان میں سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہا: کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے؟ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے، وہ کچھ نہ کچھ

پسٹ کر لے آئیں گے۔“ (بنی اسرائیل: 102-104)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ اِيْتَانَا مَوْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۖ وَحَدُّوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلُمًا وَعَمْلًا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝﴾

”پس جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والے ہمارے معجزے پہنچے تو وہ کہنے لگے: یہ تو صریح جادو ہے۔ اور انہوں نے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔ پس دیکھ لیجئے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیسا ہوا؟“ (النمل: 14/13/27)

اس نے جو کہا تھا: ”وَمَا اٰهْدِيَكُمْ لِرَبِّكُمْ اِلَّا سَبِيلَ الْفِتْنَةِ“ اور میں تمہیں بھلائی کی راہ بتا رہا ہوں۔“ تو یہ بھی جھوٹ تھا۔ وہ خود ہدایت پر نہیں تھا بلکہ حماقت، ضلالت اور توہمات میں گھرا ہوا تھا۔ پہلے وہ بتوں کا پیاری تھا۔ پھر اپنی گمراہ اور جاہل قوم کو بلایا تو اس نے بھی اس کے کفر و کذب کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی پیروی کی اور اسے رب مان لیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِي مَلِكٌ ۚ وَهٰذَا الَّذِي اَنْتُمْ تُجْعِلُوْنَ مِنْ تَحْتِي ۚ اَفَلَا تَحْشُرُوْنَ ۚ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِنْ هٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ۚ وَلَا يَكْفُرُ مِنْهُمْ ۚ فَلَوْ لَا اَلْفَىٰ عَلَيْهِ اَسْوَدَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَاءَ مَعَهُ الْبَلْبَكَةُ مَقْتُوْبِيْنَ ۚ فَاسْتَفْتٰ قَوْمَهُ فَاطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا اَسْقَمُوْا اتَتْهُمْ اَنْتَقِمْنَا مِنْهُمْ ۚ فَاعْرِضْهُمْ اٰجْعُوْنَ ۚ ۖ فَجَعَلْنَاهُمْ سُلٰلًا وَدُمَلًا ۚ لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝﴾

”اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے قوم! کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ نہیروس جو میرے (مخلوق کے) نیچے سے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں؟) کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گفتگو نہیں نہیں کر سکتا۔ اس پر سونے کے ٹکڑے کیوں نہیں اتارے گئے (یہ ہوتا کہ) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے۔ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مادی اور انہوں نے اس کی بات مان لی۔ بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔ جب انہوں نے ہم کو خفایا تو ہم نے اُن سے انتقام لیا اور اُن سب کو ڈبو چھوڑا اور اُن کو گھر گھر سے کر دیا اور پیچھلوں کے لیے (عبرت ناک) مثال بنادیا۔“ (الزخرف: 56-51/43)

نیز ارشاد ہے:

﴿فَاَنذَرْنَا الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۚ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۚ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۚ فَصَحَّرْنَا دَاۤىٕ ۚ فَقَالَ اَنَا رٰكِبٌ عَلٰى الْاَعْلٰى ۚ فَانْذَرْنَا اللّٰهَ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَالْاَوَّلٰى ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشٰى ۝﴾

اس نے کہا: ”يَقُوْر لَكُمْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ ظَهْرِيْنَ فِي الْاَرْضِ“ ”اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے“ اس سر زمین میں تم غالب ہو۔“ اس نے انہیں وہ پیارا ملک اور حکومت چھن جانے سے ڈرایا کیونکہ جو سلطنت دین کے مقابل آکھڑی ہوتی ہے، ان لوگوں کی حکومت بھی چھن جاتی ہے اور وہ بے عزت اور ذلیل بھی ہوتے ہیں۔

فرعون کی قوم کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا رہے اور مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ملک، املاک، مکانات، عمارتوں، نعمتوں اور عرشوں سے نکال کر سمندر میں ذلت کے ساتھ غرق کر دیا۔ اس بلندی سے ان کی روشیں جہنمی عین گمراہیوں میں جا بیٹھیں۔

وہ مومن، سچا، نیک، قبیح حق، قوم کا خیر خواہ، انتہائی دانش مند شخص اسی لیے تو کہتا تھا: ”يَقُوْر لَكُمْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ ظَهْرِيْنَ فِي الْاَرْضِ“ ”اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے“ اس سر زمین میں تم غالب ہو۔“ لوگوں پر تمہارا حکم چلتا ہے۔ ”فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنَ بَنِي اٰلِ اٰدَمَ اِنْ جَاءَنَا“ ”لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آگیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟“ یعنی اگر تمہاری تعداد، تمہارا اہل اور ساز و سامان، تمہاری طاقت اور قوت موجودہ حالات سے کئی گنا زیادہ بھی ہو، تو اس مالک الملک کے عذاب سے بچانے کے لیے وہ ذرہ برابر بھی مفید نہیں ہوگی۔

ان سب باتوں کے جواب میں فرعون بولا: ”مَا اُرِيكُمْ اِلَّا مَا اَرٰى“ ”میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں، جو خود دیکھ رہا ہوں۔“ یعنی میں اپنی سمجھ کے مطابق اسی بات کو درست سمجھتا ہوں۔ ”وَمَا اٰهْدِيَكُمْ لِرَبِّكُمْ اِلَّا سَبِيلَ الْفِتْنَةِ“ ”اور میں تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتا رہا ہوں۔“

حقیقت میں فرعون کی یہ دونوں باتیں جھوٹ تھیں کیونکہ وہ اپنے دل میں یہ جانتا اور سمجھتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے جس اور وہ جو کچھ لائے ہیں وہ یقیناً اللہ کی طرف سے ہے لیکن کفر، تکبر، ظلم اور زیادتی کی بنیاد پر اس کے برعکس خیالات کا اظہار کرتا تھا۔

﴿فرعون کی ایک بودی دلیل: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْتَ لِهٰذَا الْاَرْضِ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِصَٰلٍ ۚ وَاِنِّيْ لَأَكْفُلُكَ الْيَمِيْنَ ۚ فَاَنذَرْنَا اَنْ يَسْتَفْرِضَهُم مِّنَ الْاَرْضِ فَاعْرِضْهُ وَ مِّنْ مَّعَدَةٍ جَبِيْۤا ۚ وَ قُلْنَا مِّنْ بَعْدِهٖ لَبِيْۤىٕ ۚ اِسْوَءَ اٰیَلِ الْاَرْضِ ۚ فَاِذَا جَاءَ وَعَدُ الْاٰخِرَةِ جَعَلْنٰهُمْ لَفِيْۤا ۝﴾

”موسیٰ نے جواب دیا: یہ تو تجھے ظلم ہو چکا ہے کہ اس زمانہ اور زمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے دکھائے اور سمجھانے کو نازل فرمایا ہے۔ اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو مجاہد پر بار اور بالاک گیا ہے۔ آخر فرعون نے اپنے ارادہ کو لیرا کہ انہیں زمین ہی سے اٹھیزے تو ہم نے خود اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمادیا کہ اس سر زمین پر تم رہو، ہاں جب آخرت کا وعدہ آگے گا، ہم تم سب کو سمیٹ اور

قیامت) کا خوف ہے۔ جس دن تم پیٹہ پھیر کر (قیامت کے دن سے) بھاگو گے (اس دن) تم کو کوئی (عذاب) اللہ سے بچانے والا نہیں ہوگا اور جس شخص کو اللہ گواہ کرے اُس کو کوئی حمایت دینے والا نہیں۔ اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیوں لے کر آئے تھے (اور) جو وہ لائے تھے تم اس کے متعلق ہمیشہ شک ہی میں رہے یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ اللہ اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے والا ہو۔ جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو، اللہ کی آیتوں میں بھگڑتے ہیں، اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک (ان کا یہ) بھگڑنا نہایت ناپسند ہے۔ اسی طرح اللہ ہر منکر، سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔“ (المؤمن: 35/30/40)

اللہ کے دلی نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کریں گے تو ان پر اسی طرح عذاب آسکتے ہیں جس طرح کرشتیہ اقوام پر آئے تھے، یعنی نوح علیہ السلام کی قوم، عاد، ثمود اور ان کے بعد کی اقوام جو اُن کے زمانے تک ہوئیں اور جن کے حالات انہیں معلوم اور ان کے ہاں مشہور تھے۔ ان کے ذریعے سے تمام اہل زمین پر حجت قائم ہو گئی کہ انبیاء کرام علیہم السلام جو کچھ کہتے ہیں وہ بالکل سچ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے مخالفین پر عذاب نازل کیا اور مومنین کو ان سے نجات دی۔ انہیں قیامت کے دن بھی کوئی خوف نہیں ہوگا۔ جس دن لوگ ایک دوسرے کو آواز دیں گے اور چاہیں گے کہ واپسی کی کوئی راہ انہیں ملے۔ لیکن ایسا ہونا ممکن نہیں ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَإِنِّي الْمَنَّانُ ۚ كَلَّا لَآ وَرَّ ۚ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۚ﴾

”اس دن انسان کہے گا: آج بھانے کی جگہ کہاں ہے؟ نہیں، نہیں، کوئی پناہ گاہ نہیں۔ آج تو تیرے پروردگار کی طرف ہی قرا گیا ہے۔“ (القیامۃ: 12/10/75)

”یوم التَّنَاد“ ”یوم پکار کا دن“ اس لفظ کی ایک قراءت والی تشدید کے ساتھ ”يَوْمُ التَّنَادِ“ [بھانے کا دن] بھی ہے۔ اس سے مراد قیامت کا دن بھی ہو سکتا ہے اور اور عذاب کا دن بھی۔ جب وہ راہ فرار اختیار کرنا چاہیں گے لیکن کوئی پناہ گاہ میسر نہ ہوگی۔

پھر اسی مومن نے مصر میں یوسف علیہ السلام کی نبوت اور اس سے لوگوں کو حاصل ہونے والے دنیوی اور اخروی فوائد کا ذکر کیا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی آل میں سے مبعوث ہو کر توحید کی دعوت دی اور شرک سے منع فرمایا۔ اس مومن نے اپنے زمانے کے اہل مصر کے بارے میں کہا کہ حق کا انکار اور رسولوں کی مخالفت ان کی عادت بن چکی ہے۔ اس لیے کہا: ﴿فَمَا زِلْنَاهُ فِي شَاكٍ وَمِمَّا جَاءَهُمْ بِهِ حَقٌّ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنَنْبِتَعَنَّ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا﴾ ”پھر تم ان (یوسف) کی ادائی ہوئی (دلیل) میں شک و شبہی کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو کہنے لگے: ان کے بعد تو اللہ کسی رسول کو بھیجے گا ہی نہیں۔“ (المؤمن: 34/40) اور تمہاری بات یہ بھی سراسر غلطی ہے۔ پھر اس مومن نے کہا: ﴿كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ

”انہوں نے اس کو بڑی نشانی دکھائی“ اس نے بھٹایا اور نہ مانا۔ پھر لوث اور تدبیر میں کرنے لگا اور (لوگوں کو) اکٹھا کیا اور پکارا۔ کہنے لگے کہ تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔ تو اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔ جو شخص (اللہ سے) ڈر رہتا ہے اُس کیلئے اس (قصے) میں عبرت ہے۔“ (النازعات: 26/20/79)

اور مزید فرمایا:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۖ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوهُ أَمْرًا قُرْعَوْنَ ۖ وَمِمَّا أَرْسَلْنَا بِمُوسَىٰ ۖ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَأَوْدَحَهُمُ الْقَارَ ۖ وَيُسَّسُ الْيُودَ الْمُؤَرَّدَ ۖ وَاتَّبَعُوا فِي هَٰذَا ۖ لَعْنَةُ ۖ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ يُسَّسُ الْيُودَ الْمُرْقُودَ ۖ﴾

”اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل دے کر بھیجا (یعنی) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف تو وہ فرعون ہی سے حکم پر چلے اور فرعون کا حکم درست نہیں تھا۔ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں جا آتارے گا اور جس مقام پر وہ اتارے جائیں گے وہ برا ہے۔ اور اس جہان میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (پیچھے لگی رہے گی) جو انعام ان کو ملا ہے، وہ برا ہے۔“ (هود: 99/96/11)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فرعون کی دونوں باتیں جھوٹ تھیں۔ یہ بھی کہ: ﴿مَا أَوْفَيْتُمْ إِلَّا مِمَّا أَدَّيْ﴾ ”میں تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں، جسے خود درست رائے سمجھتا ہوں۔“ اور یہ بھی کہ: ﴿وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ﴾ ”میں تمہیں سچائی کی راہ ہی بتا رہا ہوں۔“

قطبی مومن کا اتمام حجت: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ النَّبِيُّ آمَنَ بَعْدَهُمْ ۖ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ قِتْلَ يَوْمِ الْإِخْرَافِ ۖ وَقِيلَ دَابَّ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَنَمُودٌ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَمَا اللَّهُ بِزَوِّيدٍ غَلَا لِلْعِبَادِ ۖ وَيَقُولُوا إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ الْقِتَالِ ۖ يَوْمَ نَكُونُ مَذْبُوحِينَ ۖ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِيَةٍ ۖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْنَاهُ فِي شَاكٍ وَمِمَّا جَاءَهُمْ بِهِ حَقٌّ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنَنْبِتَعَنَّ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ۖ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُفْرِتَابٌ ۖ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ وَيَحْكُمُونَ بِحُكْمِ سُورَةٍ مِّنَ الْكِتَابِ وَلَٰكِن لَّمْ يَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَاتُ فَكَذَّبُوا ۖ وَقَدْ لَبِثُوا فِي شَكٍّ مِّنْ قَبْلِ ۖ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَوْمٍ لَّدُنْهُ سَبِيلَ الْغِيَاثِ ۖ﴾

”اور جو مومن تھا وہ کہنے لگا کہ اے قوم! مجھے تمہاری نسبت خوف ہے (مبادا) تم پر اور امتوں کی طرح کے دن کا عذاب آجائے (یعنی) نوح کی قوم کو عام عوار اور ثمود اور جو لوگ ان کے پیچھے ہوئے ہیں، اُن کے حال کی طرح (تمہارا حال ہو جائے) اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ اور اے میری قوم! مجھے تمہاری نسبت پکار کے دن (یعنی

رہے ہوں، وہ تو دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہیں نہ آخرت میں اور ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور حد سے گزر جانے والے ہی یقیناً اہل دوزخ ہیں۔ یعنی جن کو اس دنیا میں کوئی اختیار اور تصرف کی طاقت حاصل نہیں، انہیں قیامت کو کیا اختیار حاصل ہوگا؟ ان کے برعکس اللہ تعالیٰ تیکوں اور بدوں سب کا خالق اور رازق ہے، اسی نے بندوں کو زندگی دی ہے، پھر موت دے گا، پھر دوبارہ زندہ کر کے اطاعت گزاروں کو جنت اور نافرمانوں کو جہنم میں داخل کر دے گا۔

پھر اس نے انہیں مخالفت پر قائم رہنے کی صورت میں حاصل ہونے والے انجام بد سے خبردار کرتے ہوئے کہا: ﴿فَسَيَكُونُ مِمَّا أَقُولُ لَكُمْ وَأَقُولُ آمَنُوا بِاللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعَالَمِ﴾ ”پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے۔ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگہبان ہے۔“ لہذا ﴿قَوْلَهُ اللَّهُ سَيَاتِ مَا مَكَرُوا﴾ ”اے اللہ تعالیٰ نے تمام بدایوں سے محفوظ رکھا جو انہوں نے سوچ رکھی تھی۔“ یعنی ان کی تردید کی وجہ سے وہ اس عذاب سے بچ سکا جو انہیں کفر و جہاد اور گمراہی کے عقائد و خیالات کی وجہ سے برداشت کرنا پڑا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ﴾ ”الْقَارِعُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غَدَاً وَعَشِيًّا“ ”اور فرعون والوں کو بری طرح کے عذاب نے گھیر لیا۔ آگ ہے جس کے سامنے یہ ہرج و مرج ڈھال لائے جاتے ہیں۔“ یعنی برزخ میں ان کی روضوں کو بیخ و بن جہنم کا عذاب ہوتا ہے۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی فرمان ہوگا: ﴿أَذْخَلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَهْلًا﴾ ”الْعَذَابِ“ ”فرعونین کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔“ اس آیت سے عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت ہم نے تفسیر میں کی ہے۔

۵۰ فرعونینوں پر گونا گوں عذاب: خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کرنے سے پہلے اتمامِ جہت کر دیا تھا۔ اپنا رسول ان کی طرف بھیجا، ان کے شہادت کا ازاد کیا اور توبہ و تہب کے ذریعے سے دلائل واضح کر دیے۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ آخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالنَّبَاتِ وَالَّذِينَ فِي الْقُبُورِ عَلَيْهِمْ يُدْعَوْنَ ۖ فَيَذَرُوهَا كَمَا يُهْمُّهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ ۖ وَإِنَّا لَنُصِيبُهُمْ رَبُّنَا سَيْفَةً يَخْتَضِرُوا بَدُوْلًا وَمِنْ مَقَرٍّ ۚ أَلَا إِنَّمَا طَلَيْهِمْ وَعِنْدَ اللَّهِ لَكِنَّهُمْ هُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۖ قَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِنَسْتَعِزَّ بِهَا ۚ فَمَا تَحِثُّ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۖ قَالُوا لَسْنَا عَلَيْهِمُ الظُّوْفَانِ وَالْجِرَادَ وَالْقَتْلَ وَالضَّفَادِ وَالْذَّمَ ۚ أَلَيْتَ مُفْضَلِيَّتَ ۚ فَاسْتَجِيبُوا وَكُنُوا قَوْمًا مُجِيبِينَ﴾

”اور ہم نے فرعونینوں کو قہقروں اور پھیلوں کے نقصان میں پکڑا تاکہ وہ بھیبت حاصل کریں۔ پھر جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو ہمیں اور ان کے رفیقوں کی بدگلوئی بتاتے۔ دیکھو! ان کی بدگلوئی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی بھی نشانی لاؤ تاکہ اس سے ہم پر چادو کر مگر تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ سو ہم نے ان پر

پھر اس نے ان کے غلام عقائد کی تردید کر کے انہیں ان کے خوفناک انجام سے ڈراتے ہوئے کہا:

﴿وَيَقُولُ مَا لِيَ أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجْوَى وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ۚ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأَشْرِكُ بِهِ مَا لَيْسَ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْعَقْلِ ۚ لِكَيْمَ أَتَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنْ مَرَكْنَا إِلَى اللَّهِ وَآلِ الْمُسْلِمِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ فَسَيَكُونُ مِمَّا أَقُولُ لَكُمْ وَأَقُولُ آمَنُوا بِاللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعَالَمِ﴾ ”قَوْلَهُ اللَّهُ سَيَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۚ الْقَارِعُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غَدَاً وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۖ أَذْخَلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَهْلًا أَهْلًا الْعَذَابِ ۖ“

”اور اے قوم! میرا کیا (حال) ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے (دوزخ کی) آگ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھے اسی لیے بلاتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس چیز کو اس کا شریک ٹھہراؤں جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں اور میں تم کو (الہ) غائب (اور) بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جن کی طرف تم مجھے بلاتے ہو وہ دنیا اور آخرت میں پکارے جانے کے قابل نہیں اور ہم کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں۔ جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اُسے آگے چل کر یاد کرو گے اور میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں بیشک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ عرض اللہ نے موسیٰ کو ان کی تہدیدوں کی برائیوں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں کو برے عذاب نے آگیرا یعنی آتش (جہنم) کہ صبح و شام اُس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت پر پڑا ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون والوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کر دو۔“

(المومن: 40-41/46)

وہ انہیں الہی عبادت کی دعوت دے رہا تھا جو آسمان و زمین کا مالک ہے اور جس کی شان ”مَنْ فَيَكُونُ“ ہے اور وہ لوگ اسے فرعون کی عبادت کی طرف بلاتے تھے جو جاہل، گمراہ اور ملعون تھا، اسی لیے اس نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا: ﴿وَيَقُولُ مَا لِيَ أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجْوَى وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ۚ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأَشْرِكُ بِهِ مَا لَيْسَ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْعَقْلِ ۚ“ ”اے میری قوم! کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو؟ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور میں تمہیں غائب بخشنے والے (معبود) کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔“

پھر اس نے واضح کیا کہ وہ اللہ کے سوا جن معبودان باطل کو پوتے ہیں، ان کے ہاتھ میں نفع نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ اس لیے ان کا عقیدہ سراسر باطل ہے۔ اس نے کہا: ﴿لِكَيْمَ أَتَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنْ مَرَكْنَا إِلَى اللَّهِ وَآلِ الْمُسْلِمِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ“ ”یعنی اگر یہ کہ تم مجھے جن کی طرف دعوت دے

مڈی دل معروف چیز ہے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کا ارشاد مروی ہے: ”ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سات جنگیں لڑیں (جن میں) ہم مڈی کھاتے تھے۔“^{۱۱} اس موضوع پر احادیث کے بارے میں ہم نے تفسیر میں مفصل کلام کیا ہے۔ الغرض مڈی دل نے ان کا تمام سہزہ پہن کر ڈالا، نہ کوئی کھینچ بکچی، نہ چھل، سب کھتم کر دیا۔ ”قمل“ کا مطلب گندم گوگھ جانے والا کبوتر بھی بیان کیا گیا ہے اور مڈی دل کے بچہ بچی، جن کے اچھی پر نہاگے ہوں۔ بعض مفسرین نے کھل، بعض نے چچہ یاں اور بعض نے جوئیں مراد لی ہیں۔ بستروں اور گھروں میں ان کے گھس جانے کی وجہ سے لوگوں کا سکون غارت ہو گیا اور نیند بھڑک اُٹی۔

مینڈک ایک معروف جانور ہے۔ یہ ان کے لیے اس طرح عذاب بن گئے کہ گھروں میں کثرت سے آگئے حتیٰ کہ ان کے کھانے میں اور برتنوں میں جا گھستے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ آدمی کچھ کھانے یا پینے کے لیے منہ کھولتا تو اس کے منہ میں مینڈک داخل ہو جاتا۔

خون کا عذاب اس انداز سے آیا کہ ان کا سارا پانی خون آلود ہو گیا۔ وہ دریائے نیل سے برتن میں پانی بھرتے، یا کسی نہریا چشمے یا کنوئیں سے بھرتے تو فوراً تازہ خون بن جاتا۔

یہ سارے عذاب صرف فرخون کی قوم پر آئے۔ بنی اسرائیل ان سے مکمل طور پر محفوظ رہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ معجزہ ایک دھوکہ دہل تھا کہ یہ سب کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر ہوا تھا اور قوم فرخون کے ہر فرد کو متاثر کرتا تھا جبکہ بنی اسرائیل کا کوئی فرد اس سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔ یہ پختہ ترین دلیل تھی۔

پے در پے عذاب اور قوم فرعون کی وعدہ شکنیاں

جادو گروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آنا فرعون کی زبردست شکست کا سزاؤں تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ کفر اور سرکشی کی راہ پر گامزن رہا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بے دریغ عیالوں کی صورت میں ظاہر کرنا شروع کر دیں۔ پتھر پھیلنا واقع ہوا، پھر طوفان آگیا، پھر مژدہ دل، جوئیں، مینڈک، خون کے عذاب آئے۔ یہ سب الگ الگ نشانیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کا طوفان بھیجا۔ پانی پورے علاقے پر پھیل گیا پھر وہیں رک گیا۔ اب وہ نہ کا شکیں جاری کر سکتے تھے نہ کوئی اور کا حتمی کردہ سخت جھوک کا شکار ہو گئے۔

جب یہ عذاب ان کے لیے برداشت سے باہر ہو گیا تو کہنے لگے:

① صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب أكل الجراد، حديث: 5495 وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة الجراد،

طوفان اور مٹیایں اور جوئیں اور مینڈک اور خون کٹی کلی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی گناہ گار۔‘ (الأعراف: 130-133)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے فرعون کی قوم کو طرح کی آزمائشوں میں ڈالے۔ ”مَنْ هَذَا“ ”مَنْ هَذَا“ ”مَنْ هَذَا“

سالی میں مبتلا کیا۔“ جب نہ کھیتی باڑی ہو سکتی تھی، نہ دودھ دینے والے جانوروں سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا تھا۔ اور درختوں پر چڑھ کر کھانسی ہو گئی۔ سب بچھڑا کر لے گیا۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ”تا کہ وہ نصیحت قبول کریں“ لیکن وہ باز نہ آئے بلکہ کفر و عداوت اور کشتی پر قائم رہے۔ لہذا جب ان پر خوش حالی آجانی زمین پیداوار دے لیتی اور دوسری نعمتیں حاصل ہوتیں تو کہتے: ﴿لَقَدْ آتَيْنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ وَلَٰكِنْ كَرِهْتَ الْذِّكْرَ﴾ ”یعنی یہ ہمارا حق ہے۔ ہمیں ایسی نعمتیں ملی ہی جاتیں۔“ ﴿وَإِنْ أَصْهَبَتْهُمْ سَيِّئَةٌ يَنْفَكُوا وَلَمْ يَرْجِعُوا إِلَىٰ مَنَاسِكَهُمْ وَلَمْ يَأْتُوا اللَّهَ بَدُوءَ الْحَصْبِ وَمَا فَعِلُّهُمْ﴾ ”اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو وہی اور ان کے مساکین کی محنت بتاتے۔“ نعمت کو ان کی برکت اور نیکی کا نتیجہ قرار نہیں دیتے مگر مصیبت آتی تو کہتے ان کی محنت کی وجہ سے آئی ہے۔ دراصل ان کے دلوں میں تکبر تھا جس کی وجہ سے وہ حق سے متنفر تھے۔ مصیبت کو حق سے منسوب کرتے اور نعمت کو اپنا حق قرار دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابَ الْإِسْلَامِ الَّذِي فِيهِ أَوْفَوْا بِرَبِّكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْجِعُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ يَسْتَمِعُوا لَهُمْ﴾ ”ان کی محنت اللہ کے پاس ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں پوری سزا دے گا۔ ﴿وَلِكُلِّ أَكْثَمَ لَكُمْ هُمْ﴾ ”لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

اور یوں کہتے تھے: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَمْرًا مِنْۢ هٰٓؤُلَآءِ حَتّٰى يَنْزِلَ مِنْ سَمٰوٰتِنَا اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** ”تم کسی بات (نسانی) ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعے سے ہم پر جادو چلاؤ، پھر کبھی ہم تمہاری بات رگڑ نہ میں گے۔“ (یعنی آپ پر جیسے بھی معجزہ دکھاتے رہیں، ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ آپ کی اطاعت کریں گے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۖ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَبْرُؤُوا
الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿١٠١﴾

”یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، وہ ایمان نہ لائیں گے، گو ان کے پاس تمام نشانیاں پہنچ جائیں، جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔“ (یونس: 97/96/10)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَأَسْلَمْنَا عَلَيْهِمُ الظُّفُونُ وَالْجِرَادُ وَالْقَتَلُ وَالصَّغَادُ وَالذَّمُ أَيُّ مَفْضَلٍ﴾^۱ ”پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور جوئیں اور خونخواروں نے یہ سب کھلے کھلے چڑے تھے پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور دلوں کو تھے یہی گناہ گار۔“

طوفان کی تشریح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد بارش کی کثرت ہے جس کی وجہ سے کھیتیاں اور فصلیں ڈوب گئیں اور پھل تباہ ہو گئے۔

عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا، بنادیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لے لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا۔ اسی سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو چٹاتے تھے اور ان سے بالکل ہی غفلت کرتے تھے۔“ (الأعراف: 134-136)

یہ ان لوگوں کے تکبر اور گمراہی کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کو اہمیت نہ دی جو آپ اللہ کی طرف سے لائے تھے۔ ان پر جب بھی مجازات آ رہا تھا آپ تعجب نہ کرتے تھے کہ وہ اپنا یہ جہل تبدیل کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور یہی اسرائیل کو آ زاد کر دیں گے۔ لیکن وہ اصلاح کی بجائے عہد شکنی کرتے رہے اور پھر ان پر بار بار پہلے سے بڑا عذاب آتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بار بار مہلت دی لیکن وہ باز نہ آئے۔ آخر کار ان پر اللہ کی گرفت آگئی۔ وہ دوسروں کے لیے ایک عبرت کی کہانی بن کر رہ گئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَاهُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا أَعْيَاهُ أَكْبَرُ مِنْ فَخْرِهِمْ ۚ وَأَخَذَهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۚ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الشَّجَرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۖ إِنَّا لَنُؤْمِنُكَ ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْ قَوْمِهِ قَالَ يُقَوْمُ أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ مِصْرَ ۚ وَهَٰذَا آلَانُ تُجِيرُونِي مِنْ تَحْتِهِ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۚ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَعِينٌ ۚ وَلَا يَكْدُ بَيْنُنَا ۚ فَلَوْلَا أَلْفِي عَلَيْهِ سُورَةٌ ۚ قُلْ قَدْ أَجَاءَ مَعَهُ الْبَاقِيَةُ مَقْشُورَةٌ ۚ فَاسْتَحَفَّ قَوْمَهُ فَاظْهَرَهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۚ فَلَمَّا أَسْمَاوَا لِنَفْقَتَانِ مِنْهُمُ فَاعْرِضْهُمْ أَجْمَعِينَ ۚ يَجْعَلُهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِلْآخِرِينَ ۚ﴾

”اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا کہ میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں۔ جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان نشانوں کی ہنسی اڑانے لگے۔ اور جو بھی نشانی ہم ان کو دکھاتے تھے وہ دوسری سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تا کہ وہ باز آئیں۔ اور وہ کہنے لگے: اے داوگر! اے اس عہد کے مطابق جو تیرے پروردگار نے تجھ سے کر رکھا ہے اس سے دعا کر بیشک ہم اپنی بات یا بھوجائیں گے۔ سو جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ عہد شکنی کرنے لگے اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے قوم! کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے (مخلو) کے پیچھے سے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں؟) کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گنگوئی میں نہیں کر سکتا۔ اس پر سونے کے ٹکٹن کیوں نہیں اتارے گئے (یہ تو ہتک) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے۔ غرض اس نے اپنی قوم کی مثل ماری اور انہوں نے اس کی بات مان لی۔

﴿قَالُوا يَبُوءُ بِأَدْعِ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۖ لَكِنْ كَشَفْتَ عَنْآ الرَّجْزَ الَّذِي كُنَّا نُؤْمِنُ بِهِ ۖ لَكَ وَتُؤْمِنُ مَعَكَ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ﴾

”اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کیجیے، جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی (رہا کر کے) آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔“

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو عذاب ختم ہو گیا۔ لیکن انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر نڈی دل کا عذاب بھیج دیا جس نے تمام درخت اور پودے کھا لیے۔ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوبارہ وعدہ کیا تو آپ کی دعا سے عذاب ٹل گیا۔ انہوں نے پھر وعدہ توڑ دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ریت کے ایک بڑے ٹیلے پر عصا ماریں۔ انہوں نے عصا ماری تو وہاں سے جو نیلی نکل کر گھر میں داخل ہو گئیں اور لوگوں کے لیے کھانا پینا اور سونا یا آرا کر بنا دیا۔ لیکن جب وہ جوڑوں سے نکل آ گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کی طرح درخواست کی۔ ان کی دعا سے عذاب ختم ہو گیا۔ لیکن انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے مینڈک بھیج دیے۔ گھر وں میں، کھانے پینے کی چیز وں میں اور برتنوں میں مینڈک ہی مینڈک نظر آنے لگے۔ کوئی شخص کپڑا اٹھاتا تو نیچے سے مینڈک نکل آتے۔ کھانے کا برتن کھولتا تو مینڈک پھد کر اس میں جا پڑتے۔

جب وہ مینڈکوں سے نکل آ گئے تو پھر وہی درخواست کی۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عذاب ختم ہو گیا تو انہوں نے پھر اپنا وعدہ پورا کرنے سے انکار کر دیا۔ تب ان پر خون کا عذاب آ گیا۔ فرعونوں کا سارا پانی خون میں تبدیل ہو گیا۔ وہ کسی کنوئیں سے پانی نکالتے یا دریا سے پانی پیتے یا پانی کے برتن سے پلو پھرتے، ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا۔ بعض علماء نے خون کے عذاب سے تکسیر کی بیماری مراد لی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرَّجْزُ قَالُوا يَبُوءُ بِأَدْعِ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۖ لَكِنْ كَشَفْتَ عَنْآ الرَّجْزَ الَّذِي كُنَّا نُؤْمِنُ بِهِ ۖ لَكَ وَتُؤْمِنُ مَعَكَ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرَّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بِلُغْوِهِ إِذَا هُمْ يَنْكُفُونَ ۚ فَانْتَقَبْنَا مِنْهُمْ فَاغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۚ﴾

”جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے: اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کیجیے، جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی (رہا کر کے) آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ان سے، اس

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاسْتَحَقَّ قَوْمَهُ فَاَلْقَاهُ عَوْهٌ﴾ "اس نے اپنی قوم کی عقل کھودی۔ حتیٰ کہ انہوں نے اسے رب بھی مان لیا" جو انہیں اس حقائق پر بات ہے مگر انہوں نے اس کی بات مان لی۔ ﴿لَهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَجِيعًا﴾ "لہذا اس وقت انہیں تنہا رہنا پڑا"۔ "یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمیں قصداً دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا"۔ یعنی ان سے عزت چھین کر انہیں ذلیل کر دیا، سمسند غرق کر دیا اور دنیا کے بیش کے بعد جہنم کے سداً میں مبتلا کر دیا۔ ﴿فَجَعَلْنَاهُمْ سَقَافًا وَمَتَكًا﴾ "پس ہم نے انہیں گیارہ کر دیا اور پچھلوں کے لیے مثال بنادیا"۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّمَآ جَاءَهُمْ مُّوَسٰى بِآيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّغْتَرٰبٍ وَمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِىْ اٰبَائِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَكَانَ مُوَسٰى رَءِىًۢمَۢمًۢm

”اور جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے جو اس نے بنا کر کیا ہے اور یہ (باتیں) ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو (کبھی) نہیں سنیں۔ اور موسیٰ نے کہا کہ میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے حق لے کر آیا ہے اور جس کے لیے عاقبت کا گھر (یعنی بہشت) ہے۔ بیشک ظالم مجاہد نہیں پائیں گے۔ اور فرعون نے کہا: اے اہل دربار! میں اپنے سوا کسی کو تمہارا راہنشاہ نہیں جانتا، سوائے ہامان! میرے لیے گارے کی بیشیں بچا دو۔ پھر ایک (اونچا) محل بنوا دو تاکہ میں موسیٰ کے الٰہ کی طرف جھانک دیکھوں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اور وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحیہ مفرور ہو رہے تھے اور خیال کرتے تھے کہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور انہیں دریا میں غرق کر دیا۔ سو دیکھو کہ لوگ ظالموں کا انجام کیا ہوا اور ہم نے ان کو پشیمان بنایا تھا۔ وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلا رہے تھے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لپٹ لگا دی اور وہ قیامت کے روز بھی بد حالوں میں ہوں گے۔“ (الفصص: 42-36/28)

جب انہوں نے تکبر کرتے ہوئے حق کی بیروی سے انکار کیا اور اپنے جھوٹے بادشاہ کے دعوے کی تائید اور اس کے احکام کی تعمیل کی تو ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور اس نے ان سے شدید ترین انتقام لیا۔ اللہ نے فرعون اور اس کے تمام

بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔ جب انہوں نے ہم کو کھانا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان سب کو ذوبودیا اور ان کو گئے گئے کر کے کر دیا اور پچھلوں کے لیے عبرت بنادیا۔“ (الزحرف: 46-43/56)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والے معجزات آپ کی حقانیت کی واضح دلیل تھے۔ لیکن ان لوگوں نے آپ کا اور آپ کے معجزات کا مذاق اڑایا۔ انہوں نے خود بھی آپ کی تکذیب کی اور دوسروں کو بھی کفر پر آمادہ کیا۔ ان کے سامنے کیے گئے بعد دیگرے اللہ کے نشان آئے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوا يَأْتِيَنَّ السَّحَابُ فَرِيحٌ نَّزَارُكَ بِسَاحِدِكَ عِنْدَكَ ۖ إِنَّا لَنَهْتَدُونَ ۝﴾

”اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! ہمارے لیے اپنے رب سے اس کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔ یہ شک ہم ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔“

ان کے زمانے میں ”جادوگر“ کا لفظ عجیب یا نفس کا پہلو نہیں رکھتا تھا کیونکہ اس معاشرے میں جادوگر ہی ”علماء“ کا مقام رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے مجرّد ناز کا اظہار کرتے وقت آپ کو ”جادوگر“ کے لفظ سے مخاطب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ غَافِلَتَهُمُ الْعَذَابُ لَأَذَاهُمْ يُمُوتُونَ﴾ ”پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے بنالیا، انہوں نے اسی وقت اپنا قول بے اثر قرار دیا۔“

فرعون نے اس بات پر فخر کیا کہ وہ مصر کا بادشاہ ہے جس میں دریا بہتے ہیں، وہ سونے چاندی کے زیور پہنے ہوئے ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مکنت ثابت کرنے کے لیے کہا کہ آپ تو درست طور پر بات بھی نہیں کر سکتے۔ فرعون کی یہ ختید ہے جتنی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں میں کلن نہیں۔ تو یہ تو باتوں کا زیور ہے جو مردوں کی شان کے لائق نہیں تو رسولوں کی شان ان کا کس طرح ہو سکتا تھا جو علم و عقل میں اکمل اور ہمت و جرأت میں اعلیٰ تھے اور جنہیں دنیا سے محبت نہیں تھی کیونکہ وہ آخرت کی نعمتوں سے خوب واقف تھے۔

فرعون نے کہا: ﴿اَوْجَاءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقَرَّرِيْنَ﴾ ”یا اس کے ساتھ پرہیزگار فرشتے ہی آجائے۔“ تو یہ بات بھی نبوت کے لیے لازمی نہیں۔ فرشتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت کم درجہ کے افراد کا بھی احترام کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی ہے: ”فرشتے طالب علم کے لیے، اس کے عمل پر خوش ہو کر، اپنے پر جھکا دیتے ہیں۔“^①

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام عظیم پیغمبر کے لیے ان کے احترام اور تواضع کا اعزاز کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ مقصد ہے کہ فرشتے موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کے لیے ظاہر ہوتے تو اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جو معجزات اور دلائل آپ کو دیے گئے تھے وہ کسی سمجھ دار آدمی کے لیے ہدایت تک پہنچنے کے لیے کافی تھے۔

① سنن أبي داود: العلم باب في فضل العلم، حديث: 3641 وجامع الترمذي: العلم باب مجاء في فضل الفقه على العبادة

”اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو، اگر تم مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کیا: ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔ ہمارے پروردگار کا ہم کو ظالموں کے لیے فتنہ نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ ان کافر لوگوں سے نجات دے۔“ (یونس: 84-86)

انہوں نے اللہ پر توکل کیا، اسی سے مدد مانگی تو اللہ نے انہیں ان مشکل حالات سے نجات دے دی۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بَيْتًا ۚ وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً
وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَبُوا الْوُهُودَ﴾ ﴿٢٥٠﴾

”اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لیے ضرعیں چند مکان مہیا کرو اور تم سب اپنے انھی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو اور نماز کے پابند رہو اور آپ مومنوں کو بشارت دے دیں۔“ (یونس: 87/10)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کو بھی کے ذریعے سے حکم دیا کہ اپنی قوم کے افراد کی ہائش فرعونینوں سے الگ کر لیں تاکہ جو بھی ہجرت کا حکم ملے، سفر کے لیے تیار ہوں۔ ﴿وَاجْعَلْ يَمِينُكَ قِبْلَةَ﴾ ”اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو۔“ یعنی کثرت سے نماز پڑھو۔ یہ ان مصائب اور مشکلات سے نجات کے لیے اللہ سے مدد مانگنے کا طریقہ تھا، جیسا اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ ”عصبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو“ (البقرہ: 45) رسول اللہ ﷺ کو بھی جب کوئی پریشانی پیش آتی تھی تو آپ نماز میں مشغول ہوجاتے تھے۔

دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ وہ اس وقت اپنے عبادت خانوں میں اجتماعی طور پر عبادت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے انہیں گھر میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ پہلا قول قوی معلوم ہوتا ہے، تاہم اس سے دوسرے قول کی تردید نہیں ہوتی۔ (واللہ اعلم)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کی قوم کے لیے بددعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی حد سے بڑھتی ہوئی سرکشی دیکھی تو اپنے رب سے یوں دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَئَهُ زِينَةً دُنْيَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ رَبَّنَا لِيُضِلُّوهُنَّ سَبِيلَكَ ﴿رَبَّنَا أَخْطِصْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعِنَّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿﴾

شکروں کو یک بیک سمندر میں غرق کر دیا، کوئی ایک بھی بچ نہ کا، بلکہ سب کے سب جہنم رسید ہوئے۔ دنیا میں ان پر لعنتیں برسیں اور قیامت کو بھی ان کا حال برا ہوگا۔

فرعون اور اس کی فوجوں کی تباہی و بربادی

فروع اور اول فرعون کے ترمذ میں اضافہ ہوتا گیا۔ وہ توحید کے دلائل اور یغیراً نادر عجرات سے فیض یابیاب نہ ہو سکے تو ان کی سزا کا وقت آنچنچا۔ اہل مصر میں سے صرف چند افراد ایمان لائے جن کی تعداد ایک قول کے مطابق صرف تین ہے۔ فرعون کی بیوی، توہم فرعون کا وہ منون، جس کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا چکا ہے، اور وہ شخص جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیدوں کے فیصلے سے آ کر کرنے کے لئے لے کر دوسرے کنارے سے بھاگا آتا تھا اور اس نے کہا تھا:

قَالَ يٰمُوسٰى اِنَّ الْاٰهَالَ يٰتَّبِعُونَ بِكَ لَيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ الصّٰحِيْن ۝۱۰

”موسیٰ! (یہاں کے) سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں۔ پس تو یہاں سے چلا جا! مجھے اپنا خیر خواہ مان۔“

(القصص: 20/28)

ایک قول کے مطابق یہ فرعون کی قوم یعنی قبطیوں میں سے بھی متعدد افراد ایمان لے آئے تھے اور جاویدِ کرب سے سب مومن ہو چکے تھے اور یہ اسراہیل کی پوری قوم بھی مومنین میں شامل تھی، اس کی تائید اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے:

﴿فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِذْ أَخْبَرَهُ بِمَا فِي كُفُوفِ فِرْعَوْنَ وَكَانَ مُعْتَدِیًّا أَنْ يُقْبَلَ ۚ إِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْبَشَرِ لَكَاذِبٌ ۖ﴾

”ہاں مویٰ پُران کی قوم میں سے صرف چند نوجوان آدمی ایمان لائے، وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان کو تکلیف پہنچاؤں اور حقیقت میں فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا اور یہ بات بھی تھی کہ وہ حد سے گزرنے والا تھا۔“ (یونس: 83/10)

﴿ذُرِّيَّةً مِنْ قَوْمِهِ﴾ اس کی قوم سے اور غمخون کی قوم ہے جسے کام کے سیاق سے ظاہر ہے۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔ وہ غمخون کے خوف سے اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ اگر وہ توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان کا اظہار کرتے تو انہیں طرح طرح کی آزمائشوں اور آفاتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿يَقُولُونَ إِن كُنْتُمْ أَهْلًا لِّدِينِكُمْ فَلْيَسِّرْهُ لَنَا فَخَفَّاكَ بِهِ ثُمَّ شَتَّاهُ يَوْمَ السَّيْئَةِ فَتَوَلَّى ظَهْرَهُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ كَافِرِينَ ۝﴾

ہوا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“

سمندر حکم الہی سے پھٹ گیا: جب معاملہ انتہائی نازک صورت اختیار کر گیا اور فرعون پر لڑنے لگا۔ سمندر قریب پہنچ گیا تو مومن انتہائی پریشان ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ سمندر پر اپنا عصا مارے۔ آپ نے عصا مارتے ہوئے فرمایا: ”اللہ کے حکم سے پھٹ جا!“ فرمان الہی ہے: ﴿فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَخَذِ ابْنَ هَارُونَ أَخَاهُ ثَوْبًا مِّنْ نَّارٍ﴾ ”تم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ سمندر پر اپنی لاٹھی مار، پس اسی وقت سمندر پھٹ گیا اور (پانی کا) ہر ایک حصہ بڑے سارے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔“ ایک روایت کے مطابق اس میں بارہ راستے بن گئے تھے یعنی ہر قبیلہ کے لیے الگ راستہ بن گیا۔

اسی طرح پانی پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ اسے اللہ کی عظیم قدرت نے روک رکھا تھا۔ وہ تو جس کام کو ارادہ کرتا تھا، وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے سمندر کے کچھ کو خشک کر دیا۔ اس طرح گھوڑا اور دوسرے جانوروں کے جسم فٹننے سے محفوظ ہو گئے۔

مومنوں کی نجات اور فرعونوں کی غرقابی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعَبِيدِي فَخَاطِبُوا لَهُمْ مَوَاقِفًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَفُ فَفَعَلَ دَافِعًا فَخَافُوا مِنْ أَوَّلِهِ وَخَافُوا مِنْ آخِرِهِ﴾ ”تم نے موسیٰ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل! اور ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنائے، پھر نہ تجھے کسی کے آچکڑے کا خطرہ ہو گا نہ ڈر۔ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا پھر تو سمندر ان سب پر چھا گیا، جیسا کہ چھا جانے والا تھا۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا۔“ (طہ: 77/72)

جب اللہ عز و جل کے حکم سے سمندر کی یہ کیفیت ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وہاں سے گزرنے کا حکم دے دیا۔ وہ خوش ہو کر جلدی جلدی ان راستوں میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے ایسا عظیم واقعہ دیکھا تھا جس کو دیکھ کر ہر شخص حیران رہ جائے اور مومنوں کو ہدایت نصیب ہو۔ جب وہ سب پارا تر گئے اور ان کا آخری فرد بھی سمندر سے پار چڑھا، مین اس وقت فرعون کا لشکر سمندر میں بہتے ہوئے ان راستوں میں داخل ہو رہا تھا۔

تاہم دوسروں کو ڈوبایا۔ بیٹک اس قصے میں نشانی ہے لیکن یہ اکثر ایمان لانے والے نہیں اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔“ (الشعراء: 68-52)

مفسرین فرماتے ہیں: جب فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں روانہ ہوا تو ایک بہت بڑا لشکر اس کے ہمراہ تھا۔ کہتے ہیں اس کی گھوڑا سواریوں میں ایک لاکھ ساہ گھوڑے تھے اور اس کے لشکر کی تعداد سولہ لاکھ سے زیادہ تھی۔ (واللہ اعلم) ایک قول کے مطابق بنی اسرائیل میں بچوں وغیرہ کو چھوڑ کر صرف جنگجو مردوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ساتھ مصر میں آنے سے لے کر موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ مصر سے نکلنے تک چار سو چھپیس مئشی سال کی مدت ہے۔

بہر حال فرعون اپنے لشکر سمیت بنی اسرائیل تک پہنچ گیا۔ اس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا۔ دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ معلوم ہوا تھا کہ اب حملہ ہونے ہی والا ہے تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ”إِنَّا كُنَّا نَدْعُونَكَ“ ”ہم تو یقیناً پکار لیے گئے۔“

ظاہری حالات کے مطابق منہجے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ سامنے سمندر تھا اور پیچھے فرعون کی فوجیں۔ دائیں بائیں اونچے اونچے پہاڑ تھے۔ جب انہوں نے یہ نازک صورت حال دیکھی تو موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی کہ وہ انتہائی خوف زدہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِيْنِي“ ”ہرگز نہیں! یقیناً میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔“ آپ اپنی جماعت کے پچھلے حصے میں تھے، وہاں سے آگے آگئے۔ دیکھا کہ سمندر کی لہریں تلاطم خیز ہیں، آپ نے فرمایا: ”مجھے نہیں سے گزرنے کا حکم ہوا ہے۔“

آپ کے ساتھ آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بھی تھے، جو اس وقت ایک اہم قائد اور عالم تھے، انہیں موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ ان کے حالات اگلے صفحات میں بیان ہوں گے (اشارہ اللہ) قوم فرعون میں سے ایمان لانے والا مومن بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے کئی بار گھوڑا سمندر میں داخل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: ”اے اللہ کے نبی! آپ کو ہمیں سے گزرنے کا حکم

① بیان بائبل کے مطابق ہے۔ جنگجو مردوں سے مراد یہ ہے کہ اس تعداد میں مورخوں اور بیس سال سے کم عمر کے بچے شامل نہیں۔ علاوہ ازیں یہ تعداد صرف گیارہ قبیلوں کی ہے۔ ہولاد کی جنگجو مرد اس میں شامل نہیں کیونکہ وہ صرف مذہبی فرائض انجام دیتے تھے۔ (دیکھیے کتب: باب 1: فقرہ 45/47) لیکن بائبل کی بیان کردہ یہ تعداد درست نہیں۔ علامہ رحمت اللہ کیرا کوئی ٹاٹ نے مسیحی علماء کے اقوال اور دیگر دلائل سے ثابت کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں صرف دو سو پندرہ سال بچہ نہیں ہیں۔ (اعلہار 14/41، 41/45) اس مدت میں اسی سال کا کارہ مصر بھی شامل ہے، جس میں بنی اسرائیل کے لڑکے ڈنچ کیے جاتے رہے ہیں۔ باقی ایک سو چھتیس سال کی مدت میں یعقوب علیہ السلام کے گیارہ بیٹوں کی اولاد اس تعداد کو نہیں پہنچ سکتی۔ مزید دلائل کے لیے دیکھیے: (اعلہار 12/1، 128/1، مطبوعہ ریاض، سعودی عرب، طبع 1410ھ بمطابق 1989ء)

② خروج، باب 12، فقرہ 40/41۔ سخت جنگ دو سو پندرہ سال ہے۔

آخر کار اس نے اپنا گھوڑا سمندر میں داخل کر دیا۔ جب فوجیوں نے اسے سمندر میں داخل ہوتے دیکھا تو وہ سبھی اس کے پیچھے سمندر میں داخل ہو گئے۔ جب فوج کا اگلا حصہ سمندر سے نکلنے کے قریب تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ کوچی کے ذریعے سے حکم دیا کہ سمندر پر عصارا دیں۔ فوراً سمندر اسی طرح رواں ہو گیا، جیسے پہلے تھا۔ سب کا فرغ ہو گئے۔ ایک بھی نجات نہ پاسکا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَحَمْلَةَ آتُونَا أَجْوَاجًا ۖ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَفْئُتَهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۚ وَلَٰكِنَّ ذَٰلِكَ لَمَوْعِظَةٌ لِّلْجَاهِلِينَ﴾

”ہم نے موسیٰ اور اس کے تمام ہاتھیوں کو نجات دے دی اور پھر سب دوسروں کو ڈوبوایا۔ یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان والے نہیں اور یہ شک آپ کا رب پر ایمان غاب و مہربان ہے۔“ (الشعراء: 65/66-67)

یعنی اللہ نے اپنے بندوں کو نجات دی۔ ان میں سے کوئی بھی غرق نہ ہوا اور اللہ کے دشمن سب کے سب غرق ہو گئے۔ ان میں سے ایک بھی نجات نہ پاسکا۔ یہ ایک واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عظیم قدرت و طاقت والا ہے اور اس کا رسول جو شریعت لے کر آیا، وہ برحق ہے۔

فرعون کی آخری لمحے ایمان لانے کی ناکام کوشش

سرکش باغی ظالم اور مغرور و متکبر فرعون نے جب موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو سمجھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب کو تسلیم کر لیا لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجِئْنَا بِبَنِي إِسْرَٰئِيلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُودَهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا حَقًّا ۖ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۖ قَالَ أَصْنَتْ أُنْثَىٰ ۖ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آتَانِي أَمْنًا ۖ يَهْ بَنُو إِسْرَٰئِيلَ ۖ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۚ أَلَمْ يَكُنْ لَّيْلًا وَكَانَ فِيهِ مِنَ الْفَاسِقِينَ ۚ قَالَ يَوْمَ ذُنُوبِكُمْ ۖ بِسْمِكُمْ لَيْسَ بِي خَلْقُكَ إِنِّي ۚ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ الْفَٰسِقِينَ ۚ عَنِ الْيَمِينِ لَغْوُهُ ۖ﴾

”اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے چلا، یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بولا: میں ایمان لاتا ہوں کہ اس (اللہ) کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔“ (جواب دیا گیا) کیا اب (ایمان لاتا ہے)؟ اور تو پہلے سرکش کرتا رہا اور مفندوں میں شامل رہا۔ سو آج نہ صرف میری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لیے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانیاں سے غافل ہیں۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ۚ أَنْ أَكْذِبَ الرَّبَّ عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنَّي لَكُم رَسُولٌ أَمِينٌ ۚ وَأَنْ لَا تَتَّبِعُوا عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّي أَتَيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۚ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُون ۚ وَلَٰكِنْ كَمْ يُؤْمِنُونَ بِقَاعَتِي لَوْنٌ ۚ قَدْ عَارَضَهُ أَنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ۚ فَآسَرْ بِعِبَارِي لَيْلًا لَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ۚ أَفَرَأَيْتَ الْبَحْرَ رَهَوًا إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُونَ ۚ كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَافٍ وَعُيُونٍ ۚ وَذُرُوعٌ وَمَقَارِعٌ كَرِيمٍ ۚ وَتَعْبَهُ كَانُوا فِيهَا فَيَكْبَهُنَ ۚ كَذَٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۚ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ۚ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَٰئِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْهَيْنِ ۚ مِنْ فِرْعَوْنَ ۖ إِنَّكَ كَانَ عَلِيًّا ۖ مِنَ الْمُسْرِفِينَ ۚ وَلَقَدْ اخْتَرْتَهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۚ وَأَتَيْنَهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاٌ مُّبِينٌ ۚ﴾

”اور ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی اور ان کے پاس ایک عالمی قدر پیغمبر آئے۔ (جنہوں نے) یہ (کہا) کہ اللہ کے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں اور اللہ کے سامنے سرکش نہ کرو۔ میں تمہارے پاس کھلی دلیل لے کر آیا ہوں اور میں اس (بات) سے کہ تم مجھے سنا کر کراہنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ تب موسیٰ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ بافرمان لوگ ہیں۔ (اللہ نے فرمایا کہ) میرے بندوں کو اتنا رات لے کر چلے جاؤ اور (فرعون) ضرور تمہارا تعاقب کریں گے۔ اور دریا سے (کہ) خشک (ہو جا ہو گا) پار ہو جاؤ (تمہارے بعد) ان کا تمام لشکر ڈوب دیا جائے گا۔ وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور اتریں مکان اور آرام کی چیزیں جن میں بیش کیا کرتے تھے۔ اسی طرح (ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو ان چیزوں کا مالک بنا دیا۔ پھر ان پر نہ تو آسمان اور زمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی اور ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی یعنی فرعون سے۔ بیشک وہ سرکش اور حد سے نکلا ہوا تھا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو اہل عالم سے دانستہ منتخب کیا تھا اور ان کو ایسی نشانیاں دیں تھیں جن میں صریح آزمائش تھی۔“ (الدخان: 33-44)

جب آپ نے سمندر کو اسی طرح رہنے یا فرعون بھی وہاں پہنچ گیا۔ وہ یہ منظور کیجے کہ خوف زدہ ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ اس کا کلام کا ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ رک جائے اور دل میں شرمندہ ہو رہا تھا لیکن اس نے اپنی قوم کے سامنے جرأت کا مظاہرہ کیا اور اپنے بیوقوف پیروکاروں سے بولا: ”دیکھو! اس طرح سمندر نے مجھے راستہ دے دیا ہے کہ میں اپنے مغرور اور باغی بندوں کو گرفتار کروں۔“ لیکن دل میں وہ مذہب کا خشاک تھا کہ آگے بڑھے یا نہ بڑھے۔

سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں شامل رہا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ایمان قبول نہیں ہوا کیونکہ اگر اسے مزید مہلت دی جاتی تو وہ دوبارہ گزشتہ اطوار پر اختیار کرتا جیسے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب وہ جہنم کو آگھوں سے دیکھ لیں گے تو کہیں گے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْلِبْ عَلٰیۤىۤ اَیۡدِیْکُمْ اَلۡکُتُبَ ۚ فَاَنتُمْۤ اَوۡفٰوۤا بِمَاۤ اَوۡفٰوۤا بِہِۚ﴾ ”ہائے! کیا اچھی بات ہو کہ تم پھر واپس پیچھے دینے جاؤ، اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔“ (الأنعام: 27/6)

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: ﴿بَلۡ بَدَا لَہُمۡ مَا کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ مِنْۢ بَقۡلٍ ۚ وَکُوۡرٍ وَّوَادِعَآءٍ لِّمَاۤ اَنۡہٰوۡا عَنْہُ وَاَیۡہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ﴾ ”بلکہ جس چیز کو اس نے قتل دیا کرتے تھے، وہ ان کے سامنے آگئی ہے اور اگر یہ لوگ پھر واپس پیچھے دینے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔“ (الأنعام: 28/6)

۵ فرعون کو لعش نشان عبرت ہے: اللہ تعالیٰ نے اس مغرور تکبر کی لعش کو تاقیامت آنے والی نسلوں کے لیے نشان عبرت بنا دیا تاکہ آجہ بھی خدا کی دعویٰ کرنے والے اپنا انجام بغور ملاحظہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالِیۡوۡمَ نُنۡجِیۡکَ بِمَکَرِکَ لِتَکُوۡنَ لِیۡنَ حَافِلَۃً اَیۡۃً﴾

”سو آج ہم صرف تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لیے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانوں سے غافل ہیں۔“ (یونس: 92/10)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کو فرعون کی موت کا یقین نہ آیا۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ مری نہیں سکتا۔ تب سمندر نے اللہ کے حکم سے اس کی لاش پانی کی سطح پر ایک سیلے پر اچھال دی اور اس کی وہ قبض اس کے جسم پر تھی جو سیلے کو پھینکتے تھے تاکہ انہیں اس کی ہلاکت کا یقین ہو جائے اور وہ اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کر لیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَالِیۡوۡمَ نُنۡجِیۡکَ بِمَکَرِکَ﴾ ”آج تم مجھے تیرے بدن کے ساتھ نجات دیں گے۔“ یعنی تیری معروف قبض کے ساتھ تیرے بدن کو بچالیں گے۔ ﴿تَکُوۡنَ لِیۡنَ حَافِلَۃً اَیۡۃً﴾ ”تاکہ تو ان کے لیے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں۔“ یعنی بنی اسرائیل کے لیے یہ اللہ کی قدرت کی دلیل ہوگی جس نے تجھے تباہ کیا۔

فرعون اور اس کی افواج کی تباہی کا واقعہ عاشوراء کے دن (محرم کی دس تاریخ کو) پیش آیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودی عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”یہ دن کیا (اہمیت رکھتا) ہے، جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟“ انہوں نے کہا: اس دن موسیٰ ﷺ کو فرعون پر غلبہ نصیب ہوا تھا۔ نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ”موسیٰ ﷺ پر تمہارا حق ان (یہود) سے زیادہ ہے، اس لیے (عاشوراء کا) روزہ رکھا کرو۔“

① صحیح البخاری: الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 2004 وصحیح مسلم: الصیام، باب صوم یوم عاشوراء،

(یونس: 92-90/10)

اللہ تعالیٰ نے کافر قبطیوں کے سردار یعنی فرعون کے ڈوبنے کی کیفیت بیان کی ہے۔ جب وہ پانی کی لہروں میں کبھی ڈوب رہا تھا اور کبھی ابھر رہا تھا اور بنی اسرائیل اس پر اور اس کی فوجوں پر نازل ہوئے والا اللہ کا عذاب دیکھ رہے تھے تاکہ ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں۔ جب فرعون نے دیکھا کہ موت اس کے سر پر کھڑی ہے اور اس کی جان ٹھنکے گی تو اس نے تو یہی کہیں اس وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتْ عَلَیۡہِمۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۚ وَکُوۡجَآءُ ثَہُمۡ کُلٌّ اَیۡۃً حَتّٰی یُرَوۡا الْعَذَابَ الْاَلِیۡمَ ۚ﴾

”یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، وہ ایمان نہ لائیں گے، گواہوں کے پاس تمام نشانیاں پہنچ جائیں، جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔“ (یونس: 97/96/10)

دوسرے مقام پر یونس فرمایا:

﴿قَلٰٓمًا رَّاوۡا بِاَسۡنَا قَالُوۡۤا اَمَّا بِاِلٰہِہٖۤ وَحَدَہٗ وَکَفَرۡنَا بِمَا لَنَا بِہِۚ مُشْرِکِیۡنَ ۚ قَلَمَ یَکَ یُنۡفَعُہُمۡ اِیۡہَا لَہُمۡ نَارًا رَّاوۡا بِاَسۡنَا سَنَتَ اللّٰہُ النَّبِیَّ قَدۡ حَلَّتْ فِیۤ عِبَادَہٗ ۚ وَحَسِیۡرَ ہٰۤؤُلَآءِ الْکٰفِرُوۡنَ ۚ﴾

”ہمارا عذاب دیکھتے ہی کہنے لگے: ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جن کو ہم ان کا شریک بناتے رہے، ہم نے ان سب کا انکار کیا۔ لیکن ہمارے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد کے ایمان کے انہیں فائدہ نہ دیا۔ اللہ نے اپنا معمول یہی مقرر کر رکھا ہے جو اس کے بندوں میں برابر چلا آ رہا ہے۔ اور اس جگہ کا فرخرب دشتہ ہوئے۔“ (یونس: 85/84/40)

حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ فرعون اور اس کے سرداروں کے اموال تباہ ہو جائیں اور ان کے دل سخت ہو جائیں، انہیں دردناک عذاب میں مبتلا ہونے تک ایمان نصیب نہ ہو۔ اس لیے انہیں مرتے وقت کے ایمان سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور حسرت و افسوس کی حالت میں مرے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ﴿قَدْ اٰجِیۡتَ دَعَوٰتَکُمَا﴾ ”تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔“ اب اس قبولیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب فرعون نے کہا: میں ایمان لاتا ہوں کہ اس (اللہ) کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں (اس وقت کے بارے میں) جبریل رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا: محمد (ﷺ) کا! ش آپ دیکھتے جب میں نے سمندر کی کچھلے کرفروں کے منہ میں ٹھونس دی تھی، اس ڈر سے کہ اس پر اللہ کی رحمت نہ ہو جائے۔“

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿اَلۡفَنَ وَکَذَ عَصِیۡتَ قَبۡلَ وَاَلۡتَمِیۡتُ مِنَ الْمُنۡفِیۡیۡنَ﴾ ”کیا اب (ایمان لاتا ہے) اور تو پہلے

نے کس طرح انہیں ان کی عزت اور مال سے محروم کر کے ہلاک کر دیا اور ان کے تمام مالوں اور ملکیتی اشیاء کے مالک بنی اسرائیل بن گئے۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾

”اسی طرح ہوا اور ہم نے ان (تمام) چیزوں کو وارث بنی اسرائیل کو بنادیا۔“ (الشعراء: 59/26)

اور مزید فرمایا:

﴿وَيُؤَيِّنُ آدَمَ عَلَى الْكَثِيمِ اسْتَغْفِرُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجَّاهُمْ إِلَهَهُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾

”پھر ہم نے چاہا کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا اور ہم انہی کو چیشوا اور (زمین کا) وارث بنائیں۔“ (الفصص: 5/28)

اور یہاں فرمایا: ﴿وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنْتَ كِغَيْثَ رَيْحٍ الْفُصْلَى عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ يَسْأَلُونَ مَا كَانُوا يُفْعَلُونَ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ﴾ ”اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور کر دیا جاتے تھے اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنادیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ساتھ پرداخت کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے، سب کو درہم برہم کر دیا۔“ یعنی ان سب کو تباہ کر دیا اور دنیا کی شوکت و عظمت ان سے چھین لی۔ بادشاہ اس کے درباری اس کے حاکم، اس کے لشکر بہ تباہ ہو گئے، صرف مصر کے عوام اور عیت کے افراد باقی رہ گئے۔

۸۰ قوم کی خواہش بت پرستی: اللہ تعالیٰ نے انہی عظیم و برتر کتاب میں قوم موسیٰ کی ایک غلط خواہش کا تذکرہ یوں فرمایا:

﴿وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْيَحْرَ فَاتَوَا عَلَى قَوْمِهِمْ يَعْشَوْنَ عَلَى أَصْنَاوِهِمْ قَالُوا يَمُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۚ إِنَّ هَؤُلَاءِ مَتَّبِعُوا مَا هُمْ فِيهِ وَبُطِلَ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾

”اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پارتا تار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لگے بیٹھے تھے، کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجیے جسے ان کے معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا: واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔ یہ لوگ جس کا نام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام خالص بے بنیاد ہے۔“ (الأعراف: 138/7)

انہوں نے جہالت اور گمراہی کی بات کہہ دی، حالانکہ وہ اللہ کی قدرت کی ایسی نشانیاں دیکھ چکے تھے جن سے عظیم رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت بالکل واضح ہو چکی تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ان کا گمراہی قوم کے پاس سے ہوا جو بت

فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کے حالات

فرعون اور اس کی کافر قوم کی قربانی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو بے شمار نعمتوں سے نوازا خصوصاً غلامی سے نجات اور اس کی نعمت سے سرفراز کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَانْتَقَيْنَا مِنْهُمْ قَارِعُونَهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ يَأْتِيهِمْ كَذِبًا يُبْلِغُونَ ۚ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنْتَ كِغَيْثَ رَيْحٍ الْفُصْلَى عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ يَسْأَلُونَ مَا كَانُوا يُفْعَلُونَ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ۚ وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْيَحْرَ فَاتَوَا عَلَى قَوْمِهِمْ يَعْشَوْنَ عَلَى أَصْنَاوِهِمْ قَالُوا يَمُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۚ إِنَّ هَؤُلَاءِ مَتَّبِعُوا مَا هُمْ فِيهِ وَبُطِلَ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۚ قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَنْعِيَكُمْ إِلَهًا ۚ وَهُوَ فَضْلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۚ وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَقْتُلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ لَكُمْ ۖ فَمَنِ تَذَكَّرْهُ عَزَّمْ ۖ﴾

”پھر ہم نے ان (قوم فرعون) سے بدلہ لے لیا، یعنی ان کو سمندر میں غرق کر دیا۔ اس سب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی غفلت کرتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور کر دیے جاتے تھے اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنادیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ساتھ پرداخت کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے، سب کو درہم برہم کر دیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پارتا تار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لگے بیٹھے تھے، کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجیے جسے ان کے معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا: واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔ یہ لوگ جس کا نام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام جھٹل ہے۔ فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویر کروں؟ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون اور اس کے پھیلے ہوئے بت کی تحفہ پیش کی تھی۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔“ (الأعراف: 136/7-141)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی افواج کے غرق ہونے کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ اس

پرو۔ انہوں نے جواب دیا: اے موسیٰ! وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نکل جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر ہم (بنوئی) چلے جائیں گے۔ دو حضوں نے جو اللہ سے خوف کھانے والوں میں سے تھے، جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل کما تھا، تم ان کے مقابلے میں دروازے میں تو پہنچ جاؤ۔ دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غائب آ جاؤ گے۔ تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ قوم نے جواب دیا: اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں، تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے، اس لیے تم اور تمہارا پورا دروگاہاں جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو، ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ موسیٰ (ﷺ) کہنے لگے: اے! مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں، پس تم ہمیں اور ان نافرمانوں میں جدائی ڈال دے۔ ارشاد ہوا: اب یہ (زمین) ان پر چالیس سال تک حرام رکھی گئی ہے۔ یہ (خانہ بدوشوں کی طرح) ادھر ادھر سرگرداں رہیں گے۔

سے ایک (بی) کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا، سو آپ پروردگار سے دعا کیجئے کہ ترکاری اور دھڑکی اور گیہوں اور مسرور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اُگتی ہیں، ہمارے لیے پیدا کر دے۔ انہوں (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ کیا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے عوض ناقص چیزیں چاہتے ہو (اگر یہی چیزیں مطلب ہیں) تو کسی شہر میں جائزہ ڈالیں جو نکلنے سے بول جائے گا۔ اور (آخر کار) ذلت (دروانی) اور محتاجی (بے نوائی) ان سے چھننا ہی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گئے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے اور یہ اس لیے کہ وہ نافرمانی کی بات تھے اور حد سے بڑھتے جاتے تھے۔“ (البقرہ: 61/62)

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا یہ احسان بیان فرمایا ہے کہ اس نے انہیں مس و سلوکی میں فرمایا۔ یہ دیوں و دل پر بندھنے کے لئے جو انہیں بلا مشقت حاصل ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ صبح کے وقت ان پر من نازل فرماتا تھا اور شام کے وقت بیروں کے مسجد منہج دیتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پتھر پر عصا مارنے سے ان کے لیے اللہ کی قدرت سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، وہ قبیلہ کے لیے ایک چشمہ تھا، جس میں پہلے خود راغز جاری ہوتا، پھر وہ بیٹھتا یا تیزی سے پہنچتا۔ وہ خود بھی پیتے، جانوروں کو بھی پلاتے اور ضرورت کے مطابق ذخیرہ بھی کر لیتے۔ گرمی سے بچاؤ کے لیے انہیں بادلوں کا سایہ میسر تھا۔ یہ اللہ کی عظیم نعمتیں اور رعایات تھیں۔ ان لوگوں نے ان کا کما حقہ خیال نہ کرنا، نہ ان کا شکر کرنا ہوتے ہوئے کما حقہ عبادت کی۔ بلکہ بعد ازاں ان میں سے بہت سے افراد ان نعمتوں سے بھگ آ گئے اور ان کے بدلے زمین سے آگئے والی بڑا کار ایسا اور پیاز وغیرہ مانگنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سختی سے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: **اَسْتَسْبِدُّوْنَ الَّذِي هُوَ اَدْبَلُ مِنَ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ مِنْكُمْ اَوْ يَصْطَرِفُ اَنْ يَكُونَ مَقَامًا لَكُمْ؟** ”بہتر چیز کے بدلے اپنے جیڑوں کیوں غلبہ کرتے ہو؟ یا پھر چاہتے ہیں کہ جاؤ، وہاں تمہیں پسند کی سب چیزیں ملیں گی۔“ یعنی موجودہ بے مثال نعمتوں کے بدلے جن جیڑوں کا تم مطالعہ کر رہے ہو، وہ دوڑ چھوٹی بڑی ہستی و اداوں کو حاصل ہیں۔ جب تم وہاں جاؤ تو اپنے جیڑوں پر تمہیں مل سکتی ہیں لیکن یہاں میں تمہارا مطالعہ پر آمیزش کروں گا۔

ان لوگوں کی مذکورہ تمام حرکتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں جن کاموں سے منع کیا گیا تھا، وہ ان سے بائیس آئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَطْعَمُوا مِمَّا عَلَيْهِمْ غَضَبٌ﴾ وَكَانَ يَقُولُ عَلَيْهِمْ غَضَبٌ فَقَدْ هَبْنِي اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو اور تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے، وہ یقیناً تباہ ہوگا۔“

(طہ: 81/20)

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس شدید وعید کے ساتھ ان لوگوں کے لیے رحمت اور امید کا دروازہ کھلا رکھا جو توبہ کر کے اللہ کی طرف آجائیں اور مردود شیطان کے راستے پر نہ چلتے ہیں۔ اس لیے فرمایا: **﴿وَأَنِِ تَقْبَلُوا لَهُم مِّن ذُنُوبِهِمْ رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾** (اور ان کے گناہوں کو قبول فرما، ہمارے رب! بیشک تُو بخشنے والا مہربان ہے)۔

رہیں۔“ (طہ: 82/20)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدار الہی کی خواہش

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خصوصی ملاقات کا شرف اور احکامات شریعت دینے کے لیے کھوکھڑے چالیس دنوں کے لیے ہالایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پر دیدار ربانی کی خواہش کا اظہار کیا جسے اللہ تعالیٰ نے درج ذیل چیزائے میں بیان فرمایا ہے:

وَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ قَرْنٍ مِّمَّاتٍ رَبِّهِ أَرَبَعِينَ لَيْلَةً ۖ وَقَالَ
مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ۖ وَكَلَّمَآهٗ مُوسَىٰ
بِمَقَامِنَا وَكَفَّٰهُ رَبُّهُ ۖ قَالَ رَبِّ ارِنِي أَنْظُرَ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ نَرٰىفَ وَلٰكِنْ نَّظُرُ إِلَى الْجَبَلِ
فَإِنِ اسْتَفْزَأَ مَكَانَهُ فَخُودَ ۖ لَمَّا نَظَرَ إِلَى الْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ سُوقًا ۚ
فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ ۖ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ قَالَ يَمُوتُنِي إِنْ أَصْطَفَيْتَ عَلَى
النَّاسِ يٰرِسُلٰنِي ۖ وَكَذٰلِكَ ۖ فَخُذْ مَا أَتَيْتَكَ ۖ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۖ وَكُتِبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَامِ مِنْ
كُلِّ شَيْءٍ مُّوعِدَةً ۖ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۖ فَخُذْ مَا بَقِيَ ۖ وَآمُرُ قَوْمَكَ بِأَخْذِهَا بِحَسَنِهَا ۖ سَآوَرِيكُمْ
دَارَ الْفَيْسِقِينَ ۖ سَآصِرِفْ عَنِ الَّذِينَ الَّذِينَ يَمْكُرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ وَإِنْ يَرَوْا كَلَّآيَةً
لَّا يُؤْمِنُوا بِهَآ ۖ وَإِنَّ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّسُلِ لَا يُؤْمِنُوهُ سَبِيلًا ۖ وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ اللَّهِ يُؤْمِنُوهُ سَبِيلًا
ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۖ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءَ الْآخِرَةِ
حَصْرَتْ أَعْيُنُهُمْ ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَآ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ

”اور ہم نے موئی سے تین رات کی معاد تمہاری اور دس (راتیں) اور ملا کر اسے پورے (چالیس) کر دیا پھر اس کے پروردگار کی چالیس رات کی معاد پوری ہو گئی۔ اور موئی نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے (کھوپڑے) کو طور پر جانے کے (بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو جاؤ! (ان کی) اصلاح کرنے رہنا اور شریوں کے رستے پر نہ چلنا۔ اور جب موئی ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر (کھوپڑے پہنچنے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اسے میرے پروردگار (جملہ) دکھا کہ تیرا ایدار (بھی) کروں۔ پروردگار نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم تھک دو کیونکہ لوگے۔ جب ان کا پروردگار پہاڑ پر جلوہ نما ہوا تو (مخلیٰ انوار ربانی نے) اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موئی سے ہوش ہو کر گر پڑے۔

کا شرف عطا فرمایا جائے۔ آپ نے عرض کی: **رَبِّ اَوْفِ اَنْظُرَ اَيْلًا قَالَ لَنْ تَرَانِي** ”اے میرے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کر دینا جسے میں آپ کو ایک نظر دیکھوں۔ ارشاد ہوا: ”تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ آپ اللہ عزوجل کی مجلسِ برداشت نہیں کر سکتے بلکہ انسان سے زیادہ مضبوط اور بڑی مخلوق یعنی پہاڑ بھی اس قابل نہیں کہ خالق کی مجلس سے اسے نظر فرمایا: **وَلَكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي** ”لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اور اگر اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔“

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس کا تاج اب بھی نور ہے۔ اگر وہ اس تاج اب جو بنا دے تو اس کے چہرہ القدس کے انوار سے وہ تمام مخلوق جا ملے جس تک اس کی نظر پہنچتی ہے۔“

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ ثُبُتَ الْيَقِيْنُ وَآتَا أَقْوَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ** ”پس جب ان کے رب نے اس (پہاڑ) پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا: بے شک آپ کی ذات منزہ ہے، میں آپ کی جناب میں تو یہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے (اس پر) ایمان لانے والا ہوں۔“

مجاہدؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي** ”لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔“ وہ آپ سے بڑا اور زیادہ سخت ہے۔ **فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ** ”پس جب ان کے رب نے اس پر تجلی فرمائی۔“ اور آپ نے پہاڑ کو بیکھا کہ وہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ موسیٰؓ پہاڑ کی اس کیفیت کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: **فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا** پھر آپ ﷺ نے چٹنگی کی پالو پر انگوٹھ رکھ کر اشارہ فرمایا (کہ اس قدر تجلی فرمائی) تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف چٹنگی کے برابر اپنی عظمت کی تجلی فرمائی تو پہاڑ میں بن گیا اور حضرت موسیٰؓ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

قائدِ دہشتؒ فرماتے ہیں: **صَعِقًا** کا مطلب یہ ہے کہ فوت ہو کر گر گئے۔ لیکن یہاں قول درست ہے کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ کیونکہ اس کے بعد یہ ارشاد ہے: **فَلَمَّا أَفَاقَ** ”جب ہوش میں آئے۔“ (ہوش میں آنا غشی ہی سے ہوتا ہے۔ اسے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا کہا جاتا ہے۔) تو عرض کیا: **سُبْحَانَكَ** ”بی شک آپ کی ذات منزہ ہے۔“ اس لفظ میں

① (صحیح مسلم) الإیمان باب فی قوله ﷺ إِنَّ اللَّهَ لَا يَمُوتُ الخ (حدیث: 179) انسان کا دیوانی وجود اللہ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کی سعادت نہیں رکھتا۔ قیامت کے دن اور جنت میں اللہ کے مومن بندوں کو یہ عطا دی جائے گی کہ وہ دیوانی سے شرف ہوں، جیسے کعبہؓ عبادت میں مذکور ہے۔

② تفسیر الطبرسی: 70-6، 72- تفسیر سورة الأعراف آیت: 143

جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور میں تو یہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں اُن سب سے اول ہوں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: ”موسیٰ! میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام کے ذریعے سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے لہذا جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے لاؤ اور (میرا) شکر بجالاؤ۔ اور ہم نے (تورات کی) تختیں میں ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔“ پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (درج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھاؤں گا۔ جو لوگ زمین میں نافع ضرر کر رہے ہیں، اُن کو اپنی آٹیوں سے پیچھے دوں گا۔ اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر راستی کا رستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) رستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے رستہ بنائیں۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آٹیوں کو جھٹلایا اور ان سے غفلت کرتے رہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آٹیوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ یہ جیسے عمل کرتے ہیں وہ یہاں ہی ان کو بدل ملے گا۔“ (الأعراف: 142-147)

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت فرماتے ہیں کہ ”تیس راتوں“ سے مراد ذوالقعدہ کا پورا مہینہ ہے اور ذوالحجہ کے دس دنوں کے ساتھ ”چالیس رات“ کی مدت مکمل ہوئی۔ ① اس روایت کی روشنی میں حضرت موسیٰؓ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کام ہونے کا یہ شرف عید قربان کے دن حاصل ہوا۔ حضرت محمد ﷺ کے دین کی تکمیل بھی اسی تاریخ کو ہوئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰؓ نے تیس دن کی مدت مکمل کر لی۔ اس دوران میں آپ نے روزے رکھے۔ کہتے ہیں اس دوران میں آپ نے بالکل کھانا نہ کھایا۔ جب ایک مہینہ مکمل ہو گیا تو آپ نے کسی درخت کی چھال چبائی تاکہ منہ کی ناکوار بوخوش ہو جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے مزید دس دن روزے رکھنے کا حکم دیا۔ اس طرح کل مدت چالیس دن ہوئی۔ ②

جب آپ نے طور کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر فرما دیا۔ وہ آپ کے گئے بھائی بھی تھے اور تبلیغ کے فرائض کی ادائیگی میں معاون بھی۔ آپ نے انہیں کچھ نصیحتیں فرمائیں، کچھ احکام دیے۔ اور یہ چیز حضرت ہارون علیہ السلام کے بلند مقام اور شرف نبوت کے منافی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِيُخَاطِبَهُمَا** ”اور جب موسیٰ ہمارے وقت مقررہ پر آئے۔“ یعنی جس وقت آنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ **وَلَمَّا كَلَّمَهُ رَبُّهُ** ”اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں۔“ یعنی اللہ نے آپ سے پردے کے پیچھے سے کلام کیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؓ نے اللہ تعالیٰ کی آواز سنی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام کیا اور قرب بخشا۔ جب آپ کو یہ بلند مقام حاصل ہوا اور ہم کلامی کے شرف سے مشرف ہوئے تو آپ نے درخواست کی کہ پردہ اٹھا کر دیدار

① تفسیر الطبرسی: 63-6

② تفسیر ابن کثیر: تفسیر سورة الأعراف آیت: 142

متعلق دریافت فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوالات کے جواب دیے۔

اس دوران میں ایک شخص نے جس کا نام بارون سامری تھا، بنی اسرائیل کے وہ زیور لے لیے جو انہوں نے فرعونوں سے عاریتاً لیے تھے۔ اس نے انہیں ڈھال کر ایک چھڑا بنایا اور اس میں مٹی بھرٹی ڈال دی۔ جو اس نے فرعون کے غرق ہونے کے وقت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے نقش قدم سے اٹھائی تھی۔ اس نے وہ مٹی اس شخص سے ڈال دی تو وہ اس طرح راتینے جس طرح کچ چٹا کچٹا اچھڑا رہتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ واقعی گوشت پوست کا زندہ چھڑا بن گیا تھا، اس لیے گائے کی طرح آواز نکالتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہوا اس کی دہریں داخل ہو کر اس کے منہ سے نکلتی تھی تو اسی قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی جیسے زندہ چھڑے کی آواز ہوتی ہے۔ اس پر وہ لوگ خوش ہو کر اس کے ارد گردنا چنے لگتے تھے۔ وہ کہنے لگے: ﴿هَذَا الْهَيْكَلُ وَاللهُ مُوسَى قَلْبِي﴾ ”یہی تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی لیکن موسیٰ بھول گیا ہے۔“ یعنی موسیٰ کو یاد نہیں رہا کہ معبود تو ہمارے پاس ہے، وہ اسے کہیں اور ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ان فضول باتوں سے بہت بلند و برتر ہے، وہ مقدس اسما و صفات سے متصف ہے اور اس کی نعمتیں بے شمار ہے اور بے حدود و حساب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توہم پر کسی کی تردید فرماتے ہوئے اور ایک بے زبان جانور یا ایک شیطانی شعبدے کو معبود قرار دینے کی حماقت کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّ يَوْجُ الْبَحْرِ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ حَرًّا وَلَا نَفْعًا﴾ ”کیا یہ (گمراہ) لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے پھلے کا اختیار رکھتا ہے؟“ (حلقہ: 89/20) اور مزید فرمایا: ﴿أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يَكُونُ لَهُمْ سَبِيلٌ إِلَّا مَعَهُ وَلَا يَكُونُ لَهُمْ نَفْعٌ وَلَا نَصْرٌ إِلَّا بِهِ﴾ ”کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا؟ انہوں نے اس کو معبود قرار دیا اور بڑی بے انصافی کا کام کیا۔“ (الأعراف: 148/7) یعنی یہ حیوانی مجسمہ نہ بات چیت کر سکتا تھا نہ کسی نفع نقصان کا اختیار رکھتا تھا نہ کسی معاملے میں ان کی رہنمائی کر سکتا تھا۔ اس کی پوجا اپنی جان پر ظلم کے مترادف تھی جب کہ انہیں معلوم تھا کہ جہالت اور گمراہی کا یہ کام بالکل غلط ہے۔ ”اور جب وہ نام ہوئے اور معلوم ہوا کہ وہ لوگ واقعی گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے: ﴿لَيْسَ لَهُمْ حَسَنَاتٌ وَأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ مِنَ الْخَبِيرِينَ﴾“ ”اگر ہمارا ہم پر حق نہ کرے اور ہمارے گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے ہو جائیں گے۔“ (الأعراف: 149/7)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپس آ کر انہیں پھڑکے کی پوجا میں مشغول دیکھا تو وہ سختیاں نیچے بھیجک دیں جن پر تورات کا بھی ہوئی تھی۔ بائبل میں لکھا ہے کہ ”موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں آ کر وہ تختیاں زمین پر شق کر توڑ ڈالیں۔“ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے اور تختیاں دیں۔“ ﴿قَرَأَ الْقُرْآنَ﴾ ”قرآن کے الفاظ سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

﴿ثُمَّ لَتَسْفُتُنَّ فِي الْحَيَاةِ نَسْفًا﴾ ”اِنَّا اِلَيْهِمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾“

”اور اے موسیٰ! تم نے اپنی قوم سے (آگے چلے آئے میں) جلدی کیوں کی کہا: وہ میرے پیچھے (آ رہے) ہیں“ اور اسے پروردگار میں نے تیری طرف (آنے کی) جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو فرمایا کہ ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے بعد آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے اُن کو بہکا دیا ہے۔ اور موسیٰ غم اور غصے کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس آئے (اور) کہنے لگے کہ اے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ (کیا میری جدائی کی مدت تمہیں دراز (معلوم) ہوئی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو؟ اور (اس لیے) تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا (اس کے) خلاف کیا؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلائی نہیں کی بلکہ ہم لوگوں کے زیوروں کا بوہڑ اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے اُن کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔ تو اُس نے اُن کے لیے ایک چھڑا بنایا (یعنی اس کا قالب) جس کی آواز گئی کی تھی۔ جب لوگ کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے مگر وہ بھول گئے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔ اور بارون نے اُن سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو! اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور تمہارا پروردگار تو اللہ ہے سو میری بیروی کرو اور میرا کہا ہمارا نہ وہ کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اسی (کی پوجا) پر قائم رہیں گے۔ (پھر موسیٰ نے بارون سے) کہا کہ بارون! جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں تو تم کو اس بات سے کس چیز نے روکا کہ تم میرے پیچھے نہ آئے۔ بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف (کیوں) کیا؟ کہنے لگے کہ بھائی میری ڈانگی اور سر (کے بالوں) کو چونک رہے ہیں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرق ڈال دیا اور میری بات کو ٹوٹا نہ رکھا۔ (پھر سامری سے) کہنے لگے کہ سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ اُس نے کہا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو آدروں نے نہ دیکھی۔ پس میں نے فرشتے کے نقش پائے (مٹی کی) ایک مٹی بھرٹی پھر اس کو (چھڑے کے قالب میں) ڈال دیا اور مجھے میرے جی نے (اس کام کو) اچھا لگا ہر کیا۔ (موسیٰ نے کہا) جا تجھ کو دنیا کی زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ کہتا رہے کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لیے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے مل سکے گا اور جس معبودی پوجا پر تو متکلف تھا، اُس کو معبود نہیں، اُسی کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔“ (حلقہ: 83/20-98)

ان مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اس وقت کے حالات بیان کیے ہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق وہ طوط پر شریف لگے تھے۔ وہاں آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کام ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے بہت سے امور کے

دیا: ﴿تَنْفِخُ عَلَيْهِ عِطْفُونَ حَتَّى يَبْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَى﴾ ”موسیٰ کی واپسی تک تو ہم اسی کے عاجز بنے بیٹھے رہیں گے۔“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کے حق میں کوئی دلی دہی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو بچھڑے کی پوجا سے منع کیا تھا لیکن لوگوں نے آپ کی بات نہیں مانی۔^①

سامری کا بچھڑا اندر آتش کر دیا گیا

پھر موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ﴿فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ﴾ ”سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟“ (طہ: 98/20) تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: ﴿بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ﴾ ”مجھے وہ چیز دکھائی دی جو انہیں دکھائی نہیں دی۔“ یعنی مجھے جبریل علیہ السلام نظر آ گئے جب کہ وہ گھوڑی پر سوار تھے۔ ﴿فَقَضَيْتُ فِقْصَةً مِّنَ آثَرِ الرَّسُولِ﴾ ”تو میں نے فرستادہ الہی کے نقش قدم سے ایک مٹی بھر لی۔“ یعنی جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے نقش قدم سے مٹی لے لی۔ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ سامری نے دیکھا کہ گھوڑی جہاں قدم رکھتی ہے وہاں گھاس آگ آتی ہے۔ اس نے وہاں سے مٹی لے لی، پھر جب وہ سونے کے بچھڑے میں ڈالی تو مذکورہ واقعہ پیش آیا، اس لیے اس نے کہا: ﴿فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي﴾ ”قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ“ ”میں نے اسے اس میں ڈال دیا۔ اسی طرح میرے دل نے یہ بات سمجھ لی۔“ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: اچھا! دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہی ہے کہ تو کہتا رہے، مجھے نہ چھو نہ۔“ (طہ: 97-96/20) سامری کو یہ بدعا دینی گئی کہ اسے کوئی نہ چھوے کیونکہ اس نے وہ چیز چھوئی تھی، جسے چھونا اس کے لیے جائز نہ تھا۔ اسے دنیا میں اس جرم کی سزا دی اور آخرت میں بھی عذاب ہوگا جیسے فرمایا: ﴿وَلَنْ لَّكَ مَوْجِدٌ مِّنْ عَذَابِنَا﴾ ”ایک اور وعدہ تیری سزا ہے جو تجھے سے ہرگز نہ ملے گا۔“ (طہ: 97/20) پھر فرمایا: ﴿وَالنَّظَرَ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْبَسِغَنَّهُ فِي النَّارِ نَبْغًا﴾ ”اب تو اپنے اس مبود کو بھی دیکھ لیٹا، جس کا اعکاف کیے ہوئے تھا ہم اسے جلا کر، سمندر میں ریڑھ اور زردیں لگے۔“ (طہ: 97/20) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو آگ میں جلا دیا۔ بائبل میں بھی یہی لکھا ہے کہ اسے سمندر میں بکھیر دیا اور بنی اسرائیل کو اسے پینے کا حکم دیا۔ جس نے بچھڑے کی پوجا کی تھی، اس کے ہونٹوں پر اس کی راہ کی چٹکی۔^② بعض کہتے ہیں کہ ان کے رنگ زرد ہو گئے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام موجود تھا بائبل بچھڑا بنے اور پوچھنے کا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے ذمے لگائی ہے۔ بائبل کی کتاب خروج، باب 32 میں مذکور ہے کہ ”ہارون علیہ السلام بچھڑا ہارون اس سے عبود کے لیے قربان کا ہوا بنائی اور اعلان کیا کہ اس کے لیے عبود ہوگی۔ چنانچہ اگلے دن سب لوگوں نے اس سے خدا کے لیے قربانیاں دیں۔“ (خروج: 32: 1-6)

① بائبل میں لکھا ہے: ”اور اس نے (یعنی موسیٰ نے) اس بچھڑے کو جسے انہوں نے بنا دیا تھا، ہارون اور اسے آگ میں جلا دیا اور اسے پار کی جیس کر پانی پر بچھڑا اور اسی میں سے بنی اسرائیل کو پلایا۔“ (خروج: 20: 32) یہاں راہ بچھڑے کا ذکر نہیں۔ شاید گزشتہ دور کے لوگوں میں یہ

موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں زمین پر ڈال دی تھیں۔

بائبل میں ہے کہ ”یہ تختیاں صرف وہ تھیں۔“^① قرآن مجید کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی تختیاں تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ قوم نے بچھڑا پوجنا شروع کر دیا ہے تو آپ کو اتنا غصہ نہیں آیا، جتنا اس وقت آیا جب آٹھ سوں سے دیکھ لیا۔ حدیث نبوی ہے: ”(سنی ہوئی) خبر، آنکھوں سے دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی۔“^②

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں زجر و توبہ کی۔ انہوں نے ایک عذر پیش کیا جو درست نہیں تھا۔ کہنے لگے: ﴿حِينَمَا أَزَادَا مِن رَّبِّنَا الْقَوْمَ فَقَدْ فَخَّنَا بِكَ أَلْفَى السَّامِرِيُّ﴾ ”ہم پر قوم کے زیورات کے جو بوجھ لا رہا ہے لگے تھے، انہیں ہم نے ڈال دیا۔ اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا۔“ (طہ: 87/20) انہوں نے فرعونین کے زیوروں کو اپنے قبضے میں رکھنے میں حرج محسوس کیا، حالانکہ وہ دشمنوں سے حاصل ہونے والا مال تھا جسے لینے کا حکم انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا تھا لیکن جہالت اور بے عقلی کی وجہ سے انہیں بچھڑے کا مجسمہ پوجنے میں کوئی حرج محسوس نہ ہوا جو محض ایک بے روح جسم تھا، لیکن اس میں سے رائیسی کی آواز آتی تھی۔

پھر آپ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ﴿يَا هَارُونَ مَا مَنَّكَ إِذْ آتَيْتَهُمْ هَلُوكَ ۖ أَلَا تَتَذَكَّرُ﴾ ”اے ہارون! انہیں گمراہ ہوتے دیکھتے ہوئے تجھے کس چیز نے روکا تھا کہ تو میرے پیچھے نہ آیا۔“ یعنی آپ کو چاہیے تھا کہ میرے پاس (طور پر) آ کر ان کی اس غلط روی کی اطلاع دیتے۔ انہوں نے عرض کی: ﴿إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ ”مجھے تو صرف یہ خیال داس کہ ہوا کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں فرقہ ڈال دیا۔“ (طہ: 95/20) سبھی آپ انہیں چھوڑ کر میرے پاس آ گئے ہیں، حالانکہ میں آپ کو پناہ مانگ رہا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّ الْغُفْوٰنِ وَالرَّحْمٰنِ وَآذْخَلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ ”اے میرے رب! میری اور میرے بھائی کی خطا معاف فرما اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور سب رحمت کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“ (اعراف: 151/7) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی دعائیں شامل کیا کیونکہ انہوں نے لوگوں کو اس جرم عظیم سے سختی کے ساتھ منع کیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يُعْذِرُ لِمَأْذِنَهُمْ هٰذَا﴾ ”اور ہارون نے اس سے پہلے ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم اس بچھڑے سے تو صرف تمہاری آذرش کی گئی ہے۔“ (طہ: 90/20) یعنی اللہ کی تقدیر سے یہ واقعہ پیش آیا ہے اور تمہیں آ زمانے کو اس نے اس بچھڑے میں آواز پیدا کر دی ہے۔ ”وَأَنَّ رَكْبَكَ الرَّحْمٰنِ“ ”تمہارا حقیقی پروردگار تو رحمن ہی ہے۔“ ”پھر انہیں ہلکا میری بات سن کر: ﴿فَاتَّبَعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي﴾ ”تم سب میری پیروی کرو اور میری بات مانتے چلے جاؤ۔“ انہوں نے جواب

① (خروج: باب: 31، فقرہ: 18)

② مسند أحمد: 215-1، قاری بھی شرب اللہ ہے، ”شہیدہ کے یود مانند دیدہ۔“

نوٹنے کا اشارہ نہیں ملتا۔ (واللہ اعلم)

ستر علمائے بنی اسرائیل کوہ طور پر: موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ستر علماء کے ساتھ کوہ طور پر قوم کی گوسالہ پرستی سے توبہ کے لیے حاضر ہوئے ہیں جہاں وہ ایک اور آزمائش کا سامنا کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا يُحِبُّونَا فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِنِّي أَتُحِبُّكَ إِن تَهْلِكَنَّا مِنَّا فَكُلَّ الشَّعْطَةِ مِنَّا إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنِ شَاءَ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ أَوَلَمْ يَكُن لِّهَٰذَا نَسَاءٌ ۚ وَفِي الْأَجْرَةِ إِنَّا هَذَاكَ الْيَكِّ قَالَ عَدَا ابْنِي أَصِيبْ بِهِ مَن أَشَاءَ ۚ وَرَحِمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَلْتُهَا لِلَّذِينَ يَكْفُرُونَ الرِّكَوَّةَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ أَلَمْ يَكُن لِّمُوسَىٰ الرَّسُولِ الْيَكِّي الْأَيْحَىٰ الَّذِي يَجِدُ وَهُوَ مَكْنُونًا عِنْدَ هَمٍّ فِي الْغُورَةِ ۚ أَلَمْ يُجِيبْهُ يَا مَرْهُمُ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَيَهْدِيهِم مِّنَ الْمُنْكَرِ وَيُجِيبْ لَهُمُ الطَّلِبَاتِ وَيُحَرِّمَ عَلَيْهِمُ الْكَبِيرَ ۚ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَكَصَّرُوهُ وَابْتَغَوُا الثَّوْرَ الَّذِي آتَيْنَاهُ مَعَهُ ۚ وَلِئَلَّيْهُمْ هُمُ الْبَاطِلُونَ ۝﴾

”اور موسیٰ نے اسی ميعاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب (کر کے کوہ طور پر حاضر) کیے۔ جب اُن کو زلزلے نے پکڑا تو موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار اگر تو چاہتا تو اُن کو ہر جگہ پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔ کیا تو اسی فعل کی سزا میں جو ہم میں سے پہلے لوگوں نے کیا ہے ہمیں ہلاک کرے گا؟ یہ تو میری (طرف سے) آزمائش ہے۔ اس سے تو جسے چاہے گرا کرے اور جسے چاہے ہدایت بخشے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہمارے گناہ بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشہ والا ہے اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع کر چکے۔ فرمایا کہ جو میرا عذاب ہے اُسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز پر محیط ہے میں اُس کو اُن لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ جو ایسے رسول نبی (میں) کا اتباع کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاتھوں اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں اور اُن پر جو بوجھ اور طوق تھے وہ اتار دیتے ہیں۔ سو جو لوگ اُن پر ایمان لائے اور اُن کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو ورنہ کے ساتھ نازل ہوا ہے اُس کی پیروی کی وہی مراد پانے والے ہیں۔“

(الاعراف: 157-155/7)

نے انہیں فرمایا: ﴿إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ ”اسل بات یہی ہے کہ تم سب کا معبود برحق صرف اللہ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ اسی کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے۔“ (طہ: 97)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۚ وَذَلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ﴾ ”بے شک جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی ہے ان پر بہت جلدان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی زندگی ہی میں پڑے گی اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیں گے ہیں۔“ (الاعراف: 152/7) چنانچہ اسی ہی ہوا بعض علماء کرام بیان کرتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ کی یہ فرمان: ﴿وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ﴾ ”ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیں گے ہیں۔“ قیامت تک آنے والے ہر بدعتی کے لیے اللہ کا قانون ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور مخلوق پر رحم اور احسان کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ جو بندہ توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَأَعْتَدُوا ۚ إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے، پھر وہ ان کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد کتنا عفو کرنے والا ہے۔“ (الاعراف: 153/7)

لیکن اللہ تعالیٰ نے چھڑا پونے والوں کی توبہ قبول نہیں کی، جب تک انہیں (سزا کے طور پر) قتل نہیں کیا گیا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمُ إِنَّمَا كُنتُمْ مَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ حَزْنٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ ”جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تمہارے معبود جو تم پر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو، وہ اپنے کو آپس میں قتل کرو، تمہاری بہتری اللہ کے نزدیک اسی میں ہے۔ پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“ (البقرہ: 54/2) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایک دن جن لوگوں نے چھڑے کی پوجا نہیں کی تھی، انہوں نے (اللہ کے حکم سے) باتوں میں تلواریں لیں۔ اللہ نے ان پر دھند بھیج دی تاکہ قریب رشتہ دار اپنے رشتہ دار کو نہ پہچان سکے۔ پھر انہوں نے حملہ کر کے ان سب کو قتل کر دیا۔ کہتے ہیں: انہوں نے اس صبح ستر ہزار افراد قتل کیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَىٰ الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَنْوَاعَ ۚ وَفِي سَخْنِهَا حُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَوْتُونَ﴾ ”اور جب موسیٰ کا غضب فرو ہوا تو اُن انجیلوں کو اٹھا لیا اور ان کے مضامین میں اُن لوگوں کے لیے، جو اپنے رب سے ڈرتے تھے، ہدایت اور رحمت تھیں۔“ (الاعراف: 153/7) بعض لوگوں نے ﴿وَفِي سَخْنِهَا﴾ ”اس کے مضامین میں۔“ کے الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ تختیاں ٹوٹ گئیں تھیں۔ لیکن یہ استدلال محل نظر ہے۔ آیت کے الفاظ سے ان کے

۷ بات مذکور ہو سکتی ہیں۔ ہر دور میں حذف و اضافہ ہوتا رہا ہے۔

یہاں بھی اِفتِنَہ کا لفظ امتحان اور آزمائش کے معنی میں آیا ہے۔ اسی لیے کہا گیا: ﴿فَضِلْ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَعْبُدِي مَن تَشَاءُ﴾ ”اے امتحانے والے جس کو تو چاہے گرائی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھے۔“ نیز افسلہ اور تیری مرضی غائب ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا، نہ پلٹ سکتا ہے۔ ﴿أَنْتَ وَلَيْتَنَا فَاطِلُونَ لَنَا وَاحْتَمَا وَأَنْتَ حَزِيرُ الْغُفِيِّنَ﴾ ”اے اللہ! تُو ہی ہمارا حاکم ہے، تُو ہی ہمارا جبرگیر ہے۔“ تُو ہی ہم پر مغفرت اور جحرف اور ماتو سب معافی دینے والوں سے اچھا ہے۔ ہم لوگوں کے نام دینا میں بھی نیک حالی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔“ یعنی ہم تو بہت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿عَذَابِي أَصِيبُ بِهِ مَن أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ”میں اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔“ جیسے صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر لیا تو ایک حجرہ کریمہ، وہ اس کے پاس عرش پر رکھی ہوئی ہے: (وہ حجرہ یہ ہے): ”میری رحمت میرے غضب پر غلبہ ہوگی۔“ ﷺ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَسَأَلْتُهُمَا لَبَدَيْنِ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُدْمِنُونَ﴾ ”میں وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور نکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیاتوں پر ایمان لاتے ہیں۔“ یعنی ان صفات کے حامل افراد کو میری رحمت ضرور حاصل ہوگی۔ ﴿أَلَمْ يَجِبْ أَنْ يَكْفُورَ الرَّسُولُ الْكَافِي الْأَخْفَى الَّذِي يَجِدُّ وَنَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَ هُمْ فِي الزَّكَاةِ وَالْوَغِيلِ﴾ ”جو لوگ ایسے رسول، نبی اُن کی اتباع کرتے ہیں، جن کو وہ لوگ اپنے پاس تو رات و نازل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔“

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کچھ بتایا تھا، اس میں خبرِ نبی شامل ہے۔ اس کی وضاحت تفسیر کی کتاب میں تفصیل سے کی گئی ہے۔ جب بنی اسرائیل پر پہاڑ اٹھایا گیا: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی بہانہ ساز قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاذْأَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا قَوْصَكُمْ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

”اور جب ہم نے تم سے وعدہ کیا اور کو طور کو تم پر اٹھا کر لڑا کیا (اور حکم دیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اسکو سختی سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے نہ یاد رکھو تا کہ (عذاب سے) محفوظ رہو۔ تو تم اس کے بعد (عہد سے) پھر گئے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم خسارے میں پڑ گئے ہوتے۔“ (البقرہ: 63/2) اور مزید فرمایا:

﴿وَإِذْ تَتَّقَانَا الْجَبَلُ قَوِّعَهُمْ كَإِهْلَ طَائِفَةٍ وَكَلَّوْنَا أَنَّهُ وَقَعَ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ستر افضل ترین افراد کا انتخاب کیا اور انہیں فرمایا: ”اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر تو بہ کرو اور اپنی پوری قوم کے لیے معافی کی دعا کرو، روزہ رکھو، غسل کرو اور اپنے کپڑے پاک کرو۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے مقرر کیے ہوئے وقت پر انہیں لے کر طور سینا پہنچ کر تشریف لے گئے۔ آپ اللہ کے حکم اور اجازت ہی سے وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ان ستر افراد نے اللہ کا کلام سننے کی خواہش ظاہر کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”ایسا ہی ہو گا۔“ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب پہنچے تو بادل نے پورے پہاڑ کو چھپا لیا۔ موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور بادل کے اندر داخل ہو گئے اور دوسروں سے فرمایا: ”قریب آ جاؤ!“

﴿وَيَدَارُ عَلَىٰ الْبَنِي خُصْدًا﴾ اور کرک کا عذاب: جب موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلام کا شرف حاصل ہوتا تھا تو آپ کے چہرہ مبارک پر اس قدر روشن آواز آتا تھا کہ کوئی انسان آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ نہیں سکتا تھا، چنانچہ آپ کے اور ان افراد کے درمیان ایک پردہ حائل ہو گیا۔ جب یہ حضرات بادل میں داخل ہوئے تو سر سیمو دو گئے۔ انہوں نے سنا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہیں کہ یوں کریں، یوں نہ کریں۔ جب اللہ تعالیٰ احکامات دے چکا تو موسیٰ علیہ السلام پر سے بادل ہٹ گیا۔ جب ان لوگوں نے کہا: ﴿كُنْ لِقَوْمِكَ حَسْبِيَ﴾ ”کیا اللہ جھگڑے؟“ ”جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھیں، آپ پر یقین نہ کریں گے۔“ (البقرہ: 55/2) اس پر ایک کرک کی آواز آئی اور ان کی جبین جھوموں سے نکل گئیں۔ وہ مر گئے تو موسیٰ علیہ السلام غزوہ ناز کے ساتھ دعا کر لے گئے۔ آپ نے عرض کیا: ﴿رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُم بِلِقَاءِ رَبِّكَ فَكَيْفَ أَهْلَكْتَهُمُ الشَّقَاءَ وَمَا يُعَاذُكُمُ اللَّهُ بِالْخُلُوعِ﴾ ”اے میرے پروردگار! اگر تجھ کو منظور ہوتا تو اس سے قبل ہی ان کو بھجور کر ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دے گا؟“ (الأعراف: 155/7) یعنی ہم میں سے جن بے وقوفوں نے بھجھنے کی پوجا کی ہے، ان کی وجہ سے ہمیں نہ پکڑنا کیونکہ ہم ان کے عمل سے لاتعلق اور بے زار ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”ان پر زلزلے اور کرک کا عذاب اس لیے آیا کہ انہوں نے اپنی قوم کو بھجھنا چاہا جسے ہم نے نہیں کیا تھا۔“

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿إِنْ جِئَ الْإِنشَاقُ﴾ ”یہ واقعہ تیری طرف سے ایک امتحان ہے۔“ (الأعراف: 155/7) کا مطلب یہ ہے کہ اے تیری حق و قضا و قدر کے فیصلے کے مطابق وہ واقعہ پیش آیا جس کے ذریعے سے تو نے ان کی آزمائش کی جس طرح بادلوں علیہ السلام نے اس سے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا: ﴿يَقْدِرُونَ إِنَّمَا فَتِنْتُمْ بِهِ﴾ ”اے میری قوم اس منجھڑے سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔“ (طہ: 90/20)

نے قتل کیا ہے؟“ یہ کہتے ہی وہ پھر مردہ ہو گیا۔^①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَذَلِكَ يُخَيِّ اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكَ إِلَيْهِ لَعْنَهُمْ لَيَفْقَهُنَّ ۚ﴾ ”اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری مصلحت مندی کے لیے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔“ یعنی جس طرح اللہ نے انہیں یہ مقتول زندہ کر کے دکھادیا، اسی طرح وہ تمام مردوں کو جب چاہے ایک گھڑی میں زندہ کر سکتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿مَا خَافُكُمْ وَلَا يَحْشَىٰكُمْ إِلَّا الْتَفْسُ وَأَجِدُكُمْ﴾ ”تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد زندہ کرنا ایسا ہی جیسے ایک نفس کا۔“ (نعمان: 28/31)

موسیٰ و خضر علیہ السلام کے سفر میں پڑا اسرار و اوقات

حضرت موسیٰ علیہ السلام اولو العزم رسل میں سے ایک بلند مرتبہ اور صاحب قدر و منزلت رسول ہیں۔ ایک دفعہ وہ مجمع عام میں خود کو سب سے بڑا عالم کہہ بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا اور انہیں ان سے بڑے عالم کی خبر دی اور پھر ان سے حصول علم کی خبر دی اور پھر ان سے حصول علم کی خواہش موسیٰ علیہ السلام کو ایک طویل صبر آزماء اور علمی سفر پر روانہ کر دی ہے۔ اس واقعہ میں علم حصول علم اور معلوم و معلّم کے بے شمار فضائل و مناقب نمایاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کہف میں اس واقعے کی تفصیلات ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأَوْفَا قَالَ مُوسَىٰ لِقَتْلِهِ لَآ أَبْرَحَ حَتَّىٰ أَتْلُعَ مَجْمُوعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حَضْبًا ۖ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمُوعَ بَيْنَهُمَا لَحِقَ امْرَأَهُمَا طَلْحُودٌ سَابِقُهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۖ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِقَتْلِهِ إِيمَانًا عِدَاكَ نَا ۖ لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصِيبًا ۖ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحَوْتَ وَمَا أَنَسِيْنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۖ قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَمْنَعُ ۖ فَارْتَدَّا عَلَى الْكَافِرِينَ قَصَصًا ۖ فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً ۖ فَمِنْ عِنْدِنَا وَاعْتَبِنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ۖ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ آتَيْتُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي وَمِمَّا عُلِّمْتُ رُحْمًا ۖ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۖ قَالَ سَتَجِدُنِي إِنِ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۖ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ ۖ وَحَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۖ فَانطَلَقَا ۖ فَلَمَّا قَالَا هَذَا رُحْمًا فِي السَّيْفِينِ خَرَقَهُمَا ۖ قَالَ أَخَرَقْتَهُمَا لِشَغْرِي أَهْلَهُمَا ۖ لَقَدْ جِئْتُم شَيْئًا إِمْرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ قَالَ لَا تَثُورَ خِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُفْرِغْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ۖ فَانطَلَقَا ۖ فَلَمَّا حَضَرَا لَمَّا قَالَا لَقِينَا عِلْمًا فَنَفَسْنَا ۖ قَالَ أَفَتَمَلَّكْتُمْ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ

کھم دیتا ہے تو انہوں نے کہا: ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟“ ہم آپ کے مقتول کے بارے میں پوچھتے ہیں اور آپ یہ حکم دے رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ﴿أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ ”میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چلا رہا ہوں۔“ میں تو وہی بات کہہ سکتا ہوں جو مجھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم نے مجھ سے جس معاملہ کے بارے میں کہا تھا کہ اللہ سے سوال کروں، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں: ”اگر وہ لوگ کوئی کافر گئے لے کر ذبح کر دیتے تو مقصود حاصل ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے سختی کی تو ان پر سختی کر دی گئی۔“ انہوں نے اس کی شرطیں پوچھیں، رنگ ہو، پچھا، عمر پوچھی، ان سوالات کے جوابات تو مل گئے لیکن گانے کو تلاش کرنا مشکل ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ انہیں ایک جوان عمر کی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا جو نہ بوزی ہو نہ بالکل بچھیا ہو۔ پھر انہوں نے رنگ ہو، پچھا تو حکم دیا گیا کہ زرد گائے ہو لیکن سرخی مائل ہو، جسے دیکھ کر دل خوش ہو جائے اور یہ رنگ بہت نادر ہے۔ پھر انہوں نے اپنے آپ کو مزید مشکل میں ڈالتے ہوئے کہا: ﴿وَأَعِظْكَ بِبَيْنِ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبِهُ عَلَيْنَا ۖ وَإِن شَاءَ اللَّهُ لَكُنْتُمْ وَتُونَ﴾ ”اپنے رب سے اور دعا کیجئے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتلائے؟ اس قسم کی گائیں تو بہت ہیں، ہمیں پتہ نہیں چلتا، اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے۔“

آپ نے فرمایا: ﴿إِنَّكَ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ كَذَلِكَ تَوَيَّرُ الْأَرْضَ وَلَا تَقْبَلُ الْحَرَّ ۖ مُسَلَّمَةٌ لَا شَيْبَةَ فِيهَا ۖ قَالُوا أَلَيْسَ جَدَّتَ بِالْحَقِّ ۖ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْقَهُونَ﴾ ”اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی، زین میں مل جو سننے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہ ہو، وہ تندرست اور بے داغ ہو۔ انہوں نے کہا: اب آپ نے حق واضح کر دیا۔ غرض انہوں نے وہ گائے ذبح کی اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔“ یہ شرابا پہلے سے بھی سخت تھیں کیونکہ انہیں ایسی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا جو کام کرنے کی عادی نہ ہو۔ کاشت کاری اور آب پاشی کے لیے استعمال نہ کی جاتی ہو۔ بے عیب اور یک رنگ ہو۔ اس کے رنگ میں دوسرا رنگ شامل نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے ان صفات کے ساتھ مخصوص کر دیا تب انہوں نے کہا: ﴿الْفَن جَدَّتَ بِالْحَقِّ﴾ ”اب آپ نے حق واضح کر دیا۔“

مفسرین فرماتے ہیں: انہوں نے نہایت مشکندہ دامنوں ایک گائے خریدی۔ اور اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ گائے ذبح کی جائے۔ تب انہوں نے اسے ذبح کیا اگرچہ وہ حکم بجالا نہ تھے، یعنی تذبذب کا شکار تھے۔ اللہ نے حکم دیا کہ مقتول کو گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا مارا جائے۔ جو نبی اسے نیکل مارا گیا، وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو گیا۔ وہ اٹھا تو اس کی رگوں سے خون جاری تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: ”تجھے کس نے قتل کیا؟“ اس نے کہا: ”مجھے میرے بھتیجے

(نے) کہا کہ جو بھول مجھ سے ہوئی ہے اس پر مواخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملے میں مجھے مشکل میں نہ ڈالے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اُسے مار ڈالا۔ (موتی نے) کہا کہ آپ نے ایک بچہ گناہ جنس کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا (یہ تو) آپ نے بری بات کی! (خضر نے) کہا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو؟ انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے کی اجازت) کو پہنچ گئے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کہا تا طلب کیا۔ انہوں نے اُن کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرا ہی جا رہی تھی۔ خضر نے اُس کو سیدھا کر دیا۔ موتی نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اُن سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا اہتمام ہوتا) خضر نے کہا کہ اب مجھ میں اور تجھ میں ملحدگی ہے مگر جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکتے ہیں اُن کا تمہیں مجید بتانا ہے دیتا ہوں۔ وہ کشتی غریب لوگوں کی تھی، جو دریا میں بہت کرتے تھے یعنی کشتیاں چلا کر گزارہ کرتے اور اُن کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کروں (تاکہ وہ اُسے غصب نہ کر سکے) اور وہ چولا کا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے ہمیں خطرہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر) اُن کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔ ہم نے چاہا کہ اُن کا پروردگار اس کی جگہ اُن کو اور بچہ عطا کرے جو پاک طینت اور صحت میں اس سے بہتر ہو۔ اور وہ جو دیوار میں وہ دوسرا عظیم لوگوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے اُن کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ نیک بخت آدمی تھا لہذا تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو کھوئے جائیں اور پھر خزانہ نکالیں۔ یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔ یہ اُن باتوں کی حقیقت ہے جن پر تم صبر نہ کر سکتے۔“ (التکویف: 60/18-82)

بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام کے پاس جانے والے موتی، وہ معروف پیغمبر موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ ایک اور صاحب تھے، جن کا نسب یوں ہے: موسیٰ بن مسابن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام بعض علماء نے ان کتابوں سے اخذ کر کے یہی قول اختیار کیا ہے جن میں نوف بن فضالہ بالی بھی ہیں، ان کی والدہ کعبہ احبار کے نکاح میں تھیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

صحیحین میں واقعہ خضر و موسیٰ علیہ السلام: قرآن مجید سے اور صحیحین کی صریح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام تھے جو خضر علیہ السلام کے پاس گئے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: نوف بالی کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ موسیٰ وہ نہیں تھے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کا دشمن غلط کہتا ہے۔ ہمیں حضرت ابی بن

جَعَلْتُ مَبْنًى لَّكَ ۖ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۚ قَالَ اِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ بَعْدِهَا فَلَا تُصِجْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنَ لَّدُنِّي عُذْرًا ۚ فَاطْلُقَا ۚ فَذَٰلِكَ اَنَّىٰ اَهْلَ قَرْيَةٍ ۚ اسْتَغْلَعَا اَهْلَهَا فَاَرَادَا اَنْ يُصَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُرِيدُ اَنْ يَنْقُصَ فَاَقَامَهُ ۚ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَفُحِّدْتَ عَلَيْهِمْ جَنًّا ۚ قَالَ هٰذَا اِقْرَابِيْ وَبَنِيَّ وَبَيْنُكَ وَبَيْنَهُمَا بَنُوٓا۟ءٌ مَّا لَمْ تَسْطِيعْ عَلَيْهِمْ صَبْرًا ۚ اَمَّا الْفِتْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِيْنٍ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ ۚ فَارَدْتُ اَنْ اَعْمِيْهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ قَلْبٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِيْهَةٍ عَصَبًا ۚ وَاَمَّا الْعِلْمُ فَكَانَ اَبُوهُ مُؤْمِنِيْنَ فَخَشِينَا اَنْ يُرِيقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ فَارَدْنَا اَنْ يُّبَدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا فَوْنَهُ ذِكْرٌ وَّاَقْرَبُ رَحْمًا ۚ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ اَبُوهُمَا صَالِحًا ۚ فَارَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبَيِّنَا اَسْمَهُمَا وَيَسْتَفْجِياَ لَكُذُّهُمَا ۚ رَحْمَةً مِن رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِى ۚ ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِيعْ عَلَيْهِمْ صَبْرًا ۚ ﴿۱۸﴾

”اور جب موتی نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں وہ دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں، چلتا ہی رہوں گا خواہ برسوں چلتا رہوں۔ جب اُن کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی پھلی بھول گئے اور اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنالیا۔ جب آگے چلے تو (موتی نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارا کھانا لاؤ اس سفر سے تم کو بہت نکلان ہوگئی ہے۔ (اس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں پھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر نہ کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے جب طرح سے دریا میں اپنا رستہ بنا لیا۔ موتی نے کہا: یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے پھر وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے۔ (وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم خضر تھا۔ موتی نے اُن سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (اللہ کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔ (خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو اگر جس بات کی تمہیں خبری نہیں، اُس پر صبر کر بھی کیسے کہتے ہو؟ موتی نے کہا: اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔ (خضر نے) کہا: اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے کہ) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خواص کا ذکر تم سے نہ کروں۔ وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو تورا ڈالا۔ (موتی نے) کہا: کیا آپ نے اس کو اسے توڑا ہے کہ سواروں کو فرق کر دیں؟ یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی۔ (خضر نے) کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو؟ (موتی

دولت دی ہے، اس پر فخر نہ کرو اور دوسروں کی تحقیر کرتے ہوئے برتری کا اظہار نہ کرو! ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ﴾ وابتغِ فِيمَا أَتَىكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ﴿﴾ ”اللہ تعالیٰ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے، اس میں سے آخرت کے گمراہی تلاش بھی رکھ!، یعنی تجھے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ آخرت کا ثواب حاصل کرے ﴿وَلَا تَمْسَسْ يَدَيْكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾، اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ چھو!، یعنی اپنے مال کے ذریعے سے حلال اشیاء حاصل کرو اور پاک حلال اشیاء سے لطف اندوز ہو۔ ﴿وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾، اور جیسے اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کرو!، یعنی جس طرح اللہ نے تجھے پراسان کیا ہے تو بھی اللہ کی مخلوق پر احسان کرو! ﴿وَلَا تَبْخَسَ الْقَصَادَ فِي الْبُزْجِ﴾، اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو!، یعنی لوگوں سے بدسلوکی نہ کرو اور اللہ کی نافرمانی نہ کرو ورنہ تجھے سزا دے گا اور جو کچھ تجھے دیا ہے تجھ سے چھین لے گا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُبْخِشِينَ﴾، ”یعنین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند کرتا ہے۔“

اس واضح اور درست نصیحت کے جواب میں قارون نے کہا: ﴿إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي﴾، ”یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا ہی دیا گیا ہے۔“ یعنی مجھے تمہاری بات سننے اور تمہاری نصیحت سننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے اللہ نے اپنی دولت اس لیے دی ہے کہ اسے معلوم ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں۔ اگر میں اللہ کی نظر میں بیار نہ ہوتا تو وہ مجھے یہ سب کچھ نہ دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَآلُوهُ جُمُعًا وَلَا يُنْفَكُ عَنْ ذُلِّهِمْ الْمُجْرِمُونَ﴾ ﴿﴾ ”کیا اسے اب تک نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سی امتیں غارت کر دیں، جو اس سے بہت زیادہ قوت والی اور بہت بڑی جمع پوٹھی والی تھیں اور گناہ گاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس نہیں کی جاتی؟“ مطلب یہ ہے کہ گزشتہ اقوام میں ہم نے ایسے لوگوں کو بھی ان کے گناہوں کی وجہ سے تباہ کر دیا تھا جو قارون سے زیادہ طاقتور اور زیادہ مال دار اور زیادہ اولاد والے تھے۔ اگر قارون کی بات درست ہوتی تو ہم اس سے زیادہ مال رکھنے والوں کو سزا نہ دیتے۔ اس لیے اس کا مالدار ہونا ہمارا پیارا ہونے کی دلیل نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا إِلَىٰ أَنْ نَمُوتَ وَنَحْيَا صَالِحًا فَاذْكُرْ لَهُمْ جَزَاءَهُ الصَّغِيرَ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفِ آمِنُونَ﴾ ﴿﴾

”اور تمہارے مال اور اولاد والے نہیں کہ تمہیں ہمارے قریب کر دیں، سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل

کریں۔“ (سبأ: 37/34)

تیز ارشاد ہے:

﴿يَحْسِبُونَ أَنَّكُمْ مُبْدَهُمْ بِمَنْ مَكَالٍ وَيَكِينٍ ۖ سَاءَ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلَّالٌ كَيْفَ يَعْمَلُونَ﴾ ﴿﴾

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿﴾

”قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور ان پر تعدی و ظلم کرتا تھا اور ہم نے اُس کو اسنے خزانے دیے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوئیں۔ جب اُس سے اُس کی قوم نے کہا کہ اتر اومت کیونکہ اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو (مال) تم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت (کی بھلائی) طلب کرو اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلا اور ہمیں اللہ نے تجھ سے بھلائی کی ہے (وسیع) تو بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو اور ملک میں طالب فساد نہ بن کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ وہ بلا کہ (مال) مجھے میری دانش (کے زور) سے ملا ہے۔ کیا اُس کو معلوم نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر ڈالیں جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں اور گناہ گاروں سے اُن کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے؟ پھر (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور شامٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا۔ جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال و متاع) قارون کو ملا ہے، کا ش! ہمیں بھی (ایسا ہی) ملے وہ تو بڑی ہی صاحب نصیب ہے۔ اور جن لوگوں کو ظلم و یا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر اُنس! مومنوں اور نیکو کاروں کے لیے (جو) ثواب اللہ (کے ہاں تیار ہے) کہیں بہتر ہے اور وہ صرف مہر کرنے والوں ہی کو ملے گا، پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہو سکی اور وہ بدلے لے لگا۔ اور وہ لوگ جو کل اس کے رتبے کی تمنا کرتے تھے صبح کو کہنے لگے ہائے شامت! اللہ ہی تو اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا ہائے خرابی! کا فرخیا ت نہیں پاسکتے۔ وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اُسے ان لوگوں کے لیے (تیار) کر رکھا ہے جو زمین میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور (نیک) انجام دے پر ہیز گاروں ہی کا ہے۔“ (قصص: 76/83)

قائدِ فطرت بیان کرتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچپنا زاد تھا۔ وہ بہت خوش الحانی سے تورات کی تلاوت کرتا تھا۔ اس لیے اسے مذکور کہتے تھے۔ لیکن یہ اللہ کا دشمن منافق بن گیا، جیسے سامری نے منافقت اختیار کی تھی اور اسے اپنی دولت پر گھمنڈ نے تباہ کر دیا۔ بعض علماء نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچپنا قرار دیا ہے تاہم اکثر علماء نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ شہر بن حوشب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے اپنی قوم پر برتری کا اظہار کے لیے معمول سے ایک باشت زیادہ لے کر لے پہننا شروع کر دیے تھے۔ ﴿﴾

”اس کے پاس بہت زیادہ خزانے تھے حتیٰ کہ ان کی چابیاں قوی ہر جمل مردوں کی ایک جماعت بمشکل اٹھانی تھی۔ اس کی قوم میں سے اس کے خیر خواہ افراد نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا: ﴿لَا تَفْخَحْ﴾، ”اترا مت!، یعنی اللہ نے تجھے جو

جائے ① چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ (واللہ اعلم)

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ قارون پوری جہ دھج کے ساتھ قوم کے سامنے آیا۔ جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ قوم کو اللہ کے ایام (اور سچے تاریخی واقعات) سنا کر نصیحت فرما رہے تھے۔ لوگوں نے اسے دیکھا تو بہت سے افراد ادھر ہی دیکھنے لگے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے بلا کر فرمایا: ”تو نے یہ کام کیوں کیا؟“ اس نے کہا: ”موسیٰ! اگر آپ کو کچھ پرنبوت کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے تو میں مال کی وجہ سے آپ سے افضل ہوں۔ آپ پسند کریں تو ہم دونوں ایک دوسرے کے خلاف بددعا کریں۔“ موسیٰ علیہ السلام میں نکلے۔ قارون اپنے لوگوں کے ساتھ نکلا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”تم کروا کر گے یا میں دعا کروں؟“ اس نے کہا: ”میں دعا کروں گا۔“ قارون نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دعا کی لیکن اس کی دعا قبول نہ ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”اب میں دعا کروں؟“ اس نے کہا: ”کیجیے۔“ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”یا اللہ! زمین کو حکم دے کہ آج میری اطاعت کرے۔“ اللہ نے وحی کی کہ میں نے زمین کو یہ حکم دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”اے زمین! انہیں پکڑ لے!“ زمین نے ان سب (قارون اور اس کے ساتھیوں) کو قدموں تک پکڑ لیا۔ آپ نے فرمایا: ”انہیں پکڑ لے!“ زمین نے انہیں گھٹنوں تک پکڑ لیا۔ اس کے بعد وہ کندھوں تک دھنسل گئے۔ پھر فرمایا: ”ان کے خزانوں اور مال و دولت کو بھی لے آؤ!“ دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ حاضر ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا: ”بنو لاوی! (زمین کے اندر) چلے جاؤ!“ چنانچہ وہ سب نفروں سے اوجھل ہو گئے اور اوپر سے زمین ہموار ہو گئی۔ ②

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَا كَانَ لَكَ مِنْ فِتْنَةٍ يَتَصَوَّرُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُتَنَبِّئِينَ﴾
”اللہ کے مقابلے میں کوئی جماعت اس کی مدد نہ کر سکی نہ وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا۔“ یعنی نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا، نہ کوئی اور اس کی مدد کے لیے کچھ کر سکا۔ جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿فَمَا كَانَ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ﴾ ”لہذا نہ ہوگا (قیامت کے دن) اس کے پاس کچھ زور اور نہ کوئی مددگار۔“ (الطارق: 10:86)

جب وہ زمین میں غرق ہو گیا، اس کے حملات اور مال و دولت سب ختم ہو گئے، تب اس جتنی دولت کی تمنا کرنے والے شرمندہ ہوئے اور انہوں نے اللہ کا شکر کیا جو اپنے بندوں کے لیے اچھے فیصلے کرتا ہے۔ اس لیے انہوں نے کہا:
﴿لَوْلَا رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْكَ لَخَسَفَ بِكَ نَارُكَ لَكَ لَا تُطِيعُ الْأَمْرُونَ﴾ ”اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ کیا دیکھتے نہیں کہ ہا شکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آخرت کی زندگی دائمی زندگی ہے۔ جسے اس جہان میں خوشی نصیب ہوئی، وہی قائل رشک ہے اور جو ہاں محروم رہا وہی قائل صفا صوف ہے لیکن یہ یقینیں ان لوگوں کے لیے ہیں: ﴿الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

”کیا یہ (یوں) سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جو بھی ان کے مال و اولاد بڑھا رہے ہیں، وہ ہم ان کی بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔“ (المومنون: 56/55/23)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”پس قارون اپنی قوم کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا۔“ آرائش سے مراد یہ ہے کہ وہ عمدہ لباس پہن کر عمدہ سواری پر نوکروں چاکروں کے ساتھ نکلا۔ دنیا کی چمک دمک کاہست دینے والے لوگ اسے دیکھ کر رشک کرنے لگے اور قاتنا کرنے لگے کہ انہیں بھی اس طرح کی شان و شوکت حاصل ہو۔ لیکن صحیح سوچ کے حامل عقل مند افراد ان کی یہ بات نہ کر بولے: ﴿وَلَيْكُمُ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَن آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ”افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انہیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔“ یعنی ان کو آخرت میں ملنے والے انعامات بہتر، عظیم، اعلیٰ اور باقی رہنے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الظَّالِمُونَ﴾ ”یہ بات انہی کے دل میں ڈال جاتی ہے جو مبر والے ہوں۔“ یعنی اسی حقیر دنیا کی ظاہری چمک دمک دیکھنے کے بعد اس نصیحت کو وہی شخص قبول کر سکتا ہے اور آخرت کے بلند مقامات کے حصول کی ہمت وہی کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازے، اس کے دل کو قوت بخشنے، اسے صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اسے منزل مقصود تک پہنچائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِآوَادِهِ الْأَرْضَ﴾ ”فَمَا كَانَ لَكَ مِنْ فِتْنَةٍ يَتَصَوَّرُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُتَنَبِّئِينَ“ ”ہم نے اسے اس کے کل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی، نہ وہ خود اپنے اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔“

اللہ تعالیٰ نے اس کے فخر و تکبر اور قوم کے سامنے اس کے ٹھانڈے ہاتھ کے اظہار کا بیان کر کے فرمایا: ﴿فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِآوَادِهِ الْأَرْضَ﴾ ”ہم نے اسے اس کے کل سمیت زمین میں دھنسا دیا۔“ جیسے یہ کریم علیہ السلام ارشاد ہے: ”ایک آدمی اپنا تہبند (زمین تک لٹکا کر) کھینچتا ہوا چل رہا تھا کہ ایک اسے دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں حرکت کرتا (نیچے سے نیچے جاتا رہا)۔“ ③

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قارون نے ایک فاحشہ کو مال دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام سے کہے: ”آپ نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے۔“ اس عورت نے اسی طرح کہہ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے خوف سے کاپٹ گئے چنانچہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر عورت سے قسم دے کر پوچھا کہ اس نے یہ بات کیوں کہی ہے؟ اس نے تو بدو استغفار کرتے ہوئے کہا: ”مجھے قارون نے اس حرکت پر آمادہ کیا تھا۔“

اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے سجدہ میں گر کر قارون کے خلاف بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے فرمایا کہ میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے کہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے حملات کو گھل

فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔^①

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان و عظمت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بے شمار معجزات سے نوازا اور انہیں نہایت بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ نبی آخر الزمان ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے فراتین میں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے آپ کے ان فراتین میں اسلام کے اوصاف جمد کا روشن اظہار ہے۔ بخلاف آج کے یہود و نصاریٰ کے جو تعصب اور کینہ میں مبتلا اور انبیائے کرام کی توہین کے مرتکب ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَذِّنْ فِي النَّبِیِّ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِیًّا ۚ وَنَايَنُهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِیًّا ۚ وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِیًّا ۙ﴾

”اس قرآن میں موسیٰ کا ذکر کیجیے جو چنا ہوا اور رسول اور نبی تھا۔ ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور رازگوئی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی کو نبی بنا کر اسے عطا فرمایا۔“

(مریم: 53-51)

نیز ارشاد فرمایا:

﴿قَالَ مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي ۖ وَلَا كَفَىٰ فِی قُلُوبِنَا مَا أَتَيْتَكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۚ﴾
”اے موسیٰ! میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام کے ذریعے لوگوں سے ممتاز کیا ہے لہذا جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے بکڑ اور (میرا) شکر بالاؤ۔“ (الأعراف: 144/7)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ حدیث پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کیونکہ قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو موسیٰ علیہ السلام کو عرض کیا پاپ بکڑے ہوئے پاؤں گا۔ معلوم نہیں وہ بھی بے ہوش ہوں گے لیکن مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے یا انہیں طور کی بے ہوشی کا بدلہ دیا جائے گا (کہ قیامت کے دن بے ہوش نہیں ہوں گے)۔“

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد تو اسے اور کس نفس کی بنیاد پر فرمایا ہے ورنہ نبی ﷺ کا خاتم

① مسند أحمد: 169/2

② صحیح البخاری: ”الخصومات“ باب ما یدکر فی الأشخاص..... حدیث: 2411 وصحیح مسلم: ”الفضائل“ باب من

عَلَاؤُا فِی الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۚ“ جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فحش نہیں کرتے، نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ پر ہیروزگاروں کے لیے نہایت عمدہ انجام ہے۔“

یہ واقعہ غالباً اس دور میں پیش آیا جب بنی اسرائیل ابھی مصر سے نہیں نکلے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖوْبَدَارِوَالْأَرْضِ﴾ ”ہم نے اسے اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا۔“ اور گھر سے بظاہر عبارت ہی مراد ہے۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ میدان میں پیش آیا ہو۔ اس صورت میں گھر سے مراد وہ ہوگی جہاں اس کے خیمے لگے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر قارون کی مذمت کی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَ سُلْطٰنِ مُّوْسٰی ۙ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَ قَارُونَ فَقَالُوْا سِحْرٌ كَذٰبٌ ۙ﴾

”اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا: یہ تو جادو گر اور جھوٹا ہے۔“ (النور: 24/23/40)

سورہ عنکبوت میں عدا اور شہود کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُّوْسٰی بِآيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِیْنَ ۙ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذُنُبِهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا ۙ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذْنٰهُ الصَّیْحَةَ ۙ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهٖوَالْاَرْضِ ۙ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنٰهُ ۙ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسُهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۙ﴾

”اور قارون، فرعون، ہامان اور ہامان کو بھی (ہم نے تباہ کر دیا) ان کے پاس حضرت موسیٰ کھلے کھلے مجھے لے کر آئے تھے۔ پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا لیکن (ہم سے) آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے۔ پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے دہال میں گرفتار کر لیا۔ ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا پینہ برسایا اور ان میں سے بعض کو زور وارتخت آواز نے دیو بجایا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔“ (العنکبوت: 29/39/40)

زمین میں دھنسا جانے والا تو قارون تھا اور فرعون ہونے والے فرعون، ہامان اور ان کا لشکر تھے۔

منہاج میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”جو شخص اس کی محافظت کرے گا، یہ قیامت کے دن اُس کے لیے نور، دلیل اور باعث نجات بن جائے گی اور جس نے اس کی محافظت نہ کی یہ قیامت کے دن اس کے لیے نہ نور بنے گی نہ دلیل نہ نجات کا باعث۔ وہ شخص قیامت کے دن قارون،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے کوئی چیز (صحابہ رضی اللہ عنہم میں) تقسیم فرمائی۔ ایک شخص نے کہا: اس تقسیم سے اللہ کی رضا مقصود نہیں تھی، یعنی اس نے نبی ﷺ پر بے انصافی کا الزام لگایا۔ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بات عرض کی تو آپ کو قصہ آگیا حتیٰ کہ میں نے نبی ﷺ کے چہرہ اقدس پر خشکی کے آثار دیکھے۔ پھر آپ ﷺ نے (غصہ ضبط کرتے ہوئے) فرمایا: ”اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے! انہیں اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی تو انہوں نے صبر کیا تھا۔“^①

معراج کی حدیث میں مذکور ہے کہ ”مفر معراج کے دوران میں نبی اکرم ﷺ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا تو آپ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔“^②

صحیحین میں ہے کہ معراج کی رات چھٹے آسمان پر نبی کریم ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: ”یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کہیے!“

نبی ﷺ فرماتے ہیں: میں نے انہیں سلام کہا تو انہوں نے فرمایا: ”نیک نبی اور نیک بھائی کو خوش آمدید!“ جب میں ان کے پاس سے گزر کر آگے بڑھا تو وہ آبدیدہ ہو گئے۔ ان سے کہا گیا: آپ کیوں اٹکنا ہو گئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ”میں روتا ہوں کہ میرے بعد اے والے ایک جوان کی امت سے اتنے افراد جنت میں داخل ہوں گے جو میری امت کے جنتیوں سے زیادہ ہوں گے۔“^③

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کیں تو رسول اللہ ﷺ (دوبنی کے دوران میں) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے۔ انہوں نے فرمایا: ”اے رب کے پاس دوبارہ تشریف لے جائیے اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کیجیے! مجھے بنی اسرائیل کی وجہ سے سخت پریشانی پیش آتی تھی اور آپ کی امت کے کان، آنکھیں اور دل زیادہ کمزور ہیں۔“ چنانچہ رسول اللہ ﷺ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے اللہ عزوجل کے دربار میں اور پھر واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس کی بارشرف لے گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: ”(یہ ادائیگی میں) پانچ ہیں اور (ثواب میں) پچاس ہیں۔“^④ اللہ تعالیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور موسیٰ علیہ السلام کو جزائے خیر عطا فرمائے!

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (گھر سے) باہر ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ”مجھے (انبیاء کرام کی) امتیں دکھائی گئیں۔ میں نے ایک بڑی جماعت دیکھی جس

① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء: حدیث: 3405

② صحیح مسلم: الإيمان: باب ذكر المسيح ابن مريم والمسيح الدجال: حدیث: 172 ومسند أحمد: 148:3

③ صحیح مسلم: الإيمان: باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات وفرض الصلوات: حدیث: 164

④ صحیح مسلم: الإيمان: باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات وفرض الصلوات: حدیث: 163

انہیں اور تمام اولاد آدم کا سردار ہونا قطعی اور یقینی ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَخْفِيفًا﴾

اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔“ (النساء: 164/4)

مزید ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتْلُوا كَآلِيزِينَ أَذُو مُوسَى فَذَكَرَ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيبًا﴾

”اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی۔ پس جو بات انہوں نے کہی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بری فرمادیا اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔“ (الأحزاب: 69/33)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے حیا دار اور جسم کو پوری طرح ڈھانچنے والے شخص تھے۔ ان کی شرم دینا کے سبب کوئی ان کا بدن نہیں دیکھ سکتا تھا۔ انہیں ایذا پہنچانے کے لیے بنی اسرائیل کے کچھ افراد نے کہا: آپ اپنے بدن کا اس قدر پردہ کسی عیب یا جلدی بیماری مثلاً برص یا فتن کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پاؤں کا آپ کا بے عیب ہونا ظاہر ہو جائے تو ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے تنہائی میں جا کر اپنے کپڑے اتارے اور ایک پتھر پر رکھ دیے پھر نہانے لگے فارغ ہو کر اپنے کپڑے لینے کے لیے آگے بڑھے تو پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ اٹھا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا لے کر پتھر کے پیچھے دوڑے اور فرمائے لگے: اے پتھر! میرے کپڑے دے دے اے پتھر! میرے کپڑے دے دے! حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے ایک فرد تک جا پہنچے جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا بے لباس جسم انتہائی خوبصورت اور بے عیب دیکھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لگائے ہوئے الزام سے بری فرمادیا۔ اس وقت پتھر ٹھہر گیا۔ آپ نے اپنے کپڑے پہنے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارنے لگے قسم ہے اللہ کی! موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے پتھر پر تین یا چار یا پانچ نشان پڑ گئے۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا: ﴿فَذَكَرَ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيبًا﴾

”پس جو بات انہوں نے کہی تھی، اللہ نے آپ کو اس سے بری فرمادیا اور آپ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔“^① بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام و مرتبہ کی عظمت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے حق میں دعا فرمائی کہ وہ آپ کے وزیر ہوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست قبول فرما کر ہارون علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز فرمادیا۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا﴾ ”اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی کو نبی بنا کر اسے عطا فرمایا۔“ (مریم: 53/19)

① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء: حدیث: 3404

اللہ کی کتاب کو اس طرح پیچھے ڈال دیا گیا جانتے ہی نہ تھے۔“ (البقرہ: 101/2)

اور فرمایا:

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ مِنْ قَبْلُ هَٰذَا يَلْتَمِسُ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو نِقَامٍ ۝﴾

”اللہ (جو موجود برحق ہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہ) زندہ (اور) ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اُس نے (اے محمدؐ) تجھ پر چھ کتاب نازل کی جو پہلی (آسانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اُسی نے تورات اور انجیل نازل کیں (یعنی) لوگوں کی ہدایت کے لیے پہلے (تورات و انجیل اناریں) اور (پھر قرآن جو حق اور باطل کو) الگ الگ کر دینے والا ہے نازل کیا۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اُن کو سخت عذاب ہوگا اور اللہ زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے۔“ (ال عمران: 2/3-4)

اور ایک مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّثْقَلُ ذَرَّةٍ ۚ وَكُلٌّ مِنَ الَّذِينَ جَاءَهُمْ بَيِّنَاتٌ مِنَ رَبِّهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكُفُّوا ۖ وَعَلِمَتُمْ مَا كُمْ تَعْلَمُونَ ۚ وَلَا أَبَاكُمْ عَلَى اللَّهِ ۚ ثُمَّ ذَرَهُمْ فِي خَوَافِهِمْ يَلْعَبُونَ ۝﴾ وَهَذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقًا لِّمَا فِي يَدَيْهِ وَيُنْذِرُ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا ۚ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِمْ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝﴾

”اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر بھی جانی جانی تھی نہ جانی جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وہی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ کہو کہ جو کتاب موسیٰ نے لے کر آئے تھے اُس نے نازل کیا تھا؟ جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے۔ اُن کے کچھ حصے کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو اور تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دو (اس کتاب کو) اللہ ہی نے (نازل کیا تھا)؟ پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بیہودہ باتوں میں کیلئے رہیں اور (وہی ہی) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ (ایسی) بابرکت جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور (جو) اس لیے (نازل کی گئی ہے) کہ تم کے اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کر دو اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی (پوری) خبر رکھتے ہیں۔“ (الاععام: 92/91/6)

اس مقام پر پہلے تورات کی تعریف فرمائی پھر قرآن مجید کی تہم تو صیغ فرمائی۔ مزید فرمایا:

سے اُفق بھر گیا تھا۔ مجھے بتایا گیا: یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم یعنی امت کے افراد ہیں۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اُمّیں دکھائی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ ایک گروہ ہے، کسی نبی کے ساتھ ایک ہادو افراد ہیں اور کسی نبی کے ساتھ کئی بھی نہیں۔ اچانک مجھے ایک بڑی جماعت نظر آئی۔ میں نے کہا: یہ میری امت ہے؟ کہا گیا: یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے لیکن اُفق کی طرف دیکھیے! میں نے دیکھا کہ بہت بڑا انبوہ ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا: اس طرف دیکھیے! دیکھا تو وہاں بھی بہت بڑا انبوہ تھا۔ مجھ سے کہا گیا: یہ (سب) آپ کی امت ہے۔ ان میں ستر ہزار ایسے افراد ہیں جو بغیر حساب کے اور بغیر کوئی سزا جھٹکتے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اُنھ کو گھر گھر تشریف لے گئے۔ حاضرین اس بارے میں بات چیت کرنے لگے۔ انہوں نے کہا: یہ لوگ ان لوگ ہیں جو بغیر سزا کے اور بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے؟ کچھ حضرات نے کہا: شاید وہ نبی ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل کرنے والے افراد ہیں۔ کچھ حضرات نے کہا: شاید وہ ایسے لوگ ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور جنہوں نے اللہ کے ساتھ باطل شرک نہیں کیا۔ اور اس طرح کی آراء ظاہر کیں۔ (اسنے میں) رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے آئے۔ فرمایا: ”کس بارے میں بات چیت کر رہے ہو؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی کئی ہوئی باتیں بتائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”یہ (حساب کے بغیر جنت میں جانے والے) افراد وہ ہیں جو داغ نہیں لگواتے، ہماز چھوٹ نہیں کرواتے، بدشگونی نہیں لیتے، صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔“ حضرت عکاشہ بن محسن انسی رضی اللہ عنہ نے اُنھ کو عرض کی: اللہ کے رسول! دعا کیجئے اللہ مجھے بھی ان میں سے بنادے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اُن میں شامل ہے۔“ پھر ایک اور صاحب اُنھ کو کھڑے ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! کیا میں بھی ان میں شامل ہوں؟ فرمایا: ”اس شرف میں عکاشہ رضی اللہ عنہ تجھ پر سہبت لے گیا۔“

موسیٰ علیہ السلام کا مقام و مرتبہ قرآن مجید میں: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بہت زیادہ فرمایا ہے۔ کہیں تفصیل سے اور کہیں اختصار کے ساتھ آپ کی بہت زیادہ تعریف فرمائی ہے۔ بہت سے مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور آپ کی کتاب کا ذکر حضرت محمد ﷺ اور آپ کی کتاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ارشاد الہی ہے:

﴿وَكَيْفَ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۚ نَبَأَ قَوْمٍ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ۚ كُتِبَ اللَّهُ وَرَاءَهُمْ ظُهُورُهُمْ ۚ كَانَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

”جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے

① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء باب وفاة موسى وذكره بعد حديث: 3410

② صحیح البخاری: الرقاق: باب يدخل الجنة سبعون ألفاً بغیر حساب: حديث: 6541

ہیں ان کی نشاندہی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو ان کتابوں کی حفاظت کا ذمہ دادر پھرایا تھا۔ وہ انہیں نہ یاد رکھ سکے نہ کی بیشی سے محفوظ رکھ سکے، چنانچہ ان میں بہت سی تبدیلیاں ہو گئیں۔ اس کے علاوہ ان کی غلط بیبیاں اور کوتاہی علی کی وجہ سے بھی کتب مقدسہ میں غلطیاں آ گئیں۔ کچھ انہوں نے بدعتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے میں خیانت کرتے ہوئے دینی مفادات کے لیے تحریفات کر لیں، اس لیے ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور اس کے رسولوں کے بارے میں کثیر تعداد میں واضح طور پر غلط بیبیاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انبیاء میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْخُرْقَانَ وَصِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمُ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ۝ وَهَذَا ذِكْرُ مُبْرِكِ أَنْزَلْنَاهُ ۖ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝﴾

”اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت و مگر امتی میں) فرق کر دینے والی اور (سرتاپا) روشنی اور نصیحت (کی کتاب) عطا کی۔ اور وہ پرہیزگاروں کے لیے یاد دہانی ہے جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور اقیامت کا خوف بھی رکھتے ہیں اور یہ مبارک نصیحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔ تو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو؟“

(الانبیاء: 48/21)

سورہ قصص میں ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا آتَاؤُنِي بِمِثْلِ مَا آتَاكَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۖ قَالُوا سُبْحَانَ اللَّهِ ۖ مَا كُنَّا بِأَعْيُنِنَا ۖ وَكَانَ أَمْرُ الْكَافِرِينَ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا ۖ إِنَّكُمْ لَتَكُونُونَ صَادِقِينَ ۝﴾

”پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آچنانچہ تو کہنے لگے کہ جیسی (نشانیوں) موسیٰ کو ملی تھیں، ویسی اس کو کیوں نہیں ملیں؟ کیا جو (نشانیوں) پہلے موسیٰ کو دی گئی تھیں، انہوں نے اُن کا انکار نہیں کیا؟ کہنے لگے کہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے موافق۔ اور بولے کہ ہم سب کے منکر ہیں۔ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم اللہ کے پاس سے کوئی کتاب آ لے اور دونوں (کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو تاکہ میں بھی اس کی پیروی کروں۔“

(القصص: 49/28)

یعنی اللہ تعالیٰ نے دونوں کتابوں (تورات اور قرآن مجید) کی بھی تعریف کی ہے اور دونوں رسولوں (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ) کی بھی تعریف کی ہے۔ جنوں نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا:

﴿إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ ۖ﴾

”ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔“ (الاحقاف: 30/46)

﴿ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝﴾

”پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی تاکہ ان لوگوں پر جو نیکو کار ہیں، نعمت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان (ہے) اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تاکہ (ان کی امت کے) لوگ اپنے پروردگار کے رب و جہاں حاضر ہونے کا یقین کریں اور (اے کفر کرنے والوں) یہ بابرکت کتاب بھی ہم ہی نے اتاری ہے، سو اس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرو تاکہ تم پر مہربانی کی جائے۔“ (الانعام: 155/154/6)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۖ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالزَّيْنَبِيُّونَ وَالْأَنْبِيَاءُ بِمَا اسْتَحْفَظُوا مِنَ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُ الْنَاسَ وَخَشَوُا اللَّهَ فَقِيلُوا يَدْرُسُكَ فَجَنَّدَكَ ۚ فَتَمَّ اللَّهُ فَأَوَّلِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝﴾

”جنگ ہم ہی نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی نیکو کہ کتاب اللہ کے گماں مقرر کیے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الہی کا یقین رکھتے تھے)۔ سو تم لوگوں سے مت ڈرو ناروا مجھ سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تجھ کو سی قہت نہ لینا اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔“ (النساء: 44/5)

مزید فرمایا:

﴿وَلْيَحْكُمْ أَهْلَ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِمْ ۖ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝﴾ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ ۖ﴾

”اور اہل انجیل کو یہ کہ جو احکام اللہ نے اس میں نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق حکم دیا کریں اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان سب کی محافظ ہے۔“ (النساء: 48/47/5)

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو دوسری کتب سماویہ کے بارے میں فیصلہ دینے والا بتایا ہے۔ ان کتابوں میں جو باتیں درست ہیں قرآن مجید ان کی تصدیق اور وضاحت کرتا ہے اور ان میں جو تحریفات ہوئی

عَلَمِ ابْنِ مَرْيَمَ (ﷺ) کو بھی دیکھا، وہ درمیانِ قد کے، قدرے سرخ و سفید رنگت والے تھے، ان کے بال سیدھے تھے۔^①

حضرت موسیٰ (ﷺ) کی وفات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ (ﷺ) کی طرف (ان کی روح قبض کرنے کے لیے) بھیجا گیا۔ جب وہ آئے تو موسیٰ (ﷺ) نے انہیں تجھڑ مار دیا۔ وہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس گئے اور عرض کی: ”تو نے مجھے جس بندے کی طرف بھیجا ہے، وہ مرنا نہیں چاہتا۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ بارہ ان کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ کسی تیل کی پشت پر ہاتھ رکھیں ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے پاؤں آئیں گے، اتنے سال عمر (مزید) مل جائے گی۔“ (ملک الموت نے حضرت موسیٰ (ﷺ) کو اللہ کی پیغام پہنچایا۔) آپ نے فرمایا: ”یارب! اس کے بعد کیا ہوگا؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”پھر موت آ جائے گی۔“ موسیٰ (ﷺ) نے فرمایا: ”تب ابھی (وفات کا حکم قبول ہے۔)“

اس وقت موسیٰ (ﷺ) نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ آپ کو ارض مقدس کے اتنا قریب کر دے جتنی دور پتھر جا سکتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست قبول فرمائی اور ارض مقدس کے قریب وفات دی۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں وہاں ہوتا تو تم لوگوں کو آپ کی قبر مبارک دکھا دیتا جو راستے کے کنارے سرخ ٹیلے کے قریب ہے۔“^②

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”موت کا فرشتہ موسیٰ (ﷺ) کے پاس روح قبض کرنے آیا اور آپ سے کہا: ”اپنے رب کے پاس چلے!“ موسیٰ (ﷺ) نے تجھڑ مار کر موت کے فرشتے کی آنکھ پھوڑ دی۔“^③ اس کے بعد اسی طرح پوری حدیث بیان کی جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔ اصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (ﷺ) کو بعض واقعات پیش آنے کی امید تھی اور آپ کی خواہش تھی کہ (قوم کو) وہ واقعات آپ کی زندگی میں پیش آ جائیں، مثلاً: میدان تیرے سے نکل کر ارض مقدس میں پہنچنا لیکن اللہ کی تقدیر کا یہ فیصلہ تھا کہ آپ کی وفات حضرت ہارون (ﷺ) کے بعد میدان تیرے ہی میں ہو۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ کئی اسرائیلی قوم میدان تیرے سے نکال کر ارض مقدس میں لے جانے والے خود حضرت موسیٰ

خدا کا حکم یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (ﷺ) کی شریعت ایک عظیم شریعت تھی اور آپ کی امت ایک کثیر تعداد پر مشتمل تھی جس میں بہت سے انبیاء، علماء، عابد، زاہد، دانشمند، بادشاہ، وزیر، سردار اور بڑے لوگ پیدا ہوئے۔ لیکن وہ لوگ بعد میں اس شرف و منزلت کے حامل نہ رہے۔ جب انہوں نے اپنی شریعت میں تبدیلیاں کر لیں تو اللہ نے ان کی صورتیں تبدیل کر کے انہیں بندوں اور خنزیروں کی شکل دے دی۔ ان پر اور بھی بے شمار مصیبتیں اور آفتیں نازل ہوئیں جن کی تفصیل طوالت باعث ہے۔ ہم ان کے اہم واقعات اختصار سے بیان کریں گے۔ [اِنْ شَاءَ اللہ]

حضرت موسیٰ (ﷺ) کا علیہ مبارک اور ان کا حج کعبہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وادیِ اُزرق سے گزرے تو فرمایا: ”یہ کون سی وادی ہے؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: وادیِ اُزرق ہے۔ فرمایا: ”(میری نظروں کے سامنے وہ منظر آ گیا ہے) گویا میں موسیٰ (ﷺ) کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ گھاسی سے نیچے اتر رہے ہیں اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے بلند آواز سے [تَلَبَّثَ] پکار رہے ہیں۔“ (پھر آپ چلتے رہے) حتیٰ کہ جب ہر شاہ کی گھاٹی پر پہنچے تو فرمایا: ”یہ کون سی گھاٹی ہے؟“ عرض کیا گیا: ہر شاہ کی گھاٹی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”گویا میں یونس بن مثنیٰ (ﷺ) کو دیکھ رہا ہوں، وہ ایک سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، اور ان کا جبہ زیت بن ہے، ان کی اونٹنی کی مہار کھجور کے پتوں (سے بنی ہوئی سی) کی ہے اور [تَلَبَّثَ] پکار رہے ہیں۔“^①

حضرت عجلہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں تھے کہ دجال کی بات چل نکلی کہ اس کی پیشانی پر [ک] ف، ر لکھا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟“ عجلہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ”کہتے ہیں کہ اس کی پیشانی پر [ک] ف، ر لکھا ہوا ہے۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”میں نے یہ بات تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی لیکن آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا: (إِذَا رَجَعْتُ إِلَى الْبَيْتِ) کہ منظر وہاں کی شکل و شاہت معلوم کرنا چاہتا ہوں اپنے ساتھی (حضرت محمد ﷺ) کو دیکھ لو۔ اور حضرت موسیٰ (ﷺ) گندی رنگ کے، کھٹکھریالے بالوں والے تھے۔ وہ ایک اونٹ پر سوار تھے جس کی کھیل کھجور کے پتوں کی تھی۔ گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ [تَلَبَّثَ] پکارتے ہوئے وادی سے اتر رہے ہیں۔“^②

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس رات مجھے معراج ہوئی، میں نے موسیٰ بن عمران (ﷺ) کو دیکھا، وہ بے قد تھے، کھٹکھریالے بالوں والے تھے جیسے کہ خُثُوعِہ قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں۔ میں نے

① صحیح مسلم: 'الإيمان' باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات وفرض الصلوات؛ حديث: 166 ومسنند أحمد: 215/1 وصحیح ابن حبان: 35/8؛ حديث: 6186

② مسند أحمد: 277/1 وصحیح مسلم: 'الإيمان' باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات وفرض الصلوات؛ حديث: 166 ومسنند أحمد: 215/1 وصحیح ابن حبان: 35/8؛ حديث: 6186

① مسند أحمد: 259/1 وصحیح مسلم: 'الإيمان' باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات وفرض الصلوات؛ حديث: 166 ومسنند أحمد: 215/1 وصحیح ابن حبان: 35/8؛ حديث: 6186

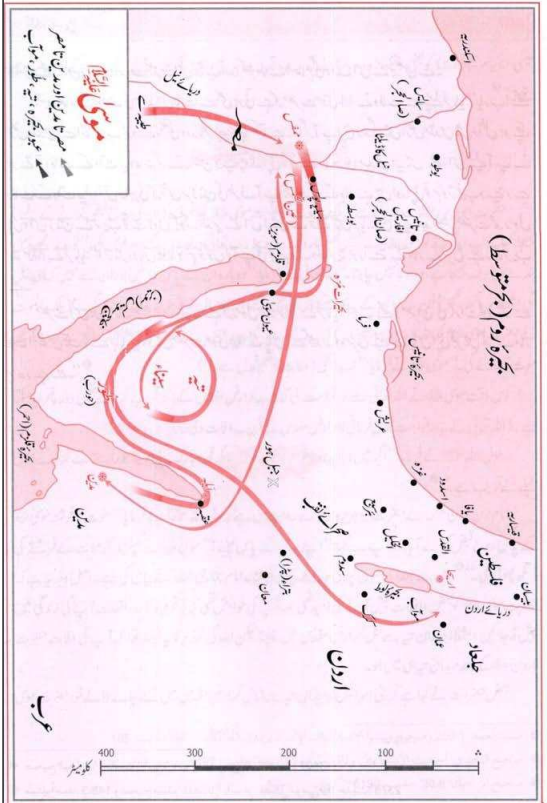
② صحیح البخاری: 'أحاديث الأنبياء' باب وفاة موسى وذكره بعد؛ حديث: 3407

③ صحیح ابن حبان: 38/8؛ حديث: 6190

ﷺ اسی تھے۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ اہل کتاب اور اکثر علمائے اسلام کی رائے اس کے برعکس ہے۔

جمہور علماء کے موقف کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ ﷺ نے وفات سے پہلے فرمایا: ”یارب! مجھے ارض مقدس سے اتنا قریب کر دے، جتنی دور پتھر پھینکا جاسکتا ہے۔“ اگر آپ اپنی زندگی میں ارض مقدس میں داخل ہو چکے ہوتے تو وفات کے وقت یہ دعا نہ کرتے۔ لیکن آپ چونکہ اپنی قوم کے ساتھ ہی میدانِ تیہ میں تھے، اس لیے آپ نے وفات کے وقت یہ خواہش ظاہر کی کہ جس سرزمین کی طرف آپ ہجرت کر کے جارہے ہیں اور اپنی قوم کو ترغیب دیتے رہے ہیں، اس زمین کے قریب فوت ہوں کیونکہ تقدیر نے اس زمین تک پہنچنے نہیں دیا۔ اسی لیے سید البشر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں وہاں ہوتا تو تم لوگوں کو آپ کی قبر مبارک دکھا دیتا جو راستے کے کنارے سرخ ٹیلے کے قریب ہے۔“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب مجھے (معراج کی) رات کو (کہہ سے بیت المقدس تک) لے جایا گیا، تو میں حضرت موسیٰ ﷺ کے پاس سے گزرا۔ وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔“



① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء: باب وفاة موسى:: حدیث: 3407

② مسند أحمد: 148/3 و صحیح مسلم: الفضائل: باب من فضائل موسى عليه السلام: حدیث: 2375

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے ہمیں ان بربادیوں کا ایک اہم سبب معلوم ہوتا ہے۔ وہ سبب اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک اور مخلوق خدا پر ظلم و ستم ہے، لہذا جب یہ ظلم و ستم اور شرک و کفر حد سے بڑھ جاتا ہے تو عذاب الہی انسانوں کو سبق سکھانے کے لیے وارد ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَسْكَنْتُ لَهُمْ وُجُوْدَهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ نَسَوْنَ أَكْثَمَهَا ۚ لِيَبْلُوَ مَا يُجْزِعُونَ ۚ فَأَخَذْنَاهُ وَجْوَءًا فَقَتَلْنَاهُمْ فِي الْيَوْمِ ۚ قَاتِلْهُمْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۚ﴾

”اس نے اور اس کے لشکروں نے ملک میں ناحق تکبر کیا اور سمجھ لیا کہ وہ ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جائیں گے۔ بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا برد کر دیا۔ اب دیکھ لے کہ ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟“ (الفصل: 40/39/28)

اس سے معلوم ہوا کہ کفر و ظلم، ظلم و ستم، اور گناہوں کا ارتکاب، نیز مخلوق خدا کو تنگ کرنا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محرومی اور اس کے عذاب کا اہم ترین سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کے عبرتناک انجام کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَمْ تَرْكَبُوا مِنْ حَنْتٍ وَ عَيْوُنَ ۚ وَ دَرَجَ مَقَامٍ كَرِيمٍ ۚ وَ نَعْبَتَ كَانُوا فِيهَا فَيَكْبِتُونَ ۚ كَذَّالِكَ ۚ وَ أَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۚ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّيَاءُ وَ الْأَرْضُ وَ مَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ۚ﴾

”وہ بہت سے باغات اور خوشے چھوڑ گئے، اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹکڑے ان کے لیے اور وہ آرام کی چیزیں جن میں بیش کر رہے تھے۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنادیا۔ سو ان پر نہ تو آسمان و زمین روئے اور انہیں مہلت ملی۔“ (الدخان: 29-25/44)

عقیدہ کو تحذیر مضبوط ترین سہارا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید انسان کا مضبوط ترین سہارا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان راسخ اور قوی ہو تو پھر کسی قسم کی ترغیب لاچار و بے اثر یا خوف انسان کو جبریل نہیں کر سکتا۔ مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا انسان کے لیے آسان ہو جاتا ہے اور ناز و غم کے حصول پر شکرگزاری کی توفیق ملتی ہے کیونکہ ایمان باللہ کی تقویت انسان کو ہر حال میں آجرو ثواب کی بھرپور امید دلاتی ہے۔ اسی لیے جب فرعون نے جادو گروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے پر قتل کرنے اور صلیب پر چڑھا دینے کی دھمکی دی تو انہوں نے نہایت اطمینان اور وقار کے ساتھ جواب دیا:

﴿إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۚ وَمَا نُنْقِصُ مِنْكَ لَآ أَنَا مِمَّا يَالُتِ رَبَّنَا جَاءَتْهُمْ رَبَّنَا أَوْحَىٰ عَلَيْهِمَا صَبْرًا وَ تَوَفَّاهُمَا مُسْلِمِينَ ۚ﴾

”ہم (محرک) اپنے مالک ہی کے پاس جائیں گے۔ اور تو نے ہم میں کوئی عیب دیکھا، سوائے اس کے کہ ہم اپنے

نتائج و فوائد عبرتیں و حکیمتیں

❶ موسیٰ: وجہ تسمیہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام کے متعلق دو آراء ہیں:

❶ موسیٰ: قدیم مصری زبان کا لفظ ہے جو دو کلمات (موہشا) کا مرکب ہے۔ (مو) کا معنی ”پانی“ ہے جبکہ (شا) کا مطلب ”شجر“، یعنی درخت ہے۔ آپ کو موسیٰ اس لیے کہا گیا کیونکہ آپ کی والدہ حضرت منہ نے فرعون کے خوف سے آپ کو دریا پار واقع درختوں کے جھنڈ میں ڈال دیا تھا۔ اسی طرح آپ صندوق میں بند فرعون کے گل میں پھنسنے توہاں کے لوگوں نے آپ کو نکال لیا اور آپ کو ”موسیٰ“، یعنی ”پانی سے نکالا ہوا“ کہا جانے لگا۔

❶ دوسری رائے یہ ہے کہ ”موسیٰ“ مصری لفظ (مس) سے ماخوذ ہے جس کا معنی طفل یعنی ”بچہ“ ہے۔

❶ اصلاح امت: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہمیں اصلاح امت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ مسلسل غلامی اور حکمرانوں کے ظلم و ستم سے والی اقوام کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی سوچ، فکر اور عزت نفس برباد ہو جاتی ہے۔ عزت و وقار کی جگہ ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن جاتی ہے اور بے ہوداری و شجاعت کی جگہ بزدلی اور خوف ان کی زندگی کا لازمی جز بن جاتا ہے۔ لہذا ہر بار وہ ظالم حکمران کی اطاعت ان کا نصب العین بن جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی تباہی بھی یہی تھی۔ اس تکلیف دہ اور رسوا کن حالت سے نجات کے لیے آپ نے انہیں جہاد کا حکم دیا تو وہ فطری بزدلی اور خوف کی وجہ سے یہ فریضہ ادا نہ کر سکے لہذا ان کی اصلاح اور تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس ان پر چالیس برسوں تک حرام قرار دے دی۔ اس عرصے میں وہ صحرائوں اور گریبانوں میں سسکتے رہے۔ بالآخر انہیں غلامی کی جگہ آزادی کی تربیت ملی، انہوں نے ذلت و رسوائی کی جگہ عزت و آبرو سے جینا سیکھا اور شریعت الہی کے مطابق زندگی گزارنے کا ہنر انہیں مل گیا۔ نیز اس عرصے میں بزدل مسل ختم ہو گئی اور نبی جو ان نسل، غیر متنا، آزاد منش اور عزت سے جینا سیکھ کر میدان جہاد میں فرعونین کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ اس پورے تربیتی نظام سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب بھی امت کی اصلاح درکار ہو تو اس کے لیے ایک نسل کی شریعت کے مطابق تربیت کرنا ضروری ہوگا جو فیور آزادی کے متوالے، عزت نفس سے لیس اور قربانی و ایثار کے خواہگر ہوں۔

❶ انسانی تباہی کا سبب، کفر و شرک: تاریخ انسانی کا سرسری جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان متعدد بار عذاب الہی سے دوچار ہو کر تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ کبھی یہ تباہی زلزلوں کی صورت میں آتی ہے تو کبھی طوفان و سیلاب کی شکل میں۔ کبھی جنگیں انسانوں کو تاخت و تاراج کرتی ہیں تو کبھی سمندری طوفان، ہستیوں کو ویران کر دیتے ہیں۔

”پھر ہم نے چاہا کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد مکروہ کیا گیا تھا اور ہم انہی کو پیشوا اور (زمین) کا وارث بنائیں اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت و اختیار دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے تھے۔“ (الفصل: 65/28)

✧ صبر و تحمل اور استقامت کا درس: فرعون کے ظلم و ستم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو صبر و تحمل کی نصیحت میں داعیان توحید و رسالت کے لیے استقامت و استقامت کا درس ہے۔ داعیان دعوت توحید کو ہمیشہ صبر کا درس دیتے تھے کہ چاہے جیسا کہ بتی اسرائیل نے کیا تھا۔ فرعون کی قتل و غارتگری اور طرح طرح کے عذابوں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو درج ذیل تسلی دی تھی جو ہر دین حق کے لیے تاقیامت تفسی کا باعث ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اسْتَعِذُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْهُ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُعْزِزُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱﴾

”اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو، یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہے مالک بنادے اور آخر کار مابانی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔“ (الأعراف: 128/7)

لہذا کاروان حق کو مسلسل رواں دواں رہنا چاہیے۔ ان کی جدوجہد مسلسل اور ملکیہ ہو جاتا ہے۔ ان کی راہ میں وقتی تکالیف و مشکلات آئیں تو انہیں صبر و رضا سے برداشت کرنا چاہیے کیونکہ کامیابی بالآخر انہی کو ملتی ہے اور کفر و طغیان، ظلم و ستم اور سرکش و مغرور لوگ غیر ناک انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔

✧ نرمی گفتار کا درس: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے داعیان الہی اللہ کو یہ درس ملتا ہے کہ وہ دعوت توحید دیتے وقت نیز امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے وقت سامعین کے ساتھ نرم اور شائستہ انداز گفتگو اختیار کریں کیونکہ نرمی گفتار سے لوگ متاثر ہوتے ہیں اور حق کو قبول کرنے میں جلدی کرتے ہیں جبکہ سختی اور دشمنی سے لوگ متنفر ہوتے ہیں اور دعوت حق سے دور ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے رب العالمین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

﴿اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ ۚ اِنَّهٗ ظَلَمٌ ۚ فَتْلُوكَ لَكَ قَوْلًا لَّيْسَ لَكَ عَلَيْهِ تَنْكِرٌ ۚ وَ يَخْشٰى ۝۱﴾

”تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے، اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔“ (طہ: 44/3/20)

✧ قدیم مصری عقائد و نظریات کا رد: فرعون اور اس کی قوم بہت پرست، معظاہر پرست اور انسانوں کی پوجا کرتی تھی۔ نہ صرف زندہ انسانوں کو عبودہ مانتے تھے بلکہ مردہ انسانوں کی عبادت بھی زور و شور سے کی جاتی تھی۔ یہ بت اور زندہ مردہ الہان کے قبح بخش کرنے والے غوث و دغیر اور حاجت روا و مشکل کشا تھے۔ آسمانوں کے الہ کا نام ”نوت“ (Nout) تھا جس کی تصویر قوس نما عورت کی تھی۔ زمین کا الہ ”نوت“ کا خاندن غب (GHEB) تھا جبکہ زمین و آسمان کے درمیان فضا کا الہ ”شو“ (CHOU) کہلاتا تھا۔ سورج اور چاند بھی ان کے عظیم الہ تھے اس طرح فرعون خود بھی الہ تھا۔ اس کے علاوہ مردہ

رب کے احکام پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس آئے؟ اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔“ (الأعراف: 126/125/7)

جبکہ عقیدہ توحید سے محروم شخص یا ستمی اور مکروہ ایمان و الا مشکلات پر جبرجہ فروع کر کے اجرو ثواب سے محروم ہو جاتا ہے اور مسرتوں کے حصول پر شکر کرنے کی بجائے شیطانی راہوں پر چل کر گناہ گار ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۚ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخَسِرَانُ الْعَمِيْنُ ۝۱﴾

”بعض لوگ ایسے ہیں جو تبارے پر (کھڑے ہو کر) اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت آگئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں۔ انہوں نے دونوں جہانوں کا نقصان اٹھالیا۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔“ (الحج: 111/22)

✧ حق ہمیشہ غالب آتا ہے: اس واقعے سے ہمیں یہ درس بھی ملتا ہے کہ حق اور اہل حق ہمیشہ غالب اور کامیاب رہتے ہیں خواہ باطل کے پاس کیسی ہی مادی قوتیں، توانائیاں اور وسائل و آلات کیوں نہ بیچ ہوں۔ فرعون ملک مصر سے جادو گروں کے بہت بڑے گروہ کو جمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے لایا۔ بظاہر جادو گروں کی فتح نظر آ رہی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے انہی جادو گروں کے ذریعے اہل حق اور اہل ایمان کو فتح و نصرت سے نوازا اور فرعون اپنے لشکر سمیت ناکام و نامراد لوٹا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق اور سچ کا جادو ہمیشہ سچڑھ کر بولتا ہے اور اپنا ہار ماننا کر رہتا ہے۔

✧ آزاد آدمی ایک فطری حق: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ آزادی ہر قوم کا فطری اور پیداؤنی حق ہے لہذا کسی بھی طاقتور، ظالم یا جبار دوقاہر کے لیے دیگر لوگوں کو غلام بنانے کی اجازت نہیں۔ لیکن اگر کوئی ظالم و سرکش حکمران کسی کمزور اور ناتوان قوم پر ظلم و ستم کے ذریعے سے قابض ہو جاتا ہے اور انہیں غلامی کی ذلت و رسوائی سے دوچار کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ضعیف و کمزور قوم کی نصرت و تائید فرماتا ہے۔ انچہ تارخ شاہد ہے کہ جب بھی کسی کمزور قوم نے اپنے اس فطری حق کے حصول کے لیے کوشش کی ہے انہیں نصرت الہی حاصل ہوئی ہے اور ظالموں کا انجام نہایت عبرتناک ہوا۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو اپنی قوت کے ثل بوتے پر غلام بنایا ہوا تھا اور ان سے خلیفہ کام کر دتا تھا اور انہیں اپنے ظلم و ستم کا حق مشق بنایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کمزور و مظلوم قوم کی وادری کا ارادہ فرمایا اور انہیں فرعون کے ”خیر“ استبداد سے نجات دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُؤَيِّدُ اَنْ تَكُنَّ عَلَى الدُّنْيَا اسْتَعِظُوا فِي الْاَرْضِ وَصَحَّهٖمْ اٰيٰتُہٗ وَصَحَّهٖمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱ وَتَكُنْ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَكُوِي فِرْعَوْنَ وَهَامَنْ وَجَدُوْهُمُا مِنْهُمْ مَا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۱﴾

گے۔ جس جب ان کے رب نے اس پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کرنے لگے: بے شک آپ کی ذات منزہ ہے میں آپ کی جناب میں تو بہ کرتا ہوں۔ اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔“ (الأعراف: 143/7) یعنی اسے میرے پروردگار میں تیری عظمت و جلال پر اور اس بات پر ایمان لانے والا سب سے پہلا ہوں کہ میں تیرا عاجز بندہ دنیا میں تیرے ویدار کا تحمل نہیں ہو سکتا۔

عورت کا اصلی حسن و جمال حیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرم و حیا اور عفت و عصمت کا تصور قدیم زمانے سے شرفاء کی خاص علامت رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے آنے والی لڑکی کی شرم و حیا کا قرآن مجید نے بطور خاص ذکر کر کے یہ واضح کیا ہے کہ عورت کا اصل حسن و جمال اور اس کا زیور حیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَآءَ ثَمَرُهُمْ إِذْ جَاءَهُمُ اتُّفَاتٌ عَلَىٰ حِسَابِهِمْ﴾

”اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم و حیا سے پلٹی ہوئی آئی۔“ (القصص: 25/28)
اس واقعہ میں ان خواتین کے لیے درس عبرت ہے جو بغیر پردہ کیے بازاروں، سڑکوں اور دکانوں میں پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ زب و زینت کے مصنوعی طریقے اپنانے والوں کے لیے سبق ہے کہ وہ اپنے اصلی حسن و جمال کو اپنی زینت بنائیں۔

رسول اکرم ﷺ نے حیا کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”حیا سرِ شریعہ ہے۔“^①
شرم و حیا کے منافی لباس پہن کر دفتر اور بازاروں کی رونق بننے والی خواتین کے لیے رسول اکرم ﷺ کے درج ذیل فرمان میں شدید وعید اور سخت تنبیہ موجود ہے۔ آپ نے فرمایا:

”جہنم کے دو دروازے ہیں جنہیں نہ نہیں دیکھا (جو آخری زمانے میں نمودار ہوں گے)۔..... ان میں سے ایک گروہ کی عورتیں لباس پہننے ہوئے بھی پرہیز ہوں گی۔ کدھوں کو اچکا اچکا کر چلنے والیاں بدکار عورتوں کی طرح چلنے والیاں ہوں گی جن کے سر بخچی اوٹوں کی کو بان کی طرح ہوں گے (یعنی بلند جوڑے کیے ہوں گی) وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی نہ جنت کی خوشبو انہیں آئے گی، حالانکہ جنت کی خوشبو طویل فاصلے پر بھی پائی جائے گی۔“^②

ہر صاحب علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا صاحب علم موجود ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہمیں غلب علم اور حصول علم کے لیے پختہ عزیمت، مضبوط قوت ارادی اور سرگرمی کی مشق کو کبھی واصلے سے برداشت کرنے کا سبق ملتا ہے۔

① صحیح مسلم، الإيمان، باب بیان عدد شعب الإيمان،.....، حدیث: 37

② صحیح مسلم، اللباس، باب النساء الکاسیات،.....، حدیث: 2128

معبودوں میں سرگرم ستارہ اور ”ایجو“ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ہر علاقے اور ہر ملک کا الگ الگ الٰہ جن میں ”آمن انوہیں“ اونوہیں، زریس، باست، حورس اور ”عوقت“ شامل تھے۔ ان تمام کی عبادت کی جاتی تھی اور ان کے متعلق عقائد و افکار کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت تو حید نے یہ سارے عقائد و افکار پاش پاش کر دیے اور صرف رب العالمین کی عبادت کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہونے والا درج ذیل مناظرہ ان تمام معبودانِ باطلہ کا زبردست رد کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۚ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ قَالَ لِمَنِ حُكُومَةُ الْأَمْثَلِ ۖ قَالُوا لِلَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۚ قَالُوا لِرَبِّهِمْ أَتْلَاكُمُ ۚ قَالُوا بَلَىٰ ۖ سُبْحَانَ رَبِّنَا أَلَيْسَ لَكُمُ الْيَوْمَ رَبٌّ قَدِيرٌ ۚ قَالُوا بَلَىٰ ۖ سُبْحَانَ رَبِّنَا أَلَيْسَ لَكُمُ الْيَوْمَ رَبٌّ قَدِيرٌ ۚ قَالُوا بَلَىٰ ۖ سُبْحَانَ رَبِّنَا أَلَيْسَ لَكُمُ الْيَوْمَ رَبٌّ قَدِيرٌ ۚ قَالُوا بَلَىٰ ۖ سُبْحَانَ رَبِّنَا أَلَيْسَ لَكُمُ الْيَوْمَ رَبٌّ قَدِيرٌ ۚ﴾

”فرعون نے کہا: رب العالمین کیا (چیز) ہے؟ موسیٰ نے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین رکھو والے ہو۔ فرعون نے اپنے ارگرد والوں سے کہا کہ کیا تم سن نہیں رہے؟ موسیٰ نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار ہے۔ فرعون نے کہا (لوگو!) تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔ موسیٰ نے فرمایا: وہی مشرق و مغرب اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو۔“ (الشعراء: 23/26-28)

باری تعالیٰ کی تقدیس و پاکیزگی کی مختلف ادیان و مذاہب میں خالق کا تصور مختلف ہے۔ ہر مذہب والے اپنے خالق و مالک کا ایک ایک تصور ذہن نشین کرتے ہیں اس مقصد کے لیے وہ مختلف نقوش و تصاویر کا سہارا لیتے ہیں۔ لہذا کسی کا الٰہ سانپ کی شکل کا ہے تو کسی کا گائے اور بندر کی شکل کا۔ کچھ لوگوں کا الٰہ انسان یا خدا کا مالک ہے، تو کچھ کا حیوانی شکل و صورت رکھتا ہے۔ ان تمام تصورات نے الٰہ کے تصور کو ہمیشہ ناقص، عیب دار اور مخلوق سے مشابہ قرار دیا ہے جبکہ قرآن مجید نے ذات باری تعالیٰ کو تمام عیوب و نقائص سے منزہ و اعلیٰ قرار دیا ہے لہذا فرمایا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ﴾ ”اس جیسی کوئی چیز نہیں۔“ (الشوری: 11/42) نیز فرمایا: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۚ﴾ ”مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔“ (طہ: 110/20)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و رفعت اور اس کی ذات کو تمام عیوب و نقائص سے منزہ قرار دینے کے لیے نہایت دقیق اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار کو دیکھنے کی خواہش کی تو جواب ملا:

﴿قَالَ كُنْ تَرَاهُ ۚ وَلَكِنْ أَنظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنَّ الشَّفْعَ مَكَانَهُ فَنَسُوفٌ تَرَاهُ ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ سُجَّدًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ ۚ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۚ﴾

”تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو

- * ان کے دشمن فرعون اور اس کے لشکر کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرقاب کیا جس سے ان کو دلی راحت ملی۔
- * انہوں نے پینے کے پانی کی قلت کی حکایت کو ہر قبیلے کے لیے الگ الگ چشمے جاری فرادیے۔
- * سورج کی گرمی اور تیش نے انہیں پریشان کیا تو انہیں بادلوں کے خوشگوار سائے عطا کیے گئے۔
- * ان کی خوراک کا بندوبست من و سلویٰ کی شکل میں کر دیا گیا۔

ان تمام انعام و اکرام کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی اور اس کے ساتھ شرک جیسا بیچ بزم کیا، اپنی ہی نافرمانی کی اور جہاد فی سبیل اللہ سے منہ موڑا تو انہیں طرح طرح کے عذابوں اور سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا جو کہ ہر ناشکرے اور مشرک کا نصیب ہوا کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝﴾

”اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بے شک میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔“ (ابراہیم: 71/4)

آج مسلمانان عالم کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی نعمتیں وافر عطا فرمائی ہیں لیکن اس کے باوجود دنیا بھر میں معتوب اور ذلیل و خوار بھی مسلمان ہیں۔ ان کے پاس مال و دولت کی کمی ہے نہ افواج و اسلحہ کی، ذہین اور قتل مند ماہرین کی کمی ہے نہ جدید وسائل کے حصول کے لیے سائنسدانوں کی قلت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان ان ساری نعمتوں کے باوجود دنیا کی حقیر ترین، مظلوم ترین اور بے بس قوم ہیں؟ کہیں یہ ذلت و رسوائی کا عذاب، اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کی ناشکری کا نتیجہ تو نہیں؟

۵۰ مظلوم کی بددعا اور اس کی قبولیت: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ مظلوم کی بددعا سے چپتا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا فوراً قبول فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

”مظلوم کی بددعا سے بچ! کیونکہ اس کی قبولیت اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔“ ۵۱

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم فرعونوں کے ظلم و ستم کا شکار تھی۔ آپ نے فرعونوں کو ہر ممکن طریقے سے ظلم سے روکنے اور انہیں حق قبول کرنے کی دعوت دی مگر ان کی دولت و امارت ہر لمحے ان کے فخر و غرور میں اضافہ کرتی رہی اور ان کا ظلم و ستم ہر گھڑی بڑھتا رہا۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مظلوم قوم کے سربراہ کی حیثیت سے ظالموں کے خلاف بددعا کے لیے ہاتھ بلند کیے اور یوں دعا کی:

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَئَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ رَبَّنَا لِيُضِلُّهُنَّ عَنْ سَبِيلِكَ ۖ رَبَّنَا مُضِلَّسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ ۖ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَصُدُّوا عَنِ الْعَذَابِ الْكَبِيرِ ۝﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مجلس میں سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا عالم ربانی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: میں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک صالح بندے کے متعلق وحی کی کہ وہ آپ سے بڑے عالم ہیں، لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجودیکہ آپ کا حکیم اللہ اور اعلیٰ اعزاز رسول تھے، طلب علم کا ارادہ فرمایا اور اس غرض سے طویل اور پر شدت سفر کا عزم کیا۔ اپنے پیٹنے عزم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَا أَرَىٰ حَتَّىٰ أَتْلُعَ مُنْجَبَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُطْبًا ۝﴾

”میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچوں (خواہ) مجھے ساہیاں چلنا پڑے۔“

(الکھف: 60/18)

حصول علم کے لیے سخت محنت، ذہانت، طویل عرصہ اور استاذ کی صحبت و نگرانی ضروری ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے حصول علم کی شرط بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”میرے عزیز! علم حاصل کرنے کے لیے چھ چیزیں ضروری ہیں۔ میں تمہیں ان کی تفصیل بتاتا ہوں (وہ یہ ہیں): ذہانت و فطانت، شوق و ذوق، سخت محنت، گزارے کے لیے خرچ، استاذ کی محبت اور طویل عرصہ تک جدوجہد۔“

۵۲ استاذ کا ادب و احترام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر علم سے ہمیں استاد کے ادب و احترام کا درس ملتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بلند مقام رسول اور حکیم اللہ ہیں۔ آپ کے طرزِ تعلیم سے طالبان علم کو سبق ملتا ہے کہ استاد کے ساتھ ہمیشہ نرم و پست آواز میں گفتگو کرنی چاہیے۔ جیسا کہ آپ نے اپنے استاد سے حصول علم کی عرض کرتے ہوئے کیا:

﴿هَلْ أَتَيْتُكَ عَلَىٰ نَفْسٍ مُّغْتَمِرَةٍ وَمِمَّا عَضْتُ نَفْسًا ۝﴾

”کیا میں آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے وہ نیک علم سکھادیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔“

(الکھف: 66/18)

آپ کے واقفے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد کو استاذ کی صحبت کے دوران میں ہمیشہ مہربان کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ استاذ کی توجیہات اور ہدایات کو نہایت غور سے سنا چاہیے۔ اگر شاگرد سے غلطی ہو جائے تو فوراً استاد سے معافی کا طلب گار ہو۔ استاذ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ نیز یہ بھی سبق ملتا ہے کہ استاذ کو بھی شاگرد کی غلطیوں پر درگزر کرنی چاہیے۔

۵۳ بنی اسرائیل پر انعامات ربانی: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر متعدد انعامات ارزانی کیے تھے۔ ان کی ایک جھلک درج ذیل نکات میں دیکھی جاسکتی ہے:

- * اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس وقت کے تمام لوگوں پر افضلیت و برتری عطا فرمائی۔
- * فرعونوں کے ذلت آئینہ تسلط اور غلامی سے نجات عطا کی اور انہیں معزز اور آزاد قوم بنایا۔

حضرت شیخنا افضیاء

امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ کا زمانہ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری دی تھی۔ آپ کے زمانے میں بیت المقدس کے علاقے میں حزقیا بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا۔ وہ حضرت شعیا علیہ السلام کی ہدایت پر پوری طرح عمل کرتا تھا۔ اس وقت بنی اسرائیل کے حالات دیگرگوں تھے۔ بادشاہ کے پاؤں میں پھوڑا نکل آیا جب کہ باہل کا بادشاہ سخاریب جھ لاکھ کی فوج کے ساتھ بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ لوگ بہت پریشان تھے۔ بادشاہ نے حضرت شعیا علیہ السلام سے پوچھا: ”اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سخاریب کی فوجوں کے بارے میں کیا وحی نازل فرمائی ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ابھی کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔“ آخر وحی نازل ہوئی کہ حزقیا بادشاہ سے کہہ دیجئے کہ کسی کو اپنا قائم مقام نامزد کر دے کیونکہ اس کی موت کا وقت قریب ہے۔ جب آپ نے بادشاہ کو اللہ کا یہ پیغام دیا تو بادشاہ قلیلہ رخ ہو کر نماز، دعا اور گریہ زاری میں مشغول ہو گیا۔ اس نے اخلاص توکل اور صبر کا دامن پکڑا اور دعا کی: ”یا اللہ! اے سب مالکوں کے مالک! سب معبودوں کے معبود! یا رحمان! یا رحیم! اے وہ ذات جو نیند اور ادوگے سے پاک ہے! میرے اعمال پر اور بنی اسرائیل میں انصاف کے ساتھ حکومت کرنے پر نظر فرما! یہ سب تیری توفیق سے ہوا۔ تو یہ بات مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ میرا ظاہر و باطن تیرے لیے ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی، رحمت فرمائی اور حضرت شعیا علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اسے خوشخبری دے دیں کہ اللہ نے اس کی گریہ زاری پر رحم فرمایا اور اس کی موت کو چندہ سال کے لیے مؤخر فرما دیا ہے اور اسے اس کے دشمن سخاریب سے نجات دے دی ہے۔ جو نبی شعیا علیہ السلام نے اسے یہ خوشخبری سنائی، اس کی بیماری دور ہو گئی، تمام غم و فکر دور ہو گئے۔ وہ اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔ اس نے سجدہ میں یہ الفاظ کہے: ”یا اللہ! تو ہی جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے جہنم لیتا ہے۔ تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔ تو ظاہر اور پوشیدہ سے باخبر ہے۔ تو ہی اول و آخر ہے۔ تو ہی ظاہر و باطن ہے۔ تو ہی رحم فرماتا ہے اور لاچاروں کی دعا قبول کرتا ہے۔“

جب اس نے سجدہ سے سر اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے شعیا علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ بادشاہ کو حکم دیں کہ وہ انجیر کا پانی نکال کر اپنے زخم پر لگائے، اسے شفا حاصل ہو جائے گی۔ اس نے اس ہدایت کے مطابق عمل کیا تو اسے شفا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے سخاریب کے لشکر پر موت مسلط کر دی۔ چنانچہ وہ سب ہلاک ہو گئے۔ صرف سخاریب اور اس کے چانچ ساتھی باقی بچے جن میں سے ایک بخت نھر تھا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ نے سپاہی بھیج کر انہیں گرفتار کر لیا۔ ان کی گردنوں

”اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان زینت اور طرح طرح کے مال دیا وہ زندگی میں دیے۔ اے ہمارے رب! (کیا اس واسطے دیے ہیں کہ) وہ تیری راہ سے گمراہ کریں؟ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے“ سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔“ (یونس: 88/10)

اللہ تعالیٰ نے اپنے مظلوم بندے کی پکار بنی اسرائیل اور ظالم و جابر قوم کو درج ذیل عذاب چکھائے:

* قحط سالی سے ان کے باغات اور فصلیں ختم کر دیں۔

* کبھی سیلاب اور طوفان سے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

* کبھی ہڈی دل کے ذریعے سے ان کی فصلیں ویران کر دیں جس سے غلے کی شدید قلت ہو گئی۔

* ان پر جوؤں کا عذاب مسلط کر دیا جن سے ان کی زندگی اجیرن بنا دی گئی۔

* ان کے کھانوں، مشروبات، گھر، بس، رستوں اور محفلوں کو میمڈکوں سے بھر دیا، جنہوں نے چھدک چھدک کر ان کے آرام و سکون اور عیش و عشرت کو غارت کر دیا۔

* تکسیر کے ذریعے سے انہیں جسمانی عذاب اور ان کے پانی کو خون سے بدل کر جسمانی اور نفسیاتی اذیت کا عذاب دیا گیا۔

* فرعون کو مرنے تک ایمان کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ جب نصیب ہوئی تو مہلت ختم ہو چکی تھی۔ ظالموں، متکبروں اور جابروں کے لیے فرعون کی لاش آج بھی درس عبرت لیے مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ کوئی ہے جو اس کے انجام بد سے نصیحت و عبرت پکڑے؟

حُضْرَةُ اِمْيَا حَلَقِيَا

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: بعض روایات میں مذکور ہے کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا گیا تو آپ کا خون مسلسل اہل اہل کر دمشق کی زمین پر گرتا رہا اور بند نہ ہوا۔ اس وقت ارمیا علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: ”اے خون! تو نے لوگوں کو آزمائش میں ڈال رکھا ہے۔ اب بند ہو جا!“ چنانچہ وہ رک گیا اور زمین میں جذب ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ واقعہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حالات میں بیان ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ ارمیا علیہ السلام نے فرمایا: ”یا رب! تیرا کون سا بندہ تجھے سب سے پیارا ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جو لوگ مجھے زیادہ یاد کرتے ہیں، جو مخلوق کی یاد بھلا کر میری یاد میں مشغول ہو جاتے ہیں، جن کے دل میں فنا کا خیال نہیں آتا اور وہ بقا کے بارے میں بھی نہیں سوچتے۔ جب انہیں دنیا کا عیش میسر ہو تو وہ خوش نہیں ہوتے۔ جب ان سے دنیا کا عیش و عشرت لے لیا جائے تو خوش ہوتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہیں میں اپنی محبت عطا فرماتا ہوں اور انہیں ان کی طلب سے زیادہ دیتا ہوں۔“

بیت المقدس کی تباہی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ اَلَا تَتَّقُونَ ؕ وَامِنْ دُونِي وَكَيْلًا ؕ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا نَحْمُوسُ ۚ اِنَّكَ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ؕ وَهَضَبْنَا اِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَاتِنَ ۚ وَلَتُعَلِّدُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ؕ فَلَمَّا جَاءَ وَعْدُ اُولٰٓئِهٖمَا بَعَثْنَا عَلَيْهِمْ ثَمَرًا ۙ اُولٰٓئِیْ سُدِّدُوا فِجَاسًا ۙ خَلَلَ الذِّیَارَ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ؕ ثُمَّ رَدَدْنَا لَکُمُ الْکِتَابَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَمَدَدْنٰکُمْ بِاَمْوَالٍ وَبَنَیْنُ وَجَعَلْنٰکُمْ اَکْثَرُ نَفِیْرًا ؕ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لَافْتِحْکُمْ ؕ وَاِنْ اَسَآءْتُمْ فَلَهَا ؕ فَلَمَّا جَاءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِبَنِیْۤسَآءٍ اَوْ جُوهَلُمْ ۚ وَلَیْدٌ خُلُوًّا السَّجْدَ ۚ کَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَلَیْسَتْ بِرُءُوۤا مَا عَمَلُوۡا اَسْتَبِیْرًا ؕ عَلٰی رَکْبٰکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ ؕ وَاِنْ عَدَّتُمْ عِدَّتُمْ ۚ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْکَافِرِیْنَ حَصِیْرًا ؕ﴾

”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عینیت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز

میں طوق ڈال کر شہر میں گھمایا“ اسی طرح سزدان انہیں ذلیل کیا۔ ان لوگوں کو روزانہ جو کی دود روئیاں دی جاتی تھیں۔ پھر انہیں جبل میں ڈال دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے وحی کے مطابق بادشاہ سے کہا کہ انہیں ان کے وطن بھیج دے تاکہ وہ اپنی قوم کو جا کر بتائیں کہ ان پر کیا گزری۔ جب وہ اپنے وطن پہنچے تو سخریہ نے اپنی قوم کو جمع کر کے تمام صورت حال بیان کی۔ اس کے کانوں اور ساروں نے کہا: ”ہم نے آپ کو ان کے رب کی اور ان کے نبیوں کی شان بتائی تھی، لیکن آپ نے ہماری بات نہ مانی۔ اس امت کو اللہ کی مدد حاصل ہے، کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔“ اس واقعہ کے سات سال بعد سخریہ رب مر گیا۔ امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ کہتے ہیں: جب بنی اسرائیل کا بادشاہ جز قیا مر گیا تو ان کے حالات خراب ہو گئے اور ان میں برائیاں زیادہ پھیل گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی تو آپ نے اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ جو بھی آپ نے وعظ و ختم کیا، وہ لوگ آپ پر حملہ آور ہو گئے اور آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ بھاگ گئے۔ آپ ایک درخت کے پاس پہنچے تو وہ پھٹ گیا، آپ اس کے اندر داخل ہو گئے۔ شیطان نے جلدی سے پکڑے کا کنارہ پکڑ لیا۔ جب درخت کے پچھے ہوئے حصے نے تل کر بنی کو چھپایا تو پکڑے کا وہ کنارہ باہر رہ گیا۔ لوگوں نے دیکھا تو فوراً آرا لے آئے اور درخت کا چیر دیا۔ اس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم مبارک بھی دو ٹکڑے ہو گیا اور آپ شہید ہو گئے۔ ﴿اِنَّا یٰۤاٰیٰہُ وَاِنَّا لَیَوْرِجُوْنَ﴾

دوں گا اور زمین تانے گی۔ اگر بارش بری تو فحاشات نہیں آگے نیگی۔ اگر کچھ آگاہ تو وہ جانوروں پر میرے رحم کی وجہ سے اُگے گا۔ کاشت کے موسم میں بارش بند رہے گی، فصل کاٹنے کے موسم میں بارش آجائے گی۔ اسی دوران میں وہ جو کاشت کریں گے، میں اس پر آفات نازل کروں گا۔ اگر اس میں سے کچھ بچا تو اس میں برکت نہیں ہوگی۔ اگر وہ مجھ سے دعائیں کریں گے تو میں ان کی دعائیں قبول نہیں کروں گا۔ اگر مانگیں گے تو میں انہیں نہیں دوں گا، اگر وہ روئیں گے تو میں ان پر رحم نہیں کروں گا، وہ گڑگڑائیں گے تو میں ان سے اپنا رحم پھیر لوں گا۔“

جب بنی اسرائیل دینی، اخلاقی اور معاشرتی بگاڑ میں حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ارمیاء علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی: ”میں بنی اسرائیل کو تباہ کرنے والا ہوں اور ان کے گناہوں کی وجہ سے انتقام لینے والا ہوں۔ آپ ”صخرہ“ (بیت المقدس کی مقدس چٹان) پر پہنچ جائیں، وہاں آپ کو میرا حکم پہنچے گا، ارمیاء علیہ السلام نے فرمایا: ”تو ان پر کس قوم کو مسلط کرنے والا ہے؟“ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ آگ کی پوجا کرنے والے ہیں۔ نہ میرے عذاب سے ڈرتے ہیں نہ مجھ سے ثواب کی خواہش رکھتے ہیں۔ اپنی قوم کو بتا دیجیے اللہ نے اب تک تمہارے بزرگوں کی نیکی کی وجہ سے تمہیں مہلت دی ہے۔ لیکن تم نے میرے احکامات فراموش کر دیے۔ اب میں تم پر ایسا ظالم حکمران مسلط کروں گا جو تم پر بالکل رحم نہیں کرے گا بلکہ تمہیں تباہ کر کے رکھ دے گا۔“

جب ارمیاء علیہ السلام نے انہیں اللہ کا پیغام پہنچایا تو وہ بولے: ”ارمیا! تو جھوٹ بولتا ہے اور اللہ پر بہتان تراشی کرتا ہے۔ کیا اللہ اپنی مقدس سرزمین کو اور اپنی مسجد کو اپنی کتاب سے اور عبادت کرنے والوں سے خالی کر دے گا؟ تب زمین پر کون ہو گا جو اس کی عبادت و اطاعت کرے گا؟“

انہوں نے آپ کو کچھ قید کر دیا۔ یہی وقت تھا جب بخت نصر نے ان کے ملک پر حملہ کر دیا اور بنی اسرائیل کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس نے بیت المقدس سے بہت سالانہ غنیمت حاصل کیا۔ بہت سے افراد کو قید کر کے باہل لے گیا۔ اس نے بیت المقدس کی عمارت گرا دی اور دیوارات کے ٹکڑے نچا دیے۔ اس نے بنی اسرائیل کے جن افراد کو غلام بنایا، ان میں سے سات ہزار حضرت داود علیہ السلام کے گھرانے سے تھے، گیارہ ہزار حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کے گھرانے سے، آٹھ ہزار اشیا بن یعقوب علیہ السلام کے خاندان سے، چودہ ہزار زابلون اور نفتالی کے خاندان سے، چودہ ہزار دان بن یعقوب کی اولاد سے، آٹھ ہزار یساکر بن یعقوب علیہ السلام کے خاندان سے، دو ہزار شمعون بن یعقوب علیہ السلام کی آل سے، چار ہزار روبن اور لوی کے قبیلے سے اور بارہ ہزار بنی اسرائیل کے دوسرے گھرانوں سے تھے۔ وہ ان سب کو لے کر باہل پہنچ گیا۔

ہشام کا کہنا ہے کہ جب بخت نصر بیت المقدس میں آیا، وہاں کا بادشاہ حضرت داود علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ اس نے بخت نصر سے صلح کر لی۔ بخت نصر نے اس سے ضمانت کے طور پر کچھ افراد لیے اور لوٹ گیا۔ جب وہ وطن پر کے مقام پر

نہ بظہرانا۔ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا! جب تک نوح ہمارے شکر گزار بندے تھے اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دودھ فساد نہ پھاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ پھر جب پہلے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط کر دیے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا، پھر ہم نے دوسری بار تم کو ان پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹیوں سے تمہاری مدد کی اور تم کو جماعت کثیر بنادیا۔ اگر تم نیکو کاری کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے کرو گے اور اگر اعمال بد کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمہاری ہی جانوں پر ہوگا۔ پھر جب دوسرے (وعدے) کا وقت آیا (تو ہم نے) تم سے پھر اپنے بندے (بھیجے) تاکہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہو گئے تھے اسی طرح پھر اس میں داخل ہو جائیں اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے تباہ کر دیں۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے گا اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (پہلا سلسلہ) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے۔“ (بنی اسرائیل: 21/7-8)

حضرت وہب بن منہ رطھ فرماتے ہیں: جب بنی اسرائیل کثرت گناہوں کا ارتکاب کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک نبی کی ارمیاء علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم میں کھڑے ہو کر میری بات سننا دو:

”ان کے دل تو ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں بھی ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں۔ ان کے کان بھی ہیں لیکن وہ سنتے نہیں۔ میں نے ان کے آباء و اجداد کی نیکی کی وجہ سے ان پر رحمت کی لیکن انہوں نے میری فرماں برداری نہیں کی۔ ان سے پوچھیے کہ میری نافرمانی کر کے انہیں کیا ملا؟ کیا کوئی شخص میری نافرمانی کر کے سعادت حاصل کر سکتا ہے؟ یا کوئی میری فرماں برداری کر کے فاضل رہ سکتا ہے؟ جانور بھی اپنے گھروں کو یاد رکھتے ہیں اور پلٹ آتے ہیں لیکن ان لوگوں نے وہ اعمال ترک کر دیے ہیں جن کی وجہ سے میں نے ان کے بزرگوں کو عزت بخشی تھی اور وہ دوسری طرح کے کاموں میں عزت تلاش کرتے ہیں۔ ان کے علماء نے حق کا انکار کیا۔ ان کے قراء نے مجھے چھوڑ کر دوسروں کو پوجا۔ ان کے زاہدوں نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا۔ ان کے حکمرانوں نے مجھ پر اور میرے رسولوں پر جھوٹ بولا۔ دلوں میں دھوکا فرب خزانوں کی طرح جمع کر لیا۔ زبانوں کو جھوٹ کی عادت ڈال دی۔ میں اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان پر وہ لشکر چڑھاؤں گا جو ان کی زبان نہ سمجھیں گے۔ ان کے چہروں کو نہ پہچانیں گے اور ان کی گریہ زاری پر ترس نہ کھائیں گے۔ ان پر ایسا ظالم اور سنگدل بادشاہ مسلط کروں گا جس کے لشکر یا دلوں کی طرح، جن کے جھنڈے اڑتے عقابوں کی طرح اور ان کے شہسواروں کے حملے شہبازوں جیسے ہوں گے۔ وہ شہروں اور قصبوں کو براں کر دیں گے۔ افسوس ہے اہلیا کے شہر پر اور اس کے باشندوں پر۔ میں اپنی قتل و غارت گاہ کا نشانہ بناؤں گا، ان پر غلامی مسلط کروں گا، خوشیوں کی گہما گہمی کی جگہ تنہائی پکار لے لی۔ گھوڑوں کے ہنہانے کی بجائے بھیچریوں کے غرانے کی آوازیں آئیں گی۔ میں ان کے لیے آسان لوہے کا بنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت دانیال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات: ابن ابی الدیناط رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن ابی ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بخت نصر نے دو شیر چکر کر ایک کنویں میں ڈال دیے۔ پھر دانیال علیہ السلام کو لاکرائی کنویں میں ڈال دیا۔ شیروں نے آپ کو کچھ نہ کہا۔ کچھ مدت بعد آپ کو جیوک پیاس محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ دانیال علیہ السلام کے لیے کھانے پینے کا سامان تیار کریں۔ انہوں نے عرض کی: ”یا اللہ! میں یہاں ارض مقدس فلسطین میں ہوں اور دانیال علیہ السلام عراق کے شہر بابل میں ہیں؟“ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ آپ ہمارے حکم کے مطابق کھانے پینے کا سامان تیار کریں۔ ہم آپ کو وہاں پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔ انہوں نے تیاری کی تو اللہ نے کسی کو بھیج دیا جو انہیں اور ان کے تیار کیے ہوئے سامان کو بابل لے گیا حتیٰ کہ آپ کنویں کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے۔ دانیال علیہ السلام نے فرمایا: ”آپ کون ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”میں ارمیا ہوں۔“ آپ فرمایا: ”آپ کس لیے تشریف لائے؟“ انہوں نے فرمایا: ”مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔“ انہوں نے فرمایا: ”میرے رب نے میرا نام کیا ہے؟“ فرمایا: ”ہاں! دانیال علیہ السلام نے فرمایا: ”شکر ہے اللہ کا جو اپنا ذکر کرنے والے کو فراموش نہیں کرتا۔ شکر ہے اللہ کا جو اپنی ذات سے امید رکھنے والے کی اس نہیں توڑتا۔ شکر ہے اللہ کا کہ جو شخص اس پر توکل کرے، وہ اسے کسی اور کا محتاج نہیں کرتا۔ شکر ہے اللہ کا جو صبر کا بدلہ نجات کی صورت میں دیتا ہے۔ شکر ہے اللہ کا جو ہمیں پریشانی آنے پر ہماری مصیبت دور کرتا ہے۔ شکر ہے اللہ کا جو ہمیں اس وقت بچا لیتا ہے جب ہمیں اپنے اعمال پر بدگمانی ہونے لگتی ہے (کہ ممکن ہے ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں مزید مصائب میں مبتلا ہونا پڑے۔) شکر ہے اللہ کا جو اس وقت ہماری امید کا مرکز بن جاتا ہے جب ہماری کوئی تدبیر کارگر نہیں رہتی۔“

حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ”جب ہم نے شکر کا شہر فتح کیا تو ہمیں ہرمزان کے خزانے میں ایک پتنگ ملا۔ اس پر ایک میت تھی۔ اس کے سر ہانے کی طرف ایک تحریر پڑی تھی۔ ہم نے وہ تحریر اٹھائی اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے حضرت کعب بن لؤی کو بلایا۔ انہوں نے اس کا عربی ترجمہ لکھ دیا۔ سب سے پہلے میں نے وہ عربی تحریر پڑھی۔ وہ مجھے ابھی اس طرح یاد ہے جس طرح قرآن یاد ہے۔

خالد بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ابو العالیہ رحمہ اللہ سے عرض کی: ”میں اس کی لکھا ہوا تھا؟“ انہوں نے فرمایا:

پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ بنی اسرائیل نے اس صلح سے ناراض ہو کر اپنے بادشاہ کو قتل کر دیا ہے۔ اس نے ضمانت کے طور پر چکرے ہوئے افراد کے سر قلم کیے اور دوبارہ شہر پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ پھر وہاں کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا اور بچوں اور عورتوں کو غلام بنایا۔

بنی اسرائیل دنیا میں تتر بتر ہو گئے

ایک روایت کے مطابق بخت نصر کو معلوم ہوا کہ جیل میں ارمیا علیہ السلام بھی ہیں۔ اس نے آپ کو رہا کیا۔ آپ نے بتایا کہ میں نے انہیں اس سے ڈرایا تھا لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی اور مجھے قید کر دیا۔ اس نے کہا: ”مکتی بری قوم ہے جس نے اللہ کے رسول کی نافرمانی کی۔“

وہ آپ سے حسن سلوک سے پیش آیا اور بنی اسرائیل کے جو افراد زندہ بچ گئے تھے، انہیں آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ بنی اسرائیل نے کہا: ”ہم نے واقعی برا کام کیا تھا۔ اب ہم اللہ کے آگے توبہ کرتے ہیں۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ ہماری توبہ قبول ہو۔“

آپ نے دعا کی تو اللہ نے وحی کے ذریعے سے فرمایا: ”میں ان کی توبہ قبول نہیں کروں گا۔ اگر یہ سچے دل سے توبہ کر رہے ہیں تو انہیں کہیے کہ آپ کے ساتھ اس شہر میں رہائش اختیار کریں۔“ آپ نے اللہ کا حکم سنایا تو یہ کہنے لگے: ”ہم اس شہر میں کیسے رہ سکتے ہیں؟ یہ تو کھنڈر بن چکا ہے۔ یہاں کے رہنے والوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا تھا۔“ چنانچہ انہوں نے وہاں رہنے سے انکار کر دیا۔

ابن کلبی کہتے ہیں: اس وقت بنی اسرائیل دنیا میں بکھر گئے۔ کچھ لوگ حجاز آ گئے، کچھ یثرب میں جا پھرے، کچھ اودی قری میں رہنے لگے۔ ایک چھوٹی سی جماعت مصر چلی گئی۔ بخت نصر نے وہاں کے بادشاہ کو خط لکھا کہ مفرور افراد کو اس کے حوالے کیا جائے مصر کے بادشاہ نے انکار کیا۔ تب بخت نصر نے لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا اور اسے شکست دی۔ پھر بلا دمغرب پر حملہ آور ہو گیا اور آخر تک فتح کر لیا۔ پھر مغرب، مصر، بیت المقدس، فلسطین اور اردن کے بے شمار قیدیوں کے ساتھ واپس آیا۔ ان قیدیوں میں حضرت دانیال علیہ السلام بھی تھے۔

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دانیال اکبر نہیں بلکہ دانیال اصغر ہیں جو حزقیل علیہ السلام کے فرزند تھے۔ وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے یہی فرمایا ہے۔ (واللہ اعلم)

بیت المقدس کی دوبارہ آباد کاری اور نبی کا سوسال بعد زندہ ہونا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَوْ كَانَتْ مِرَّةً عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ اَتَى بِمَنْ هُنَا وَاللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ قَامَتَا لِلّٰهِ وَاَمَّا عَادٌ ثُمَّ بَعَثْنَا عَلٰی كَمَلٍ لِّثَمَّ قَالَ لِيْثَمُ يَوْمًا وَّبَعْضُ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لِّثَمُ يَوْمًا وَاَمَّا عَادٌ فَانْظُرْ اِلَىٰ كَعَاكِمٍ وَّشَوَاكِمَ لَمْ يَكْسَبُوْهُمَا ۚ وَانْظُرْ اِلَىٰ جِبَارِكُمْ وَنَجْعَلُكَ اَيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَىٰ الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِئُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶۰﴾

”یا اس شخص کی مانند کہ جس کا گزر اس ہستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی اس نے کہا کہ اللہ اس کے باشندوں کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا۔ تو اللہ نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا) پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا اور پوچھا تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو۔ اور اپنے کھانے پینے کی چیز کو دیکھو کہ اتنی مدت میں بالکل (سُزی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو جو مر پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو ہم ان کو کیسے جوڑتے ہیں اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھاتے ہیں۔ جب یہ واقعات اُس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“ (البقرہ: 259/2)

ہشام بن علی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کو نبی فرمائی کہ میں بیت المقدس کو آباد کرنے والا ہوں۔ آپ وہاں جا کر رہیں۔ آپ وہاں شریف لے گئے تو وہ ویران ٹھنڈا تھا۔ آپ نے دل میں کہا: ”سبحان اللہ! اللہ نے مجھے اس شہر میں رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ آباد ہوگا لیکن اسے اللہ تعالیٰ کب آباد فرمائے گا اور کب اس مردہ کو نبی زندگی عطا فرمائے گا؟“

پھر آپ وہاں آ کر سو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا گدھا تھا اور نوکری میں کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ ستر سال سوئے رہے حتیٰ کہ بخت نصر مر گیا اور اس کے اوپر حکمران لہر اس پر بھی مر گیا۔ اس نے ایک سو بیس سال حکومت کی تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ”ہشام“ بادشاہ ہوا۔ بخت نصر اس کے دور حکومت میں مرا۔ اسے شام کے ملک کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ ویران ہو چکا ہے اور فلسطین کے علاقے میں درندے بکثرت ہیں اور کوئی انسان باقی نہیں۔ اس نے بابل میں بنی اسرائیل

”تم مسلمانوں کے اخلاق، تمہارے معاملات، تمہارے بات چیت کے ڈھنگ اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات۔“ میں نے کہا: ”پھر تم نے اس میت کا کیا کیا؟“ فرمایا: ”ہم نے دن کے وقت مختلف مقامات پر تیرہ قبریں کھودیں رات کو کسی ایک قبر میں دفن کر کے سب کو برابر کر دیا تاکہ ان لوگوں کو معلوم نہ ہو اور وہ قبر کھود کر ان کی میت نہ نکال لیں۔“ میں نے کہا: ”وہ اس میت سے کیا امید رکھتے تھے؟“ فرمایا: ”جب بارش نہیں ہوتی تھی تو وہ آپ کی چار پائی کلمے میدان میں رکھ دیتے تھے۔ جب بارش ہو جاتی تھی۔“ میں نے کہا: ”آپ کے خیال میں یہ کیوں صاحب تھے؟“ فرمایا: ”ان صاحب کا نام دانیال تھا۔“ میں نے کہا: ”انہیں فوت ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا تھا؟“ فرمایا: ”تین سو سال۔“ میں نے کہا: ”ان کے جسم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی؟“ فرمایا: ”نہیں، بس گدی کے چند بال جھڑ گئے تھے۔ نبیوں کے جسم مٹی میں بوسیدہ نہیں ہوتے انہیں درندے کھاتے ہیں۔“ ۶۱

اس روایت کی سند ابوالعالیہ تک صحیح ہے لیکن اگر وہ صاحب واقعی تین سو سال پہلے فوت ہوئے تھے تو وہ نبی نہیں ہو سکتے کوئی اور نیک آدمی ہوں گے کیونکہ بخاری شریف کی صحیح حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ ان دونوں انبیائے کرام علیہ السلام کی درمیانی مدت چھ سو سال ہے۔ اگر وہ میت واقعی دانیال علیہ السلام کی تھی تو ان کی وفات تین سو سال پہلے نہیں بلکہ آٹھ سو سال پہلے ہوئی ہوگی ورنہ وہ کوئی ولی ہوگا۔ ویسے اس کا دانیال علیہ السلام کی میت ہونا ہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ دانیال علیہ السلام کو اہل فارس کے بادشاہ نے گرفتار کر لیا تھا اور انہوں نے اس کے پاس ہی قید کے ایام گزارے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی الزنادی رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی۔ جس پر وہ شیروں کی تصویر بنی ہوئی تھی، ان کے درمیان ایک آدمی تھا اور شیر اسے چاٹ رہے تھے۔ ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یہ اس شخص کی انگوٹھی ہے جس کے بارے میں اس شہر کے لوگ کہتے ہیں کہ وہ دانیال علیہ السلام ہیں۔ جس دن انہیں دفن کیا گیا، یہ انگوٹھی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے لے لی تھی۔ پھر شہر کے علماء سے اس پر کندہ تصویر کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا: ”حضرت دانیال علیہ السلام جس بادشاہ کے ملک میں تھے، اسے نجومیوں نے بتایا تھا کہ ایک لاکھ پانچ سو ہونے والا ہے جس کی وجہ سے تیری حکومت ختم ہو جائے گی۔“ بادشاہ نے قسم کھائی کہ آج رات پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو قتل کر دیا جائے گا۔ البتہ انہوں نے دانیال علیہ السلام کو شیر کے کچھار میں پھینک دیا۔ آپ کی والدہ نے جان کر دیکھا تو شیر اور شیرنی آپ کو پیار سے چاٹ رہے تھے اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ شہر کے علماء نے بتایا کہ دانیال علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی میں اپنی اور شیروں کی تصویر بنوائی تھی تاکہ آپ کو اللہ کا یہ احسان ہمیشہ یاد رہے۔ ۶۲

حَضْرَتُ عِزِّ

نام و نسب اور آپ کا تذکرہ

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ کا نام عزیر بن حیوۃ ہے۔ اور آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے: عزیر بن سوریق بن عرنہ بن ایوب بن درشا بن عری بن تقی بن السبوع بن فنحاص بن الیعر بن ہارون بن عمران ایک روایت کے مطابق آپ کے والد کا نام ”سروحا“ تھا۔ آپ کی قبر مبارک دمشق میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سو سال کے بعد دوبارہ زندہ کیا تھا، وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عزیر علیہ السلام ایک دانا اور متقی آدمی تھے۔ ایک دن اپنے کھیتوں میں ان کی دیکھ بھال کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر ایک کھنڈر کے پاس سے گزر رہے تھے کہ وہ پہر کی شدید گرمی سے بچنے کے لیے کھنڈر میں چلے گئے۔ آپ اپنے گدھے سے نیچے اتر آئے۔ آپ کے پاس ایک ٹوکری میں انگور تھے اور ایک ٹوکری میں انگور تھے۔ آپ نے ایک ویران غمارت کے سائے میں بیٹھ کر اپنا پیالہ لیا۔ پیالے میں انگوروں کو نیچوڑ کر رس نکال لیا۔ پھر آپ کے پاس جو خشک روٹی تھی، وہ لے کر رس میں ڈال دی تاکہ وہ نرم ہو جائے تو کھالیں۔ پھر آپ دیوار سے پاؤں لگا کر چرت لیٹ گئے۔ آپ کی نظر چھت پر پڑی۔ دیکھا کہ چھت تو قائم ہے لیکن اس کے نیچے زندگی گزارنے والوں کی صرف بوسیدہ ہڈیاں موجود ہیں۔ تب فرمایا: ﴿أَلَيْسَ يَحْيٰی ھٰذَا اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِیْ﴾ ”اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟“ (البقرہ: 259/2)

یہ خشک کے طور پر نہیں بلکہ توجب کے طور پر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے موت کا فرشتہ بھیجا۔ اس نے آپ کی روح قبض کر لی اور آپ سو سال تک فوت شدہ حال میں رہے۔ اس ایک صدی کی مدت میں بنی اسرائیل کو طرح طرح کے واقعات پیش آئے۔ جب سو سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف ایک فرشتہ بھیجا اس نے آپ کا دل پیدا کیا تاکہ آپ سمجھ سکیں اور انھیں پیدا کریں تاکہ سب سمجھ دیکھ کر سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ پھر آپ کے دیکھتے دیکھتے آپ کا جسم مبارک مکمل کیا گیا۔ ہڈیوں پر گوشت پوست اور بال بن گئے، پھر جسم میں روح ڈالی گئی اور آپ یہ

سے کہہ دیا کہ جو شخص شام جانا چاہتا ہے چلا جائے۔ اس نے بنی اسرائیل ہی کے ایک شخص کو ان کا سردار مقرر کر دیا اور اسے بیت المقدس تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ وہ سب وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کی آنکھیں کھولیں اور آپ نے شہر کو آباد ہوتے دیکھ لیا۔ آپ کی یہ نیند سو سال طویل تھی۔ جب آپ جاگے تو آپ کو یوں محسوس ہوا کہ آپ دن کا کچھ حصہ سوئے رہے۔ سوئے سے پہلے آپ نے شہر کو ویران دیکھا تھا۔ جاگے تو آہ نظر آیا۔ تب انہوں نے فرمایا: ﴿اعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ”میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

بنی اسرائیل وہاں آرام و سکون سے رہتے رہے حتیٰ کہ طوائف الملوکی کے دور میں ان پر رومی غالب آ گئے۔ پھر عیسائیوں کے غلبہ کے بعد یہودیوں کی کوئی حکومت اور سلطنت نہ رہی۔ تفصیل ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں بیان کی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لہر اس بہت انصاف پسند بادشاہ تھا۔ سب حکمران اور فوجی افسر اس کی بات مانتے تھے۔ شہر آباد کرنے اور نہریں بنانے میں بہت دانا بنی سے کام لیتا تھا۔ سو سال سے زیادہ مدت کے بعد وہ ملک کا انتظام کرنے کے قاضی نہ رہا تو اپنے بیٹے شہنشاہ کے حق میں دست بردار ہو گیا۔ اس کے دور حکومت میں مجوسی مذہب شروع ہوا۔ وہ اس طرح کہ ایک آدمی ارمیا علیہ السلام کے ساتھ کچھ عرصہ رہا۔ اس کا نام زرتشت تھا۔ کسی وجہ سے ارمیا علیہ السلام اس سے ناراض ہو گئے اور اسے بددعا دی۔ زرتشت کو برص کی بیماری لگ گئی اور وہ آذر بایجان کے علاقے میں چلا گیا۔ وہاں وہ شہنشاہ کا درباری بن گیا اور اسے خود ساختہ مجوسی مذہب کی طرف بلایا۔ بادشاہ نے خود بھی یہ مذہب قبول کر لیا اور عوام کو بھی اسے قبول کرنے پر مجبور کیا اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔

شہنشاہ کے بعد اس کا بیٹا بہمن بادشاہ ہوا۔ وہ ایران کا مشہور بادشاہ اور بہادر آدمی تھا۔ الغرض ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ اس شہر (بیت المقدس) کے پاس سے گزرنے والے حضرت ارمیا علیہ السلام تھے۔ متعذرا، نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ مذکورہ بالا تفصیل سے بھی یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ تاہم متعذرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کیا تو اس کا قول ہے کہ یہ واقعہ عزیر علیہ السلام کو پیش آیا تھا۔ علماء کے ہاں یہ قول زیادہ مشہور ہے۔ (واللہ اعلم)

وہ بولی: ”عزیر تو مستجاب الدعوات تھے۔ ان کی دعا سے ہزاروں کوشفا ہو جاتی تھی، لہذا آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے آنکھیں دے دے تاکہ آپ کی زیارت کر سکوں۔ اگر آپ واقعی عزیر علیہ السلام ہیں تو میں آپ کو پہچان لوں گی۔“ آپ نے دعا کر کے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

”اللہ کے حکم سے اٹھ کر کھڑی ہوا!“ اللہ نے اس کی انگلیں درست کر دیں۔ وہ تندرست ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی اور بولی: ”میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ عزیر ہی ہیں۔“

وہ بنی اسرائیل کے چوپال اور ان کی مجلس میں گئی مجلس میں عزیر کا ایک بیٹا موجود تھا جو ایک سو اٹھارہ سال کا بوڑھا تھا۔ آپ کے پوتے جو مجلس میں موجود تھے، وہ بھی سب بوڑھے تھے۔ اس نے انہیں پکار کر کہا: ”یہ دیکھو! عزیر علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں۔“ انہیں یقین نہ آیا۔ اس نے کہا: ”میں تمہاری فلاں لوٹدی ہوں۔ عزیر علیہ السلام کی دعا سے مجھے بصارت مل گئی اور میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کو سو سال کے بعد زندہ کر دیا ہے۔“

لوگ اٹھ کر آپ کے پاس آئے اور دیکھنے لگے۔ آپ کے بیٹے نے کہا: ”ابا جان کے کندھوں کے درمیان ایک تل تھا۔“ آپ نے کندھوں سے پکڑا بیٹا دیکھا تو وہ علامت موجود تھی۔ لوگوں نے کہا: ”ہماری قوم میں عزیر علیہ السلام کے سوا کسی کو تورات زبانی یاد نہیں تھی۔ تحریری نسخہ بخت نصر نے نذر آتش کر دیا۔ اب کسی کسی آدمی کو تورات کے تھوڑے تھوڑے اجزاء یاد ہیں۔ آپ ہمیں دوبارہ تورات لکھ دیں۔“

حضرت عزیر علیہ السلام کے والد نے بخت نصر کے زمانے میں تورات ایک محفوظ مقام پر چھپا دی تھی جس کا علم عزیر علیہ السلام کے سوا کسی کو نہ تھا۔ آپ لوگوں کو وہاں لے گئے اور وہ نسخہ لکھوا یا۔ اس کے ورق بوسیدہ ہو گئے تھے اور الفاظ ملت گئے تھے۔

آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ بنی اسرائیل آپ کے ارد گرد جمع ہوئے۔ آسمان سے دو شہاب آئے اور آپ کے پیٹ میں داخل ہو گئے۔ فوراً آپ کو پوری تورات یاد ہو گئی اور آپ نے سنے سنے سے لکھ کر بنی اسرائیل کو دی۔ اسی لیے بنی اسرائیل نے آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ یہ واقعہ صواد (عراق) کے علاقے میں دیر جز قبل کے مقام پر پیش آیا۔ آپ کی وفات ساڑھے آدھ میں ہوئی۔^①

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلْيَجْعَلْ آيَةً لِّلنَّاسِ﴾ ”اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لیے نشان بنائیں۔“ میں ”لوگوں“ سے مراد ہے ”بنی اسرائیل“ کیونکہ جب آپ اپنے بیٹوں کے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے آپ تو جوان ہوتے تھے اور آپ کے بیٹے بوڑھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ جب فوت ہو گئے تھے تو آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ پھر جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کیا تو آپ کی حالت وہی جوانی والی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

سب کچھ دیکھ کر بخیر رہے تھے۔ جب آپ اٹھ کر بیٹھ گئے تو فرشتے نے آپ سے کہا: ﴿كَمْ لَيْسَتْ﴾ ”آپ کتنا عرصہ یہاں رہے؟“

آپ نے فرمایا: ﴿لَيْسَتْ يَوْمًا وَبَعْضُ يَوْمٍ﴾ ”ایک دن ٹھہرا ہوں یا اس سے بھی کم۔“ کیونکہ دو پہر سے پہلے یہاں رکھے تھے اور جب اٹھے تو شام کا وقت تھا۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ فرشتے نے کہا: ﴿لَيْسَتْ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى كَعَامِكَ وَشَرَابِكَ﴾ ”آپ یہاں ایک سو سال رہے ہیں۔ اپنے کھانے پینے کو دیکھیے!“ یعنی وہ خشک روٹی اور انگوٹھ کا رس۔ دیکھا تو وہ دونوں چیزیں اسی طرح تھیں۔ رس خراب نہیں ہوا تھا اور روٹی ابھی تک خشک تھی نرم نہیں ہوئی۔ اسی لیے فرمایا: ﴿لَمْ يَكُنْ سَكَنًا﴾ ”بالکل خراب نہیں ہوا۔“ یعنی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ انجیر اور انگوٹھی تازہ وحالت میں تھے۔ آپ کے دل میں خیال آیا یہ کیسے ہو سکتا ہے تو فرشتے نے کہا: ﴿وَانْظُرْ إِلَى جِصَّارِكَ﴾ ”اپنے گدھے کی طرف دیکھیے!“ دیکھا تو اس کی صرف بوسیدہ ہڈیاں چھیں۔ فرشتے نے ہڈیوں کو آواز دی تو وہ ہر طرف سے اٹھ کر آ گئیں۔ فرشتے نے انہیں عزیر علیہ السلام کے سامنے اپنے مقام پر جوڑا۔ پھر ان پر رگیں اور پٹے اٹھ گئے۔ پھر ان پر گوشت آ گیا۔ پھر جلد اور بال پیدا ہو گئے۔ پھر فرشتے نے چھوٹک ماری تو گدھا آسمان کی طرف سر اور کان اٹھا کر بولنے لگا۔ وہ سمجھا کہ قیامت آگئی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَانْظُرْ إِلَى جِصَّارِكَ وَلْيَجْعَلْ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِطَامِ كَيْفَ نَشِئُهَا ثُمَّ تَكْسُوْهَا اَحْمًا﴾ ”اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ! ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشان بناتے ہیں اور تو دیکھ ہم ہڈیوں کو کس طرح جوڑتے ہیں؟ پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں؟“ یعنی گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ کس طرح ایک دوسری کے ساتھ جڑتی چلی جا رہی ہیں۔ جب پورا ڈھانچا بن گیا تو فرمایا اب دیکھ ہم اس پر کس طرح گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو آپ کہنے لگے: ﴿اعْلَمَنَّ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ”میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (البقرة: 259/2)

آپ گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلے میں آئے تو لوگوں نے آپ کو نہ پہچانا اور آپ کو بھی کوئی شناسا چہرہ نظر نہ آیا۔ آپ کو اپنے گدھے کا بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ چلتے ہوئے کسی اور طرف نکل گئے۔ آخر آپ نے کھربچے تو دیکھا وہاں ایک اندھی ایاج بڑھا بیٹھیا ہوئی ہے جس کی عمر ایک سو بیس سال ہو چکی تھی۔ وہ آپ کی لوٹدی تھی۔ جب آپ گھر سے نکلے تھے تو وہ بیس سال کی تھی۔ آپ نے اس کو پہچان لیا۔ آپ نے اس سے کہا: ”اللہ کی بندی! کیا میرا گھر یہی ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں! ابھی عزیر کا گھر ہے۔“ یہ کہہ کر وہ رو پڑی۔ پھر بولی: ”ملاؤں سے کسی نے عزیر علیہ السلام کا نام بھی نہیں لیا۔ لوگ انہیں بھول گئے۔“ آپ نے فرمایا: ”میں ہی عزیر ہوں۔ اللہ نے مجھے سو سال مردہ حالت میں رکھنے کے بعد دوبارہ زندگی دے دی ہے۔“ اس نے کہا: ”بسم اللہ! عزیر علیہ السلام تو سو سال سے لاپتہ ہیں۔ ہمیں ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔“ آپ نے فرمایا: ”میں ہی عزیر ہوں۔“

فرماتے ہیں کہ آپ بخت نصر کے زمانے کے بعد زندہ ہوئے۔^①

حضرت عزیر علیہ السلام کا زمانہ نبوت

مشہور قول کے مطابق عزیرؑ بنی اسرائیل کے نبی تھے اور آپ کا زمانہ حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام اور زکریا و یحییٰ علیہ السلام کے درمیان کا ہے۔ بنی اسرائیل میں تورات کا کوئی حافظ باقی نہ رہا۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام کے ذریعے سے تورات سکھادی اور آپ نے حرف بحرف لکھوا دی۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کو پوچھا کہ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کیوں قرار دیا؟ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما نے آپ کا توراۃ زبانی لکھنے کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا: ”اسی امر اہل کتاب کہتے تھے: حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ہمارے پاس بغیر کتب کتاب (توراۃ) نہ لائے، عزیر علیہ السلام بغیر تحریر کے توراۃ لے آئے۔ اس لیے بعض لوگوں نے انہیں ”اللہ کا بیٹا“ کہہ دیا۔“ اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ توراۃ کا تواضع عزیر علیہ السلام نے ان کے زمانے میں منقطع ہو گیا تھا جسے آپ نے بحال کیا۔

حضرت عزیرؑ کے زمانہ کے بارے میں مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے حضرت حسن ؑ کا قول ہے کہ حضرت عزیرؑ ﷺ اور حضرت نضرؑ ایک ہی دور میں تھے۔ جبکہ صحیح بخاری میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”اِنَّ مَرِيَمَ ؑ کے ساتھ سب سے قریب تعلق میرا ہے۔ انبیاءؑ کرام ایک باپ کی اولاد ہیں۔ میرے اور ان (عصیٰ) کے درمیان کوئی نہیں۔“ ﴿١﴾ حضرت وہب بن منبہ ؒ فرماتے ہیں: ”حضرت عزیرؑ ﷺ کا زمانہ حضرت سلیمان ؑ اور حضرت عیسیٰ ؑ کے درمیان ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک نبی کسی درخت کے نیچے ٹھہرے۔ انہیں ایک چوٹی نے کاٹ لیا۔ آپ نے ان چوٹیوں کو ٹکڑا کر آگ سے جلوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: کیوں نہ ایک ہی چوٹی کو کھڑا دی؟“ ③

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے۔ (واللہ اعلم)

وزیر اعلیٰ عیسیٰ الہی کا قتلِ افسانہ

www.KitaboSunnat.com



نام و نسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نام ”ذکریا بن حنا“ لکھا ہے۔ بعض علماء ”ذکریا بن ادان“ کہتے ہیں۔ جبکہ بعض علماء کے نزدیک آپ کا نسب یوں ہے: ذکریا بن ادان بن مسلم بن صدوق بن عثمان بن داود بن سلیمان بن مسلم بن صدیقہ بن رجبہ بن ملقاہ بن بنی ناعور بن سلوم بن بنی ناعور بن علی بن قحطم بن سلیمان بن داود رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ اپنے فرما جانوروں پر بندوں کی آزمائش بھی کبھی عطا کر کے اور کبھی نعت نہ دے کر کرتا ہے۔ حضرت ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کی آزمائش اولاد دہی نعت سے عروہی کے ساتھ ہوئی تھی جب کہ ایک روز ذکریا رحمۃ اللہ علیہ نے مرہم لکھا، جو کہ ان کی زیرک فطرت تھیں، کو موم پھل کھاتے دیکھا تو بے اختیار اپنے رب کو پکارا اور الہی نیکے محمد کے اولاد سے بہرہ مند فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے انکی اس دعا اور دعا کی قبولیت کا تذکرہ سورہ مریم، آل عمران اور الانبیاء میں خوبصورت پیرائے میں کیا ہے:

﴿ كَهَيْعِصَ ۚ ذَكَرَ حَبِيبَ عَبْدَكَ ذَكْرِيًّا ۖ إِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۖ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ عَظْمِي وَنَفْسِي أَشْتَاعَلُ الرَّأْسَ شَيْعًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَاؤِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۖ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ

262/42 : تاريخ دمشق، لایه: عساک

② تاریخ دمشق: لای: عساک: 263/42

● صحیح مسلم، الفضائل، باب فضائل عیسیٰ علیہ السلام، حدیث: 2365

① صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب في شراب أحدكم فليغمسه.....، حديث: 3319، صحيح مسلم.

السلام، باب النهي عن قتال النمل، حديث: 2241

[illegible]

”تکلیف یقین (یہ) تمہارے پروردگار کی مہربانی کا بیان ہے (جو اُس نے) اپنے بندے سے زیادہ پر (کی تھی) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو دینی آواز سے پکارا (اور) کہا کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں بڑھا دے کہ جب کہ دور ہو گئی ہیں اور سر (بڑھا پے کی وجہ سے) شعلے کی طرح بھڑک اٹھا ہے میرے پروردگار! تھیں جس سے مانگ کہ کبھی محروم نہیں رہا۔ اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی کا بچہ ہے تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما جو میری اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو اے میرے پروردگار! اس کو خوش اطوار بنانا۔ اے زکریا! ہم تم کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا۔ انہوں نے کہا: پروردگار! میرے ہاں اس طرح کا بچہ اور گواہ (صورتحال یہ ہے) کہ میری بیوی کا بچہ ہے اور میں بڑھا پے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں؟ حکم ہوا کہ اسی طرح (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔ کہا کہ اے پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔ فرمایا کہ نشانی یہ ہے کہ تم صالح ہو مگر کنزات اور (دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔ پھر وہ (عبادت کے) حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو ان سے اشارے سے کہا کہ حج وشام (اللہ کو) یاد کرتے رہو۔ اے یحییٰ! (ہماری) کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور ہم نے اُن کو لاکھین ہیں مگر دانائی عطا فرمائی تھی اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی دینی تھی اور وہ پرہیزگار تھے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش و فاجرانہ نہیں تھے اور حسد نہ وہ پیدا ہوئے اور حسد دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، اُن پر سلام اور رحمت ہو۔“ (تحریم: 15-1/19)

سورۃ آل عمران میں فرمایا:

وَقُلْنَا لَزَكِيَّ ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يَمْرِئُ مَنِ الْكَ
هَذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا

رَبِّهِ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۖ فَنَادَتْهُ الْمَلِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمَحَارِبِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۖ قَالَ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۚ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۚ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۚ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْذَرِينَ ۚ فَحَلَلَتْ آيَاتُهُ إِكْرَامًا وَادْتَرَبَتْ رِجْلُكَ كَثِيرًا ۚ وَسَبَّحَ بِحَمْدِ الْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۚ

”اور زکریا کو اس (مریم) کا متکفل (کفیل) بنایا۔ زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اُس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے: کیا کھانا تیار ہے؟ پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ بولیں کہ اللہ کے ہاں سے (آتا ہے) بیشک اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔ اس وقت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ پروردگار! مجھے اپنی جناب سے اولاد صالح عطا فرما تو بے شک دعا عطا فرمے والا (اور) قبول کرنے والا) ہے۔ وہ بھی دعا عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا!) اللہ تمہیں بخیر کی بشارت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ (یعنی یسٰی) کی تصدیق کریں گے اور سرور ہوں گے اور عورتوں سے رغبت رکھنے والے نہ ہوں گے اور (اللہ کے) پیغمبر (یعنی) نیکو کاروں میں سے ہوں گے۔ زکریا نے کہا: اے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کب پیدا ہوگا کہ میں تو بوڑھا ہوں گی اور میری بیوی بے فہم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی طرح (جوگا) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زکریا نے کہا کہ پروردگار! (میرے لیے) کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کر سکو گے تو (ان دنوں میں) اسے پروردگار کی کثرت سے یاد اور صبح شام اس کی تسبیح کرتا!“ (آل عمران 41: 37-41)

سورة الانبياء میں فرمایا:

وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿١٢٨﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۖ وَوَعَدْنَاهُ الْيَمِينَ ۖ وَأَصْحَبْنَا لَهُ زَوْجَةً ۖ كَانُوا إِسْرِعُونَ فِي الْخَيْرِ ۖ وَيَدَّعُونَ زَوْجَهَا ۖ وَكَانُوا لَنَا خُشِعِينَ ﴿١٢٩﴾

”اور زکریا (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگار! اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔ تو ہم نے اُن کی پکار سن لی اور اُن کو یحییٰ عطا کیا اور اُن کی بیوی کو اُن کے لیے جھلا کر دیا۔ یہ لوگ لک لک کر نیکیاں کرتے اور میں امید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔“

(الأنبياء: 90,89/21)

﴿ زَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِيلَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴾

آل یعقوب کے وارث

آپ نے فرمایا: **وَاِنِّي خِفْتُ الْمَوْتَاٰی مِنْ ذِكْرَاٰی وَكَانَتْ اَمْرَاٰی عَاوِلًا فِقْهٌ یَّیْ مِنْ اَمَلٍ نَاكٍ** **لَیْكَا** **یَبْنٰی یَبْرِثُ مِنْ اٰلِ یَسْعُبٍ** **وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَحْمَةً** ﴿۱۰﴾ ”مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے خیرات والوں کا ڈر ہے، میری بھی موتی پا جائے۔ لہذا تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی جاشین ہو اور میرے رب! تو اسے قبول بندہ نالے“ (ہرم: 519/6) یعنی آپ کو خطر محسوس ہوا کہ آپ کے خاندان کے افراد آپ کی وفات کے بعد خلاف شریعت اعمال میں اور گناہوں میں ملوث ہو جائیں گے، اس لیے خواہش ظاہر کی ایک

هُوَ عَلَى هَيْئَةٍ وَقَدْ خَلَقْتَنِي مِنْ قَبْلُ وَكَمْ تَكْ شَيْئًا ﴿١﴾ ”(وعدہ) اسی طرح (ہو چکا) ہے۔ تیرے رب نے فرمادیا ہے کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے اور میں تجھے پیدا کر چکا ہوں جبکہ تو کچھ بھی نہ تھا۔“ (مسرد: 9/19) یعنی میں نے تجھے عدم سے وجود بخشا ہے تو کیا تجھے بڑھاپے میں بیٹا نہیں دے سکتا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيٰى وَاصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُۥ اِنَّهُمْ كَانُوْا سٰغِرِيْنَ فِي الْغَيْبِ وَ يَدْعُوْنَآ رَغَبًا وَ رَهَبًا وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٢﴾ ”ہم نے اس کی دعا قبول فرما کر اسے یحییٰ عطا فرمایا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے درست کر دیا۔ یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں امید اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔“ (الانبیاء: 90/21) بیوی کو درست کرنے کا مطلب ان کے نظام تولید کا درست ہونا اور ماہانہ نظام کام دوبارہ جاری ہونا ہے۔ کہنے لگے: ﴿رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ﴿٣﴾ ”میرے پروردگار! میرے لیے کوئی علامت مقرر فرمادے۔“ تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ حمل قرار پا چکا ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿اِنَّكَ اَكْرَمُ النَّاسِ كَلْتَ لِكَالٍ سَوِيًّا ﴿٤﴾ ”تیرے لیے علامت یہ ہے کہ باوجود بھلا چکا ہونے کے تو تین راتوں تک کسی شخص سے بول نہ سکے گا۔“ یہ خوشخبری ملنے پر آپ خوش خوش حمرے سے باہر تشریف لائے، تو ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ ﴿اَنْ سَبِّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّكُمْ وَ عَشِيًّا ﴿٥﴾ ”تم صبح شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔“

حضرت عبادہؓ، عمرہؓ، وہب اور مسدیؓ فرماتے ہیں: آپ کی زبان بغیر کسی مرض کے بند ہو گئی تھی۔ ابن زیدؓ فرماتے ہیں: ”آپ تلاوت کر سکتے تھے، ذکر و تسبیح کر سکتے تھے لیکن کسی سے بات چیت نہیں کر سکتے تھے۔“

یحییٰ علیہ السلام کو کتاب اور حکمت و دانائی عطا کی

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُعْطِيْ خَيْرَ الْكِتٰبِ يٰقُوْفًا وَاَوْثِقْنٰهُ الْحِكْمَ صَبِيًّا ﴿٦﴾ ”اے یحییٰ! (میری) کتاب کو مضبوطی سے تھام لے، اور ہم نے اسے لوہیوں ہی سے دانائی عطا فرمادی۔“ (مسرد: 12/19) اللہ تعالیٰ نے خوشخبری کے مطابق حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹا عطا فرمادیا اور اس بیٹے (یحییٰ) کو بچپن ہی میں کتاب کا علم اور دانائی عطا فرمادی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: بچوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہا: ”آؤ تمہیں!“ آپ نے فرمایا: ”ہمیں کھیلنے کے لیے نہیں بلکہ کیا گیا۔“ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَاَوْثِقْنٰهُ الْحِكْمَ صَبِيًّا ﴿٦﴾ ”اور ہم نے اسے لوہیوں ہی سے دانائی عطا فرمادی۔“ کا یہی مطلب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت زکریا علیہ السلام بڑھتی تھے۔“

یحییٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰزَكَرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ اِسْمُهُ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾ ”اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں، جس کا نام یحییٰ ہے۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کی کوئیں بنایا۔“ (مسرد: 7/19) اس کی وضاحت اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے: ﴿فَاَنذَرْتَهُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَهُوَ قَائِمٌ يُّفِصِّلُ فِي الْحَرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يَخْتَارُ يَحْيٰى فَمَصَدَّقًا بِحِكْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَ حَصُوْرًا وَ نَبِيًّا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨﴾ ”پھر فرشتے نے آپ کو آواز دی جب آپ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی بہترین خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے حکم کی تعمید میں کرنے والا، سردار، ضابطہ نفس اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے۔“ (آل عمران: 39/3) جب آپ کو خوشخبری ملی تو بہت توجہ کی حالت میں فرمایا: ﴿رَبِّ اِنِّىْ يَكُوْنُ لِيْ عِلْمٌ وَ كَاَنَتْ اَمْرًا لِّيْ عَاقِبًا وَ قَدْ كُنْتُ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ عَتِيًّا ﴿٩﴾ ”میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہو گا؟ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں؟“ (مسرد: 8/19) بعض روایات کے مطابق اس وقت آپ کی عمر ستر سال تھی۔ ویلے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سے زیادہ عمر ہو چکے تھے۔ (واللہ اعلم)

جب حضرت ابراہیمؑ کو بشارت ملی تھی تو آپ نے بھی اسی طرح توجہ کا اظہار فرمایا تھا: ﴿اَبَشِّرْنِيْ مَعْنٰى اَنْ تَقْسَمِيْ الْكِبٰى فَيَمُوتَ شَبِيْرًا وَّنَ ﴿١٠﴾ ”کیا اس بڑھاپے کے آجانے کے بعد تم مجھے خوشخبری دیتے ہو؟ یہ تم کسی خوشخبری دے رہے ہو؟“ (الحجر: 54/15)

حضرت سارہؑ نے بھی فرمایا تھا: ﴿يٰوَيْلَتِيْ اٰلِدًا وَاَنَا عَجُوْرٌ وَ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَكُنْفٌ عَجِيْبٌ ﴿١١﴾ قَالُوْا اَلْحَسْبُ جَنِيْنٍ مِّنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْهِمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّكَ حَسِيْدٌ مَّحْسُوْدٌ ﴿١٢﴾ ”ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ میں خود بڑھیا اور یہ میرا خاوند بھی بڑی عمر کا ہے؟ یہ تو یقیناً عجیب ہی عبادت ہے۔ فرشتوں نے کہا: کیا تو اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہی ہے؟ اسے اس گھر کے لوگو! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ بیشک اللہ رحمہ و شاکہ لائق اور بڑی شان والا ہے۔“ (ہود: 73/72/11)

اسی طرح کا جواب زکریا علیہ السلام کو ملا۔ جو فرشتہ رب کے حکم سے وہی لے کر آیا تھا، اس نے کہا: ﴿كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ

① صحیح مسلم الفضائل باب فضائل زکریا علیہ السلام: حدیث: 2379 و مسند أحمد: 2/405 و سنن ابن ماجہ التجارات باب الصناعات: حدیث: 2150

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: ”میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے کیونکہ آپ مجھ سے افضل ہیں۔“ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”آپ میرے لیے دعا کریں کیونکہ آپ مجھ سے افضل ہیں۔“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”آپ مجھ سے افضل ہیں، میں نے اپنے لیے سلامتی کی دعا کی اور آپ کو اللہ نے سلامتی کی خوشخبری دی۔“^①

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”شخص اللہ سے کوئی ذریعہ گناہ (یا غلطی) کے لئے گلا سوائے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے۔ پھر یہ آیت پڑھی: ﴿وَسَيَدَّ أُخْصُوهُ﴾ ”سردار اور ضابطہ نفس“ (آل عمران: 39/3) پھر زمین سے ایک تنکا اٹھا کر فرمایا: ”ان کے پاس اتنا کچھ تھا۔ پھر انہیں شہادت بھی نصیب ہوگئی۔“^②

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں، سوائے دو خاندانوں کے جو انہیں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔“^③

مسجد اقصیٰ میں قوم کو دعوت توحید

حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ پانچ باتوں پر عمل کریں اور بنی اسرائیل سے بھی ان پر عمل کرنے کو کہیں۔“ آپ سے کچھ دیر ہوگئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ سے فرمایا: ”آپ کو پانچ احکامات دیے گئے تھے کہ ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو ان پر عمل کرنے کا حکم دیں۔“ یا تو آپ انہیں یہ احکامات پہنچادیں ورنہ میں پہنچا دوں گا۔“ انہوں نے فرمایا: ”بھائی جان! مجھے دو رنگا ہے کہ اگر آپ نے مجھ سے پہلے یہ احکام انہیں سنائے تو اللہ تعالیٰ مجھے سردارے گا یا زمین میں دھنسا دے گا۔“

چنانچہ یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مسجد اقصیٰ میں جمع کیا حتیٰ کہ مسجد بھر گئی۔ پھر آپ اونچی جگہ پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ تم کو لوگوں کو ان پر عمل کرنے کا حکم دوں۔“

① اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرو۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے خالص اپنی ملکیت

① تفسیر الطبری: 73/9، تفسیر سورة مريم: آیت: 16: 17

② تفسیر الطبری: 348/3، تفسیر سورة آل عمران: آیت: 39

③ جامع الترمذی: المناقب، باب مناقب أبي محمد الحسن بن علي، حدیث: 3768 و مسند أحمد: 3/3 [ولیس عندهما الجزء الثاني من الحديث]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحَسَنًا وَمِنْ لَدُنَّا﴾ اور اپنے پاس سے شفقت، یعنی ہم نے حضرت ذکر علیہ السلام پر رحمت کی کہ انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے مگر ہم دہشتہ فرماتے ہیں: شفقت یعنی محبت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو لوگوں پر ترس کھاتے تھے اور خاص طور پر اپنے والدین سے شفقت و محبت کا اظہار کرتے تھے اور ان سے حسن سلوک کرتے تھے۔ ﴿وَكُلُّهُ﴾ اور پاکیزگی بھی عطا فرمائی، یعنی عمارہ اخلاقی، بری عادات سے ہر اہوائی تقویٰ، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور ممنوع کاموں سے اجتناب۔ یہ سب پاکیزگی میں شامل ہے۔ ﴿وَكُلُّهُ اِلَىٰ لَدُنَّا وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾ اور وہ اپنے باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا۔ و مرش اور گناہگار نہ تھا۔ (مریم: 14/19) پھر فرمایا: ﴿وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا، جس دن فوت ہوگا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ (مریم: 15/19) یہ تین مراحل انسان کے لیے بڑے کٹھن ہیں۔ ان موقعوں پر وہ ایک جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہوتا ہے۔ وہ پہلے جہان سے مانوس ہو چکا ہوتا ہے، پھر اسے چھوڑ کر دوسرے جہان میں جانا پڑتا ہے جس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہاں کیا حالات پیش آنے والے ہیں؟ اس لیے جب وہ ماں کے جسم سے جدا ہوتا ہے تو روتا اور چیختا ہے اور غم و فکرات کا سامنا کرنے کے لیے اس جہان میں منتقل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب وہ اس جہان سے منتقل ہوتا ہے تو بزرگ کے جہان میں پہنچ جاتا ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان کی منزل ہے۔ وہ قبرستان کی خاموش دنیا کا باشندہ بن جاتا ہے۔ وہاں وہ دوبارہ اٹھنے کے لیے صورِ محشر کا منتظر ہوتا ہے۔ پھر کوئی خوش اور مسرور ہوگا، کوئی حزان و غم سے چور ہوگا، یعنی ایک گروہ جنت میں خوشیوں سے سرشار ہوگا اور ایک گروہ جہنم کے عذابوں میں گرفتار ہوگا۔^①

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَلَدُنْكَ أَتُكُّ بِأَكْبَرِ مُسْتَضَرِّحًا وَالنَّاسُ حَوْلَكَ يَبْضَحُونَ سُورُوا

فَأَحْبَرُ لِنَفْسِي أَنَّ تَكُونُ إِذَا بَكَوْا فَيَسِي يَوْمَ مَوْتِكَ ضَاجِكًا مَسْرُورًا

”تیری ماں نے تجھے جنم دیا تو دور در باہتا، چیخ رہا تھا اور تیرے آس پاس لوگ خوشی سے ہنس رہے تھے۔ تو اپنے لیے کوشش کر کہ جب تیرے مرنے کا دن وہ دور ہے، ہوں تو خوش ہو اور ہنس رہا ہوں۔“

انسان کے لیے یہ تین مواقع و شواہد ترین ہوتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سلام عطا فرمایا اور فرمایا: ﴿وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ (مریم: 15/19)

① تفسیر الطبری: 747/3، تفسیر سورة مريم: آیت: 16: 17

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا زہد و تقویٰ

علماء نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت زیادہ تنہائی پسند تھے۔ آپ جنگلوں میں چلے جاتے۔ درختوں کے پتے کھاتے اور چشموں کا پانی پیتے۔ پھر فرماتے: ”یحییٰ! تجھے سے زیادہ لغتیں کسے حاصل ہیں؟“

وہ بین بن ورد و لطف سے روایت ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام تین دن تک حضرت زکریا علیہ السلام سے گم رہے۔ آپ ان کی تلاش میں جنگل کی طرف گئے تو دیکھا کہ آپ نے ایک تھوڑی سی جگہ پر اور اس میں کھڑے ہو کر آدھ دن کا وقت صرف کیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: ”بیٹا! میں تین دن سے تیری تلاش میں ہوں اور تو یہاں قبر کھود کر اس میں کھڑا ہوا ہے؟“

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”ابا جان! آپ ہی مجھے بتایا تھا کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک طویل فاصلہ ہے جو صرف آنسوؤں کی مدد سے ہو سکتا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”جی ہاں بیٹا! رولو! حب دونوں رو پڑے۔“

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بکثرت روتے تھے اور مسلسل رونے کی وجہ سے ان کے رخساروں پر نشان پڑ گئے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت: حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ زیادہ مشہور واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے کا دمشق کا بادشاہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا جس سے نکاح کرنا اس کے لیے شرعاً جائز نہ تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے منع کیا تو عورت ناراض ہو گئی۔ جب اس نے محسوس کیا کہ بادشاہ اس پر فریفتہ ہو چکا ہے تو اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی فرمائش کر دی۔ بادشاہ نے ایک آدمی بھیجا جو آپ کو شہید کر کے آپ کا سر اور آپ کا خون ایک تھال میں ڈال کر لے آیا اور ملکہ کے سامنے پیش کر دیا۔ مگر فوراً ہلاک ہو گئی۔

ایک سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ملکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پر عاشق ہو گئی اور آپ سے گناہ کا مطالبہ کیا۔ آپ نے انکار کر دیا۔ جب وہ مایوس ہو گئی تو بادشاہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو مائیک لیا۔ بادشاہ نے پہلے انکار کیا۔ لیکن آخر کار اس کی بات مان لی۔ اس نے ایک آدمی بھیجا جو آپ کو شہید کر کے آپ کا سر اور آپ کا خون ایک تھال میں ڈال کر لے آیا۔

شہد بن عطیہ رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ بیت المقدس میں موجود صخرہ (چٹان) پر ستر نبی شہید کیے گئے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی ان میں شامل ہیں۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ نے ”المستقصی فی فضائل الأفضی“ میں ایک اور واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دمشق کے بادشاہ ”ہداد بن ہدار“ نے اپنے بیٹے کی شادی اس کی چچا زاد اہل سے کر دی جو ”صدیقا“ کی ملکہ تھی۔ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی دے دی تھیں۔ پھر رجوع کرنا چاہا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ”یہ حلال نہیں۔“ عورت ناراض ہو گئی اور اپنی ماں کے مشورے سے بادشاہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ کر لائے کا مطالبہ کر دیا۔

کے سونے یا چاندی کے عوض ایک غلام خریدا۔ وہ غلام کام کرتا تھا اور سکائی کی رقم اپنے آقا کے سوا کسی اور کو دے دیتا تھا۔ تم میں سے کوئی یہ بات پسند ہے کہ اس کا غلام اس طرح کا ہو؟ اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں رزق دیا ہے، لہذا تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔

② میں تمہیں نماز کا حکم دیتا ہوں۔ جب نیک بندہ ادھر ادھر توجہ نہ کرے، اللہ تعالیٰ بھی اس (نمازی) کی طرف متوجہ رہتا ہے، اس لیے نماز پڑھتے وقت ادھر ادھر نہ دیکھو۔

③ میں تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیتا ہوں۔ اس عمل کی مثال ایسے ہے جیسے لوگوں کے مجمع میں ایک شخص کے پاس قبلی میں کسٹوری ہو اور ہر کسی کو اس کی خوشبو آ رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو کسٹوری کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

④ میں تمہیں صدقہ کا حکم دیتا ہوں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی کو دشمنوں نے پکڑ کر اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیے ہوں اور اسے قتل کرنے کے لیے (مشکل کی طرف) لے جا رہے ہوں۔ وہ اس سے کہتا ہے: کیا میں تمہیں اپنی جان کا کافہ فی ندو؟ وہ اپنی ہر قوتی زیادہ چیز فدیہ میں دے کر ان سے جان چھڑا لیتا ہے اور وہ اسے رہا کر دیتے ہیں۔

⑤ میں تمہیں اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک آدمی کے دشمن تیزی سے اس کا تعاقب کر رہے ہوں، اچانک اسے مضبوط قلعہ نظر آ جائے اور وہ اس میں داخل ہو کر محفوظ ہو جائے۔ بندہ بھی شیطان سے سب سے زیادہ محفوظ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔

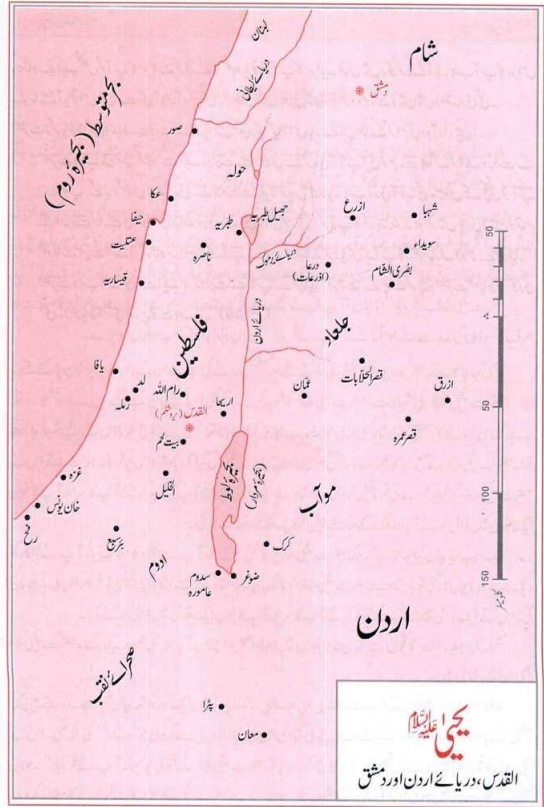
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، جن کا حکم مجھے اللہ نے دیا ہے: ① اجتماعیت کے ساتھ رہنا۔ ② (شرعی امیر کا) حکم توجہ سے سننا۔ ③ حکم کی تعمیل کرنا ④ ہجرت ⑤ اور جہاد فی سبیل اللہ۔ جو شخص اجتماعیت سے باشت بھر باہر نکلتا ہے، وہ اپنی گردن سے اسلام کا قلابہ اتار چھینتا ہے لایہ کہ وہ بارہ (اجتماعیت کے دائرے میں) آجائے اور جو جاہلیت کی باتوں کی طرف بلاتا ہے وہ جہنم کا ایندھن ہے۔“

صحابی نے عرض کی: اللہ کے رسول! خواہ وہ نماز، روزے کا پابند ہو اور خود کو مسلمان سمجھتا ہو؟ فرمایا: ”اگرچہ وہ نماز روزے کا پابند ہو اور خود کو مسلمان سمجھتا ہو۔ مسلمانوں کو انہی ناموں سے پکارو جو اللہ نے رکھے ہیں، یعنی مسلمین، مؤمنین، اللہ عزوجل کے بندے۔“ ⑥

بادشاہ نے ایک شخص کو آپ کا سر کاٹ کر لانے کا حکم دیا تو وہ آپ کا سر ایک تھال میں رکھ کر لے آیا۔ جب آپ کا سر اس کے سامنے آیا تو اس میں سے یہی آواز آ رہی تھی۔ ”حلال نہیں، حلال نہیں“ آخر وہ عورت زمین میں دھنسا دی گئی۔

حضرت زکریا علیہ السلام طبعی انداز سے فوت ہوئے یا انہیں شہید کیا گیا؟ اس بارے میں علمائے کرام کی دو آراء ہیں:

- حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”آپ اپنی قوم سے بھاگ کر ایک درخت کے اندر چھپ گئے۔ دشمنوں نے آری لے کر درخت چیرنا شروع کر دیا۔ جب آری آپ کی پھلیوں تک پہنچی تو آپ کے منہ سے کراہنے کی آواز نکلی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی: اگر آپ کا کراہنا بند نہ ہوا تو میں پوری زمین کو تمام مخلوقات سمیت الٹ (کرتاجہ کر) دوں گا۔ آپ نے فوراً کراہنا بند کر دیا حتیٰ کہ آپ کا جسم مبارک دو ٹکڑے ہو گیا۔“
- حضرت وہب رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے آپ نے فرمایا: ”درخت نے پھٹ کر پناہ حضرت شعیب علیہ السلام کو دی تھی۔ زکریا علیہ السلام طبعی طور پر فوت ہوئے۔“ (واللہ اعلم)



حضرت یوشع علیہ السلام سے ملاقات کرتے اور ان سے نئے نازل ہونے والے احکام معلوم کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا: ”موسیٰ! آپ پر جو وحی نازل ہوا کرتی تھی، میں تو آپ سے دریافت نہیں کیا کرتا تھا حتیٰ کہ آپ خود اپنی مرضی سے مجھے بتاتے۔“ (آپ بھی مجھ سے نہ پوچھا کریں۔ میں خود ہی جب مناسب سمجھوں گا بتا دیا کروں گا۔) اس وقت موسیٰ علیہ السلام زندگی سے ہیزار ہو گئے اور آپ کا دل چاہا کہ فوت ہو جائیں۔ لیکن محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت درست نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام پر وفات تک وہی اور شرعی احکام کا نزول جاری رہا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل رہا۔ آپ اللہ کی نظر میں ہمیشہ معزز رہے۔

اگر محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات اہل کتاب سے نقل کی ہے تب بھی درست نہیں کیونکہ جس کتاب کو وہ تورات کہتے ہیں، اس میں بھی یہی مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حیات مبارکہ کے آخر تک حسب ضرورت وحی نازل ہوتی رہتی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب تیسری کتاب ”گنتی“ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے ہر قبیلے کی مردم شماری کریں اور ہر قبیلہ کا ایک سردار (نقیب) مقرر کریں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جہارین سے مقابلے کی تیاری کریں جن سے میدان تیر میں ٹکفے کے بعد مقابلہ ہونے والا تھا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب انہیں میدان تیر میں بھرتے ہوئے چالیس سال پورے ہونے کو تھے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو تھپس اس لیے مار دیا تھا کہ آپ نے انہیں اس شکل میں پہنچا نا نہیں تھا اور یہ وجہ تھی کہ آپ کو ایک کام کا حکم ملا تھا اور آپ کو یہ امید تھی کہ وہ کام آپ کی زندگی میں پورا ہوگا (یعنی بیت المقدس کی فتح) لیکن اللہ کی تقدیر کا یہ فیصلہ کہ یہ کام موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں پورا نہ ہو سکا۔ آپ کے خادم حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ہاتھوں پورا ہوا۔

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے شام کے رومیوں کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرمایا تھا اور آپ 9 ہجری میں تبوک تک فوج لے کر گئے لیکن اس سال واپس تشریف لے آئے۔ اگلے سال 10 ہجری میں آپ نے حج ادا فرمایا۔ حج سے واپس آ کر نبی کریم ﷺ نے شام بھیجنے کے لیے حضرت اسامہ بن زیدؓ کا لشکر فرمایا۔ اس لشکر کی شہیت آپ کے بڑے لشکر سے پہلے بھیجے جانے والے چھوٹے لشکر کی تھی۔ آپ خود بھی روانہ ہونے کا ارادہ رکھتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس حکم کی تعمیل ہو:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَبْذُرُونَ دِينَهُمُ الَّذِينَ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ وَعَن يَدِهِمْ صُحُفُهُمْ﴾

”ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے، جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ اشیا کو حرام

حضرت یوشع بن نون

نام و نسب اور قرآن وحدیث میں آپ کا تذکرہ

آپ کا نسب نامہ یوں ہے: یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام اہل کتاب کہتے ہیں کہ یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چاشین تھے۔

قرآن مجید میں آپ کا نام لیے بغیر آپ کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَلْبِهِ﴾ ”جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان کو کہا۔“ (الکہف: 60/18) اور مزید فرمایا: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِقَلْبِهِ﴾ ”جب یہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان کو کہا۔“ (الکہف: 62/18)

صحیح بخاری میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے مروی نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان (خادم) یعنی یوشع بن نون علیہ السلام سے فرمایا۔ ﴿۱﴾

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی نبوت

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی نبوت اہل کتاب کے ہاں متفقہ طور پر مسلمہ ہے۔ سامری فرقہ کے یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کے سوا کسی نبی کی نبوت کے قائل نہیں کیونکہ تورات میں ان کی نبوت کا ذکر صراحت سے موجود ہے۔ وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ بھی سچے نبی تھے اور گزشتہ وحی الہی کی تصدیق کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان منکروں پر قیامت تک لعنتیں برساتا رہے۔

حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے مفسرین نے امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف منتقل کر دی گئی تھی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

گے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں بہتر بدلہ دے گا اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا اس سے پہلے منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔“ (الفصح: 16/48)

بنی اسرائیل سے بھی یہی کہا گیا تھا:

﴿فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾

”اب اس عہد و پیمان کے بعد بھی جو تم میں سے انکار ہو جائے، وہ یقیناً راہِ راست سے ہٹک گیا۔“ (المائدہ: 12/5)

انہوں نے یہ وعدہ پورا نہ کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی ہے۔ اس کی مزید وضاحت ہماری تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

بلعام بن باعور کا واقعہ

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ بیت المقدس خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فتح کیا تھا اور یوشع علیہ السلام لشکر کے اگلے حصے کے سردار تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسی سرزمین بلعام بن باعور کا واقعہ پیش آیا تھا، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ الْبَيِّنَاتُ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ۚ وَكَوْشَدَّ لِرُكُوعِهِ بِهَا وَلِكَيْتَ أَخَذَهُ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هُدًى ۖ فَبَيَّنَّهُ كَبَلُ الْكَلْبِ ۚ إِنَّ تَحْمِيلَ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَتَرَكُّهُ يَلْهَثُ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۚ سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسُهُمْ كَانُوا بِظُلُمٍ ۚ﴾

”اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں تو وہ ان سے بالکل ہی (صاف) نکل گیا“۔ شیطان اُس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اُس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کر تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو چھٹلایا۔ تو آپ (ان سے) یہ قصہ بیان کر دو تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ان کی مثال بری مثال ہے اور انہوں نے نقصان (کیا تو) اپنا ہی کیا۔“ (الاعراف: 177-175/7)

ہم نے اس کا قصہ اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات کے بیان کے مطابق یہ شخص

نہیں جانتے، نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔“ (النوبہ: 29/9)

نبی اکرم ﷺ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کا لشکر تیار کر چکے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما لشکر لے کر مقام جوف پر خیمہ زن تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ لشکر آپ کے دوست اور خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے روانہ فرمایا۔ پھر جب جزیہ عرب میں قبی طور پر پیدا ہونے والا انتشار ختم ہو گیا اور حالات معمول پر آئے تو آپ نے دائیں بائیں لشکر روانہ کرنا شروع کر دیے۔ آپ رضی اللہ عنہما نے عراق کی طرف لشکر روانہ فرمایا جو شاہ ایران کرمی کے ماتحت تھا اور شام کی طرف بھی لشکر روانہ فرمایا جو شاہ روم قیصر کے قبضے میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ بھی ایسے ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کی فوج تیار کریں اور ان کے افسر (قیب) مقرر کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِوَعْدِي وَعَزَّوْتُمُوهُ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۚ﴾

”اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد پیمان لیا اور انہی میں سے بارہ سردار مقرر کیے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو ماتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کا اچھا قرض دیتے رہو گے تو یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہ رہے ہیں۔ اب اس عہد و پیمان کے بعد بھی جو تم میں سے انکاری ہو جائے وہ یقیناً راہِ راست سے ہٹک گیا۔“ (المائدہ: 12/5)

مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے پرانے عادات کو روک دو اور جو اس طرح پہلو تہی نہیں کرو گے جیسے پہلا انکار کیا تھا تو اس نیک عمل کے ثواب کی وجہ سے اس ناکہ کی سزا معاف ہو جائے گی۔ جیسے غزوہ بدر میں سے پیچھے رہنے والے اعرابوں سے فرمایا گیا:

﴿قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُنُدٌ عَوْنٌ إِلَى قَوْمِ أُولِي الْأَيْمَنِ سَنَدِي ثَقَاتِي وَهُمْ أَوْسَلُ مَوْنٌ ۚ فَإِنْ ظِعْمُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِمَّنْ قَبْلُ يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ﴾

(اے نبی!) آپ کی پیچھے چھوڑے ہوئے بدو یوں سے کہہ دیجیے کہ عترتِ نبی تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ

یوشع علیہ السلام کا جہاد اور معجزے کا ظہور: اکثر علماء کی رائے کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام میدان تیرے میں اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام بھی میدان تیرے میں فوت ہو گئے۔ ① ان کو محمرائے بینا سے بیت المقدس لانے والے حضرت یوشع علیہ السلام تھے۔ بائبل میں مذکور ہے کہ یوشع علیہ السلام نے ان کے ساتھ دریائے اردن پار کیا اور اربعا کے شہر میں تشریف لائے۔ (کتاب: یوشع)

اربعا ایک خوبصورت شہر تھا جس میں بڑی بڑی عمارتیں اور کثیر آبادی تھی۔ آپ نے چھ مہینے کا محاصرہ کیے رکھا۔ آخر ایک دن آپ کی فوج نے شہر کو چاروں طرف سے گھیر کر زمین گھاسا یا اور ایک آواز کو کفر و تکبر کی گھاس لگایا تو شہر کی فیصل لوٹ کر گر پڑی۔ وہ فاقہ خانہ طور پر شہر میں داخل ہو گئے اور بہت سامان غنیمت حاصل کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار مردوں اور عورتوں کو قتل کیا۔ علمائے کرام بیان کرتے ہیں کہ آپ کا محاصرہ جمعہ کے دن عصر کے بعد تک جاری رہا۔ سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا اور سب شروع ہوئے اور اتفاقاً جس کا احترام اس وقت ان پر واجب ہو چکا تھا یوشع علیہ السلام نے سورج سے کہا: "تو بھی حکم کا پابند ہے اور میں بھی حکم کا پابند ہوں۔ یا اللہ! اسے (غروب ہونے سے) (روک دے۔" اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا حتیٰ کہ آپ نے شہر فتح کر لیا اور اللہ نے چاند کو حکم دیا تو وہ طلوع ہو کر پھر گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے مینے کی چودہویں رات تھی۔ سورج کے رک جانے کا واقعہ حدیث میں موجود ہے جو مختصر بیان کی جائے گی۔ البتہ چاند کا ذکر صرف اہل کتاب کے ہاں ملتا ہے۔ بہر حال یہ حدیث کے خلاف نہیں۔ لہذا ہم اسے نہ سچ کہتے ہیں نہ جھوٹ قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا مکمل نظر ہے کہ یہ واقعہ اربعا کی فتح کے دوران میں پیش آیا۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ یہ بیت المقدس کی فتح کے دوران میں پیش آیا ہو جو اصل مقصود تھا۔ اربعا کی فتح تو اس کا محض ایک ذریعہ تھا۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سورج کسی انسان کے لیے نہیں روکا گیا، صرف یوشع علیہ السلام کے لیے روکا گیا جب انہوں نے بیت المقدس کی طرف سفر کیا تھا۔" ② اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث ضعیف ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار نبی ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر سو گئے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصر کی نماز فوت ہو گئی۔ نبی کریم ﷺ کے بیدار ہونے پر آپ نے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے سورج کے پلٹ آنے کی دعا کریں تاکہ وہ عصر کی نماز (بروقت) ادا کر سکیں۔ نبی کریم ﷺ کی دعا سے سورج پلٹ آیا۔ یہ حدیث صحیح حدیثوں کے کسی مجموعے میں ہے جس حدیثوں میں سے ہے۔ پھر یہ واقعہ ایسا ہے کہ جو کثرت سے روایت ہونا چاہیے تھا کیونکہ اسے روایت کرنے والی صرف "اہل بیت کی ایک خانوادہ" ہیں، جن کا نام اور حالات معلوم نہیں۔

① مسند احمد: 325/2

② حضرت موسیٰ فوت ہوئے تو انہیں بڑھاپا پڑھن کیا گیا تھے احادیث میں "سرخ بنید" کہا گیا ہے۔ یہ پیلا بھیرہ مردار کے شمال مشرق میں اردن میں ہے۔ (مجلس القرآن اردو دارالاسلام ص: ۱۳۶-۱۳۹)

اسم عظیم جانتا تھا جس کے ساتھ کی ہوئی بردعا قبول ہوتی ہے۔ اس کی قوم نے اس سے مطالبہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کے خلاف بردعا کرے۔ اس نے انکار کر دیا۔ جب ان لوگوں نے اصرار کیا تو وہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر بنی اسرائیل کے لشکر کی طرف چل پڑا۔ جب وہ ان کے قریب پہنچا تو گدھی پیٹھ لگی۔ اس نے اسے مارا اپنی تودہ کھڑی ہو گئی لیکن تھوڑا سا چل کر پھر پیٹھ لگی اس نے پہلے سے زیادہ مارا تو وہ ابھی پھر پیٹھ لگی اس نے پھر مارا تو اللہ کی قدرت سے وہ بولنے لگی۔ اس نے کہا: "بلعاع! تو کہاں جا رہا ہے؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ فرشتے مجھے اس طرف جانے سے روک رہے ہیں؟ کیا تو اللہ کے نبی اور مومنوں کو بددعا دے گا؟" وہ پھر بھی گدھی سے نائز ابلکہ اسے مارتا رہا حتیٰ کہ وہ چل پڑی۔ جب وہ "حسان" کے پہاڑ کے اوپر پہنچا اور موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو بددعا کرنے کے لیکن اس کی زبان اس کے قابو میں نہ رہی۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام اور مومنوں کے حق میں بددعا لگنے لگی اور خود اس کی قوم کے لیے بددعا لگنے لگی۔ لوگوں نے اسے سلامت کی تو اس نے کہا: "میں کیا کر سکتا ہوں؟ میری زبان سے یہی نکلتا ہے؟"

اسی وقت اس کی زبان لمبی ہو گئی حتیٰ کہ سینے پر لٹک آئی۔ تب اس نے اپنی قوم سے کہا: "میری تودہ اپنی تباہ ہو گئی اور آخرت بھی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے خلاف کفر و فریب ہی سے کام کیا جا سکتا ہے۔"

پھر اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنی عورتوں کو خوب زیب و زینت کروا کے پچھا پچھا شادے کے پیچھے کے لیے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیجیں۔ وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اگر بنی اسرائیل کا ایک شخص بھی بدکاری میں ملوث ہو گیا تو تمہیں لڑائی کی ضرورت نہ رہے گی۔ (یعنی گناہ کے نتیجے میں ان پر اللہ کا عذاب آجائے گا۔) انہوں نے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنی عورتوں کو زیب و زینت کروا کے لشکر میں بھیج دیے۔ ان میں سے ایک عورت کا نام "سستی" تھا۔ وہ ایک اسرائیلی سردار "زمری بن شلوم" کے پاس سے گزری۔ وہ قبیلہ بنی شمعون کا سردار تھا۔ وہ اس عورت کو اپنے خیمے میں لے گیا۔ جب اس نے اس کے ساتھ خلوت کی تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر طاعون کی وبا بھیج دی۔ جب فحاص بن الیہور بن ہارون علیہ السلام کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے اپنی لہوے کی برہمی بکڑی اور ان کے خیمے میں گھس کر دونوں کو اس میں پر دیا۔ وہ انہیں اسی حال میں لے کر باہر نکلا۔ اس نے اپنے پہلو کے سہارے سے ان کو برہمی پر اٹھایا، آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا: "یا اللہ! ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔"

تب وبا پھیل گئی۔ اس دوران میں ستر ہزار آدمی مرے۔ بعض علماء نے مرنے والوں کی تعداد بیس ہزار بتائی ہے۔ فحاص اپنے باپ الیہور کا پہلو بنا تھا۔ اس لیے بنی اسرائیل قربانی کے جانور کی گردن، بازو اور جڑے کا گوشت فحاص کی اولاد کے لیے مخصوص کر دیتے اور موسیٰ بنیامین میں سے پہلو مانچا ان کو دیتے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس کی تائید بائبل سے بھی ہوتی ہے۔ ①

کے ساتھ اللہ کی تعریف اور شکر کر رہے تھے۔ آپ کا سر مبارک اس قدر جھکا ہوا تھا کہ ڈاڑھی کپاؤں کو چھوری تھی۔ آپ اللہ کے سامنے بخرو، نیاز کا اظہار فرما رہے تھے جبکہ آپ کے ساتھ پورے طور پر مسلح ایک لشکر جبار تھا، بالخصوص وہ دستہ جسے ”خضراء“ کا نام دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ خود اس کے درمیان موجود تھے۔ پھر جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہو چکے تو غسل فرما کر آٹھ رکعت نماز ادا کی۔^①

علماء کا مشہور قول یہی ہے کہ نبی ﷺ نے وہ نماز فتح پر شکرانے کے طور پر ادا فرمائی تھی۔ بعض علمائے کرام نے اسے غنی (چاشت) کی نماز قرار دیا ہے۔ ان حضرات نے یہ موقف غالباً اس لیے اختیار کیا ہے کہ یہ نماز غنی (چاشت) کے وقت ادا کی گئی تھی۔

اس کے برعکس بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا، انہوں نے قوی اور عملی طور پر اس کی خلاف ورزی کی۔ وہ سرین کے محل گھسٹے ہوئے شہر کے دروازے میں داخل ہوئے اور ان کی زبان پر شکر و استغفار کے کلمات کی بجائے یہ (بے معنی) الفاظ تھے:

[حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ اَبال میں دانہ] یا [حَنَظَلَةٌ فِي شَعْرَةٍ] ”بال میں کدہم۔“

خلاصہ یہ ہے کہ انہیں جو حکم دیا گیا تھا، انہوں نے اس کو تبدیل کیا اور اس کا مذاق اڑایا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اعراف میں ان کا واقعہ بیان فرمایا:

﴿وَاِذْ قَبِلَ لَهُمْ اَسْمَانُ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَكُلُّوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَفَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ حَظِيَّتَكُمْ وَسَيِّدُ الْمُحْسِنِينَ ۚ قَبِلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيلَ لَهُمْ فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلُمُوْنَ ۝۱۶﴾

”اور جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور زبان سے یہ کہتے جانتے کہنا کہ تم بے اور جبرہ کرتے ہوئے دروازہ میں داخل ہونا ہم تمہاری خطا میں معاف کر دیں گے۔ جو لوگ نیک کام کریں گے ہم ان کو مدد دیں گے چنانچہ ان ظالموں نے بدل کر ایک اور نکل بھا جو خلاف تھا اس نکل کے جو انہیں بتایا گیا تھا۔ اس پر ہم نے ان پر ایک آفت سادی بھیجی اس وجہ سے کہ وہ حکم کو مانع کرتے تھے۔“

(الاعراف: 161/7)

اور سورۃ بقرہ میں ان کو غافل کر کے کہا گیا:

﴿وَاِذْ قُلْنَا اَدْخُلُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَفَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ حَظِيَّتَكُمْ وَسَيِّدُ الْمُحْسِنِينَ ۚ قَبِلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيلَ لَهُمْ فَاتَّخَذْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوا وَرِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُوْنَ ۝۱۶﴾

حضرت ابو بَرِہٖ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک نبی جہاد کے لیے جانے لگا تو اپنی قوم سے فرمایا: وہ آدمی میرے ساتھ نہ آئے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہے اور اس سے خلوت کرنا چاہتا ہے لیکن ابھی خلوت نہیں کی۔ وہ آدمی بھی نہ آئے جس نے کوئی عمارت بنائی ہے، لیکن ابھی چھت نہیں ڈالی۔ وہ بھی نہ آئے جس نے بکریاں یا حاملہ اونٹیاں خریدی ہیں اور اسے ان کے پیچھے چاہیے ہونے کا انتظار ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”اس نبی ﷺ نے جنگ کی اور شہر کے قریب اس وقت پہنچے جب آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی تھی یا اس کے قریب (عصر کے بعد) کا وقت تھا۔ آپ نے سورج سے کہا: تو بھی حکم کا پابند ہے اور میں بھی حکم کا پابند ہوں۔ یا اللہ! اسے کچھ دیر کے لیے (غروب ہونے سے) روک دے چنانچہ سورج روک رہا تھی کہ فتح حاصل ہوگئی۔ تب انہوں نے غنیمت کا مال جمع کیا۔ آگ سے جلانے آئی لیکن جلانے بغیر پلٹ گئی۔ تب انہوں نے فرمایا: تم لوگوں نے خیانت کی ہے، (کچھ غنیمت چھپائی ہے اس لیے تمہارا جہاد قبول نہیں ہو رہا) لہذا ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی مجھ سے بیعت کرے۔ انہوں نے بیعت کی تو ایک (قبیلہ کے نمائندہ) آدمی کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چپک گیا۔ آپ نے فرمایا: خیانت تمہارے ہی اندر ہے۔ حیرانہ قبیلہ مجھ سے بیعت (اور مصافحہ) کرے۔ اس کے قبیلہ (تمام افراد) نے بیعت کی تو دو تین آدمیوں کے ہاتھ چپک گئے۔ نبی نے فرمایا: خیانت کا مال تمہارے پاس ہے، تم نے ہی خیانت کی ہے۔ اس پر انہوں نے گائے کے سر جھٹنا سونے کا ڈالا نکالا اور اسے میدان میں دوسرے مال غنیمت کے ساتھ رکھ دیا۔ تب آگ آئی اور اسے جلا گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہم سے پہلے لوگوں کے لیے غنیمت کا مال حلال نہیں تھا۔ اللہ نے ہماری کمزوری دیکھ کر اسے ہمارے لیے حلال کر دیا۔“^①

قوم کی نافرمانی پر عذاب الہی

بہر حال جب آپ اپنے لوگوں کے ساتھ شہر کے دروازے پر پہنچے تو انہیں حکم دیا گیا کہ شہر میں سجدہ کرتے ہوئے یعنی عاجزی کے ساتھ رکوع کی حالت میں جھک کر داخل ہوں اور اس طرح اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے انہیں وہ عظیم فتح عطا فرمائی جس کا ان سے وعدہ کیا تھا اور وہ شہر میں داخل ہوتے وقت کہیں: ﴿حِطَّةٌ﴾ یعنی ہماری کوششیں غلطیاں معاف فرمادے، یعنی حکم کی قیاس میں اس سے پہلے جو کوتاہی ہوئی وہ معاف فرمادے۔

رسول اللہ ﷺ جب فتح مکہ کے موقع پر شہر میں فاختہ داخل ہوئے اس وقت آپ اپنی اونی پر سوار تھے، اور عاجزی

حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات

جب بیت المقدس پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا تو وہ وہاں مقیم رہے۔ ان میں اللہ کے نبی حضرت یوشع علیہ السلام موجود تھے جو اللہ کی کتاب تورات کے مطابق ان پر حکومت کرتے رہے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ایک سو ستائیس سال تھی۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ستائیس سال زندہ رہے۔



”اور ہم نے تم سے کہا کہ اس ہستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو با فراغت کھاؤ پینو اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے [حَطَّطَ] کہو! ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔ پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی، بدل ڈالا۔ ہم نے ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا۔“ (البقرہ: 58/2)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ﴿وَاَدْخَلُوا الْبَابَ سَجْدًا﴾ ”سجدہ کرتے ہوئے دروازہ میں داخل ہونا۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے دروازے سے جھکے جھکے (کوع کی حالت میں) داخل ہونا۔“ مجاہد، سدی اور ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”دروازے سے مراد بیت المقدس کے شہر کا دروازہ ہے۔“ مکرّمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”وہ لوگ حکم کے خلاف سر اٹھائے (اکڑتے) ہوئے داخل ہوئے۔“^① یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فرمان کے خلاف نہیں ہے کہ وہ لوگ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ دروازے میں سے گزرتے وقت سرین کے بل گھسٹ رہے تھے اور انہوں نے سر اٹھا کر اٹھا رکھے تھے۔ اور کہو: ﴿حَطَّطَ﴾ ”توبہ ہے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ کرتے ہوئے اس انداز میں داخل ہو کہ تمہاری زبان پر استغفار اور توبہ کے الفاظ ہوں۔

حضرت ہمام بن منبہ رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا: ﴿وَاَدْخَلُوا الْبَابَ سَجْدًا وَاقُولُوا حَطَّطُوا تَغْفِرَ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ﴾ ”دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو: معاف فرما! ہم تمہاری غلطیاں معاف کر دیں گے۔“ انہوں نے (الفاظ کو) تبدیل کر دیا۔ وہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے اور کہا: ﴿حِجَّةٌ فِي شَفْعَةٍ﴾ ”ہال میں دانہ“^② اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے اس حکم عدولی کی سزا کے طور پر ان پر عذاب نازل کیا، یعنی طاعون کی وبا بھیج دی۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ بیماری (یعنی طاعون) عذاب ہے جس کے ذریعے تم سے پہلی کچھ امتوں کو سزا دی گئی تھی۔“^③

① تفسیر الطبری: 433:1، 434 تفسیر سورة البقرة آیت: 59

② صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء، باب: حدیث: 3403 و صحیح مسلم، التفسیر، باب فی تفسیر آیات متفرقة: 3015

③ مسند أحمد: 193:1، صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء، باب: حدیث: 3473 و صحیح مسلم، السلام، باب الطاعون: 4218

اور تھک پڑی اقوال کی تردید کرتے، مسلمانوں کے ساتھ نماز یا جماعت، جوعہ اور جہاد میں شریک ہوتے مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتے اور ان کے مصائب دور کرنے کی کوشش کرتے، علماء اور حکام کی غلطیوں کو واضح کر کے انہیں راہ راست پر قائم رکھتے، قوی دلائل اور صحیح مسائل کی تصدیق کرتے۔ آپ کے یہ اعمال کہیں زیادہ افضل ہوتے اس صورت حال سے جو ان کے بارے میں بیان کی جاتی ہے کہ وہ شہروں میں نظر سے اوجھل رہتے ہیں اور صحراؤں اور جنگلوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ اگر ان کی ملاقات ہوتی ہے تو غیر معروف افراد سے اور وہ ایسے افراد کو اپنا ترجمان بنا کر ان کے ذریعے سے اپنے خیالات ہم تک پہنچاتے ہیں جن کا قابل اعتماد ثابت ہوتا نہیں۔ جو شخص ہماری اس بات کو سمجھ لے گا، اسے صحیح موقف اختیار کرنے میں کوئی تردد نہیں رہے گا۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے، سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

ایک دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ (ایک رات) رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی، پھر فرمایا: ”تم یہ رات دیکھ رہے ہو؟ آج جو لوگ روئے زمین پر موجود ہیں، سوسال کے بعد ان میں سے ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔“ لوگ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر گھبرا گئے (اور سمجھے کہ قیامت آ جائے گی) جبکہ نبی کریم ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ موجودہ فاسل ختم ہو جائے گی۔^①

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی۔ سلام پھیر کر آپ نے فرمایا: ”کیا تم یہ رات دیکھ رہے ہو؟ آج جو لوگ روئے زمین پر موجود ہیں، سوسال پورا ہونے پر ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا۔“^②

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے یا ایک مہینہ پہلے فرمایا: ”کسی زندہ جان (یعنی انسان) پر سوسال پورے نہیں ہوں گے کہ وہ اس دن زندہ ہو۔“^③

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وفات سے ایک ماہ پہلے فرمایا: ”وہ مجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ میں اللہ کی قسم لہا کر کہتا ہوں! زمین پر آج موجود کوئی زندہ انسان نہیں کراس پر سوسال کی مدت گزرے (اور وہ پھر بھی زندہ ہو۔)“^④

① صحیح البخاری، مواہیت الصلاة، باب السمر فی الفقه..... حدیث: 601 و صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب بیان معنی قولہ ﷺ علی رأس مائة سنة..... حدیث: 2537

② مسند أحمد: 112/2

③ مسند أحمد: 305/3

④ مسند أحمد: 322/3 و صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب بیان معنی قولہ ﷺ علی رأس مائة سنة..... حدیث: 2538

و جامع الترمذی، الفتن، باب لاثانی مائة سنة..... حدیث: 220

جب یہ ثابت ہو گیا اور یہ ہر مومن کی نظر میں بالکل واضح ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو حضرت محمد ﷺ کی امت کے ایک فرد کی حیثیت سے آپ کی شریعت پر عمل پیرا ہوتے۔ ان کے لیے کوئی اور صورت اختیار کرنا ممکن نہیں تھا۔

حضرت یحییٰ ابن مریم علیہ السلام کی مثال موجود ہے کہ جب آپ آخری زمانے میں آسمان سے نازل ہوں گے تو اسی شریعت محمد پر عمل کریں گے، اس سے ذرا بہرہ پہلوتی نہیں کریں گے، حالانکہ آپ ان کا عظیم ترین پیغمبر ہیں میں شامل ہیں جنہیں ”اولو العزم“ فرمایا گیا ہے اور آپ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں کسی صحیح یا حسن حدیث میں مذکور نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام ایک دن بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں یا کسی غزوہ میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے ہوں۔

غزوہ بدر میں الصادق المصدوق حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب سے فتح و نصرت کی دعا مانگتے ہوئے فرمایا: ”یا اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہوگی تو اس کے بعد میں پرکونی تیری عبادت نہیں کرے گا۔“^①

اس جماعت میں اس وقت کے افضل ترین مومن بھی شامل تھے اور افضل ترین فرشتے بھی تھے کہ جبریل علیہ السلام بھی۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو کبھی اس غزوہ سے الگ نہ رہتے بلکہ اسے اپنے لیے بلند ترین مقام سمجھتے، وہ ان کا افضل ترین جہاد ہوتا۔

قاضی ابوالحسن محمد بن حسین بن فراد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک عالم سے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا وہ فوت ہو چکے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ”جی ہاں!“

ابوعلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”حضرت ابو طاہر بن غباری رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کا قول مروی ہے اور وہ دلیل کے طور پر فرماتے تھے۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔“ یہ اقوال امام ابن جوزی رضی اللہ عنہ نے [العجالة] میں نقل فرمائے ہیں۔

شاہد کوئی کہے کہ آپ ان اہم مواقع پر موجود تھے لیکن آپ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض ایک دور دراز احتمال ہے۔ اس قسم کے احتمالات اور توہمات سے شریعت کے عمومی قوانین میں تخصیص ثابت نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ آپ لوگوں کی نظروں سے کس لیے پوشیدہ ہیں؟ اگر آپ ظاہر ہوتے تو آپ کو ثواب بھی زیادہ ملتا اور آپ کا مقام بھی بلند تر قرار پاتا اور یہ مجروحہ زیادہ واضح اور موثر ہوتا۔ مزید برآں اگر آپ زندہ ہوتے تو قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی تبلیغ کرتے، نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب جعلی حدیثوں، بدعتوں کے غلط عقائد

① مسند أحمد: 321/2 و صحیح مسلم، الجہاد، باب الإمداد بالمال لکة..... حدیث: 1763



نام ونسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے سورہ صافات میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَلَمَّا رَأَى الْيَاسَ كَيْفَ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ الْآتِفُونَ ۖ اَنْتُمْ عَوْنٌ بَعْدَ وَتَذَرُونَ اَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۖ اَللّٰهُ نَزَّلَهُمْ رَبَّ اَنْبِيَائِهِمُ الْاَوَّلِينَ ۖ فَكَذَّبُوهُ فَاَهْلَهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۖ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِينَ ۖ وَتَوَكَّلْنَا عَلَيْهِمْ فِي الْخُورَيْنِ ۖ سَلَّمَ عَلٰى اِلٰى يَاسِينَ ۖ اِنَّا كَذَّبُكَ تَجَرَّي الْمُحْسِنِينَ ۖ اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ﴾

”اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ کیا تم اجل کو پکارتے (اور اسے پوجتے) ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو؟ (یعنی) اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔ تو اُن لوگوں نے اُن کو جھٹلایا تو وہ (دوزخ میں) حاضر کیے جائیں گے۔ ہاں اللہ کے بندے (جتنا اے عذاب نہیں) ہوں گے اور ہم نے ان کا ذکر (خیر) پیچھلوں میں (باقی) چھوڑ

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صحیح احادیث حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کے دعویٰ کو سچ و سچ بن سے اکھاڑ پتی ہیں۔“ علمائے کرام فرماتے ہیں: جن غالب یہی ہے، بلکہ دلائل کی روشنی میں یہ بات یقینی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ نہیں پایا۔ اس صورت میں اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں موجود تھے، تو بھی اس حدیث کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلتے گا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی وفات سے ایک صدی گزرنے کے بعد زندہ نہیں رہے، لہذا اس وقت وہ یقیناً زندہ نہیں کیونکہ وہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہیں اور تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ (واللہ اعلم)



حضرت خضرؑ کی زندگی کے دعویٰ کو سچ و سچ بن سے اکھاڑ پتی ہیں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں: جن غالب یہی ہے، بلکہ دلائل کی روشنی میں یہ بات یقینی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ نہیں پایا۔ اس صورت میں اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں موجود تھے، تو بھی اس حدیث کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلتے گا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی وفات سے ایک صدی گزرنے کے بعد زندہ نہیں رہے، لہذا اس وقت وہ یقیناً زندہ نہیں کیونکہ وہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہیں اور تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ (واللہ اعلم)

”ان کے پاس دروازے میں تو بیٹھ جاؤ دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔“ (المائدہ: 23/5)

حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حضرت کالب کے بعد بنی اسرائیل کے معاملات حضرت حزقیل ابن یوزی علیہ السلام نے سنبھالے۔ آپ ہی نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان ہزاروں لوگوں کو زندہ کیا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل گئے تھے۔“



124-126/37

دیا کہ الیاس بن پر سلام۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔“ (الصافات: 123/37)

آپ کا نسب بعض علمائے کرام نے اس طرح بیان کیا ہے: الیاس بن یاسین بن فخاص بن العیور بن ہارون علیہ السلام۔ دوسرے قول کے مطابق آپ کا نسب یوں ہے: الیاس بن الحازم بن العیور بن ہارون بن عمران۔

آپ کو دمشق کے شمال مغرب میں واقع شہر بعلبک کے باشندوں کی طرف بھیجا گیا۔ آپ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا اور انہیں تلقین کی کہ اپنے بت ”بعل“ کی پرستش کرنا چھوڑ دیں۔ آپ نے انہیں فرمایا: ﴿الْأَسْمَقُونَ﴾ ﴿أَكَلُوا عَوْنَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْفَالِقِينَ﴾ ﴿اللَّهُ دَيُّكُمْ وَدَبَّ آبَاكُمْ الْأَوَّلِينَ﴾ ”کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ اللہ جو تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ دادا کا رب ہے؟“ (الصافات: 124-126/37)

لوگوں نے آپ کی تکذیب اور مخالفت کی بلکہ آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا حتیٰ کہ آپ ان لوگوں کو چھوڑ کر چلے گئے اور روپوش ہو گئے۔

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم کے بادشاہ سے روپوش ہو کر دس سال تک ایک غار میں چھپے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ کو موت دی اور دوسرا شخص بادشاہ بن گیا۔ تب حضرت الیاس علیہ السلام نے اس کے پاس جا کر اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس کی قوم کے بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ صرف دس ہزار افراد کفر پر قائم رہے جنہیں بادشاہ نے قتل کروا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے چند انبیاء کے کرام

حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ کی کتاب میں فرماتے ہیں: ”امت محمدیہ اور دیگر ائمہ کے مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یوشع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے امور کی باگ ڈور حضرت کالب بن یوفنا نے سنبھالی تھی۔ حضرت کالب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک ساتھی اور آپ کی ہمیشہ حاضر مددگار تھے۔ آپ اللہ سے ڈرنے والے دو مومنوں میں سے ایک ہیں۔ دوسرے مومن حضرت یوشع علیہ السلام ہیں۔ جب بنی اسرائیل نے جہاد سے روگردانی کی تھی تو آپ دونوں ہی نے ان سے یہ کہا تھا:

﴿ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِذْكُمْ عَلَيْهِمْ وَهُوَ عَلَى اللَّهِ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُمْ خُمٌ مُنِيبٌ﴾ ﴿١﴾

حضرت یسوع

نام و نسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

آپ کا نام مبارک سورہ انعام میں دوسرے انبیائے کرام کے ساتھ مذکور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْيَسِيعَ وَيُوشَ وَنُوحًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْغَالِبِينَ﴾

”اور اسماعیل کو، الیسع کو، یوش اور لوط کو۔ ہم نے ہر ایک کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔“ (الانعام: 86/6)

سورہ ص میں ارشاد ہے:

﴿وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلًّا مِّنَ الْخَيْرِ﴾

”(اے نبی!) اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل کا بھی ذکر کر دیجیے۔ یہ سب بہترین لوگ تھے۔“ (ص: 48/38)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”حضرت الیسع علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا۔ آپ زندگی بھر حضرت الیاس علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا رہے۔ آپ کی وفات کے بعد قوم میں برائیاں پھیل گئیں بدکردار لوگوں کو اقتدار مل گیا سرکش افراد میں تعداد میں اضافہ ہو گیا جنہوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید کیا اور ان میں ایک سرکش اور باغی بادشاہ بھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی بادشاہ کی ذمہ داری حضرت ذوالکفل علیہ السلام نے لی تھی کہ اگر وہ توبہ کر لے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اسی مناسبت سے حضرت ذوالکفل کو ذوالکفل یعنی ”ذمہ داری اٹھانے والا“ کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن عساکر نے آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے: ”الیسع بن عدی بن شولم بن افرانیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام۔ بعض علماء نے انہیں حضرت الیاس علیہ السلام کا چچا زاد قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ بھی حضرت الیاس علیہ السلام کے ساتھ کوہ قاسیون میں روپوش رہے تھے جب آپ بعلبک کے بادشاہ کے شر سے بچنے کیلئے وہاں چھپے ہوئے تھے۔ جب حضرت الیاس علیہ السلام فار سے باہر آئے تو حضرت الیسع علیہ السلام بھی ان کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے آ گئے۔ پھر جب حضرت الیاس علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا تو حضرت الیسع علیہ السلام آپ کی جگہ نبوت کا شرف پا کر قوم کی رہنمائی کرنے لگے۔

مورخین فرماتے ہیں: جب بنی اسرائیل نے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا حتیٰ کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید بھی

(شرعی حکم کا) علم موجود ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے: ”جب یہ (طاعون) اس علاقے میں ہو جہاں تم لوگ موجود ہو، تو اس سے بچنے کے لیے اس آبادی سے مت نکلو اور جب تمہیں خبر ملے کہ وہ کسی علاقے میں پھیل گیا ہے تو وہاں نہ جاؤ“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فوج کو واپس لے گئے۔^①

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ حزقیل علیہ السلام کتنا عرصہ بنی اسرائیل میں گزار کر فوت ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان فراموش کر دیے، چنانچہ ان کو بہت مصائب پیش آئے۔ انہوں نے بت پرستی بھی شروع کر دی۔ ان کے بتوں میں سے ایک کا نام ”بعل“ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد ان لوگوں میں حضرت الیسع بن خطوب علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوئے۔



حَضْرَتِ شَمُوئِيلَ

نام و نسب اور بعثت

آپ کا نسب نامہ یوں ہے: شموئیل بن بالی بن عاتقہ بن یرخام بن الیہو ابن تہو بن صوف بن عاتقہ بن ماحث بن عوصا بن عزریا۔

حضرت مقاتل فرماتے ہیں آپ حضرت ہارون علیہ السلام کے ورثہ میں سے تھے۔ حضرت سدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب غزہ اور عسقلان کے ممالقہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے تو انہوں نے بے شمار اسرائیلیوں کو قتل کیا اور ایک بہت بڑی تعداد کو غلام بنالیا۔ لاوی کے خاندان سے نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اس کی اولاد میں صرف ایک حاملہ خاتون باقی رہ گئیں۔ اس نے اللہ سے دعا کی کہ وہ اسے بیٹا عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا عطا کیا تو اس نے بیٹے کا نام شمعون (شموئیل) رکھا۔ عبرانی زبان میں اس کا معنی ہے: اسماعیل یعنی اللہ نے میری دعا سن لی۔

جب یہ بچہ کچھ بڑا ہوا تو اس نے بچہ کو مسجد بھیجا اور اسے ایک نیک بزرگ کے حوالے کر دیا تاکہ وہ عبادت اور بھلائی کی باتیں سکھے۔ بچہ جوان ہونے تک اسی بزرگ کے پاس رہا۔ ایک رات وہ سو رہا ہوا تھا کہ مسجد کے کونے سے ایک آواز آئی تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور اسے ایسے لگا جیسے اس کے استاد محترم نے بلایا ہے۔ اس نے استاد محترم سے پوچھا: کیا آپ نے مجھے بلایا ہے؟ استاد نے شاگرد کو پریشان دیکھا تو کہا: ہاں سو جاؤ۔ تو وہ سو گیا پھر اسے دوبارہ آواز آئی تو کیا دیکھتا ہے کہ جبریل علیہ السلام اسے بلارہے ہیں۔ وہ اس کے پاس آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا ہے ﴿لہذا آپ قوم کی طرف گئے اور پھر وہ واقعہ پیش آیا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَمْ تَر إِلَى الْمَلَأِ مِنْ بَنِي إِسْرَآءِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰی اِذْ قَالُوْا لِنَبِیِّیْۤہِمْ اِیْعٰثْ لَنَا مَلِکًا
تَّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالْ هَلْ عَسِیْتُمْ اِنْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ اَنْ تَقَاتِلُوْا قَالُوْا وَمَا لَنَا

کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ظالم بادشاہ مسلط کر دیے۔

بنی اسرائیل جب دشمنوں سے جنگ کرتے تھے تو اپنے ساتھ تابوت یکیزہ رکھتے تھے جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کے تمکرات تھے۔ ان کی برکت سے فتح حاصل ہو جاتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم کی وجہ سے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ غزہ اور عسقلان کے باشندوں سے جنگ کے دوران ان سے تابوت یکیزہ چھین لیا اور ان کا بادشاہ اسی غم میں مر گیا اور بنی اسرائیل بھیڑوں کے اس گلے کی طرح رہ گئے جس کا کوئی گھمبیاں نہ ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے شموئیل علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے قوم کے مطالبے پر ایک بادشاہ کا تقرر فرمایا۔ اس واقعہ کی تفصیل آئندہ اوراق میں بیان ہوگی۔ امام ابن جریر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات سے شموئیل علیہ السلام کی بعثت تک چار سو ساٹھ سال کی مدت گزری۔



والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے تھے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے ایک بڑی نشانی ہے۔ غرض جب طاووت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (اُن سے) کہا کہ اللہ ایک دریا سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا تو (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں اور جو نہ پیے گا تو (سمجھا جائے گا کہ) وہ میرا ہے۔ ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو خیر ہے۔ جب وہ لوگ دریا پر پہنچے) تو چند شخصوں کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طاووت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے دریا کے پار گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جاوٹ اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ لوگ جاوٹ اور اس کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو (اللہ سے) دعا کی کہ اے پروردگار! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) غایت قدم رکھ کر اور (لشکر) کفار پر فتح قیاب کر۔ پھر طاووت کی فوج نے اللہ کے حکم سے اُن کو ہزیمت دی اور داود نے جاوٹ کو قتل کر ڈالا اور اللہ نے اس کو بادشاہی اور دانی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور مہل کرنے) سے بھٹاتا نہ رہتا تو نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا لیکن اللہ اہل عالم پر بڑا مہربان ہے۔“ (البقرہ: 251-246/2)

اکثر مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ان آیات میں جس کا تذکرہ ہے وہ حضرت شوبل علیہ السلام ہیں۔ بعض کی رائے میں وہ حضرت شمعون علیہ السلام تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ حضرت یوشع علیہ السلام تھے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق شوبل علیہ السلام کی بعثت حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات سے چار سو ساٹھ سال بعد ہوئی تھی۔

بنی اسرائیل کی خواہش جہاد اور ان کی آزمائش

بنی اسرائیل کو طویل عرصہ تک جنگ و جدل میں مشغول رہنا پڑا اور دشمن ان پر غالب آگئے۔ تب انہوں نے اپنے زمانے کے نبی سے درخواست کی کہ ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کیا جائے تاکہ وہ اس کی قیادت میں متحد ہو کر جنگ کر سکیں۔ لیکن شوبل علیہ السلام ان کی کمزوریوں سے واقف تھے۔ اس لیے فرمایا: ﴿هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُنْتُمْ اَقْبِلْتُمْ اَنْ تَقَاتِلُوْا﴾ ”ممکن ہے جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو؟“ انہوں نے کہا: ﴿وَمَا لَنَا اَلَّا نَقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَابْنَانَا﴾ ”جہاد ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے ہجاء سے

اَلَّا نَقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَابْنَانَا فَلَمَّا كَلَبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلّٰوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْا اَنْتَ اَنْتَ اِيْمَانُكَ عَيْنًا وَتَحْنُ اَسْحٰۤى بِالْمَلِكِ مِنْهُ ۚ وَلَمْ يُوْتِ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ ۚ وَالْجِسْمِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۱ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰیةَ مُلْكِيْهِ اَنْ يَّاتِيَكُمْ مِنَ السَّمَآءِ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ ۚ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اَبْءَاؤُكُمْ فِی الْمُلْكِ ۚ وَلَآ مَوْلٰی وَاَلْ هٰرُونَ تَحِيْلُهُ ۚ السَّكِيْنَةُ ۚ اِنْ فِیْ ذٰلِكَ لَآیَةٌ لِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۲ فَلَمَّا قُضِيَ طَالُوْتَ بِالْجُنُوْدِ ۚ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهْمِكُمْ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهُ مِنِّيْ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ ۚ فَصَرَبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزُوْهُ ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ ۚ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِبَنِيْ سَعْدَانَ ۚ وَجُنُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۳ وَتَبَا بَرَزُوْا لِحَالُوْتَ ۚ وَجُنُوْدُهُ قَالُوْا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا ۚ وَفُتِحَتْ اَقْدَامُنَا وَانْصَرْنَا عَلٰی الْقَوُوْرِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴ فَهَرَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَكُتِلَ دَاوُدُ جَالُوْتُ ۚ وَاشٰهَ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْجِسْمَ وَعَلِمَهُ مِمَّا يَّشَآءُ ۚ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ۚ وَلٰكِن اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلٰی الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۵﴾

”جہاں تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو غیب نہیں کر لڑنے سے پہلوی کر دو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیے گئے ہیں۔ لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اور پیغمبر نے اُن سے (یہ بھی) کہا کہ اللہ نے تم پر طاووت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ وہ بولے کہ اُسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہو سکتا ہے؟ بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو زیادہ دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے اسی کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لیے) منتخب فرمایا ہے اُس نے اُسے علم بھی بخشا ہے اور جسم بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور اللہ (کو اقتدار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا کاشائش والا اور دانا ہے۔ اور پیغمبر نے اُن سے کہا کہ اُن کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشش)

ہے، دعا قبول کی۔ ﴿فَهَرَمُوهُمْ بِأَذْنِ اللَّهِ﴾ ”چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جاووتوں کو شکست دے دی۔“ یعنی یہ شکست مومنوں کی طاقت اور تعداد کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی توفیق اور مشیت الہی سے ہوئی کیونکہ دشمنوں کی تعداد تو زیادہ تھی۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی غزوہ بدر میں ایسی ہی معجزانہ فتح حاصل ہوئی تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝﴾

”جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی جبکہ تم نہایت پست حالت میں تھے، اس لیے اللہ ہی سے ڈرو (کسی اور سے نہیں) تاکہ تمہیں شکرگزاری کی توفیق ہو۔“ (ال عمران: 123/3)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَتْلَ دَاوُدَ جَالُوتَ وَأَنَّهُ اللَّهُ الْمَلِكُ وَالْحَكِيمُ وَعَلَيْهِ مَبَاشَاءُ ۖ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّكَاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝﴾

”اور حضرت داود کے ہاتھوں جاووت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داود کو ملکوت و حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت داود علیہ السلام بہت بہادر تھے۔ جاووت کے قتل سے اس کے لشکر کو شکست ہوئی اور کفر کا زور ٹوٹ گیا اور اہل ایمان کو غلبہ حاصل ہو گیا۔



﴿قَالَهُ وَبَنِي إِكْمَنِ انْتَعَزَفَ عُرْفَةً بَيْنَهُمَا﴾ ”سنو! اللہ تمہیں ایک دریا سے آزمانے والا ہے۔ جس نے اس سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں ہے اور جو اسے نہ چکے وہ میرا ہے۔ ہاں یہ (اجازت) ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔“ (البقرہ: 249/2)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے مفسرین اس آیت کی تفسیر کی بات بیان کرتے ہیں کہ آیت میں مذکور دریا سے مراد دریائے اردن ہے۔ طاووت اور اس کی فوجوں کا واقعہ اللہ کے نبی کے حکم سے یہیں پیش آیا۔ انہوں نے اللہ کے حکم سے فوجوں کی آزمائش کے لیے حکم دیا تھا کہ جو شخص اس دریا کا پانی پیے گا وہ اس جنگ میں میرے ساتھ نہیں جائے گا۔ میرے ساتھ وہی چل سکتا ہے جو ایک ہاتھ سے چلو بھر پانی سے زیادہ پیے۔ لیکن ہوا کہ ﴿فَقَسَرُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ﴾ ”سوائے چند کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا۔“

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذکر کیا کرتے تھے کہ غزوہ بدر میں اتنے صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے جتنے طاووت کے (مخلص) ساتھی تھے، جنہوں نے ان کے ہمراہ دریا پار کیا اور ان کی تعداد تین سو افراد سے کچھ زیادہ تھی۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالُوا لَا حَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ﴾

”طاووت مؤمنین سمیت جب دریا سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے: آج تو ہم میں طاقت نہیں کے جاووت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔“ انہیں اپنی تعداد کم دیکھ کر اور دشمن کی تعداد زیادہ دیکھ کر احساس ہوا کہ ہم قلیل اور کمزور ہونے کی وجہ سے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا: ﴿كَمْ مِنْ قَبْطَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فَئِدَةً كَثِيرَةً بِأِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ ”بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بھی بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔“ یعنی ایمان اور یقین رکھنے والے بہادروں اور شہسواروں نے انہیں حوصلہ دیا اور جنگ میں کود پڑنے کی ترغیب دی۔ جب ان کا جاووت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی: ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبَّتْ أَقْدَامَنَا وَأَصْرَتْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝﴾ ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں صبر دے، ثابت قدم رکھ اور قوم کفار کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔“ مومنوں نے اپنے نبی کیساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پیش قدمی شروع کر دی۔ جب دشمن سے سامنا ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی۔ انہوں نے دعا مانگی کہ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہ سکیں اور جنگ میں ان کافروں پر فتح حاصل ہو جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے اور اس کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں عظمت و قدرت کے مالک نے جو سنسنے والا، دیکھنے والا اور ہر شے کی خبر رکھنے والا

اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا افضل و کرم کرنے والا ہے۔“ (البقرة: 251/2)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب جالوت نے طالوت کو دودھو جنگ کی دعوت دی تو کہا: ”یا تم میری طرف آؤ یا میں تمہاری طرف آؤں؟“ طالوت نے فوج سے کہا: ”اس کا چیلنج کون قبول کرے گا؟“ حضرت داود علیہ السلام سامنے آئے اور مقابلہ کر کے جالوت کو قتل کر دیا۔^①

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لوگوں نے حضرت داود علیہ السلام کی بہادری سے متاثر ہو کر طالوت کو معزول کر دیا اور حضرت داود علیہ السلام کو بادشاہ بنا لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ شمول علیہ السلام کے حکم سے ہوا جبکہ بعض کا خیال ہے کہ انہیں جنگ سے پہلے ہی مقرر کر دیا تھا۔

حضرت داود علیہ السلام پر انعامات ربانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو بہت سی نعمتوں سے مالا مال فرمایا تھا جن میں حسن صوت اور حسن عبادت کے ساتھ ساتھ پرندوں اور پہاڑوں کی تسخیر بھی شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا مَقْصُلاً يُجِبَالٍ آوِيْنَ مَعَهُ وَالظَّيْرُ وَأَنَّا لَهُ الْحَدِيدُ ۖ إِنَّ أَعْمَلَ سَافِكٍ وَكَذَّارٍ فِي السَّرِّ وَالْعَمَلِ أَصْلَحًا إِنِّي بِمَا تَصِفُونَ أَبْصِيرُ ۖ﴾

”اور ہم نے داود کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی۔ اے پہاڑو! ان کے ساتھ تسخیر کرو اور پرندوں کو (ان کے ارد گرد جمع کر دیا) اور ان کے لیے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا کہ کشادہ زرہیں بنادو اور کڑیوں کو اندازے سے سے جوڑو اور نیک عمل کرو جو مل تم کرتے ہو میں ان کو دیکھنے والا ہوں۔“ (مہربا: 11'10/34)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالظَّيْرُ وَكَانَ لُغْلُغَيْنِ ۖ وَعَلَيْنَاهُ صَنْعَةَ كَبُورٍ لِّمَنْ لِّخَصَّصْنَاهُ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ قُلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ ۖ﴾

”اور ہم نے پہاڑوں کو داود کے لیے سحر کر دیا کہ ان کے ساتھ تسبیح بیان کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تابع کر دیا تھا) اور ہم ہی (ایسا) کرنے والے تھے اور ہم نے تمہارے لیے ان کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھایا تاکہ



نام و نسب اور حلیہ مبارک

آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے: داود بن ایشا بن عویذ بن عابر بن سلیمان بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ارم بن حضر بن بن فارس بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کا قد چھوٹا تھا، آنکھیں نیچی تھیں، بال کم تھے اور دل پاکیزہ تھا۔ جب حضرت داود علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا تو آپ کو بنی اسرائیل میں عزت اور ہر دل عزیزی حاصل ہو گئی۔ آخر کار آپ کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت بھی عطا فرمائی۔ اس طرح نبوت اور حکومت ایک ہی فرد میں جمع ہو گئیں۔ اس سے پہلے بادشاہ اور قبیلے سے ہوتا تھا اور نبی کسی اور قبیلے سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَتْلَ دَاوُدَ جَالُوتَ وَأَنَّهُ اللَّهُ الْمَلِكُ وَالْحَكِيمَةُ وَعَلَيْهِ مَبَاشَةُ ۖ وَكَوَلَا دَفْعَ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۖ لَفِ سَدَاتِ الْأَرْضِ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۖ﴾

”اور داود کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داود کو مملکت و حکمت اور جتنا چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعًا يُسَبِّحْنَ بِالْعَلِيِّ وَالْأَشْرَاقِ﴾ ”ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح خوانی کریں۔“ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال عمدہ آواز عطا فرمائی تھی۔ جب آپ زہم کے ساتھ زبور کی تلاوت کرتے تو آواز تے ہوئے پرندے رک آپ کی نفسی اور تسبیح خوانی کا ساتھ دیتے۔ اسی طرح صبح شام تسبیح خوانی کے وقت پہاڑوں کی گونج بھی آپ کا ساتھ دیتی تھی۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت داود علیہ السلام کو اتنی پیاری آواز دی تھی کہ جنگلی جانور اور پرندے آپ کی تلاوت سن کر آپ کے ارد گرد جمع ہو جاتے۔ حضرت وہب کہتے ہیں کہ جو بھی آپ کی آواز سنا وہ جھونے لگتا۔ آپ ایسی سر ملی آواز سے زبور کی تلاوت کرتے تھے کہ کسی کان نے ایسی آواز کبھی نہ سنی تھی۔ آپ کی پرترنم آواز سن کر جن پرندے اور مویشی گمن ہو جاتے تھے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت کی آواز سنی تو فرمایا: ”اسے داود علیہ السلام کی نفسی میں سے حصہ ملا ہے۔“^①

اس حسن صوت کے ساتھ ساتھ آپ کو یہ خاصیت بھی حاصل تھی کہ بہت تیزی سے تلاوت کر سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”داود علیہ السلام پر تلاوت آسان کر دی گئی تھی۔ آپ گھوڑے پر کبھی ڈالنے کا حکم دیتے اور گھوڑا تیار ہونے سے پہلے قرآن (زبور) پڑھ لیتے اور آپ صرف اپنے ہاتھ کی کمانی کھاتے تھے۔“^②

یہ تلاوت مدبر اور خوشع سے ساتھ ہوتی تھی۔ اور ”قرآن“ سے مراد ”زبور“ ہے جو آپ پر نازل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾ ”اور ہم نے داود کو زبور عطا فرمائی۔“ (النساء: 163/4، بنی اسرائیل: 55/17) زبور ماہ رمضان میں نازل ہوئی تھی۔ اس میں وعظ اور حکمت کی باتیں تھیں۔

معاہدہ نبوی اور قوت فیصلہ

دیگر نعمتوں کے علاوہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مجھڑوں کے فیصلے کرنے کی خصوصی صلاحیت سے بھی نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخُطَابِ﴾ ”ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکمت دی تھی اور بات کا فیصلہ کرنا (سکھا تھا)۔“ (ص: 20)

① مسند أحمد: 167/6

② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله ﴿وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾، حديث: 4713

تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائے، پس تمہیں شکر گزار ہونا چاہیے۔“ (الانبیاء: 80/79:21)

حضرت داود علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا زم ہو جاتا تھا۔ انہیں یہ وصف مجرہ کے طور پر عطا کیا گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوہا زم کرنے کا ہنر سکھایا ہوتا کہ اس سے زہریں بنا کر جنگ میں پہن جاسیں اور دشمن کے حملے سے دفاع ہو سکے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لوہا زم کر دیا تھا، یعنی آپ کو لوہے کی چیزیں بنانے کے لیے آگ یا ہتھوڑے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ہتھوڑے لوہے کو ہاتھ سے موڑ کر جو چاہتے بنالیتے تھے۔ سب سے پہلے آپ نے لوہے کے حلقہ جوڑ کر زہر بنائی۔ اس سے پہلے ہتھوڑے کے لیے لوہے کے تھکے استعمال ہوتے تھے۔ ان شوبہ کا کہنا ہے کہ آپ روزانہ ایک زہر بنا لیتے تھے جو چھ ہزار درہم کی بک جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے نبی حضرت داود علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ کی کمانی کھاتے تھے۔“^③

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَذَكَّرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْكَلْبِ إِنَّكَ آكَاثٌ • إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعًا يُسَبِّحْنَ بِالْعَلِيِّ وَالْأَشْرَاقِ • وَالظَّيْرَ مَحْشُورًا كُلُّ لَهْ آكَاثٌ • وَهَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخُطَابِ﴾

”اور ہمارے بندے داود کو یاد کرو جو صاحب قوت تھے (اور) بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو ان کے زیر فرمان کر دیا تھا کہ صبح و شام ان کے ساتھ (اللہ پاک کا) ذکر کرتے تھے اور پرندوں کو بھی کہ وہ جمع رہتے تھے، سب ان کے فرمانبردار تھے اور ہم نے ان کی بادشاہی کو مستحکم کیا اور ان کو حکمت عطا کی اور (مجھڑے کی بات کا فیصلہ (سکھا کیا))۔“ (ص: 20-17/38)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”قوت“ سے مراد عبادت کی طاقت اور نیک کام انجام دینے کی قوت ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں عبادت کی طاقت اور دین کی سمجھ ملی تھی۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کو داود علیہ السلام کی نماز تمام نمازوں سے زیادہ پیاری ہے اور داود علیہ السلام کا روزہ سب روزوں سے پیارا ہے۔ آپ آدھی رات آرام کرتے تھے، تنہائی رات قیام کرتے تھے اور رات کا چھٹا حصہ (پھر) سو جاتے تھے اور آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے اور جب دشمن سے سامنا ہوتا تو بھاگ نہیں جاتے تھے (بدادری سے جہاد کرتے تھے۔“^④

① تفسیر الطبري: 82/12

② صحيح البخاري، البيوع، باب كسب الرجل و عمله يديه، حديث: 2073

③ صحيح البخاري، التفسير، باب من نام عند السحر، حديث: 1311 و صحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن صوم الدهر،، حديث: 1159

کم ہیں۔ اور داود نے خیال کیا کہ اس واقعے سے ہم نے ان کو آزما یا ہے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی اور جھک کر گر پڑے اور (اللہ کی طرف) رجوع کیا تو ہم نے ان کو بخش دیا اور بے شک ان کے لیے ہمارے پاس قرب اور عمدہ مقام ہے۔“ (ص: 25-38/25-38)

مفسرین نے یہاں بہت سے قصے کہانیاں بیان کی ہیں جن میں سے اکثر اسرائیلی روایات ہیں اور کچھ یقیناً جھوٹی ہیں اس لیے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَلْمُوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ هُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١﴾ يَمَّا كُنْتُمْ يُوعَدُ الْغَابِ ﴿٢﴾﴾

”اے داود! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے لہذا لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور (اپنی) خواہش کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے ہٹا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے رستے سے ہٹکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب (تیار) ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔“ (ص: 26/38)

اس آیت میں داود علیہ السلام کو ظالم کی بجائے اصل مقصود تمام حکمرانوں اور افسروں کو حکم دینا ہے کہ وہ انصاف کریں۔ اللہ کی طرف سے نازل شدہ حق کی پیروی کریں۔ دوسری آراء اور دل کی خواہشات نہ مانیں۔ اس میں اس کے برعکس عمل کرنے والے بے انصاف حکمرانوں کے لیے تنبیہ ہے۔ حضرت داود علیہ السلام اپنے دور میں انصاف، شجرت عبادت اور تمام تہیوں کی انجام دہی کا ایک لائق اتباع نمونہ تھے۔ رات اور دن کا کوئی حصہ ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں ان کے گھر کا کوئی نہ کوئی فرد عبادت میں مشغول نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُ ﴿١﴾﴾

”اے آل داود! اس کے شکر کے طور پر نیک عمل کرو۔ میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔“ (سبأ: 13/34)

حضرت داود علیہ السلام کی عمر اور وفات

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ذکر میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی پشت سے آپ کی اولاد نکالی تو آپ کو ان میں ان شخص بہت روشن چہرے والا نظر آیا۔ فرمایا: ”یارب! یہ کون ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ تیرا بیٹا داود ہے۔“ عرض کی: ”یارب! اس کی عمر کتنی ہے؟“ ارشاد ہوا: ”ساتھ سال۔“ عرض کی: ”یارب! اس کی عمر میں اضافہ فرما دے!“ ارشاد ہوا: ”نہیں، البتہ تیری عمر میں سے (کم کر کے اس کی عمر میں) اضافہ کر سکتا ہوں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو آدمی اپنا مقدمہ لے کر داود علیہ السلام کے پاس آئے۔ مدعی کا کہنا تھا کہ اس نے مجھ سے گائے چھین لی ہے۔ مدعا علیہ نے انکار کیا۔ آپ نے ان کا فیصلہ رات تک مؤخر کر دیا۔ جب رات ہوئی تو اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ مدعی کو قتل کر دیا جائے۔ صبح ہوئی تو حضرت داود علیہ السلام نے مدعی سے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ ہے کہ تجھے قتل کروں، اس لیے مجھے تیرا قتل کرو گا۔ اب چھ جج بتا دو کہ حقیقت کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”اللہ کے نبی! میں اسے دعویٰ میں بالکل سچا ہوں۔ لیکن میں نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔“ اس شخص کو داود علیہ السلام نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ اس واقعہ سے بنی اسرائیل کی نظر میں حضرت داود علیہ السلام کا مقام بہت بلند ہو گیا اور انہوں نے بہت اچھی طرح آپ کی اطاعت قبول کی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيَكُنْ دَاوُدَ مَلِكًا وَآتَيْنَاهُ الْجَبَلِ الْغَابِ ﴿١﴾﴾

”ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکمت (نبوت) دی تھی اور بات کا فیصلہ کرنا (سکھایا تھا)۔“ حدیث نبوی ہے: ”گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور انکار کرنے والے (مدعا علیہ) کے ذمے قسم کھانا ہے۔“ حضرت مجاہد اور سدی رحمہما فرماتے ہیں: بات کا فیصلہ کرنے سے مراد مقدمہ کو سمجھ کر صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق ہے۔^①

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْغَصَصِ ﴿١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَحَقَّ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَنْفَعُ حَصِصُ بَنِي مُضَرَ عَلَىٰ بَعْضٍ فَأَخَذُوا بَعْضًا مِّنْ بَنِيهَا بِالْحَقِّ وَلَا تَسْطِطُ وَهَدُوا إِلَىٰ سَوَاءٍ الْضِرَارِ ﴿٢﴾ إِنَّ هَذَا أَجَنٌ لَّكَ تَسْعَ وَتَمْنَعُونَ نَجْعًا ﴿٣﴾ وَلَيْ نَجْعًا وَاجِدْنَا فَقَالَ أَتُغْلِبُونَهَا وَعَدِّي فِي الْغَطَابِ ﴿٤﴾ قَالَ لَقَدْ فَلَسَكَ بِسُؤَالٍ نَجْعَتِي إِلَىٰ نَجَاعَةٍ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْخَالِدِ الْغَابِ لَنَبِيٍّ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَيَعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ وَكَانَ دَاوُدَ أَكْبَرُ فَنُفِثَ فَنَسَفَقَ رَيْدَهُ وَخَوَّرَا لَهَا وَأَتَا أَبَا قُحَيْشٍ فَفَضَّلَهَا لَهَا ذَلِكُمْ وَانْ كُنْ عِنْدَنَا لَوْلَايَ وَحَسَنَ مَا بَ ﴿٥﴾﴾

”تو تمہارا ہمارے پاس اُن جھگڑنے والوں کی بھی خبر آئی ہے جب وہ دیوار پچاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے۔ جس وقت وہ داود کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گئے تو انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے ہم دونوں کا ایک مقدمہ ہے کہ تم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے گا اور ہم کو یہ حد سنا دیکھا دیجیے۔ (کیفیت یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے (ہاں) تناؤ سے ڈنباں ہیں اور میرے (پاس ایک) ڈنبا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور وہ گفتگو میں مجھ پر زبردستی کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ جو تیری دینی بات گت ہے کہ اپنی دنیویں میں ملا لے بیٹک تھو پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کی کیا کرتے ہیں۔ ہاں جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتا رہے اور ایسے لوگ بہت

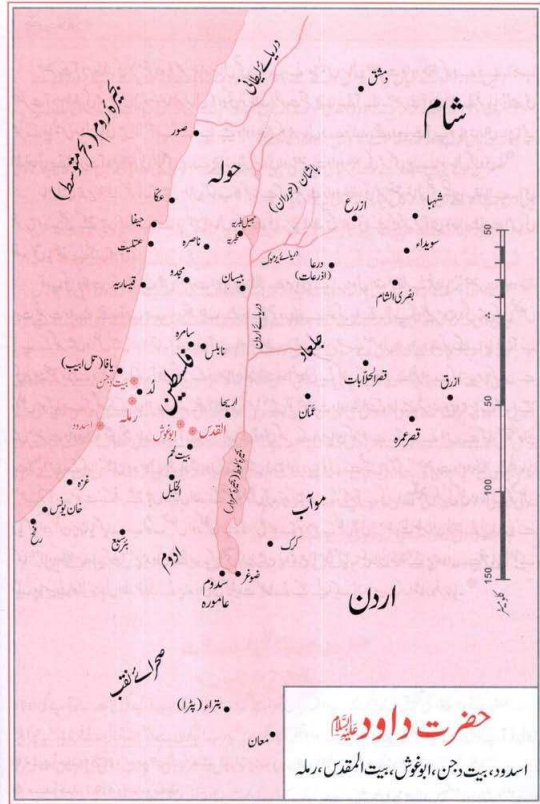
حضرت آدم علیہ السلام کی (مقررہ) عمر ہزار سال تھی۔ آپ نے چالیس سال حضرت داود علیہ السلام کو دے دیے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری (نوسو ساٹھ سال) ہو گئی تو ملک الموت تشریف لے آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ”میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں!“ آپ نے اپنے بیٹے داود علیہ السلام کو ہزار سال دے دیے تھے، وہ بات آپ کو یاد نہ رہی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر بھی پورے ہزار سال کر دی اور حضرت داود علیہ السلام کی عمر بھی پورے سو سال کر دی۔^① امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل کتاب کا کہنا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کی عمر ستر سال تھی لیکن یہ غلط ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے چالیس سال حکومت کی۔ یہ بات صحیح ہو سکتی ہے کیونکہ قرآن وحدیث سے اس کی تصدیق یا تکذیب نہیں ہوتی۔

آپ کی وفات کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت داود علیہ السلام بہت غیرت والے تھے۔ آپ جب باہر تشریف لے جاتے تو دروازے بند کر جاتے۔ آپ کی غیر موجودگی میں کوئی شخص آپ کے گھر میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن آپ باہر تشریف لے گئے اور حسب معمول دروازہ بند کر گئے۔ چاکل آپ کی زوجہ محترمہ نے دیکھا کہ ایک آدمی گھر کے درمیان کھڑا ہے۔ انہوں نے گھر کے دوسرے افراد سے کہا: یہ مرد کہاں سے داخل ہو گیا جب کہ گھر کے دروازے بند تھے؟ اللہ کی قسم! ہمیں تو حضرت داود علیہ السلام کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اتنے میں حضرت داود علیہ السلام بھی تشریف لے آئے۔ دیکھا کہ آدمی گھر کے درمیان کھڑا ہے۔ آپ نے اس سے کہا: ”تو کون ہے؟“ اس نے کہا: ”میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا اور درباروں سے نہیں رکتا۔“ حضرت داود علیہ السلام نے فرمایا: ”جب تو آپ موت کے فرشتے میں۔ میں اللہ کے حکم کو خوش آمدید کہتا ہوں۔“ پھر آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دیا گیا اور کفن پہنا یا گیا۔ جب لوگ غسل اور کفن سے فارغ ہوئے تو دھوپ نکل آئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے کہا: ”داود علیہ السلام پر سایہ کرو!“ پرندوں نے سایہ کیا حتیٰ کہ زمین پر اندھیرا چھا گیا۔ سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے فرمایا: ”ایک ایک پر سیٹ لو!“ رسول اللہ ﷺ نے پرندوں کی کیفیت سمجھانے کے لیے ایک بازو سیٹ کر اشارہ فرمایا۔^②



① مسند أحمد: 252/1 و جامع الترمذی: تفسیر القرآن، باب و من سورة الأعراف، حدیث: 3076.

② مسند أحمد: 419/2 و إسناده منقطع



بعض علماء کرام بھی ایسی سیاستوں کا رواج کرتے ہیں۔ اگر مغربی عالم و جابر حکمران لاکھوں کروڑوں ڈالر خرچ کر کے ان اسلامی ممالک کے عادلانہ نظام حکومت کو ختم کرنے کے لیے کوشاں ہیں تو مسلمان سیاستدانوں کے ساتھ مل کر اسباب جہ و دستار بھی ان کے حمایتی و مددگار بنے ہوئے ہیں!!! حالانکہ عدل و انصاف، عوامی فلاح و بہبود اور امن و سلامتی کو یقینی بنانے والا نظام حکومت خواہ وہ ملوکیت ہو یا شخصی حکمرانی کا نظام، جمہوریت سے لاکھوں درجے بہتر ہے۔

جنگی تعلیم اور تربیت: حضرت شمول علیہ السلام کے قصے سے جنگی تعلیم و تربیت اور مہارت و تیارگی کا درس ملتا ہے۔ مادی وسائل و ذرائع اور آلات حرب کے ساتھ ساتھ فوجیوں کی جسمانی اور روحانی تربیت بھی بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ فوجی جس قدر اعلیٰ جسمانی اور روحانی تربیت کے حامل ہوں گے اسی قدر بہتر نتائج برآمد ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے طاقتوں کے فوجیوں کی تربیت کے پیش نظر راستے میں آئے والے دریا سے پانی پینے سے منع فرما دیا۔ اس میں انہیں صبر و تحمل، قوت برداشت اور اطاعت امیر کا جوگر بنانے کی تربیت دی گئی ہے۔ دراصل افکار اسلام کو یکم اس لیے دیا گیا کہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان کی ضرورت ہو جائے۔ نیز یہ جنگی حکمت بھی اس حکم میں پنہاں تھی کہ اسلامی فوج دشمن پر اپنا چابک اور زور دار حملہ کرے۔ اگر وہ صبر ہو کر پانی پینے لگ جائے اور چاروںوں کو بھی جی بھر کر پینے کے لیے چھوڑ دیتے تو یہ خطرہ تھا کہ دشمن ان کی آمد کا پتہ چلا کر متعدد ہو جاتا یا ان کی پہنچ سے دور نکل جاتا۔ یہ غرض بھی تھا کہ اسلامی فوج سخت پیاس کے بعد جی بھر کر پانی پینے کی تو ان پر سختی اور کس مندی غالب آجائے گی جو کہ میدان جنگ میں نہایت مضرب ہے، لہذا آج بھی کامیاب جرنیل اپنی فوجوں کو جدید اسلحہ سے لیس کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی اور روحانی تربیت کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ نیز اپنا چابک حملے کی تدبیر موجودہ دور کے جنگی پلان کا اہم ترین جزو بن چکی ہے۔

صبر و شجاعت اور اطاعت امیر کا مہم پائی کی ضمانت: اس قصے سے ہمیں صبر و شجاعت اور اطاعت امیر کا درس ملتا ہے۔ اطاعت امیر ہر حال میں ضروری ہے، تاہم میدان جنگ میں اس کی اہمیت و ضرورت دو چند ہو جاتی ہے۔ جنگ میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ فوج میدان جنگ کی سختیوں، مشکلات اور مصائب کو صبر و تحمل سے برداشت کرنے کی تربیت سے لیس ہو، نیز اطاعت امیر ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔

ان دو بنیادی صفات کی حامل فوج کو اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت حاصل ہوتی ہے اور وہ کاروں پر غالب آ جاتی ہے حضرت طاقتوں کی اکثر فوج نے نافرمانی کرتے ہوئے نہر سے جی بھر کر پانی پی لیا، اس لیے وہ سختی کا شکار ہو گئے اور دشمن کے مقابلے سے جی چرانے لگے۔ اس وقت اہل ایمان نے ان الفاظ میں فوج کی ذخاں بند خاں اور اپنے رب سے صبر و شجاعت کی التجا کرنے لگے:

﴿قَالَ الَّذِينَ يَلْمُوكُمْ مِّلْمُوكُمُ اللَّهُ تَمَّ مِنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ قَلْبَتْ فِتْنَةُ كَثِيرَةٍ يَوْمَ يُؤْذَنُ لِلَّهِ وَاللَّهُ

نتائج و فوائد..... عنبرین و حکمتیں

عدل و انصاف پر مبنی بادشاہت کا جواز: حضرت شمول علیہ السلام کے واقعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ عدل و انصاف اور عوامی فلاح کی ضامن بادشاہت نہ صرف جائز ہے بلکہ محمود و مطلوب بھی ہے۔ نیز عادل حکمران، احکام الہی کا پابند بادشاہ مسلمانوں کی سربراہی کا اہل ہے۔ اور ایسی حکمرانی میں کوئی حرج اور قحاح نہیں ہے کیونکہ اگر بادشاہت فی نفسہ بری چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو بادشاہ نہ بناتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داود اور سلیمان علیہ السلام کو نبوت اور بادشاہت سے بیک وقت سرفراز فرمایا ہے اور انہیں نعمت نبوت کے ساتھ ایسی شاندار بادشاہت عطا فرمائی جو دوسرے کسی نبی کے حصے میں نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعدد انبیاء کرام علیہ السلام کو اس نعمت سے نوازا تھا، لہذا ان پر اس خصوصی انعام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَلِذَٰلِكَ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَقُولُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِتْنَةً لِّلْاٰمِيَّاءَ وَجَعَلَكُمْ مِّنْ دُونِهَا

”اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنادیا۔“ (المائدہ: 20/5)

نیز اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سربراہی اور حکمرانی کے لیے اعلیٰ حسب و نسب کا حامل ہونا شرط نہیں بلکہ قیادت و سادت کے لیے عقل و دانش مندی، حکمت اور جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت زیادہ اہم ہے۔ حضرت طاقتوں ایک عام فوجی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مطالبے پر ان کا بادشاہ بنادیا۔ حضرت داود علیہ السلام آپ کی فوج کے شاہ زور فوجی تھے۔

اس واقعے میں دور جدید کے نامداد مسلم دانش وروں اور سیاستدانوں کے لیے درس عبرت ہے جن کے دماغوں پر مغربی جمہوریت کا بھوت سوار ہے۔ یہ لوگ مغربی استعمار کی شاطرانہ چالوں کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔ اور ایسے اسلامی ممالک پر طعن و تشنیع کرتے ہیں جہاں بادشاہت قائم ہے حالانکہ وہ اسلامی ممالک اپنے نظام عدل و انصاف اور فلاحی کارناموں کی بدولت اپنے عوام کے لیے نعمت رسانی بنے ہوئے ہیں۔ ان ممالک کے امن و امان اور عوامی سلامتی کا موازنہ ان مغربی جمہوریت ممالک سے کریں تو نظام بادشاہت کی ہزار بار خوبیاں مغربی جمہوریت اور اس کے دلدادہ حکمرانوں پر اپنا ناجادوگری دکھائی دیں گی۔

صداقت: آج کے مسلمان سیاستدان اور دانشور ہی اس مغربی حسینہ کی زلف کے اسیر نہیں بلکہ اصحاب جہ و دستار اور

عرضہ اقتدار دیتا ہے پھر اس کے ظلم و ستم کا خاتمہ دوسرے گروہ کے ذریعے سے کر دیتا ہے تاکہ انسانیت کو نجات ملے اور ظالم اپنے انجام کو پہنچیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکتہ الہی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ لَا دَفَعَ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمُ بَعْضًا لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾

”اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد و فحش کا تان لگن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔“ (البقرہ: 251/2)

تیز ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ لَا دَفَعَ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمُ بَعْضًا لَهَاجَتْ صَوَابِعُ وَبَيَّحَ وَصَلَاتُ وَ مَسْجِدُ يَذْكُرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا﴾

”اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ سب ڈھانے چاٹنے ہوتے“ (الحج: 40/22)

لہذا تاریخ انسانی اللہ تعالیٰ کی اسی سنت کے شاہد ہے پھر یی پی ہے۔ دنیا میں آنے والے ہر جابر، ظالم اور زبردست کو اللہ تعالیٰ نے ایک وقت تک غلبہ و اقتدار سے نوازا اور پھر اس کی رسی کھینچ کر دوسرے گروہ کو غلبہ و حکمرانی عطا کر دی۔ ظالم منکول، تاتاری، جرنن نازی، روسی، برطانوی استعمار دودھ ماسی کے عبرت انگیز نمونے ہیں جو موجود سپر پاور اور اس کے حاشیہ برداروں کے لیے نمونہ عبرت ہونے چاہئیں۔ تاریخ اسلامی پر نظر دوڑائیں تو ابتدائے اسلام میں قریش مکہ، غریب مسلمانوں پر ہرم کا ظلم و ستم ڈھاتے دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کی سر زمین سے ہجرت پر مجبور کر دیتے ہیں۔ لیکن چند ہی سالوں بعد ان کا سارا غلبہ و غرور اور غریب مسلمانوں کے قدموں تلے ہوتا ہے اور وہ بخشش کی بجائے مانگتے دکھائی دیتے ہیں۔ (فاعتبروا یا اولی البصائر)

آداب قاضی: حضرت داود علیہ السلام کے قصے سے فیصلہ کرنے کے آداب اور قاضی کے آداب کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت داود علیہ السلام نے اپنے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ ایک دن عبادت و ریاضت کے لیے ایک دن وعظ و نصیحت کے لیے، پھر ایک دن عوامی فیصلوں کے لیے اور ایک دن اپنے نفس اور اہل و عیال کے لیے۔ ایک ایسے دن جب کہ وہ ان کے نفس اور اہل خانہ کے لیے مختص تھا، دو فرشتے فرضی مقدمہ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے صرف مدعی کی بات سن کر فیصلہ کر دیا اور مدعا علیہ کی حجت نہ سنی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات بلند کرنے کے لیے آپ کو اس آزمائش میں ڈالا تھا۔ آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً بارگاہ الہی میں جھک گئے اور توبہ و استغفار کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَلَّمَ كَلَامًا كَثِيرًا نَزَلَ حَزَنًا وَكَانَ رَاجِعًا وَاتَّابَ﴾ فَفَقَرْنَا لَهُ ذَلِكُمْ وَلَئِنْ لَمْ عَنَدْنَا لَنُلْقِيَنَّ

مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿﴾

”جو لوگ جھکتے تھے کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں“ بے اوقات چھوٹی سی جماعت بھی بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ (البقرہ: 249/2)

لہذا انہوں نے اس اظہار کے بعد کامیابی کثرت تعداد اور اسلحہ کی فراوانی پر منحصر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی مدد و حمایت پر منحصر ہے، اپنے رب سے یوں دعا کی:

﴿قَالُوا رَبَّنَا أَخْرِجْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَ ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾

”اے ہمارے رب! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔“ (البقرہ: 250/2)

چنانچہ وہ قلیل ہونے کے باوجود کامیاب و کامران ہوئے۔ اسی طرح جنگ بدر میں مسلمانوں نے صبر و ثبات اور اطاعت امیر کی اعلیٰ مثال پیش کرتے ہوئے اپنے رب کی نصرت و حمایت سے، قلیل تعداد اور بے ہوشمانی کے باوجود فتح پائی جبکہ کثرت تعداد اور اسلحہ کی فراوانی کے باوجود جنگ میں نہیں، ابتدا میں شکست کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ صبر و ثبات کی قلت اور اطاعت امیر کے جذبے میں لغزش پائی گئی تھی۔ لہذا مسلمان جرنیلوں کو جدید اسلحہ کی فراوانی کے ساتھ ساتھ ان دو بنیادی اوصاف کی تربیت کا بھی خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

شیعیت و بہادری کا درس: حضرت داود علیہ السلام کے قصے سے اہل ایمان کو شجاعت و بہادری کا درس ملتا ہے۔ میدان جنگ میں روسائے فکارتی لکار پر بہادر و شجاع مسلمانوں کا مبارزت کے لیے میدان میں کودنا ہمیشہ سے مسلمان شیر دل جوانوں کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ حضرت طاووس اپنی فوج کو لے کر جالوت کے سامنے صف آراء ہوئے تو وہ نہایت سنگبر و غرور کے ساتھ سامنے آیا اور مسلمانوں کو مبارزت کے لیے پکارنے لگا۔ اس نے یہ چیلنج بھی کیا کہ اگر وہ مغلوب ہو گیا تو اسکی قوم مسلمانوں کی غلام ہو جائے گی اور اگر وہ کامیاب ٹھہرا تو مسلمان اس کے غلام بن جائیں۔

اس لکار پر غیور و شجاع حضرت داود علیہ السلام اس کے مقابلے میں آگے تشریف لائے اور تاک کر ایک پتھر اس کی پیشانی پر مارا جس سے وہ زمین یوں ہو گیا۔ آپ نے نہایت پرتھرتی سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ کافروں نے اپنے نہایت بہادر سردار کا اتنی تیز رفتاری سے انجام بد دیکھا تو ان کے حوصلے جواب دے گئے۔ جبکہ مسلمانوں نے اپنے شیر دل جوان کے کارنامے کے بعد نہایت شجاعت سے جنگ لڑی اور کامیابی سے ہٹکار ہو گئے، حالانکہ وہ قلیل تعداد میں تھے۔ دشمن کثیر تعداد میں قتل ہوئے اور باقی بچی حالت میں قیدی بنے۔

ظالموں کے بارے میں سنت اللہ: حضرت داود علیہ السلام کے قصے سے اس سنت الہی کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر خصوصی فضل و کرم کرتے ہوئے یہ قانون بنایا ہے کہ وہ دنیا میں کسی کو دغا دینا اور حکمرانی سے نہیں نوازتا۔ اگر ایسا ہوتا تو حکمران اللہ تعالیٰ کے احکامات کو فراموش کر کے ظلم و ستم کی انتہا کر دیتے، اس لیے اللہ تعالیٰ انسانوں کے ایک گروہ کو کچھ

اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لوہے کی تختی اور منبویٰ کو نہایت نرم کر دیا تھا، لہذا آپ بغیر کچھلائے اور تپائے لوہے کو جس طرح چاہتے موڑ لیتے اور جیسے چاہتے اس کو شکل دے لیتے۔ آپ اس لوہے سے جنگی لباس زرہیں تیار کرتے جو انتہائی متناسب اور خوبصورت ہوتی تھیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داود علیہ السلام سے پہلے بھی لوگ زرہیں بناتے تھے مگر وہ سادہ، بغیر کنڈوؤں اور بغیر حلقوں کے ہوتی تھیں لیکن آپ نے زرہیں کنڈوں اور حلقوں والی بنائیں جو زیادہ مضبوط اور مفید تھیں۔

آپ کو نہایت متزن اور پرسوز آواز عطا کی گئی تھی۔ جب آپ اپنی خوبصورت متزن آواز میں زبور کی تلاوت فرماتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ شریک تسبیح ہو جاتے اور پرندے ہوا میں ٹھہر جاتے اور آپ کے ساتھ تلاوت و تسبیح میں شریک ہو جاتے۔

بلند و بالا جلال پہاڑوں اور ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کو آپ کے ساتھ تسبیحات کرنے کے لیے مسخر کر دیا گیا۔ عبادت و ریاضت کا درس: حضرت داود علیہ السلام کے واقعے سے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کا درس ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب آخر الزمان ﷺ سے داود علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ بیان کیا کہ وہ نہایت عبادت گزار اور پروردگار کی طرف رجوع و انابت کرنے والے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَذَكَرْنَا عَبْدَنَا دَاوُدَ ٱلْكَافِيَ ۖ إِنَّهُ ٱكۡتَآبٌ ۝﴾

”اور (اے نبی!) ہمارے بندے داود کو یاد کرو جو بڑی قوت والا تھا، یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔“

(ص: 17/38)

آپ کی قوت سے دینی قوت و صلاحت مراد ہے۔ لہذا رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو حضرت داود علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

”اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب نماز داود علیہ السلام کی نماز ہے۔ اور سب سے زیادہ محبوب روزے داود علیہ السلام کے روزے ہیں۔ وہ نصف رات سو تے، پھر اٹھ کر تہائی رات کا قیام کرتے اور پھر اس کے چھٹے حصے میں سو جاتے، ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے۔“

دور حاضر کے غافل مسلمانوں کے لیے اس فرمان نبوی میں شاندار رہنمائی موجود ہے۔ اسوۂ حسنہ سے محروم ایک طبقہ رات بھر قیاموں، گائوں اور لبو و لعب کے دیگر مشاغل میں مصروف رہ کر اپنے رب کی عبادت سے محروم ہو جاتا ہے جبکہ اسوۂ حسنہ سے غافل ایک دوسرا طبقہ رات بھر نواضل پر ہوتا رہتا ہے اور لگاتار روزے رکھ کر اپنے تقویٰ کے اظہار کرنا چاہتا ہے

﴿وَحَسَنَ مَآلٍ ۝﴾

”اور داد دیکھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے۔ اور (پوری طرح) رجوع کیا۔ پس ہم نے بھی ان کا وہ (قصور) معاف فرما دیا، یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے سے مرے والے اور بہت اچھے مکانے والے ہیں۔“ (ص: 25, 24/38)

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ دو شخص حقیقی جھگڑالے کرائے تھے۔ اس واقعے سے آپ کے صبر و تحمل کا امتحان لیا گیا کیونکہ جس طرح اور جس وقت وہ آئے تھے اس سے انسانی طبیعت میں اشتعال اور غصے کا آفاطری بات تھی۔ دیوار چھانکر آنا، عبادت میں دخل اندازی کرنا اور طرزِ نظم میں آپ کی شان و عظمت کا لحاظ نہ رکھنا، یہ سب امور غصہ دلانے کے لیے کافی تھے مگر آپ نے صبر کا مظاہرہ کیا تاہم جو بلکی سی طبعی ناگواری ہوئی تھی اس پر توبہ و استغفار کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کیا۔

کچھ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ آپ کی آزمائش یہ تھی کہ آپ قاضی ہوتے ہوئے بھی جھگڑوں میں الجھے ہوئے مدعیوں اور مدعا طلبیان سے چھپ کر بیٹھے تھے حالانکہ قاضی کو ہر وقت فیصلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ لہذا وہ دونوں مجبور ہو کر دیوار چھانک کر آپ کے پاس پہنچے۔

رسول اکرم ﷺ نے قاضیوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”کوئی قاضی دو افراد کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔“

موجودہ دور کے چیف جسٹس اور جج حضرات جو لمبی لمبی گاڑیوں اور حفاظتی دستوں کے حصار میں آتے ہیں اور مضبوط و آہنی فصیولوں کے اندر بیٹھ کر حکمران وقت کی خواہش و مشا کو پورا کرنے کے لیے فیصلے کرتے ہیں انہیں اس فرمان نبوی کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”قاضی تین قسم کے ہیں: ایک قسم سختی ہے جبکہ دو قسمیں جہنم میں جائیں گی۔ جتنی قاضی وہ ہے جس نے حق کو پا کر اس کے مطابق فیصلہ کیا، اور جس قاضی نے حق کو معلوم کر کے بھی فیصلے میں ظلم کیا، جہنمی ہے۔ اور وہ قاضی بھی جہنمی ہے جس نے منیٰ بر جہالت فیصلے کیے۔“

حضرت داود علیہ السلام کے معجزات: اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو نبوت اور بادشاہت کی عظیم نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ درج ذیل معجزات سے آپ کو نوازا تھا:

حالانکہ اسوہ حسنہ سے محرومی و غفلت دونوں ہی دین و دنیا کے لیے مضر ہیں۔ اگر پہلا طبقہ تہائی کی راہ پر چل رہا ہے تو دوسرا طبقہ گمراہی کی روش اپنائے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے اسوہ حسنہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



نام و نسب اور حضرت داود علیہ السلام کے جانشین

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان فرمایا ہے: سلیمان بن داود بن ایشا بن عؤید بن عابر بن سلوان بن نضون بن مہمیا ذب بن ارم بن حصرون بن فارس بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داود علیہ السلام کا بادشاہت و حکمت نیز نبوت میں جانشین مقرر فرمایا اور اپنے فضل و کرم سے مزید عنایات کیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَوَرَّثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْتُ اَنَّكُمْ لَمَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاَوْثِقْنَا مِنْكُمْ لَسَانًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَكُمُ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝﴾

”اور سلیمان، داود کے قائم مقام ہوئے اور کہنے لگے کہ لوگو! ہمیں (اللہ کی طرف سے) پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہر چیز عطا فرمائی گئی ہے۔ بیشک یہ (اُس کا) صریح فضل ہے۔“ (النمل: 16/27)

شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔“ (النمل: 17/27)

ایک دن سلیمان علیہ السلام نے جنوں اور انسانوں اور پرندوں پر مشتمل اپنی تمام افواج کو جمع کیا اور کسی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ پرندوں نے اپنے پرؤں سے آپ پر سایہ کر رکھا تھا۔ ہر لشکر پر چھوٹے بڑے افرمقرر تھے جو تمام افراد کو اپنے اپنے مقام پر رکھتے تھے۔ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَغْصِنُكُمْ سُلَيْمَنٌ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ! ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز سن لی اور جو بات اس نے دوسری چیونٹیوں سے کہی تھی، سمجھ لی۔ آپ یہ بات سن کر مسکرا دیے جو دوسرے نہ سن سکے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے جانور اور انسان ایک دوسرے سے بات چیت کرتے اور ایک دوسرے کی زبان سمجھتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے وعدہ لے لیا کہ وہ انسانوں سے باتیں نہیں کریں گے۔ اس لیے اب ہم ان کی باتیں نہیں سمجھ سکتے۔ یہ سب جاہلوں کے خیالات ہیں۔ اگر یہ بات درست ہوتی کہ سب لوگ جانوروں کی بولیاں سمجھتے ہوتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو دوسروں پر کوئی امتیاز حاصل نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو جانوروں سے وعدہ لے کر کیا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا کہ جانور انسانوں سے بات چیت نہ کرے۔ اسی امتیاز ہی کی وجہ سے آپ نے فرمایا: ﴿رَبِّ أَوْعَيْتُ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الْبَرِّ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَحْمِلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَذْخُلِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾ ”اے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور مجھے توفیق دے کہ میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لے۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا یقیناً قبول فرمائی۔ والدین میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد حضرت داؤد علیہ السلام اور والدہ جو ایک عبادت گزار نیک خاتون تھیں، شامل ہیں۔

بد بد اور ملکہ باقیس کا واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر جبار میں ہمدہ کی ڈیوٹی ایک انجینئر کی سی تھی۔ ایک روز ہمدہ بوقت حاضری غیر حاضر ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام سخت ناراض ہوئے مگر ہمدہ ایک ایسی خیر گزرا یا جس سے اللہ کے نبی بھی بے خبر تھے، لہذا اس کی غیر حاضری کا نہایت معقول عذر ہونے کی وجہ سے اس کا قصور قابل معافی تسلیم کر لیا گیا۔

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت اور بادشاہت میں حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث تھے۔ آیت مبارکہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو مالی وراثت ملنا اراد نہیں۔ کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام اور بیٹے بھی تھے۔ تو یہ ممکن نہیں کہ آپ ایک ہی بیٹے کو سارا مال دے دیں اور دوسروں کو محروم کر دیں۔ اس کے علاوہ متعدد صحابہ کرام علیہم السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہمارا (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔“ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”ہم انبیاء کی جماعت کو کوئی وارث نہیں ہوتا۔“

چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مال ان کی وفات کے بعد غریبوں اور محتاجوں میں صدقہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ ان کے قریبی رشتے داروں کے لیے مخصوص نہیں ہوتا کیونکہ ان کی نظر میں دنیا بالکل حقیر اور بے قدر ہے جس طرح انہیں سمجھوتہ کرنے والے کی نظر میں یہ دنیا حقیر اور ذلیل ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْنَا مَنَظِقُ الظُّبُرِ﴾ ”لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھانی گئی ہے۔“ یعنی پرندے اپنی زبان میں جو باتیں کرتے ہیں، آپ اسے سمجھ لیتے تھے۔ ﴿وَأَوْفَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”ہمیں سب کچھ دیا گیا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہر وہ چیز دی تھی، جس کی ضرورت ملک پر حکومت کے دوران میں ممکن ہے۔ یعنی ہر قسم کا سامان، ہتھیار، لشکر و سپاہ، جنوں، انسانوں، پرندوں اور حیوانوں کی جماعتیں اور علم و عقل اور تمام تعلقات کی باتوں کو سمجھنے اور اپنی بات سمجھانے کی طاقت وغیرہ۔ پھر فرمایا: ﴿إِنَّ هَذَا الْهَوَ الْقَضَلُ السَّيِّئُ﴾ ”یہ ٹیک یہ بالکل کھلا فضل الہی ہے۔“

بے مثل ملک و حکومت کے مالک نبی: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو چھ مہینے پر چھ مہینے اور انسانوں پر بے مثل حکمرانی عطا فرمائی تھی۔ آپ ان سب کی بولی سمجھتے تھے اور اس نعمت ربانی پر خاص طور پر شکر گزار بھی تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالظُّبُرِ فَهُمْ يَوَاعُونَ ﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَكْبَرَا عَلَىٰ دَاوُدَ النَّبِيِّ قَالَتْ يَلَيْسَ إِلَّا نَحْنُ الْمُسْلِمُونَ فَادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَغْصِنُكُمْ سُلَيْمَنٌ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْعَيْتُ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الْبَرِّ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَحْمِلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَذْخُلِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ﴿﴾

”اور سلیمان کے لیے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے۔ سو ان کی الگ الگ درجہ بندی کر دی گئی یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اسے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ! ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں ہل ڈالیں اور ان کو بھرنے نہ ہو۔ تب وہ اس کی بات سن کر خشن ہوئے اور کہنے لگے کہ اے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں، ان کا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَفَّذْنَا الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدُودَ أَهْرَكَانَ مِنَ الْعَاقِبِينَ • لَأُعَذِّبَنَّكَ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَا ذَهَبَكَ أَوْ لَيَأْتِيَنِي بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ • قَبِلْتُ غَيْرَ بَعِيْنٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِمْ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ • إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ • وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّيْءِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَكَتَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ صَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ • أَكَ يَجْعَلُ الْبِلَاقِلَ الَّذِي هُوَ جُحُوجٌ فِي السَّبُوتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ • اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ • قَالَ سَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ • إِذْ هَبْ بِنَفْسِكَ هَذَا فَالِقَهُ إِبْرٰهِيْمُ ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ • قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَآءَ إِنِّي أَتَّبِعُكَ إِنِّي أَكْتُبُ كِتَابًا • إِنَّكَ مِنْ سُلَٰئِمٍ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ • أَكَا تَعْلَمُونَ عَلَىٰ وَأَنُؤِنِّي مُسْلِمِينَ • قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَآءَ أَفَمَوْىِّ فِي أَمْرِي مَا كُنتُمْ قَاطِعَةً أَمْرًا حَرَامًا تَشْفَعُونَ • قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا سَٰدِيَّةُ أَفَأَنْتِ وَالَّذِينَ تَتَّبِعِينَ هَلْ يَنْصَرِفُونَ • قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً • وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُونَ • وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنْظُرَ بِمَا يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ • فَلَمَّا جَاءَ سُلَٰمِينَ قَالَ أَكُنْتُ أُبْشِرُ بِلَاقِلَ هَٰذَا نِسَاءَ الْبِلَاقِلِ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ يَأْكُلْ بَنِيَّ مِنْ دُونِ النَّسَاءِ فَتَهْلِكُ مِنْ أَكْلِ بَنِيٍّ • لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ يَكْفُرْ بِاللَّهِ فَتَكْفُرُونَ • إِذْ رَجَعَ إِلَيْهِمْ فَفَلَتَا لَبِئْسَ مَا يَجْعَلُونَ • قَبْلَ لَكُمْ بِهَا وَلَعْنَةُ جَهَنَّمَ فَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ •﴾

”انہوں نے جانوروں (پرندوں) کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: کیا سب ہے کہ بد نظر نہیں آتا؟ کیا کہیں غائب ہو گیا ہے؟ میں اسے سخت مزادوں کا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے (اپنی بے قصوری کی) دلیل صریح پیش کرے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ بد ہمارا موجود ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں اور میں آپ کے پاس (شہر) سے اسے ایک چغی خرید کر آ رہا ہوں۔ میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان لوگوں پر بادشاہت کرتی ہے اور ہر چیز اسے میرے اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کو عبادت کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آ راستہ کر دکھائے ہیں اور ان کو (میدھے) رستے سے روک رکھا ہے۔ پس وہ رستے پر نہیں آتے (اور نہیں سمجھتے) کہ اللہ کو کیوں نہ عبادت کریں جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ سلیمان نے کہا: (اچھا) ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا جھوٹا ہوتا ہے۔ یہ میرا خطلے جا اور اسے ان کی طرف ڈال دے پھر ان کے پاس سے لوٹ آ اور دیکھ کہ وہ کیا

جواب دیتے ہیں۔ ملکہ نے کہا کہ دربار والا! میری طرف ایک گرامی نامہ ڈال گیا ہے وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور (اس کا مضمون) یہ ہے: شروع اللہ کا نام لے کر جو بد امر بیان، نہایت رحم والا ہے۔ (بعد اس کے یہ) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مطیع و فرمانبردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔ (خط سارک) کہنے لگی کہ اسے اہل دربار میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو! جب تک تم حاضر نہ ہو (اور صلح نہ دو) میں کسی کام کا فیصلہ کرنے والی نہیں۔ وہ بولے کہ ہم بڑے زوردار اور سخت جنگجو ہیں اور حکم آپ کے اختیار میں ہے تو جو حکم دیجیے گا (اس کے انہماک پر) نظر کر لیجیے گا۔ اُس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو قتل کر دیتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے اور میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں اور دہشتی ہوں کہ قاصد کا جواب لاتے ہیں۔ جب وہ (قاصد) سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا: کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے۔ حقیقت ہے کہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش ہوتے ہو گے۔ اس کے پاس واپس جاؤ۔ ہم ان پر ایسے لشکر سے حملہ کریں گے جس کے مقابلے کی ان کو طاقت نہ ہوگی اور ان کو ہار سے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔“ (النمل: 27-37)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور بد کا واقعہ بیان کیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی فوج کے تمام پرندوں کے اپنے اپنے لیڈر اور کمانڈر تھے جو روزانہ اپنے اپنے وقت پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ بد کا فرض منصبی یہ تھا کہ سفر کے دوران میں کسی غیر مقام پر پانی کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ تباہ تھا کہ کہاں کھدائی کرنے پر پانی مل سکتا ہے۔ اس کے بتانے پر فوجی کھدائی کر کے پانی حاصل کر لیتے تھے۔ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے بد کا حاضر ہونے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے مقام پر موجود نہیں۔ آپ نے فرمایا: ﴿مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدُودَ أَهْرَكَانَ مِنَ الْعَاقِبِينَ • لَأُعَذِّبَنَّكَ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَا ذَهَبَكَ أَوْ لَيَأْتِيَنِي بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ •﴾ ”کیا بات ہے؟ میں بد کو نہیں دیکھتا یا واقعی غیر حاضر ہے؟ یقیناً میں اسے سخت مزادوں کا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا وہ میرے سامنے کوئی صریح دلیل بیان کرے۔“

✽ عورت کی حکمرانی کا مسئلہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے بد کی بلا اطلاع غیر حاضری پر ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے اسے سخت مزادینے ذبح کر دینے کا فیصلہ سنایا اور کہا کہ اگر وہ اپنی غیر حاضری کا معقول عذر پیش کرے تو اس کی سزا ہم بھی کی جاسکتی ہے، تاہم بد بد جلد ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہو گیا اور عرض کی: ﴿أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِمْ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ • إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ •﴾ ”میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں۔ میں سہا کی ایک چغی خرید کر آپ کے پاس لایا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ان پر بادشاہت ایک عورت کر رہی ہے جسے ہر چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے اور اس کا ایک عظمت والا تخت بھی ہے۔“

بد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملکہ سہا کی سلطنت کے بارے میں بتایا۔ یہ سلطنت یمن میں تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام

سے بیت المقدس پہنچ گیا۔ جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو فرمانے لگے: ﴿هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي﴾ اَشْكُرُ ۖ اَمْ اَلْعَدُوِّ وَمَنْ شَكَرَ فَاَزِيدَا شُكْرِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَاَنْزِلْنَا رَبِّي عَذَابًا كَثِيرًا ۝﴾ ”یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکرگزار کی کرتا ہوں یا ناشکری۔ شکر گزار اپنے بے نفع کے لیے شکرگزار کی کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پروا اور بزرگ ہے۔“ اسے نہ شکر کرنے والوں کے شکر کی ضرورت ہے نہ کافروں کی ناشکری سے اس کا کچھ بگڑتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم و یا تخت کی آرائش میں تبدیلی کر دی جانے تاکہ بتائیں کی عقل و فہم کا اندازہ ہو سکے۔ ”حکم دیا کہ اس کے تخت میں کچھ تبدیلی کر دو! تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ یہ راہ پائینی ہے یا اُن میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔“ جب وہ آگئی تو اس سے کہا گیا: ﴿اَحْكَمْ اَمْ عَرَشُكَ قَالَتْ كَاَنَّهٗ ۝﴾ ”کیا تیرا تخت بھی ایسا ہی ہے؟“ اس نے جواب دیا: گویا یہ وہی ہے۔“

ملکہ بتائیں کے خیال میں یہ تخت اس کا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ تو اسے یمن میں چھوڑ آئی تھی (اور پھر اس کی سجاوٹ میں تبدیلی بھی کر دی گئی تھی)۔ وہ نہیں سمجھتی تھی کہ کوئی اور بھی ایسی عجیب و غریب کارگیری اور ہنرمندی کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان اور ان کی قوم کی بات نقل فرمائی: ﴿وَاَوْثَيْنَا الْعِلْمَ مِنَ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ﴾ ”ہمیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے۔“ اس کے بعد فرمایا: ﴿وَصَدَقْنَا مَا كَانَتْ تُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِينَ ۝﴾ ”اے (سلیمان علیہ السلام) اسے اسے روک و باز دو اللہ کے سوا (سورج کی) پوجا کرتی تھی۔“ یقیناً وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔“ یعنی ملکہ اور اس کی قوم بلا دلیل صرف آباء و اجداد کی تقلید کرتے ہوئے آفتاب پرستی میں مبتلا تھے۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اس کام سے منع کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے شفاف شیشے کا ایک گلوبہ تیار کروا دیا تھا۔ اس کے نیچے پانی بہتا تھا اور پانی پر شیشے کی چھت تھی۔ اس پانی میں چھپلیاں اور دوسرے آبی جانور رکھے گئے تھے۔ جب ملکہ بتائیں وہاں پہنچی تو اس سے کہا گیا کہ میں شریف لے چلیے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر رونق افروز تھے۔ اسے دیکھ کر وہ کبھی کہ جو حوش ہے۔ اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ فرمایا یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے۔ کہنے لگی: ﴿رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ”میرے پروردگار میں نے اپنی جان پھلجھایا، اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرماں بردار بنتی ہوں۔“

كَانَتْ تُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ۝﴾ قَبْلِ لَهَا اَدْخُلِ الصَّخْرَ ۖ فَلَمَّا كَانَتْ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِیْهَا ۚ قَالَ اِنَّهَا صَخْرٌ مُّقَدَّرٌ مِنْ قَوَارِیْہٖ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾

”اے دربار والا! کوئی ترمیم سے ایسا ہے کہ قبل اس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر ہمارے پاس آئیں، بلکہ سہا کا تخت میرے پاس لے آئے؟ جنات میں سے ایک تو یہی جیل جن نے کہا: قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں اور میں اس (کے اٹھانے) کی طاقت رکھتا ہوں (اور) امانت دار ہوں۔“ اٹھ کھڑی، جس کو کتاب الہی کا علم تھا، کہنے لگا کہ میں آپ کی آنکھ کے جھپکنے سے پہلے اسے آپ کے پاس حاضر کیے دیتا ہوں۔ جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار بے پروا (اور) کرم کرنے والا ہے۔ سلیمان نے کہا کہ ملکہ کے (اختیار عقل کے) لیے اس تخت کی صورت بدل دوتا کہ دیکھیں کہ وہ سوچ سکتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو سوچ نہیں رکھتے۔ جب وہ آگئی تو پوچھا گیا کہ کیا آپ کا تخت بھی اسی طرح کا ہے؟ اُس نے کہا: یہ تو گویا وہی ہے اور کم کو اس سے پہلے ہی (سلیمان کی عظمت و شان کا) علم ہو گیا تھا اور ہم فرمانبردار ہیں۔ اور وہ جو اللہ کے سوا (اور کی) پرستش کرتی تھی، سلیمان نے اس کو اس سے منہ کیا (اس سے پہلے تو وہ کافروں میں سے تھی (پھر) اس سے کہا گیا کہ گھل میں چلیے۔ جب اُس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (پکڑا اٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ (سلیمان نے) کہا یہ ایسا بل ہے جس میں (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ بول اٹھی کہ پروردگار! میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی تھی اور اب میں سلیمان کے ہاتھ پر رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔“ (النمل: 34-38/27)

جب سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباری جنوں کو حکم دیا کہ بتائیں کے جھپکنے سے پہلے اس کا وہ تخت حاضر کر دیں، جس پر بیٹھ کر وہ دربار لگائی ہے تو ایک تو یہی جیل جن کہنے لگا: ﴿اَتَاٰنَا بِہٖ قَبْلِ اَنْ نُّقَدِّمَہٗ مِنْ قَعَامِہٖ﴾ ”آپ کے اپنی مجلس سے اٹھنے سے پہلے ہی میں اسے آپ کے پاس لا دیتا ہوں۔“ آپ اہم معاملات پر غور کرنے کے لیے اور عقدا م کے فیصلے کرنے کے لیے صبح سے دوپہر تک دربار منعقد کرتے تھے۔ اس نے کہا: میں یہ ذمہ داری ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ ﴿وَاِنِّیْ عَلَیْہٖ لَقَوِیْ اٰمِیْنَ﴾ ”یقین مانیے کہ میں اس پر قادر ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔“ تخت کے جواہرات میں خیانت نہیں کروں گا۔ دربار میں موجود ایک مومن جن نے عرض کی: ﴿اَتَاٰنَا بِہٖ قَبْلِ اَنْ یُّزَکَّہٗ لَکَ ۙ﴾ ”میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے ہی اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔“ اور واقعی بتائیں کا تخت تھوڑی دیر میں یمن

حضرت سلیمان علیہ السلام کا اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ اور بیت المقدس کی تعمیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَوَهَبْنَا لِأَوَّلَادِ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٠٠﴾ إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ الْغَنِيُّ أَضْفُتَ الْجِبَالِ ﴿١٠١﴾ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۖ حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿١٠٢﴾ رَدُّوهُ عَلَىٰ ظُلُوفٍ مَّحْطًا بِالسُّورِيِّ وَأَلْعَنَاقُ ﴿١٠٣﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَداً ثُمَّ أَنَابَ ﴿١٠٤﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكاً يَنْفَعُنِي لِأَخِي مِنْ بَعْضِ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿١٠٥﴾ فَفَعَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رَبَّاهُ حَيْثُ أَصَابَ ﴿١٠٦﴾ الشَّاطِئِينَ كُلَّ بَكَاءٍ وَغَوَّاصٍ ۖ وَآخَرِينَ مُقَرَّبِينَ بِإِذْنِ الْفَقْدَانِ ﴿١٠٧﴾ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠٨﴾ وَإِنَّ عِندَنَا لَوْفِي وَحْشَنَ مَائِدٍ ﴿١٠٩﴾

”اور ہم نے داد کو مسلمان عطا کیے۔ بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔ جب ان کے سامنے شام کو خاصے کے گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا (بولے کہ) اُن کو میرے پاس واپس لے آؤ پھر اُن کی باتوں اور کردگوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور ہم نے مسلمان کی آزمائش کی اور اُن کے سخت پر ایک دھڑ ڈال دی پھر انہوں نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا (اور) دعا کی کہ اسے پروردگار! مجھے معاف فرما اور مجھ کو اس کی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ چٹک تیزا عطا فرمانے والا ہے۔ پھر ہم نے ہوا کو اُن کے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے اُن کے حکم سے نرم چلے گئی اور یوں (جنات) کو بھی (اُن کے زیر فرمان کر دیا) وہ سب خمار تیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے اور اوروں کو بھی جو نغیر میں جکڑے ہوئے تھے (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو تو) احسان کرو یا (چاہو تو) کچھڑو (تم سے) کچھ محاسبہ نہیں ہے۔ اور چٹک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور مہرہ مقام ہے۔“ (ص: 38/40-39)

ایک شام حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں عبدوسل کے گھوڑے پیش کیے گئے۔ آپ ان کے معاینہ میں اس قدر مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز کا وقت گزر گیا، تاہم آپ نے نماز قصداً قضا نہیں کی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی شریعت میں اسے عذر کی وجہ سے نماز میں تاخیر جائز ہو۔

بعض علماء نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ آپ نے گھوڑے دوڑائے، جب نظروں سے اوجھل ہو گئے تو فرمایا: ”انہیں واپس لاؤ!“ پھر آپ ان کی پینڈیلیوں اور گردنوں پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿١٠٠﴾

”اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا“ پھر انہوں نے رجوع کیا۔“

مفسرین نے اس مقام پر بہت سی حکایات بیان کی ہیں جو زیادہ تر اہل کتاب سے ماخوذ ہیں۔ ان کا خلاصہ جیسے کہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے، کچھ یوں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت سے چالیس دن غائب رہے۔ پھر واپس آئے تو بیت المقدس کی تعمیر کا حکم دیا۔ آپ نے اس کی عمارت بہت مضبوط بنوائی۔ صحیح بات یہ ہے کہ بیت المقدس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے تعمیر کروایا تھا البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے دوبارہ تعمیر فرمایا۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے کہا: اللہ کے رسول! سب سے پہلے کون سی مسجد بنی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسجد حرام“ میں سے کہا: اس کے بعد؟ فرمایا: ”بیت المقدس کی مسجد۔“ میں نے کہا: ”ان دونوں کے درمیان کتنی مدت ہے؟“ فرمایا: ”چالیس سال۔“^①

یہ بات وضاحت کی محتاج نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے درمیان چالیس سال کا نہیں بلکہ ہزار سال سے زیادہ مدت کا وقفہ ہے اور آپ نے جو دعا کی تھی کہ کچھ عیسوی حکومت کی اور کو نہ ملے، وہ بیت المقدس کی (دوبارہ) تعمیر کے بعد کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس تعمیر کرایا تو اللہ سے تین دعائیں کیں۔ ان کی دو دعائیں قبول ہوئیں ایک تو تیسری قبول نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ وہ تیسری نعمت ہمیں (امت محمدیہ کو) ملے گی۔ آپ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ آپ کے فیصلے (حق پر حق اور باطل پر باطل) اللہ کے فیصلوں کے مطابق ہوں۔ اللہ نے یہ چیز دی۔ آپ نے دعا کی کہ آپ کو ایسی حکومت ملے جو کسی اور کے لائق نہ ہو۔ اللہ نے یہ چیز بھی عطا فرمائی۔ آپ نے دعا کی کہ جو شخص گھر سے صرف اس مسجد میں نماز کے ارادہ سے روانہ ہو، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے جس طرح اپنی ماں سے پیدا ہوتے وقت (گناہوں سے پاک) تھا۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ نے یہ دعا ہمارے حق میں قبول فرمائی ہے۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہکار فیصلے

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آپ کی اور آپ کے والد کی تعریف میں ان کے فیصلے کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3366، وصحيح مسلم، المساجد، باب المساجد، ومواضع الصلاة، حديث 520، مسند أحمد: 5/150.

② مسند أحمد: 2/176، سنن النسائي، المساجد، فضل المسجد الأقصى والصلاة فيه، حديث: 694.

ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (فحش) کے لائق نہ ہو۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آج رات ایک شریر جن میرے سامنے آ گیا تاکہ میری نماز خراب کرے۔ میں نے اس پر اللہ کی توفیق سے قابو پایا۔ میرا جی چاہا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اسے دیکھو۔ پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی وہ دعا یاد آگئی کہ انہوں نے فرمایا تھا: رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مَلِكًا كَذَلِكَ يَبْغِي رَحِمَتِي بَعْدِي“ ”اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک (اور ایسی حکومت) عطا فرما جو میرے سوا کسی کے لائق نہ ہو۔“ تب میں نے اسے ذیل کر کے چھوڑ دیا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: نبی ﷺ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ کو (نماز کے دوران میں) پیرماتے سنا: ”میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ میں تجھ پر اللہ کی لعنت بھیجتا ہوں۔“ تین بار فرمایا اور آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو کسی چیز کو چکنا چاٹتے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! ہم نے آپ کو نماز میں وہ بات کہتے سنا ہے جو بات کہتے پہلے کبھی نہیں سنا اور ہم نے آپ کو ہاتھ بڑھاتے دیکھا ہے (اس کی کیا وجہ ہے؟)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا کہ میرے چہرے پر پھینک دے۔ تب میں نے تین بار کہا: میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ پھر میں نے کہا: میں تجھ پر اللہ کی ساری لعنت بھیجتا ہوں۔ تین بار کہنے پر بھی وہ پیچھے نہ ہٹا۔ میں نے چاہا کہ اسے پکڑ لوں۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ دعا نہ کی ہوتی تو وہ صبح کو بندھا ہوا ملتا، مدینے والوں کے سچے اس سے کہیلے۔“

ان شاء اللہ کہنے کا نتیجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”حضرت سلیمان بن داود علیہ السلام نے فرمایا: ”میں آج ستر خواتین کے پاس جاؤں گا۔ ہر ایک سے ایک شہسوار پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔“ آپ کے ساتھی نے کہا: ”ان شاء اللہ کہیے!“ آپ نے نہ کہا، چنانچہ ان میں سے صرف ایک خاتون کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ اس کا بھی جسم ادھا تھا۔“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر آپ ان شاء اللہ کہہ دو تو آپ کی خواہش پوری ہوتی اور سچے پیدا ہو کر جو ان

① صحیح البخاری: ”أُحَادِثُ الْأَنْبِيَاءِ“ باب قول الله تعالى ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ﴾..... حدیث: 3423

② صحیح مسلم: ”المساجد“ باب حواجز لعن الشیطان فی أثناء الصلاة..... حدیث: 541 و مسند النسائی: ”السہو“ باب لعن

إبليس والتعوذ بالله منه فی الصلاة“ حدیث: 1216

سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک قالین تھا، جس میں لکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ آپ اس پر حسب ضرورت مکانات بنیے، گھوڑے، اونٹ، ساز و سامان اور جن و انس وغیرہ رکھ لیتے اور دشمنوں کے خلاف جہاد وغیرہ میں آپ اس ہوا کے ذریعے سے سفر کرتے تھے۔ آپ جہاں جانا چاہتے، آپ کے حکم سے ہوا اسے اڑا کر وہاں لے جاتی تھی اور آپ جس رفتار سے سفر کرنا چاہتے، ہوا ایسی تیزی سے چلتی تھی جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غَدَاً هَآشَهً وَرَوْحًا شَهْرًا ۚ وَاسَلَّمْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۚ وَمِنْ آيَاتِنَا مَنْ يَحْمِلُ الْبَيْنَ يَدًا بِدُحُرٍ ۚ وَآيَاتِنَا مَنْ يَنْفِخُ فِي قَوْفٍ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ۚ يَعْبُدُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَابِبٍ ۚ وَسَمَكَيْنِ ۚ وَحِجَابٍ كَالْجَوَابِ ۚ وَقُدُورٍ رَاسِيَتٍ ۚ رَعِمُوا أَلْ دَاوُدَ شُكْرًا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ مِنْ عِبَادِيَ الشُّكُورُ ۚ﴾

”اور ہوا کو (ہم نے) سلیمان کے تابع کر دیا تھا“ اس کی صبح کی منزل ایک مینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مینے بھری ہوتی اور ان کے لیے ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور جنوں میں سے کچھ ایسے تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا اس کو ہم (جنہی کی) آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ وہ جو چاہتے، یہ ان کے لیے بناتے تھے یعنی قلعے اور جسے اور (بڑے بڑے) لگن یعنی پیالے جیسے تالاب اور گئیں جو ایک ہی جگہ رکھی رہیں۔ اے داؤد کی اولاد! (میرا) شکر کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔“ (سبا: 13/12/34)

اللہ تعالیٰ نے جنوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطیع کر دیا تھا۔ وہ ان کے حکم سے ہر کام انجام دیتے تھے اور کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی حکم عدول کی جرأت کرتا تو آپ اسے سخت سزا دیتے تھے۔ وہ (جن) ان کے لیے عمرانی عمارتیں بناتے اور دیواروں پر تصویریں بناتے۔ یہ کام حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا اور بڑے بڑے حوض بناتے اور بڑی بڑی دیکھیں بناتے جو ایک ہی جگہ پڑی رہیں۔ ان میں کھانا پکانا کرفریب انسانوں کو اور بعض جانوروں کو کھلایا جاتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿رَعِمُوا أَلْ دَاوُدَ شُكْرًا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ مِنْ عِبَادِيَ الشُّكُورُ ۚ﴾ ”اے آل داؤد! شکر کے طور پر نیک عمل کرو۔ میرے بندوں میں شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔“

اس کے بعد فرمایا: ﴿وَالشَّيْطَانُ كُلُّ مَنَّا وَعَوَاظٍ ۚ وَالْأَخْيَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۚ﴾ ”ہر غمارت بنانے والے اور غرور خور جن کو بھی (آپ کے ماتحت کر دیا) اور دوسرے جنتا کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے۔“ یعنی کچھ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کرتے تھے اور کچھ شیطان جن آپ کی نافرمانی کرتے تھے۔ جنہیں زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا تھا۔ یہ سب جن اور انسان وغیرہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ماتحت مخلوقات میں شامل تھے۔ یہ آپ کی اس دعا کی توفیق کے مظاہر تھے جو آپ نے اس طرح فرمائی تھی: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مَلِكًا كَذَلِكَ يَبْغِي رَحِمَتِي بَعْدِي﴾ ”یارب! مجھے

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتْ

الْوَجْهَ أَنْ لَوْ كَانَُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

”پھر جب ہم نے ان کے لیے موت کا حکم صادر کر دیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے جو ان کا عصا کھا تا رہا۔ جب عصا گر پڑا تب جنوں کو معلوم ہوا (اور کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو

ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔“ (سبأ: 14/34)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد گھن کا کیڑا ایک سال تک ان کے عصا کو کھا تا رہا۔ تب آپ کا جسم مبارک گرا۔^①

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ کی عمر پچاس سال سے کچھ زیادہ تھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کا پیارا جعام بادشاہ ہوا۔ اس نے سترہ سال حکومت کی۔ اس کے بعد نبی اسرائیل کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔



ہوتے اور (وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔)^②

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سلیمان بن داود علیہ السلام نے فرمایا: ”آج رات میں سو عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ ہر ایک سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔“ آپ کو ان شاء اللہ کہنا یاد نہ رہا۔ آپ ان سب کے پاس گئے۔ ان میں سے کسی کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوا۔ صرف ایک خاتون سے آدھا بچہ پیدا ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مگر آپ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو آپ کی خواہش پوری ہو جاتی۔“^③

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک عظیم سلطنت ملی تھی۔ آپ کا حکم صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنوں، جانوروں اور پرندوں پر بھی چلتا تھا۔ آپ کو ہر چیز حاصل تھی اس لیے آپ نے فرمایا تھا: ﴿وَأَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”ہمیں سب کچھ دیا گیا ہے۔“

(النمل: 16/27) اور فرمایا: ﴿رَبِّ اعْظُمْنِي وَهَبْ لِي مَلِكًا لَا يَكُنْ لِي كُفًى بَعْضِي إِنَّكَ الْكَاهِلُ﴾ ”اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی کے لائق نہ ہو۔“ (ص: ۳۵) چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی کہ جسے چاہیں جتنا چاہیں عطا فرمائیں۔ آپ کا اس بارے میں کوئی محاسبہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک بادشاہ نبی کی شان ہے۔ ایک عبودیت کی شان رکھنے والا نبی کسی کو وہی کچھ دے گا جس کی اسے اجازت دی جائے گی۔

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپ چاہیں تو شانہ شان و شوکت والے نبی بن جائیں اور چاہیں تو [عَبْد] کی شان رکھنے والے نبی بن جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے اشارہ فرمایا کہ تواضع اختیار فرمائیے تو آپ نے بندگی کا مقام رکھنے والا نبی بننا پسند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت میں قیامت تک کے لیے خلافت اور حکومت مقرر فرمادی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا میں تمام نعمتیں عطا فرمائیں۔ اس کے علاوہ آپ کو آخرت میں بھی عظیم ثواب، بلند ترین مقام اور عزت و شرف سے سرفراز فرمایا جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَلَا يَكُنْ لَكَ عِندَنَا لُزْفٌ وَحْشٌ مَالٍ﴾ ”ان کے لیے ہمارے پاس بڑا اقرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے۔“ (ص: 40/38)

① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء: باب قول الله تعالى: ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ.....﴾: حدیث: 3424 و صحیح مسلم

الأیمان: باب الاستثناء في اليمين وغيرها: حدیث: 1654

② مسند أحمد: 275/2 و جامع الترمذی: النور و الأیمان: باب ماجاء في الاستثناء في اليمين: حدیث: 1532

کے متعلق مشورہ کریں۔“

✽ عقیدہ اور ایمان انمول ہیں: حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے سے یہ درس ملتا ہے کہ ایمان، عقیدہ، دین اور اسلام انمول ہیں۔ ان کے بدلے میں دنیا جہاں کی ساری دولت و امارت بیچ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کو سورج کی پوجا ترک کر کے مالکِ حقیقی کی عبادت کی دعوت دی اور اسے مومن بن جانے کا حکم نامہ ارسال کیا۔ بصورت دیگر جنگ کی سخت و نارنگ بھی دی۔ ملکہ نے آپ کو دینی بادشاہ سمجھ کر تجھے تھکاف دے کر وفدا ارسال کیا تو آپ نے انہیں جواب دیا:

﴿قَالَ أَتَيْتُكُمْ بِسُلْطَانٍ مِّنَ اللَّهِ نَبَأُ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَّا الْكُفْرُ ۚ بَنِ الْاَلَمْةَ وَهَذَا بَيْنَكُمْ تَفْخُؤُنَ ۝﴾

”کیا تم مال سے مجھے مدد دینا چاہتے ہو؟ مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے“ جو اس نے تمہیں دیا ہے“ لہذا تم ہی اپنے تجھے سے خوش رہو۔“ (النمل: 36/27)

یعنی تم ان ہی سے جو اہل ایمان ہیں ان کا اضافہ کر سکتے ہو جبکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان کے علاوہ ان سے بہتر نعمتوں سے نوازا ہے، لہذا تم ہی ان دنیاوی تحائف سے خوش رہو۔

اس طرح آپ نے تاقیامت آنے والے اہل ایمان حکمرانوں کو یہ درس دیا کہ وہ دین کی نشر و اشاعت اور اس کی سر بلندی کے بدلے بڑے سے بڑے دنیاوی لالچ کو بھی ٹھکرائیں اور ایمان و عقیدے کی دعوت کو دنیا میں غالب کر کے دم لیں۔ آپ کے اسوۂ حسنہ میں موجود دور کے مسلم حکمرانوں کے لیے درس عبرت ہے جو چند لوگوں کی خاطر ایمان اور اہل ایمان کے خلاف، یہود و یتیموں کے دست و بازو دیتے ہوئے ہیں۔ اس میں ان مادہ پرست، لالچی اور بوسے کے بارے میں حکمرانوں کے لیے بھی درس ہے جو چند روزہ عیش و عشرت کی خاطر ایمان اور عقیدے کو کھینچ دیتے ہیں اور کفار کے ساتھ یا رے مضبوط کرنے کے لیے اہل ایمان کے خلاف دن رات سازشوں میں مصروف رہتے ہیں۔

✽ تواضع اور انکسار کا درس: حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعے سے اہل علم کو تواضع اور انکسار کا درس ملتا ہے۔ علمائے کرام کو یہ درس ملتا ہے کہ انہیں اپنے علم پر غرور و تکبر میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ یہی علم کے موقیٰ جہاں اور جس سے ملیں حاصل کر لینے چاہئیں اس میں مقام و مرتبہ کو کاٹ نہیں جتنا چاہیے۔

ایک روز آپ نے بد کو غیر حاضر پایا تو سخت ناراض ہوئے اور اس کو سزا دینے کا ارادہ بھی فرمایا۔ جب بد بد حاضر ہوا تو اس نے ایک زبردست انکشاف کیا، نیز آپ سے کہا:

﴿اَسْطَلْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجَعَلْتُكَ مِنْ سَمَكٍ يَّمْنِيَّ ۝﴾

”میں ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ آپ کو اس کی خبر ہی نہیں۔ میں سہا کی ایک چٹی خبر آپ کے پاس لایا ہوں۔“

(النمل: 22/27)

نتائج و فوائد عَنِیْبِ وَرَحْمَتِیْنِ

✽ نظامِ شوریٰ کی اہمیت و افادیت: حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے سے نظامِ شوریٰ کی ضرورت و اہمیت اور افادیت و فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ حکام بالا کا اہل علم اور اہل دانش سے امور مملکت کے متعلق مشورہ ہمیشہ مملکت اور عوام کے لیے نفع مند ثابت ہوتا ہے کیونکہ فرد واحد کی رائے اور عقل و دانش سے اہلِ شر کے مجموعے کی رائے اور عقل و دانش بہتر ہوتی ہے۔ لیکن اگر حکام مجلسِ شوریٰ کے مشورے سے احتراز کرتے ہوئے فیصلہ کریں تو اس کے نقصانات اور مفاسد کے شواہد سے تاریخِ انسانی بھری پڑی ہے۔

ملکہ بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا دھکی آ میرِ خط موصول ہوا تو اس نے اکیلے ہی اس کے بارے میں فیصلہ نہیں کر لیا بلکہ اپنے امراء اور وزراء کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا:

﴿يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرٍ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ ۝﴾

”اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو نہیں کیا کرتی۔“ (النمل: 16/27)

اس طرح ملکہ نے ان سے مشورے کے بعد اپنے اور اپنے عوام کی بہتری اور فلاح والا فیصلہ کیا۔ اس سے یہ بھی درس ملتا ہے کہ سربراہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ شوریٰ ہی کی رائے کے مطابق فیصلہ کرے بلکہ مشورے کے بعد جو صورت اسے بہتر نظر آئے وہ اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

مشورہ اور رائے دہی کا یہ مفید نظام ہزاروں سال پر محیط ہر حکومت کے دستور و قانون کا اہم اور لازمی حصہ رہا ہے۔ البتہ مختلف ادوار میں اس کے مختلف انداز رہے ہیں۔ شوریٰ کی اس افادیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کا حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۝﴾

”اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔“ (آل عمران: 159/3)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ شوریٰ کے عمل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے امام ابنِ خزیمہ منداف سے نقل کرتے ہیں کہ حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علمائے کرام سے ایسے امور میں مشورہ کریں جو انہیں معلوم نہ ہوں یا جن کے بارے میں انہیں اشکال ہو، فوجی سربراہوں سے جنگی امور، عوامی نمائندوں سے عوام کی فلاح و بہبود اور مانت و ذراء و رؤساء سے ان کے علاقوں

”پھر ہم نے ان پر موت کا حکم بھیج دیا تو ان کی خبر جنات کو کسی نے ندی سوائے گھن کے کھڑے کے جو ان کے عصا کو کھارہا تھا“ پس جب (سلیمان) گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہو تو اس ذات کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔“ (سبأ: 14/34)

❦ توحید پرست بد مذہب توحید وہ درس ہے جس کے اقرار اور اسے یاد دلانے کے لیے ایک لاکھ سے زائد انبیائے کرام اور رسل مبعوث کیے گئے۔ انہیں کتب اور صحیفوں سے رہنمائی دی گئی۔ یہ درس ہر انسان کی فطرت و سرشت میں بھی رکھا گیا ہے لیکن انسان اسے فراموش کر کے در بدر شوگر بن کھاتا ہے۔ انسان اپنے اس جلی اور فطری درس کو غلط ماحول، یا تعلیم و تربیت کے سبب بھول جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔“
گو یا ہر انسان اسلام اور توحید کا درس اپنی جبلت میں لیے پیدا ہوتا ہے مگر اس کے والدین اسے گمراہ کر دیتے ہیں۔ توحید کا یہی درس اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا شعور و احساس جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ بد مذہب ملکہ بلیس اور اس کی قوم کو پروردگار عالم کو چھوڑ کر سورن کو پوجتے دیکھا تو اسے سخت حیرت ہوئی، نیز اس کی غیرت نے ان کی یہ حرکت گوارا نہ کی تو فوراً سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ان کی شکایت لے کر پہنچ گیا۔ ملکہ بلیس کو حاصل نعتوں کا تذکرہ کیا، پھر اس کے قبیح جرم کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

﴿مَجِدُّهُمْ وَقَوْمُهُمْ لِيَجْذُبُنَّ مِنَ الدِّينِ الْبَاطِلِ لَهُمْ الشَّيْطَانُ أَعْمَاهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۚ أَكَلَتْ سِجْنًا لِّبَنِي الْعَقَبِ فِي السَّبُوتِ وَالْأَرْضِ وَعِلْمَهُمْ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۚ﴾

”میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورن کو سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے، شیطان نے ان کے کام انہیں مزین کر کے دکھائے اور انہیں صحیح راہ سے روک دیا ہے، پس وہ ہدایت پر نہیں آتے کہ اسی اللہ کے لیے سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے۔“ (النمل: 25/24/27)

غیر اللہ کو پکارنے والے، ان سے اولاد و زرع طلب کرنے والے اور انہیں دیکھ کر غیب بخش ماننے والے انسانوں کے لیے توحید پرست بد مذہب کا کلام نصیحت و ہدایت سے کم نہیں۔

❦ فنِ تعمیر کا شاہکار رمل: ملکہ بلیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر فرما کر دار بن کر اپنے لشکر سمیت حاضر خدمت ہوئی تو آپ نے اسے اپنے اوپر انعامات ربانی کا نظارہ کروایا۔ ہواؤں، سرش جنوں اور جانوروں پر آپ کی بے مثال کھراکی کی جھلک اسے دکھائی گئی آپ نے اسے دنیوی شان و شوکت دکھانے کی غرض سے ماہرین فنِ تعمیر کو ایک شاہکار رکھنا بنائے

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کا ایسا مقام عظیم عطا فرمایا تھا کہ اس دور میں ایسا مقام کسی کو حاصل نہ تھا۔ نیز بادشاہت و سلطنت ایسی وسیع اور عظیم عطا کی تھی کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ مگر اس سب کے باوجود آپ نے بد مذہبی خبر پر اپنے علم و فضل پر غرور و غرور نہیں کیا۔ نہ نفعیہ ضعیف بد مذہب کے علم پر اعتراض کیا بلکہ انبیاء کی شان کے عین مطابق تواضع اور انکسار اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اچھا ہم تحقیق کرتے ہیں کہ تو سچا ہے یا جھوٹا۔ یعنی اگر تو واقعی سچا ہو تو تمہاری خبر کو تسلیم کر لیا جائے گا اور تیرے علم کو قبول ملے گی ورنہ تمہیں غیر حاضری کی سزا ملے گی۔

اس سے عہد حاضر کے علماء و مدرس عبرت ملتا ہے کہ وہ حق بات کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کیا کریں نہ اپنے علم و فضل پر غرور و تکبر کے مرض میں مبتلا ہوں بلکہ حق بات کو، بغیر یہ دیکھنے کہ قائل کس مقام و مرتبہ کا حامل ہے قبول کیا کریں۔
❦ عالم الغیب صرف ذات الہی ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام قصے سے اہل ایمان کے اس عقیدے کی توثیق ہوتی ہے کہ علم غیب صرف پروردگار عالم کے پاس ہے۔ علم غیب کا دعویٰ کرنے والے جن، جوتی، لوٹا گھٹنے والے لیرے پیر، کالے علم کی کاٹ کے ماہرین، طلوعی و لالی سرکاریں اور دیگر افراد اپنے دعووں میں جھوٹے اور دھوکے باز ہیں۔

اسی طرح جن لوگوں کا یہ باطل عقیدہ ہے کہ ”ہم کو ”حاکمان“ اور ”مہدیکون“ کی خبر ہوتی ہے وہ بھی غلط ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے لشکر کی دیکھ بھال کے دوران میں بد مذہب غیر موجدوں پایا تو اس کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

﴿فَقَالَ مَا لِي لَأَزِي الْعُذْهُدُ؟ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۚ﴾

”کیا کیا ہے کہ میں بد مذہبوں دیکھتا؟ کیا واقعی وہ غیر حاضر ہے؟“

اگر آپ کو ”حاکمان“ اور ”مہدیکون“ کی خبر ہوتی تو آپ بد مذہبی غیر موجدوں پر اس طرح اظہار نہ فرماتے۔ بد مذہبوں آ یا تو اس نے اپنی غیر حاضری کا اظہار جن الفاظ میں کیا وہ نبی کے لیے علم غیب کے دعویداروں کے خلاف واضح دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بد مذہبوں گویا ہوا:

﴿أَحْطَظُّ بِمَا كَمْ حُطَّ بِهِ ۚ﴾

”میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ آپ کو اس کی خبر ہی نہیں۔“ (النمل: 22/27)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں جن علم غیب کے دعویدار بن گئے تھے مگر انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کی خبر بڑے عرصے کے بعد معلوم ہوئی۔ وہ اس عرصے میں حسب سابق اپنے فرائض ادا کرتے رہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ڈر سے ڈرے بھڑکتا ہی سے ڈرتے رہے۔ اگر انہیں علم غیب ہوتا تو وہ طویل عرصے تک موت و مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَوَّتَبَتِ الْوَجْدُ

أَنْ لَّوْكَأَنَّوْا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۚ﴾

نے اس کمال درجے کی سرعت سے تخت اپنے پاس دیکھا تو فوراً اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے:

﴿ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَفْضُلُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّيَ عَزِيزٌ مُّقِيمٌ ۝۴۰﴾

”فرمانے لگے یہی میرے رب کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکرگزار کرتا ہوں یا ناشکری۔ شکرگزار اپنے ہی نفع کے لیے شکرگزار کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پروا اور بزرگ ہے۔“ (النمل: 40/27)

ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی لافعاہ نعمتوں پر ہر دم شکرگزار رہنا چاہیے تاکہ مزید رحمت الہی کا حصول ہو۔



کا حکم دیا۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں ماہرین نے ایک شاندار محل بنایا۔ محل کا فرش شفاف، چمکدار اور ملائم شیشے سے بنایا گیا۔ پھر اس کے بیچے سے پانی گرا کر کیا تو فرش کی خوبصورتی اور دلکشی دو بولا ہو گئی۔ فرش ایسے محسوس ہونے لگا جیسے پانی کا کوئی حوض ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام محل میں اپنے تخت پر تشریف فرما ہوئے اور پھر ملکہ بلقیس کو حاضری کی اجازت دی گئی۔ ملکہ محل میں داخل ہوئی تو فرش کی چمک دیکھ کر وہ سمجھی کہ پانی کا حوض ہے لہذا اس نے پانچے اوپر اٹھالے تاکہ پکڑے سکے۔

ہوں۔ اس پر اسے بتایا گیا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ شفاف و چمکدار فرش ہے۔ ملکہ بلقیس کے لیے یہ منظر بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کی یوں منظر کشی کی ہے:

﴿ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّخْرَ ۖ فَلَمَّا دَخَلَتْ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَخْرٌ مُّبَرَّدٌ ۚ قَوْلًا يُرَىٰ ۚ فَكَانَتْ رَبِّ إِيَّيْكَ تَلَكُمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمِينَ ۖ يٰلَهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۴۱﴾

”اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی جاؤ، جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا اٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں (سلیمان علیہ السلام نے) فرمایا یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے۔ کبھی گئی میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں۔“ (النمل: 44/27)

✧ شکرگزاری کا درس: حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے سے اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کا درس ملتا ہے۔ شکر ہی نعمتوں کے حصول اور پرانی نعمتوں کی بقا اور دوام کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَادْعُ تَانُونَ رَبَّهُمْ لَعَلَّ كُنْ شُكْرُهُمْ لَكَ يَوْمَ تَكْتُمُ ۝۴۲﴾

”اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکرگزار کری گے تو بے شک میں تمہیں زیادہ دہوں گا۔“ (ابراہیم: 71/14)

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو نبوت و بادشاہی سے سرفراز کیا۔ ان دو عظیم نعمتوں کے علاوہ درج ذیل بے مثال نعمتوں سے بھی آپ کو نوازا۔

✧ ہوا کو آپ کے تابع کر دیا گیا لہذا آپ مہینوں کا سفر لمحوں اور ساعتوں میں طے کر لیتے تھے اور اپنے تخت و لشکر کو جہاں چاہتے لے جاتے۔

✧ سرکش جن آپ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ لہذا وہ آپ کے حکم پر محلات اور قلعے تعمیر کرتے، سمندر میں ڈبئی لگا کر قیمتی پتھر اور موتی نکالتے اور ہر طرح کا حکم بجالاتے۔

✧ جانوروں کی لغت آپ کو سمجھا دی گئی لہذا آپ جانوروں کا کلام سمجھ کر حسب حال فیصلے فرماتے۔

✧ ملکہ بلقیس کے محل سے اس کا تخت چمک چمکتے ہوئے پہلے لااموجود کرنے والے افراد آپ کے پیروکار تھے۔ جب آپ

وَذُرِّيَّتُهَا مِنَ الْغُلَامِ الرَّحِيمِ ۖ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَوِيًّا ۖ حَتَّىٰ دَخَلَ عَلَيْهَا الْمَحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يَمْرُؤُكَ أَنَّىٰ لَكَ هَٰذَا إِذَا كُنْتَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَبْرُزُكَ مِنْ بَيْنِ شَعَاءٍ يَغْيَرُ حَسَابٌ ۖ ﴿٣٧﴾

”اللہ نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔ ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اسے پروردگار! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں۔ اُسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی سو (اسے) میری طرف سے قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ جب اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! میں نے تو لڑکی جنم دی ہے اور جو کچھ ان کے ہاں پیدا ہوا تھا، اللہ کو خوب معلوم تھا اور (نذر کے لیے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (نا تواں) نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تو پروردگار نے اس کو پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا اور اسے اچھی طرح پرورش کیا اور زکریا کو اس کا نفل بنایا۔ زکریا بھی کسی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم! یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ بولیں: اللہ کے ہاں سے (آتا ہے)۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔“ (آل عمران: 37/33/3)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے پابند شریعت اور اطاعت گزار افراد کو منتخب اور ممتاز فرمایا ہے۔ ان میں سے آل ابراہیم کو خاص شرف حاصل ہے جن میں آل اسماعیل بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد آل ابراہیم کے ایک پاک باز گھرانے کا شرف بیان فرمایا ہے۔ وہ حضرت عمران کا گھرانہ ہے جو مریم علیہ السلام کے والدہ محترمہ تھیں۔ حضرت عمران اپنے زمانے کے بہت نیک اور عبادت گزار آدمی تھے۔ مریم علیہ السلام کی والدہ محترمہ ”خضر بنت قاف“ بھی عبادت گزار خاتون تھیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہ السلام کی بہن ”اشیاع“ کے شوہر تھے۔ بعض علماء نے ”اشیاع“ کو حضرت مریم علیہ السلام کی خالہ اور حضرت زکریا علیہ السلام کو خالوق قرار دیا ہے۔ (والدہ العلم)

امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ اور دیگر علماء نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت مریم علیہ السلام کی والدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن انھوں نے ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے بچے کو چوگا دے رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ان کے دل میں اولاد کی شدید خواہش پیدا ہوئی اور انھوں نے نذرمان لیا کہ اگر اللہ نے اولاد دی تو اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی۔

علماء فرماتے ہیں: یہ نذر ماننے ہی انہیں مابانہ ایام شروع ہو گئے۔ جب وہ پاک ہوئیں تو ان کے شوہر نے ان سے متعارف نہ کی۔ جس کے نتیجے میں وہ امید سے ہو گئیں۔ جب پتی (مریم علیہ السلام) کو جنا تو کہنے لگیں: ﴿رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ﴾

قَالَ عِيسَىٰ ابْنُ مَرْيَمَ
وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِي كَاثِرًا
مَّا كُنْتُ أَفْضَا لِكُلِّ شَيْءٍ إِلَّا كَرِهَ مَنَانِي



حضرت عیسیٰ بن مریم

قرآن مجید میں حضرت مریم علیہ السلام کا تذکرہ نمبر

اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات میں عیسائیوں کے عقیدے کی تردید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ان پر برسے! وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے جو کچھ وہ کہتے ہیں بہت بلند و بالا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندوں میں سے ایک بندے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور ان کی شکل و صورت بنائی انہیں بغیر باپ کے پیدا فرمایا جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے کُن کہہ کر پیدا فرمایا۔ نیز حضرت مریم علیہ السلام کے حالات بھی بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِزْنَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۚ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَ اللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۚ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۚ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَ كُنِسَ الذَّكَرَ ۖ كَأَن لَّيْئِي سَيِّئًا مَّرْمِئًا ۖ وَإِنِّي أَعِيشُ هَا بَلَكَ

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَصَّيْتَ وَلَيْسَ الْكَذِبُ كَالْاَمْنِ“ ”پروردگار! میں نے تو لڑی جنم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ اس نے کیا جنم دیا؟ اور لڑا کو لڑی جیسا نہیں۔“ آپ کو امید تھی کہ لڑکا ہوگا۔ جب لڑکی پیدا ہوئی تو پامی سے کہا: یہ تو لڑکی ہے، مسجد کی خدمت نہیں کر سکے گی اور میری نذر پوری نہیں ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاِنِّیْ سَيِّئَةٌ مَّرِیْمَ﴾ ”میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔“ سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کا نام پیداؤش کے دن بھی رکھا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ مروی ہے کہ ان کے بھائی کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے جایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے بچے کو گھنٹی دی اور ”عبداللہ“ نام رکھ دیا۔^①

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر لڑکا اپنے عقیقے کے عوض گروی رکھا ہوتا ہے۔ ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے اور بچے کا نام رکھا جائے اور سر کے بال اتارے جائیں۔“^②

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی والدہ نے فرمایا: ﴿اِنِّیْ اَعْمَدُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتُهَا مِنَ الْقَطِیْنِ الْجَنُّوۃِ﴾ ”میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔“ ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور نذر بھی قبول ہو گئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہر بچے کو پیداؤش کے وقت شیطان چھوتا ہے، وہ شیطان کے چھوٹنے کی وجہ سے جینے لگتا ہے، سوائے حضرت مریم رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے۔“ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”پا ہوتو یہ آیت پڑھ لو: ﴿اِنِّیْ اَعْمَدُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتُهَا مِنَ الْقَطِیْنِ الْجَنُّوۃِ﴾ ”میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔“^③

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی نکاح کی کفالت میں

حضرت مریم رضی اللہ عنہا قوم کے سردار اور قائد کی بیٹی تھیں مگر وہ آپ کی پیداؤش کے وقت فوت ہو چکے تھے۔ دیگر مہرین قوم میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ اپنے سردار کی بیٹی کی پرورش کا شرف اسے ملے، لہذا قرعہ اندازی کی گئی تو یہ شرف حضرت زکریا رضی اللہ عنہ کے حصے میں آ گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تَتَقَبَّلُهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَلَمَلَتْهَا رَبًّا نَّبَاتًا حَسَنًا وَّوَكَّلَهَا زَكَوۃً﴾

① صحیح البخاری، العقیقہ: باب تسمیة المولود غداۃ یولد..... حدیث: 5470 و صحیح مسلم، ”الآداب“ باب استحباب تحنیک المولود..... حدیث: 2144

② مسند أحمد: 8/5 و سنن أبی داود، ”الضحايا“ باب فی العقیقہ، حدیث: 2837

③ مسند أحمد: 2/275

”پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پرورش دی۔ اس کی خیر خبر لینے والا ذکر کیا کو بتایا۔“ (آل عمران: 37/3)

بہت سے مفسرین نے فرمایا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئیں، آپ کی والدہ نے آپ کو کپڑے میں لپیٹا اور مسجد کی طرف تشریف لے گئیں۔ جو عبادت گزار وہاں موجود تھے، مریم کو ان کے حوالے کر دیا۔ وہ ان کے امام اور متقی آدمی کی بیٹی تھیں، اس لیے ان میں سے ہر ایک نے اسے پاس رکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مریم کی والدہ نے حضرت مریم کو خدام مسجد کے حوالے اس وقت کیا جب ان کی دودھ پلانے کی عمر گزر گئی اور اتنی عمر ہو گئی کہ ان کی پرورش کی ذمہ داری کسی اور کو سونپنا مناسب ہو۔

جب آپ کو خدام مسجد کے حوالے کیا گیا تو ان میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ آپ کی سرپرستی کون کرے گا؟ حضرت زکریا رضی اللہ عنہ ان کے تھے اور حضرت زکریا رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی بہن یا خالہ تھیں، اسی لیے آپ نے پناہ کے شرف ان کو حاصل ہو۔ دوسرے خدام بھی یہی خواہش رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے قرعہ ڈالنے کی تجویز پیش کی، چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی تو قرعہ حضرت زکریا رضی اللہ عنہ ہی کے نام نکلا کیونکہ خالہ ماں کے مقام پر ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَكَّلَهَا زَكَوۃً﴾ ”اور زکریا اس کے کفیل ہوئے۔“ کیونکہ قرعہ ان کے نام نکلا تھا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰثَآرِ الْغَيْبِ نُوۡجِیۡهِ اِنۡبَاۡكَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْہِمۡ لَآ یُخۡفَوۡنَ اَقۡلَامُہُمۡ اِنۡہُمۡ یَكۡفُلُوۡنَ مَوۡمِیۡہُ سَوۡمًا كُنْتَ لَدَیْہِمۡ لَآ یَخۡتَصِمُوۡنَ﴾

”(اے محمد!) یہ باتیں اخبار غیب میں سے ہیں جو ہم تمہارے پاس بھیجتے ہیں اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا کفیل کون بنے گا تو تم ان کے پاس نہیں تھے اور نہ اس وقت ہی ان کے پاس تھے جب کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔“ (آل عمران: 44/3)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا معروف قلم اٹھا کر ایک خاص جگہ رکھ دیا۔ پھر ایک نابالغ بچے سے کہا کہ ان میں سے ایک قلم اٹھائے۔ اس نے جو قلم اٹھایا وہ زکریا رضی اللہ عنہ کا تھا۔ سب نے کہا: ہم دوبارہ قرعہ اندازی کریں گے اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ سب لوگوں کے قلم ہتھ دیا میں ڈالے جائیں، جس کا قلم پانی کے بہاؤ کے خلاف اٹھنے پر نہ جھکے گا، وہ مریم کی کفالت کرے۔ جب قلم ڈالے گئے تو حضرت زکریا رضی اللہ عنہ کا قلم اٹھنے پر نہ جھکا۔ انہوں نے کہا: تمہاری بار قرعہ ڈالنا چاہیے۔ جس کا قلم پانی کے بہاؤ کے رخ چلے، وہ جیتے گا اور جس کا اٹھنے پر نہ جھکے گا وہ ہارے گا۔ اس دفعہ بھی سب کے قلم اٹھنے پر نہ جھکے گئے اور حضرت زکریا رضی اللہ عنہ کا قلم پانی میں سیدھے رخ بہتا رہا، چنانچہ حضرت زکریا رضی اللہ عنہ ہی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے سر پرست تسلیم کیے گئے۔ یہ ان کا شرعی حق بھی تھا اور قرعہ سے بھی

کی خوشخبری دے دی جو اسعد بنی اسرائیل کے رسول اور رہنما بننے والے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يٰمُوسَى إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰى عَلَیْكَ وَطَرٰکَ وَاصْطَفٰى عَلٰی نِسَاۃِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ یٰمُوسٰی اَنْتَیْ بِرَکٍ وَّ اَسْحَبٰی وَاَرْکَبٰی مَعَ الرَّیْکُوْنِ ۝ ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَاۃِ الْغَیْبِ وَنُوحِیْہُ اِلَیْکَ ۭ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْہُمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَہُمْ اَنْہُمْ یُکْتَلُ مَریَمَ ۭ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْہُمْ اِذْ یَخْصِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَتِ الْمَلَائِکَةُ یٰمُوسٰی اِنَّ اللّٰہَ یَبْخِیْکَ بِکَیْسَہٖ فِیْہٖ ۭ اَسْمَہُ الْمَسِیْحُ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیہًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنْ الْمُبٰدِیْنَ ۭ وَ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَہْدِ وَ کَهْلًا وَ مِنْ الصّٰلِحِیْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنْیَ یَکُوْنُ لِیْ وَکَلٌ وَّلَمْ یَمْسَسْہِیْ بَکْرَہٗ قَالْ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یُخَلِّقُ مَا یَشَآءُ اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاَیْمًا یَقُوْلُ لَنْ یُعٰوَدَ لَکَ فِیْہِ الْکِیۡتُ وَ الْحِکْمَۃُ وَ التَّوْرَۃُ وَ الْاِنْجِیْلِ ۭ وَ رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنْیَ قَدْ جَعَلْنٰکُمْ بَآئِیۡہٗ مِنْ رَّبِّکُمْ ۭ اَنْیَ اَخْلَقْ لَکُمْ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کَہِیۡنَہٗ الظّٰلِمِیْنَ قَاتِلُہٗ فِیْہِ فِیۡکُوْنُوْا طٰیۡرًا یَاۡذِیۡنَ اللّٰہَ ۭ وَ اُتِیۡرِیۡ اِلَیۡکَہٗ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُنۡحٰی الْمَوٰتِیۡ یَاۡذِیۡنَ اللّٰہَ ۭ وَ اَنْتَکُمْ بِمَا تَاۡکُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیۡ بُیُوتِکُمْ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَآیَۃً لِّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیۡنَ ۭ وَ مَصَدَّقًا لِّمَا یَبْدِیۡ بِکَ مِنَ التَّوْرَۃِ وَ لِاٰجَلِ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیۡنَ حٰوَمَ عَلَیْکُمْ وَ جَعَلْنٰکُمْ بَآئِیۡہٗ مِنْ رَّبِّکُمْ ۭ قَاتِلُوْا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰہَ رَءِیُّ وَرَبِّکُمْ فَاعْبُدُوْہٗ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیۡمٌ ۝﴾

”اور جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم! اللہ تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں میں منتخب کیا ہے۔ مریم! اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا اور کچھ کرنا اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا۔ (اے محمد!) یہ تین اخبار غیب سے ہیں جو ہم تمہارے پاس بھیجے ہیں اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا لفیل کون بنے؟ تو تم اُن کے پاس نہیں تھے اور نہ اس وقت تھی ان کے پاس تھے جب وہ آپ میں گھڑ رہے تھے (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اے مریم! اللہ تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ ابن مریم ہوگا (اور جو) دنیا اور آخرت میں باہر اور (اللہ کے) خاصوں میں سے ہوگا اور ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہوکر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے یکساں کلام کرے گا اور نیکو کاروں میں ہوگا۔ مریم نے کہا کہ پروردگار! میرے ہاں بچے کیسے ہوگا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تو لگا دیا نہیں؟ فرمایا کہ اللہ ای طرح جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ انہیں لکھتا (پڑھتا) اور دانائی اور تورات اور انجیل

انہی کا حق ثابت ہوا۔^① ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿کَلِمًا دَخَلَ عَلَیْہَا ذَکُوْرًا مِّنَ الْمَعْرَابِ ۖ وَجَدَ عِنْدَہَا رِزْقًا ۖ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنْتِ لَکِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ۚ اِنَّ اللّٰہَ یَزِیۡرُکَ مِنْ نِّشَآءٍ یَّغْیِرُ حِسَابَ ۝﴾

”جب کبھی ذکر بیان کے حجرے میں جاتے، ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے، وہ پوچھتے: اے مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ وہ جواب دیتیں: یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے، بے حساب روزی دے۔“ (آل عمران: 37/3)

مفسرین فرماتے ہیں: حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے لیے مسجد میں ایک مناسب جگہ مقرر کر دی تھی جہاں ان کے سوا کوئی نہیں جاتا تھا۔ آپ وہاں عبادت میں مشغول رہتیں اور اپنی باری پر مسجد کی خدمت کے ضروری فرائض انجام دیتیں۔ آپ رات دن عبادت میں مشغول رہتی تھیں، حتیٰ کہ آپ کی عبادت بنی اسرائیل میں ضرب المثل بن گئی۔ آپ کی شریفانہ عادات اور عمدہ صفات مشہور ہو گئیں، یہاں تک کہ کیفیت یہ ہو گئی کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کی عبادت کے حجرے میں تشریف لے جاتے، انہیں وہاں بے موسم پھل نظر آتے، یعنی موسم سرما میں گرمیوں کے میوے اور موسم گرما میں سردیوں کے پھل موجود ہوتے تھے۔ آپ پوچھتے: ﴿یٰمَرْیَمُ اَنْتِ لَکِ هٰذَا﴾ ”مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟“ وہ جواب دیتیں: ﴿هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ۚ اِنَّ اللّٰہَ یَزِیۡرُکَ مِنْ نِّشَآءٍ یَّغْیِرُ حِسَابَ﴾ ”یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے حساب روزی دے۔“

یہ عجوبہ دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں بیٹے کی خواہش پیدا ہو گئی حالانکہ آپ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ تب آپ نے فرمایا: ﴿رَبِّ هَبْ لّیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیۃً طَیِّبَۃً ۚ اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ﴾ ”اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔“ (آل عمران: 38/3)

بعض علماء کے بقول حضرت زکریا علیہ السلام نے اس طرح دعا کی تھی: ”اے مریم کو بے موسم پھل عطا کرنے والے! مجھے بھی بے موسم اولاد عطا فرما دے!“ پھر وہ سب کچھ ہوا جو تم پہلے ان کے حالات میں بیان کر چکے ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کی خواتین عالم پر سرفرازی

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو پاک کر کے اپنا برگزیدہ بنالیا اور انہیں عورتوں میں سے منتخب فرما کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو مقام صدیقیت کی حامل خواتین میں سب سے بلند مقام عطا فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چار خواتین تمام جہانوں کی عورتوں سے افضل ہیں:

مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی آسیہ، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت رسول ﷺ۔“^① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”جب آپ نے جبکہ کر نبی کریم ﷺ کی بات سنی تھی تو آپ کیوں رو پڑی تھیں اور پھر کیوں ہنس دی تھیں؟“ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ آپ اپنی بنیادی میں وفات پا جائیں گے۔ اس پر مجھے رونہ آیا، پھر میں سمجھی تو آپ نے فرمایا کہ گھر کے افراد میں سے سب سے پہلے میں (فوت ہو کر) آپ سے جا ملوں گی اور یہ بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا تمام خواتین جنت کی سردار ہوں گی، جب میں ہنس دی۔“^②

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا چار خواتین میں سے حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا درجہ زیادہ ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مردوں میں تو بہت سے افراد کامل ہوئے۔ عورتوں میں صرف فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران کامل ہوئیں۔“ عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری عورتوں سے اس طرح افضل ہیں جس طرح شید دوسرے تمام کھانوں سے افضل ہوتا ہے۔“^③

کمال سے مراد فاطمہ علیہا السلام اپنے دونوں کمال کا حصول ہے کیونکہ ان دونوں خواتین نے ہونے والے نبیوں کی پرورش کی۔ حضرت آسیہ علیہا السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی۔ حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس امت میں کوئی خاتون کمال کے اس درجے کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ حضرت خدیجہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کا کمال ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بیعت سے پہلے چند روز مال اور بیعت کے بعد دس سال گزارے۔ اپنی تمام دولت اللہ کی راہ میں قربان کر دی اور مشکلات کے دور میں آپ کی دلجوئی فرمائی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہنوں پر یہ افضلیت حاصل ہے کہ انہیں نبی ﷺ کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا جب کہ آپ کی دوسری بہنیں نبی ﷺ کی زندگی میں فوت ہو چکی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کو نبی کریم ﷺ کی محبت میں سے وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کے سوا کوئی ام المؤمنین کنواری ہونے کی حالت میں نبی ﷺ کے نکاح میں نہیں آئیں۔ جب منافقوں نے آپ کی عزت پر انگشت

① مسند أحمد: 368/2

② صحیح البخاری، الاستغذان، باب من ناجی بنی بدي النام،..... حدیث: 6285/6286 و صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة..... حدیث: 2450

③ صحیح البخاری، فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل عائشة رضی اللہ عنہا، حدیث: 3769

کھانے گا اور (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف متغیر ہو کر آئیں گے اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ وہ یہ کہ تمہارے سامنے منیٰ کی مورت پر شکل پرندہ بناتا ہوں پھر اس میں چھوٹک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے (جھجک) پرندہ بن جاتا ہے اور اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں منع کر رکھتے ہو، سب تم کو بتا دیتا ہوں۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لیے بھی (آیا) ہوں کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لیے حلال کر دوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، لہذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو! کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی اور تمہارا پروردگار ہے، سو اس کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔“ (آل عمران 42/3-51)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو خوش خبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے زمانے کی تمام عورتوں میں بلند مقام عطا فرمایا ہے اور انہیں اس شرف کے لیے منتخب فرمایا ہے کہ ان کے ذریعے سے اللہ ایک بغیر باپ کے بچہ پیدا کرنے کی قدرت کا اظہار فرمائے گا۔ اس کے علاوہ یہ خوش خبری بھی دی کہ پیدا ہونے والا بچہ ایک معجز نبی ہوگا۔ وہ لوگوں سے اپنے گوارے میں بائیں کرے گا۔ وہ بچپن میں بھی لوگوں کو توحید کی دعوت دے گا اور ادھر عمر میں بھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ اور عیسیٰ کو بچپن میں اور اس عمر میں بھی لوگوں کو توحید کی طرف بلاتے گے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیا گیا کہ بکثرت عبادت اور کدو، دجھو میں مشغول رہیں تا کہ اس عزت افزائی کی استحقاق ثابت ہو اور اس نعمت کا شکر ادا ہو۔ اس حکم کی تعمیل میں آپ بہت طویل قیام کیا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے والدین پر رحمت نازل فرمائے۔

فرشتوں نے کہا: ﴿يَسْمِعُ رَبُّنَا إِلَهُ أَصْطَفَاكَ وَطَهَّرَكَ وَأَصْطَفَاكَ عَلَى نِسَاء الْعَالَمِينَ﴾ ”اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کر لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تیرا انتخاب کر لیا۔“ اس سے مراد اس زمانے کی عورتوں پر افضلیت بھی ہو سکتی ہے اور ہر زمانے کی تمام خواتین پر افضلیت بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ بعض حضرات کے نزدیک حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت کا مقام حاصل تھا۔ ان علماء کے نزدیک حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بھی نبی تھیں کیونکہ ان سے فرشتوں نے کلام کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لیے قرآن مجید میں ”وہی“ کا لفظ وارد ہے۔ اس صورت میں آیت کا یہ مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام ان خواتین سے بھی افضل ہیں۔ تاہم امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اہل سنت و جماعت کے اکثر علمائے کرام کا موقف یہ ہے کہ نبوت کا منصب مردوں کے لیے خاص ہے اور عورتوں میں سے کوئی مقام نبوت پر فائز نہیں ہوئی، لہذا آیت مبارکہ

فرمائی کہ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کی بریت نازل فرمائی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد تقریباً پچاس سال زندہ رہیں۔ اس دوران میں آپ ﷺ قرآن و سنت کی تبلیغ میں مشغول رہیں، مشکل شرعی مسائل میں آپ فتوؤں کے ذریعے سے امت کی رہنمائی فرمائی رہیں اور اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں صلح کروائی رہیں۔ اس لیے بعض علمائے کرام نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کو ام المومنین حضرت خدیجہؓ سمیت تمام امہات المومنینؓ سے افضل قرار دیا ہے، تاہم حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کو ایک دوسرے سے افضل قرار دینے کے مسئلہ میں خاموشی یا بہتر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت

اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت حوا علیہ السلام کو بغیر ماں کے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس معجزہ العقول واقعہ کو سورہ مریم میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَذْكُرُ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۖ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۖ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ نَدْتِ نَفْسِي ۖ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ۖ اهْبِئْ لِي غُلَامًا زَكِيًّا ۖ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۖ قَالَ كَذَلِكِ قَالَ رَبُّهُ هُوَ لَا يَخِفُّ هُنَّ وَلَيُجْعَلُنَّ أُمَّةً لِنَاسٍ أَرْءَاهُمْ ۖ فَمَتَّأَوْا مَضًى ۖ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۖ فَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلِ ۖ قَالَتْ لِأَيْمَانِي إِذْ قَبِلْتُ هَذَا ۖ وَكُنْتُ نَسِيًّا غَسِيًّا ۖ فَجَاءَهَا مِنْ تَحْتِهَا أَكْرَ تَخَوُّنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحِيَّكَ سَرِيًّا ۖ وَهَزَيْتِ الْيَدَيْنِ يَجْنِعُ الْخَلَّةُ تَشْقِطُ عَلَيْهِمَا طَبْعًا جَدِيًّا ۖ فَكُلِّي وَاشْرَبِي وَكَرِي عَيْنًا ۖ فَإِمَّا تَرَيْنِ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقَوِي ۖ إِنَّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أَكَلِمَ الْيَوْمَ لِنَاسٍ ۖ فَلْتَبَيِّهْ بِهِمْ ۖ فَهَمَزَ تَجْلَهُ قَالُوا لِمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۖ بَاحَتْ هَوْنًا مَا كَانَ الْبُولُ أَمْرًا سَوًّا ۖ وَمَا كُنْتَ أَهْلَ بَغْيًا ۖ فَانْشَارَتِ الْبُيُوتُ قَالُوا كَيْفَ نُحْكِمُ مَنْ كَانَ مِنَ الْبُهَلَاءِ صَبِيًّا ۖ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ الْخَاشِعُ الْكَتِيمُ ۖ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالْزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ وَبَرَّأَوَالِدِي ۖ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۖ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۖ ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۖ مَا كَانَ لِلَّهِ

أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدِكُمْ سِبْغَةً إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۚ فَاتَّخَفَ الْأَكْثَرُ مِنْهُمْ بَيْنَهُمْ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ فُشْهَبَ يَوْمَ عَظِيمٍ ۝

”اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کرو جب وہ پہنچے گا والوں سے الگ ہو شرق کی طرف چلی گئی
انہوں نے اُن کی طرف سے پردہ کر لیا (اُس وقت) ہم نے اُن کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا تو وہ اُن کے سامنے ٹھیک
آدی (کی شکل) بن گیا۔ مریم بولیں کہ اگر تم پر یہیزگار ہو تو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں
تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں (اور اس لیے آئی ہوں) کہ تمہیں پا کیزہ لڑکا دوں۔ مریم نے کہا کہ
میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ مجھے کسی بشر نے چھوایا نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔ (فرشتہ نے) کہا کہ اپنی
(ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ میرے لیے آسان ہے اور (میں اُسے اسی طریق سے پیدا کروں گا)
تا کہ اُس کو لوگوں کے لیے اپنی طرف سے نشانی اور (ذریعہ) رحمت (اور مہربانی) بناؤں اور یہ کام مقرر ہو چکا
ہے۔ سو وہ اس (بچے) کے ساتھ حاملہ ہو گئیں اور اسے لے کر ایک دو درجہ چلی گئیں پھر دروزہ اُن کو بھجور کے
کی طرف لے آئے۔ یہ نگیں: کاش! میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور بخوبی برسی ہو جاتی۔ اُس وقت ان کے
بیچہ کی جانب سے فرشتے نے اُن کو آواز دی کہ رغناک نہ ہو۔ تمہارے پروردگار نے تمہارے بیچہ ایک چشمہ جاری
کر دیا ہے اور بھجور کے ستے کو پکڑ کر اپنی طرف لے آئے۔ تم پر تازہ بھجوریں جھڑ پڑیں گی۔ تو کھادو اور پیو اور آکھیں
ٹھنڈی کرؤ اگر تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہنا کہ میں نے اللہ کے لیے روزے کی منت مانی ہے لہذا اُن میں کسی آدمی
سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔ پھر وہ اس بچے کو اٹھا کر اپنی قوم کے پاس لے آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ مریم! یہ تو نے
برا کام کیا ہے۔ اے باروں کی بہن! نہ تو میرا بچہ بد اطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکاری تھی۔ تب تو مریم نے
اُس لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بولے کہ تم اس سے کیسے بات کریں گی کیونکہ یہ تو گود کا بچہ ہے۔ بیچنے نے کہا کہ
میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے تمہاری ہی اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں ہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے
صاحب برکت کیا ہے اور جب تک زندہ رہوں مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیک
سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سر شہد بد بخشتہ نہیں اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مردوں گا اور جس دن
زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلا (ورست) ہے۔ یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں۔ (اور یہ) جتنی بات ہے جس میں
لوگ شک کرتے ہیں۔ اللہ کو سزا اور نہیں کہ کسی کو چاہنا ہے، وہ پاک ہے۔ جس کی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُس سے
جہی کہتا ہے کہ ہو گا تو وہ ہو جاتی ہے اور بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے سو اسی کی عبادت کرو ابھی
سیدھا راستہ ہے۔ پھر (اہل کتاب کے) فرقوں نے باہم اختلاف کیا۔ جو لوگ کافر ہوئے ہیں اُن کے لیے

ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق اس کی قدرت کا مکمل مظاہر ہے۔ وہ اسباب و علل کا محتاج نہیں۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، جن کی پیدائش میں نہ کسی مرد کا حصہ تھا نہ عورت کا۔ اسی نے حضرت حوا علیہ السلام کو صرف مرد سے پیدا کیا۔ اس نے باقی سب کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ماں سے بغیر باپ کے پیدا کرے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَتَجْعَلَنَّ آيَةً لِّلنَّاسِ وَحُصَّةً مِّنَّا﴾ ”تم تو اسے لوگوں کے لیے ایک نشان بنادیں گے اور اپنی خاص رحمت۔“ وہ جوانی اور بڑھاپے میں اللہ کی طرف بلائے والا ہوگا۔ ﴿وَكَانَ أَمْرًا قَعَقِيًّا﴾ ”یہ تو ایک سے شدہ بات ہے۔“

متعدد علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہ السلام کے گریبان میں چھوٹک ماری۔ یہی چھوٹک آپ کے بطن میں پہنچ کر بچے کی ولادت کا سبب بن گئی۔ بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کے منہ میں چھوٹک ماری تھی۔ لیکن یہ ساقول زیادہ صحیح ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتْ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَيْنَا قُرْبَهَا فَفَقَحْنَاهَا فَبِئْرٍ مِّن دُونِنَا﴾

”اور مریم بنت عمران، جس نے اپنی ماموں کی حفاظت کی۔ پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں ایک جان چھوٹک دی۔“ (التحریم: 12/66)

آپ بطن مادر میں کتنا عرصہ رہے؟ بظاہر یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح عورتوں کی حالت ہوتی ہے، اسی طرح حضرت مریم علیہ السلام کی کیفیت ہوتی، یعنی تقریباً نو ماہ کی مدت اس حال میں گزری۔ بعض کہتے ہیں کہ حمل ولادت کا سارا معاملہ آٹا فافاٹے ہو گیا۔ بعض لوگوں نے نو گھنٹے کی مدت بیان کی ہے۔ وہ اس فرمان الہی سے استدلال کرتے ہیں: ﴿فَلَمَّا عَلِمَتِ الْغَاسِقَ آتَتْهَا رَبُّهَا بِالْخَبَرِ لِيَذَعَ الْغَلَّةَ﴾ ”پس وہ حمل سے ہو گئیں اور اسی وجہ سے وہ ایک سو ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئیں۔ پھر درد زہ انہیں ایک کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا۔“ (تحریم: 23/229)

تاہم یہ استدلال مضبوط نہیں بلکہ یہ معمول کے مطابق حمل اور ولادت کا معاملہ تھا۔

حضرت مریم علیہ السلام کے امید سے ہونے کی خبر جبریل علیہ السلام کی جس سے آپ کو اور آپ کے خاندان کو بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض بدکردار لوگوں نے آپ کو یوسف بنجار کے ساتھ متم کر دیا۔ وہ بھی ایک نیک آدمی تھا جو بیت المقدس میں عبادت میں مشغول تھا۔ چنانچہ مریم علیہ السلام ان سب سے الگ ہو کر ایک دور دراز مقام پر تشریف لے گئیں۔ بعض روایات کے مطابق آپ ”بیت لحم“ کی ہستی میں چلی گئیں۔ بعد میں اسی مقام پر کسی بادشاہ نے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کر دی۔

”پھر درود زہ اسے ایک کھجور کے تنے کے قریب لے آیا۔ اور بے ساختہ زبان سے نکلا: ﴿يَا بَلْعَمَىٰ مِثَّ قَبْلِ هَذَا وَكُنْتَ كَسَمَاءَ قَلْبِي﴾“ ”کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور (لوگوں کی یاد سے بھی) بھولی نہ رہی ہو جاتی۔“ (تحریم: 23/19)

بڑے دن (قیامت کے روز) حاضر ہونے سے خرابی ہے۔“ (تحریم: 37-16/19)

﴿وَالَّتِي أَحْصَيْنَا قُرْبَهَا فَفَقَحْنَاهَا مِنْ دُونِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾

”اور (اس) مریم کو (بھی یاد کرو) جس نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا۔ ہم نے ان میں اپنی روح چھوٹک دی اور ان کو اور ان کے بیٹے کو اہل عالم کے لیے نشان بنادیا۔“ (الآیاء: 91/21)

جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، حضرت مریم علیہ السلام کو ان کی والدہ محترمہ نے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آپ کے سر پرست حضرت زکریا علیہ السلام تھے جو اللہ کے نبی تھے۔ انہوں نے آپ کے لیے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا کہ وہاں اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔ آپ نے اتنی محنت اور شوق سے اللہ کی عبادت کی کہ اس دور میں اس کی مثال نہیں ملتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ پر خاص فضل کیا اور یہ مومن بھل عطا فرمائے۔

فرشتوں نے آپ کو اللہ کی منتخب بندی ہونے کی بشارت دی۔ نیز یہ بشارت بھی دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بیٹا عطا فرمائے گا جو انتہائی پاک باز معزز، بلکہ ایک محترم نبی ہوگا، جسے معجزات دیے جائیں گے۔ حضرت مریم علیہ السلام کو اس خوش خبری پر بہت ہوا۔ کیونکہ وہ شادی شدہ بھی تھیں اور بدکرداری سے بھی مبرا و منزہ تھیں۔ فرشتے نے انہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جب کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لے تو اس کا ”کُن“ کہنا کافی ہوتا ہے۔ وہ کام بغیر اسباب کے بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت مریم علیہ السلام نے اللہ کی مرضی پر تسلیم فرم کر دیا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ معاملہ ان کے لیے ایک بڑی آزمائش کا باعث ہوگا۔ لوگ حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے زبان طعن دراز کریں گے کیونکہ عام لوگ ظاہر کو دیکھتے ہیں، غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ حضرت مریم علیہ السلام صرف ضروری کام کے لیے بیٹا پلائی اور بغیر لینے کے لیے مسجد سے نکلی تھیں یا ماہنامہ عذر کے ایام مسجد سے باہر گزارتی تھیں۔ ایک دن وہ کسی کام کے لیے مسجد سے نکلیں اور گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک مشرقی مکان میں آئیں۔ ”یعنی مسجد اقصیٰ کے مشرق کی طرف تشریف لے گئیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس جبریل علیہ السلام کو بھیج دیا۔ پس وہ ان کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ جب انہوں نے فرشتے کو دیکھا تو اسے انسان سمجھ کر بولیں: ﴿أَنَّىٰ نَعْبُدُكَ يَا لَاحِظِينَ إِنَّكَ لَنَاقِيَةٌ﴾ ”میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔“ جبریل علیہ السلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے واضح کیا کہ وہ انسان نہیں بلکہ انہیں اللہ نے یہ خوش خبری دینے کے لیے بھیجا ہے کہ آپ کو ایک پاک باز بیٹا ملا ہے۔ انہوں نے توبہ سے کہا: ﴿أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَقَدْ رَأَيْنَا بَعَثًا﴾ ”بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں؟“

فرشتے نے جواب دیا کہ یہ تو اللہ کا حکم ہے جو پورا ہو کر ہے گا۔ تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ یہ مجھ پر بہت آسان

کے ایک عبادت گزاروں تھے۔ مریم بھی اسی کی طرح بہت عبادت کرتی تھیں۔ اس لیے لوگوں نے آپ کو اس سے تشبیہ دیتے ہوئے باروں کی بہن کہہ دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کے نبی باروں علیہ السلام کی طرح عبادت گزار ہو۔ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ نے آپ علیہ السلام کو موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کی سگی بہن قرار دیا ہے یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کی صداقت کا قائل ہے۔

حضرت غفرہ بن شعبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”مجھے رسول اللہ ﷺ نے نجران بھیجا۔ وہاں کے لوگوں نے مجھ سے کہا: تم لوگ جو قرآن میں پڑھتے ہو ﴿يَا أَيُّهَا هَؤُلَاءِ﴾ ”اے ہارون کی بہن!“ موسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ علیہ السلام سے بہت مدت پہلے گزرے ہیں؟ (پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟) وہ فرماتے ہیں: میں نے سفر کر کے (مدینہ پہنچ کر) رسول اللہ ﷺ سے یہ بات بیان کی۔ آپ نے فرمایا: ”تو نے انہیں کیوں نہ بتایا کہ وہ لوگ اپنے انبیاء و اولیاء کے نام پر نام رکھ لیا کرتے تھے؟“ ①

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم کا ایک بھائی ہارون بھی تھا جو دین داری، نیکی اور عبادت میں مشہور تھا۔ اس لیے انہوں نے کہا: ﴿مَا كَانَ آلُ يُوسُفَ أُمَّةً سَوَاءً وَمَا كَانَتْ أَقْلَابُ بَنِيَّاءَ﴾ ”نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا، نہ تیری ماں بد کا تھی۔“ (ترمذی: 28/19) یعنی تیرا بھائی بھی نیکی تھا، ماں باپ بھی نیک تھے، پھر تجھ سے یہ غلطی کی طرح ہوگئی؟

جب صورت حال نازک ہوگئی اور اللہ کے سوا کہیں سے مدد کی توقع نہ رہی تو مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اسی سے پوچھو، یہ خودی حقیقت کا اظہار کرے گا۔ سب کہنے لگے: ﴿كَيْفَ نَكُونُ مِنْ غَانٍ فِي الْهَيْدِ صِدْقًا﴾ ”لو بھلا ہم گو کے بچے سے کیسے باتیں کریں؟“ (ترمذی: 29/19)

جب حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے قوم کے پاس تشریف لائیں، قوم کے لیے یہ تسلیم کرنا ناممکن ہو گیا کہ بغیر باپ کے کبھی بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم سے معجزانہ خطاب کیا۔

وہ حضرت مریم علیہا السلام سے بحث کر رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ وہ ہم سے مذاق کر رہی ہیں۔ اچانک بچہ معجزانہ طور پر بول اٹھا:

﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنَّمَا أُتِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ وَجَعَلَنِي صِدْقًا إِنَّ مَآ لَدُنَّكَ وَأَوْصِيَنِي بِالْحَقِّ ۖ وَاللَّهُ وَهَّابٌ مَّاءً مَدَّتْ حَيًّا ۖ وَبَرَّكَ الْوَالِدَ الَّذِي كَلَّمَ جَعَلَنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۖ وَالتَّسْلِيمَ عَلَيَّ يَوْمَ وَلَدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۖ﴾

”میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے

مستقبل کے نظرات میں گھری ہوئی تھیں۔ آپ کو یقین تھا کہ لوگ آپ کی باتوں پر اعتبار نہیں کریں گے بلکہ الزام تراشی اور طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کر دیں گے۔ آپ ایک مقدمہ گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اور خود بھی عبادت کے لیے غلوت نشین تھیں اور زہد ریاضت میں ممتاز تھیں۔ لوگ آپ کے بارے میں ہر قسم کی بدگمانی کا اظہار کریں گے یہ خدشہ آپ کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ اس لیے آپ کی زبان پر موت کی خواہش کے الفاظ آگئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ هُمْ أَكْثَرُ أَخَذَهُمْ فِتْنَةٌ فَمَنْ جَعَلَ رَبُّكَ تَحَكُّمًا سِرًّا ۖ﴾ ”اس نے اسے نیچے سے آواز دی کہ آرزو کی آرزو خاطر نہ ہو، تیرے رب سے تیرے پاؤں تک ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔“ (مریم: 24/19) یہ آواز کس نے دی؟ بہت سے علما نے تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جنہوں نے آپ کو آواز دی۔ البتہ بعض علما نے کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آواز خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ ② پھر آپ سے کہا گیا: ﴿فَتَكُنْ وَآخِرُكِ وَبُكَىَّ عَيْنًا﴾ ”جین سے کھائی ہو اور آنکھیں غنڈی رکھ۔“ جس درخت کے تنے کو بلانے سے آپ کو تازہ جھجور میلنے کی خوش خبری دی گئی تھی وہ خشک تھا یا پھل دار درخت؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ درخت تو جھجور ہی کا تھا لیکن اس پر پھل نہیں تھے کیونکہ آپ کی ولادت موسم سرما میں ہوئی تھی اور اس وقت جھجور پر پھل نہیں لگتے۔ اس لیے اللہ نے احسان کے طور پر فرمایا: ﴿وَهَؤُلَاءِ إِلَٰهِيكَ يَجْعَلُ الْكَلْبَةَ شَلْقُطًا عَلَيْكَ رَطْبًا جَدِيًّا﴾ ”جھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، یہ تیرے سامنے تازہ و تازہ جھجوریں گرا دے گا۔“ (مریم: 25/19)

پھر اسی آواز دینے والے نے کہا: اگر تجھے کوئی انسان نظر آ جائے تو (اشارے سے) کہہ دینا: ﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أَكْفَرَ أَيُّومَ لَيْسِيَّاءَ﴾ ”میں نے اللہ رحمان کے نام کا روزہ رکھا رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی۔“ (مریم: 26/19) ان کی شریعت میں ترک کام کے ساتھ روزہ رکھنا جائز تھا۔ ہماری شریعت میں ”چپ کا روزہ“ رکھنا منع ہے۔ ③

علما نے کرام نے اہل کتاب سے نقل کیا ہے کہ مریم علیہا السلام کو دن تک نظر نہ آئیں۔ لوگ آپ کی تلاش میں نکلے۔ جب ملیں تو ان کی گود میں بچہ تھا۔ وہ حیران رہ گئے اور بولے: ﴿لَبَّرْنَاهُ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا قَرِيبًا﴾ ”مریم! تو نے بڑی بری حرکت کی۔“ لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ قَوْمُهَا تَحَلُّلًا﴾ ”وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خودی تشریف لائی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آپ نفاس کے چالیس دن کی مدت مکمل کرنے کے بعد واپس آئی تھیں۔

انہوں نے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا هَؤُلَاءِ﴾ ”اے ہارون کی بہن!“ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہارون اس زمانے

① تفسیر الطبری: 86/9 تفسیر سورة مریم: آیت: 24

② سنن أبي داود: ”الایمان“ باب البذر في المعصية: حدیث: 3300 و مسند أحمد: 168/4

③ سنن أبي داود: ”الایمان“ باب البذر في المعصية: حدیث: 3300 و مسند أحمد: 168/4

”(اے محمد!) یہ ہم تم کو (اللہ کی) آیتیں اور حکمت بھری فصیحیں پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ یہی کی حالت اللہ کے نزدیک آدم جیسا ہے کہ اس نے (پہلے) کھلی سے اُن کا قالب بنایا، پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔ (یہ بات) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ سو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ پھر اگر یہ لوگ یسعی کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت حال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو ان سے کہنا کہ آؤ، ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں۔ تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعا و التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی اہانت سمجھیں۔ یہ تمام بیانات صحیح ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک اللہ غالب اور صاحب حکمت ہے سو اگر یہ لوگ پھر جائیں تو اللہ مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔“ (آل عمران 3/58-63)

یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں، جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد نبی ﷺ سے بحث و مناظرہ کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ یہ وفد ساتھ افراد پر مشتمل تھا جن کے سربراہ تین افراد تھے جن کے نام عاقب، سید اور ابو حارثہ بن علقمہ تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے بات چیت شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں جن میں حضرت مریم علیہا السلام کے حالات اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کا بیان ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اگر وہ آپ پر ایمان نہ لائیں اور آپ کی پیروی نہ کریں تو ان سے مہلبہ کیجیے۔ لیکن جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا عزم و ارادہ دیکھا تو مہلبہ سے باز آگئے اور صلح کی پیش کش کرنے لگے۔ ان کے سردار عاقب نے وفد کو مخاطب کر کے کہا: اے عیسائیوں کی جماعت! تمہیں خوب معلوم ہے کہ محمد ﷺ نبی اور رسول ہیں۔ انہوں نے تمہارے نبی کے متعلق خوب نصیحتیں بیان فرمائی ہیں۔ تمہیں یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ جس قوم نے تمہیں کسی نبی سے مہلبہ کیا ہے وہ نیت و نادمہ ہوگئی، لہذا اگر تم بھی مہلبہ کر دو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ اس لیے اگر تم اپنے نبی دین و عقائد پر قائم رہنا چاہتے ہو تو رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اپنے وطن لوٹ جاؤ۔ انہوں نے سرورِ باتِ مانی اور رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لی کہ وہ جزیہ دے کر اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہیں۔ آپ نے جزیہ کی وصولی کے لیے ان کے ساتھ حضرت اوسیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں یہودی قوم تین حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ کچھ لوگ تو ایمان لانے کی بجائے کفر پر اڑے رہے۔ انہوں نے آپ اور آپ کی والدہ محترمہ پر نازیبا الزام تراشی کی اور کچھ یہودی آپ پر ایمان لانے کا دعویٰ کر کے غلو میں مبتلا ہو گئے اور آپ کو اللہ قرار دیا اور ایک فرقہ نے آپ کو اللہ کا بیٹا تسلیم کیا۔ صحیح ایمان رکھنے والوں نے آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول تسلیم کیا۔ نجات کے مستحق ہیں لوگ ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص یہ گواہی دے کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور

جہاں بھی میں رہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بد بخت نہیں کیا اور مجھ پر میری پیدائش کے دن، میری موت کے دن اور جس دن میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا سلام یا سلام ہے۔“ (مریم: 30-33)

یہ حضرت یسعی علیہ السلام کی زندگی کا پہلا کلام ہے۔ آپ نے سب سے پہلے جو بات کہی وہ یہ تھی کہ ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ﴾ ”میں اللہ کا بندہ ہوں۔“ آپ نے اللہ کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا نہ اللہ کا شریک۔ اس سے عیسائیوں کے اس عقیدے کی نفی ہوتی ہے کہ حضرت یسعی اور ان کی والدہ بھی خدا تھے۔ اس کے بعد حضرت یسعی علیہ السلام نے اس الزام کی تردید کی جو آپ کی والدہ محترمہ پر لگا یا جارہا تھا اور جس کی وجہ سے خود آپ کو ناجائز پھر قرار دیا جا رہا تھا۔ آپ نے واضح کیا کہ آپ کو اللہ نے کتاب و حکمت عطا فرمائی ہے اور جسے یہ شرف حاصل ہوا، اس کی ولادت غیر شرعی طریقے سے نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بہتان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا﴾ ”اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث (اللہ نے ان کے دلوں پر چھر لگا دی ہے۔“ (النساء: 156/4)

✽ عیسائیوں کو دعوت مہلبہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت یسعی علیہ السلام کی ولادت کا صحیح واقعہ بیان فرمایا اور بتایا کہ صحیح اور سچا واقعہ اسی طرح ہے۔ اس کے بعد یہودیوں کے گستاخانہ عقائد اور عیسائیوں کے گمراہی پر مبنی عقائد کی تردید فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ ۖ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝۱۱۱ مَا كَانَ لِبَلٰٓؤِہٖۤ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلٰكٍۭا سَيِّحِنَۃً ۝۱۱۲ اِذْ قَتَلْنَاۤ اٰمَرَۙاۙ قَاتِلًاۙمَا يَقُوْلُ لَكَ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۱۱۳﴾

”یہ یسعی ابن مریم اور یہ ہے وہ حق بات جس میں لوگ شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔ اللہ کی شان کے لائق نہیں کہ اس کی اولاد ہو۔ وہ تو بالکل پاک ذات ہے۔ وہ تو جب کسی کام کے سرانجام دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا اور اسی وقت ہو جاتا ہے۔“ (مریم: 33/34)

قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی پوری تاکید کے ساتھ نبی بیان فرمائی گئی ہے، مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَ الْاٰیٰتِ الْحَكِیْمِ ۝۱۱۴ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۝۱۱۵ خَلَقْنٰہُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَكَ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۱۱۶ اَتَقْبَلُ مِنْ رَّبِّكَ فَلَآ تُكِنُّ مِنَ الْمُبْتَدِیْنَ ۝۱۱۷ فَمَنْ حَآجَبَكَ فِیْہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَنَآوَلُوْا نَبْعَ اَبْنَاءَنَا وَ اَبْنَاءَكُمْ وَ نِسَاءَنَا وَ نِسَاءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتِهَلْ فَتَجْعَلُ اللّٰهُ عَلٰی الْكٰذِبِیْنَ ۝۱۱۸ اِنَّ هٰذَا لَہُوَ النَّصَصُ الْحَقُّ ۝۱۱۹ وَ مَا مِنْۢ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰهُ ۝۱۲۰ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَہُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۱۲۱ فَاِنْ تَوَلَّوْا۟ فَاِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ ۝۱۲۲﴾

شَيْءٌ وَكَوَيْلٌ ۚ لَا تُلْزِمُهُ الْأَبْصَارُ، وَهُوَ يَدْرِكُ الْأَبْصَارَ، وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝۱۰

”اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا، حالانکہ ان کو اُسی نے پیدا کیا، اور بے سمجھے اُس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں۔ وہ اُن باتوں سے پاک ہے جو اُس کی نسبت بیان کرتے ہیں اور (اُس کی شان) اُن سے بلند ہے۔ (وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے) اُس کے اولاد کہاں سے ہو جب کہ اس کی بیوی ہی نہیں اور اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ یہی (ادوصاف رکھنے والا) اللہ تمہارا پروردگار ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے) اللہ ہی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگران ہے۔ (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔“ (الأنعام: 100/6)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ اور اس کی طرف سے ایک روح تھے

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے جھوٹے دعویٰ کی تردید کر کے بیان فرمایا کہ خود سادہ عقیدے تراش کر غلو کا کارند ہوں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعریف میں جائز حد سے آگے نہ بڑھیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ لَا تَعْلَمُونَ فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْفُهَا إِلَى مَرْيَمَ ۖ وَرُوحُ مِنْهُ نَفَخُوا فِيهَا وَلَهُ وَرُسُلُهُ ۚ وَلَا تَقُولُوا لَنُفَذَّ ٱلْأَعْتَابُ ۚ حَتَّىٰ أَتَىٰ اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدًا ۚ سُبْحَٰنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۚ لَمَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَلَٰكِي يَأْتِيَنَّكُمُ الْمَسِيحُ ۚ لَنْ يَسْتَنْفِذَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَنْ يَسْتَنْفِذْ عَنْ عِبَادَتِهِ ۖ وَ يَسْتَكْبِرْ ۖ فَسَيَحْشُرُهُمُ إِلَهُهُ جَمِيعًا ۚ فَٱلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنَفَذُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ فَرْجًا ۖ وَلَٰكِي يَحْدِثُونَ لَهُمْ فِتْنًا ۖ وَلَٰكِي يَكُونُ اللَّهُ وَلِيًّا وَلَا تَصْنَعُوا ۝۱۱

”اے اہل کتاب! اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (نہ اللہ تھے نہ اللہ کے بیٹے بلکہ) اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھی لہذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور (یہ) نہ کہو (کہ اللہ) تین ہیں۔ (اس اعتقاد سے) باز آ جاؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اللہ ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے اور اللہ ہی کا ساز

محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کے طرف بھیجا اور اس کی طرف سے آنے والی ایک روح ہیں اور جنت ایک حقیقت ہے اور جہنم بھی ایک حقیقت ہے اللہ تعالیٰ اس (مومن) کو جنت میں داخل کر دے گا، اس کے عمل جتنے بھی ہوں (اگر تقویٰ نیکیاں ہوں گی تب بھی ایمان کی برکت سے نجات مل جائے گی۔) ۱۱

عقیدہ تثلیث کی تردید

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ اس طرح وہ کائنات کے تین خداؤں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل عقیدے کی بھرپور تردید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم کے آخر میں فرمایا:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۚ لَقَدْ جَعَلْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۚ تَكَذَّبُوْنَ ۚ تَقَفُّوْنَ السَّمٰوٰتِ فَتَنظُرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضَ وَتَنجُرُ الْجِبَالُ هَٰذَا ۚ أَنْ دَعَا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ وَمَا يُنۢبِئُنَا لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَخۢبُرَ وَلَدًا ۚ إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا لَآتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۚ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۚ وَكُلُّهُمْ إِلَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ قُدُّوْا ۝۱۲

”اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو یہ تو تم بری بات (زبان پر) لائے ہو۔ قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انہوں نے اللہ کے لیے بیٹا تجویز کیا ہے اور اللہ کے لائق نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ تمام جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اللہ کے کردار بندے ہو کر آئیں گے۔ اُس نے اُن (سب) کو (اُسی طرح سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شاکر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اسی کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔“ (مریم: 88/95)

ان آیات میں بیان ہے کہ اولاد دہونا اللہ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ ہر چیز اس کی مخلوق اور اس کے دست قدرت کے تحت ہے۔ اس کے لیے اولاد کا عقیدہ رکھنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑے، زمین تہس نہس ہو جائے، پہاڑ بڑھ رہے ہو جائیں تو بالکل مناسب ہوگا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۚ يَدۢبُرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَلۢى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَدٌ لَّمۡ نَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً ۚ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۱۳ ۚ لَقَدْ كَفَرَ اِلٰهَ الْاَكْوَۡفَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ قَٰئِمٌ يُّدۢرِكُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّخۢبَرٌ ۝۱۴

﴿ فَاسْتَفْهِمُ الْكِتَابَ الْبَيِّنَاتِ وَلَهُمُ الْبَيِّنَاتِ ۖ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ۚ أَلَا لَهُمْ مِنْ أَمْرِهِمْ قِيسًا ۚ وَلَوْلَا اللَّهُ وَرَأَاهُمْ لَكُنُّوْنَ ۚ أَصْطَفَى الْبَيِّنَاتِ عَلَى الْبَيِّنِينَ ۚ مَا لَكُمُ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۚ أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِينٌ ۚ فَأَنَّا بِكُنْهٖ لَكُمْ ۖ لَنُتِمَّ ضَرْفِينَ ۚ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْإِنْسَانُ أَنَّهُ لَحْمٌ مِّنْ لَّحْمِهِمْ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ بَدِيلًا ۚ وَكَأَنَّهُ لَمْ يُحْضَرُونَ ۚ سُبْحٰنَ اللَّهِ عَنِ الصُّغُورِ ۚ الْأَعْبَادُ لِلَّهِ الْخَاصَّةِينَ ۚ ۝۱۱۰﴾

”اُن سے پوچھو کہ بھلا تمہارے پروردگار کے لیے تو بیٹیاں اور اُن کے لیے یا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا اور وہ (اُس وقت) موجود تھے؟ دیکھو! یہ اپنی کھڑی ہوئی (بات) کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے۔ کچھ نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں کو پسند کیا ہے؟ تم کیسے لوگ ہو؟ کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو؟ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟ یا تمہارے پاس کوئی صریح دلیل ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب پیش کرو اور انہوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشہ مقرر کیا، حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ وہ (اللہ کے سامنے) حاضریے جائیں گے۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں، اللہ اُس سے پاک ہے مگر اللہ کے بندگان خالص (جتلائے عذاب نہیں ہوں گے۔“ (الصافات: 160-149/37)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۚ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يُصَلُّونَ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِنْ حَشِيَّتِهِ مُشْفِقُونَ ۚ وَمَنْ يُثْقَلْ مِنْهُمْ لِيَ إِِلٰهٍ مِنْ دُونِهِ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِيْنَ ۚ ۝۱۱۱﴾

”اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے۔ وہ پاک ہے (اس کے سنے دینا ہے نہ بیٹی) بلکہ (جن کو یہ لوگ اس کے بیٹے اور بیٹیاں سمجھتے ہیں) وہ اس کے عزت والے بندے ہیں۔ اس کے آگے بڑھ کر نہیں بول سکتے اور اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو پوچھ ان کے آگے ہو چکا ہے اور جو پیچھے ہو گا وہ سب سے واقف ہے اور وہ (اس کے پاس کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو اور وہ اس کی محبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔“ (الانبیاء: 29-26/21)

سورہ کہف کے شروع میں فرمایا:

﴿ اٰحْمَدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۚ فَيَمَّا يَنْزِيْلًا نَّاسًا مُّشْرِكًا ۚ ۝۱﴾

کافی ہے۔ مسیح اب اس سے عار نہیں رکھتے کہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار کھتے ہیں) اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے عار سرشتی کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے وہ اُن کو اُن کا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زائد بھی عنایت کرے گا اور جنہوں نے (بندہ ہونے سے) عار اور انکار اور تکبر کیا ان کو وہ تکلیف دینے والا عذاب دے گا اور یہ لوگ اللہ کے سوا اپنا حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔“ (النساء: 173-171/4)

لہذا ضروری ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا بندہ اللہ اور رسول اور ان کی والدہ کو اللہ کی نیک اور پاک باز بندگی تسلیم کیا جائے۔ [رُوْحُ السَّلَامِ] ”اللہ کی روح“ سے مقصود شخص ان کے بلند مقام و شرف کا بیان ہے۔ جیسے بیت اللہ ”اللہ کا گھر“ اور [نَاقَةُ اللّٰهِ] ”اللہ کی اونٹنی“ کہتے وقت صرف مقام و مرتبہ اور شرف کے اظہار کے لیے اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ”روح اللہ“ کا مطلب ”اللہ کی پیدا کی ہوئی ایک مقدس اور محترم روح ہے۔“

انبیت الہی کے عقیدہ کی قرآنی تردید

عیسائیوں کے علاوہ یہودی اور شرکین عرب بھی یہ غلط عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ۚ ابْنُ اللّٰهِ ۚ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِیْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلِ فَتَحَهُمُ اللّٰهُ اَنْ يُّؤْمِنُوْنَ ۚ ۝۱۱۲﴾

”اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ اُن کے منہ کی باتیں ہیں۔ پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ یہ بھی انہی کی ریس کرنے لگے ہیں۔ اللہ ان کو ہلاک کرے۔ یہ کہاں بیکتے پھرتے ہیں!“ (التوبة: 30/9)

عرب کے بعض مشرک قبائل یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جو جنوں کی معزز خواتین سے پیدا ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۚ وَخَلَقَهُمْ سَوَّاتٍ مِّنْ سَوَّاتٍ ۚ سَخَّرَ لَهُمْ شَہٰدَتُهُمْ ۚ وَیَسْتَأْذِنُوْنَ ۚ ۝۱۱۳﴾

”اور انہوں نے فرشتوں کو (اللہ کی) بیٹیاں مقرر کیا، حالانکہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ کیا یہ ان کی پیدا کُنش کے وقت حاضر تھے؟ عذریب اُن کی شہادت لکھی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔“ (الزحرف: 19/43)

اور یہ فرمایا:

اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَزَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ جُزَاءً وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هَٰذَا شَيْءٌ فَلَهُ شَيْءٌ مِمَّا مِنْ إِلَٰهِ ۚ وَإِنَّ لَهُمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيْسَ لَهُ الْكُفْرُ مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَأَعْيَا صِدْقُهُ قَا نَا يَا كَلْبَنَ الْكَلَامَ ۚ أَنْظِرْ كَيْفَ بُيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظِرْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقَوْلِ ۝

”وہ لوگ بلاشبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح (عیسیٰ) الہ ہیں حالانکہ مسیح یہود سے کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی (اور جان رکھو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرے گا اللہ اس پر بہشت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ وہ (لوگ) بھی کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ الہ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ اس معبود کینا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر یہ لوگ ایسے اقوال (و عقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں، وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے پھر یہ کیوں اللہ کے آگے تو پجرتے ہیں اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف پیغمبر ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں۔ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو! ہم ان لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ (یہ) کدھر اُلٹے جا رہے ہیں؟“ (المائدہ: 72/5)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کو کھوکھرا کر دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ اور ان کی والدہ بھی مخلوق اور انسان تھے۔ اللہ کی عبادت کرنے والے اور اسی کی طرف بلانے والے تھے اور تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر وہ اس گستاخانہ عقیدے سے باز نہ آئے تو انہیں آخرت میں جہنم کی سزا بھگتنا پڑے گی اور ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہوگی۔ ان آیات میں تثلیث کے خود ساختہ عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ اللہ تو ایک ہی ذات ہے، وہ قابلِ تقسیم نہیں۔ آخر میں تو یہی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر وہ تو یہ کہیں تو اللہ کی عظیم رحمت انہیں حاصل ہو سکتی ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ بھی صدیقہ یعنی انتہائی سچی اور پاک بائز تھیں۔ ان سے کوئی غیر شرعیانہ حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ یہود کا الزام سراسر جھوٹ ہے۔ اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت کا منصب حاصل نہیں تھا جیسے بعض علماء نے غلط فہمی سے موقف اختیار کیا ہے۔ ”کَا نَا يَا كَلْبَنَ الْكَلَامَ“ ”دونوں بائیں کھانا کھانا کرتے تھے۔“ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں دوسرے انسانوں کی طرح کھانا کھانے کی ضرورت تھی، لہذا وہ الہ نہیں ہو سکتے۔ ان کے باطل عقیدے کی تردید سورۃ مائدہ کی آخری آیات سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ لَّدُنْهُ وَيُبَيِّنُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ الطَّبِيعَةِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ۝ مَا كُنْتُمْ فِيهِ أَبَدًا ۝ وَيُبَيِّنُ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِابَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۝

”سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے (ہم) پر (یہ) کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کجی (اور پیچیدگی) نہ رکھی (بلکہ) سیدھی (اور سلیس) اتاری تاکہ (لوگوں کو) سخت عذاب سے ڈرائے جو اس کی طرف سے آنے والا ہے اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوش خبری سنائے کہ ان کے لیے (ان کے کاموں کا) نیک بدلہ (یعنی بہشت) ہے جس میں وہ ابداً پاک رہیں گے اور ان لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے۔ ان کو اس بات کا کچھ بھی علم نہیں اور نہ ان کے باپ وادای کو تھا (یہ) بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ ٹھک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔“ (الکہف: 5-1/18)

نیز ارشاد ہے:

﴿ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ هُوَ الْعَزِيزُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَهُ مِنْ شٰىءٍ لَّا يَقُوْلُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۚ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَقْتُلُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ الْکَذِبَ لَآ یُقِلُّهُمْ ۚ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ لَیْسَ لَهُمْ جَزَآءُھُمْ اِلَّا الْعَذَابُ الشَّدِیْدُ بِمَا کَانُوْا یَفْکُرُوْنَ ۝﴾

”وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ اس کی ذات (ولادہ سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کا ہے۔ (اے افسر! پروا نہ!) تمہارے پاس اس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں ہے (تو) تم اگر کہتے ہو جو جانتے نہیں ہو؟ کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں، فلاح نہیں پائیں گے۔ (ان کے لیے جو) فائدہ ہے دنیا میں (ہیں) پھر انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اُس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکائیں گے کیونکہ وہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔“ (یونس: 70-68/10)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنی الوہیت کی تردید

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ بَنِيَّ اِسْرَآءِیْلَ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيُوسَى ابْنِ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَبَدْنَاكَ بِالْوَحْيِ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ تُبَيِّنَ لِلنَّاسِ فِي الْهَيْدِ وَكَهْلِهِ ۖ وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْعُرْسَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الظِّلِّينَ كَهَيْئَةِ الظِّلِّ بِإِذْنِ فَنَنْفُخُ فِيهَا فَيَكُونُونَ ظِلًّا بِإِذْنِي وَشِجْرًا الْأَكْلَةِ ۖ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَنْكَ إِذْ جَعَلْتَهُمُ الْيَهُودَ فَقَالَ الْأَذِينَ كَفَرُوا لَكَوْنُوا مِنْهُمْ إِنَّ هَذَا إِلَّا رَجُلٌ يُسْمِنُ ۖ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْغَارِ أَنْ أَوْثِقُوا فِي وَبَرُّوْنِي ۖ قَالُوا أَصَمًّا وَاهْجُرْ بِآيَاتِنَا مُسْلِمُونَ ۖ﴾

”جب اللہ (صلی علیہ السلام) سے فرمایا گیا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! میرے اُن احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیے۔ جب میں نے روح القدس (یعنی جبریل) سے تمہاری مدد کی۔ تم جو لمبے تھے اور جوان ہو کر (ایک ہی طرح) لوگوں سے گفتگو کرتے تھے۔ اور جب میں نے تم کو کتاب اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائی۔ اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتا تھا اور مار زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے ٹھیک کر دیتے تھے اور مُردے کو میرے حکم سے (زندہ کر کے قبر سے) نکال کھڑا کرتے تھے۔ اور جب میں نے بنی اسرائیل (کا ہتھوں) کو تم سے روک دیا۔ جب تم ان کے پاس کھلے نشان لے کر آئے تو جو ان میں سے کاغذ پر کتبے لگے کہ یہ صرغ جاوہ ہے۔ اور جب میں نے حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ! وہ کہنے لگے کہ (پروردگار!) ہم ایمان لانے لہذا تو شاہد رہنا کہ ہم فرما رہے ہیں۔“ (المائدہ: 110/5)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ کا عظیم احسان یہ تھا کہ انہیں اپنا پیغمبر بنایا۔ آپ کو ایک امتیازی وصف بھی حاصل تھا جو کسی اور کو حاصل نہیں ہوا کہ آپ کو والد کے بغیر صرف والدہ رحمہ سے پیدا کیا گیا اور پھر آپ کی والدہ کو لوگوں کی نازیبا باتوں سے معجزانہ طور پر مبرا ثابت کیا گیا۔ اس لیے فرمایا: ﴿إِذْ أَبَدْنَاكَ بِالْوَحْيِ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْكَ﴾ ”جب میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی۔“ یعنی جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی روح آپ کی والدہ کی طرف بھیجی اور جب آپ منصب رسالت پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ رہا اور کافروں سے آپ کا بچاؤ کیا۔ ﴿تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾ ”تم لوگوں سے حکام کرتے تھے کود میں بھی اور بزرگی میں بھی۔“ یعنی آپ نے بچپن اور گہوارے میں بھی اللہ کی طرف بلایا اور وحلیٰ جوئی کے

”اور کہو کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی باوشاشی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کوئی اس کا مددگار رہے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے۔ اور اُس کو برا جان کر اُس کی بڑائی بیان کرتے رہو۔“ (بنی اسرائیل: 111/17)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿فُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۚ اللَّهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۚ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۖ﴾

”کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔ (وہ) معبود برحق جو بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہم سر نہیں۔“ (الإحلاس: 4-1/112)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آدم کا بیٹا مجھے گالی دیتا ہے اور اسے یہ حق حاصل نہیں (گالی یہ ہے کہ) وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں اکیلا ہوں، بے نیاز ہوں نہ مجھ سے کوئی پیدا ہوا اور نہ میں کسی سے پیدا ہوا اور نہ میرا کوئی ہمسرہ ہے۔“

نبی ﷺ نے فرمایا: ”کوئی ایسا نہیں جو اپنی تو جن سن کر اللہ سے زیادہ برداشت کر سکے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی اولاد ہے، وہ پھر بھی انہیں رزق دیتا رہتا ہے اور عافیت دے رکھتا ہے۔“

چار الہامی کتب کا وقت نزول

امام ابو ذر رحمہ اللہ شقی فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات 6 رمضان المبارک کو نازل ہوئی، حضرت داود علیہ السلام پر زبور 12 رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔ یہ تورات سے چار سو بیاسی سال بعد نازل ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل 18 رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔ یہ زبور سے ایک ہزار پچاس سال بعد نازل ہوئی اور نبی کریم ﷺ پر قرآن 24 رمضان المبارک کو (یعنی پچیسویں رات کو) نازل ہوا۔“

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عیسیٰ علیہ السلام پر 30 سال کی عمر میں انجیل نازل ہوئی اور جب آپ کو آسمان پر اُٹھایا گیا تو آپ کی عمر مبارک 33 سال تھی۔

① صحیح البخاری: التفسیر: حدیث: 4974

② مسند احمد: 4/395 و صحیح مسلم: صفات المنافقین باب فی الکفار حدیث: 2804

﴿وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالْقُرْآنَ وَالْإِنْجِيلَ﴾ وَرَسُولًا إِلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَاتٍ مِنْ رَبِّكُمْ إِنِّي أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَ أُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُكْنِثُكُمْ مِمَّا تَتْلُونَ وَمَا تَدَّجِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ الْقُرْآنِ وَلَاجَلٍ لَكُمْ بِبَعْضِ الَّذِي هُوَ عَالِمُكُمْ وَأُخْبِتُكُمْ بِآيَاتٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَتَقُوا اللَّهَ وَاطِيعُوايَ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ قَاعِبُدُوا هَذَا صِرَاطَ فَسْتَوِينَ ﴿فَلَمَّا أَحَسَّ عَيْنِي مِنْهُمْ لُكْفَرُ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَرَوِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ أَمَّا بَنُو اللَّهِ وَ الشَّهْدَاءُ بَنَاءُ مُسْلِمُونَ ﴿رَبَّنَا أَمَّا بِنَا أَمْزَلْتَ وَأَتَّبَعْنَا النَّسُولَ فَاثْبَنَّا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿وَمَكْرُوهًا وَمَكْرُوهًا وَاللَّهُ خَبِيرٌ الْمُنِيرِينَ ﴿

”اور وہ (عیسیٰ) انہیں لکھتا (پڑھتا) اور دانا کی اور تورات اور انجیل سکھائیں گے اور بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر (ہو کر جائیں گے اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی مورت یہ شکل پرندہ بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے (بچ) چکے پرندہ ہو جاتا ہے اور اندھے اور ابرص کو تندرست کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے۔ اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لیے بھی (آیا ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لیے حلال کر دوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں لہذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہاؤ، کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے“ سو اس کی عبادت کر دو یہ سیدھا راستہ ہے۔ جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے نافرمانی (اور نیت قتل) دیکھی تو کہنے لگے کہ کوئی ہے جو اللہ کا طرفدار اور میرا مددگار ہو؟ حواری بولے کہ ہم اللہ کے (طرفدار اور آپ کے) مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرما میرا ہیں۔ اسے پروردگار جو (کتاب) تو نے نازل فرمائی ہے، ہم اس پر ایمان لے آئے اور (تیرے) پیغمبر کے تتبع ہو چکے۔ تو ہم کو سامنے والوں میں لکھ رکھ اور انھوں نے (قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) تدبیر کی اور اللہ نے بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) تدبیر کی اور اللہ خوب تدبیر کرنے والا ہے۔“ (آل عمران 48/54)

حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ السلام کے خاص معجزات: کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو وہ معجزہ دیا جو اس کے دور کے لوگوں کی مہارت سے مناسب نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا شہرہ تھا اور

وقت بھی اللہ کی طرف ملتا رہے۔ ﴿وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالْقُرْآنَ وَالْإِنْجِيلَ﴾ ”اور جب میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھائیں اور تورات و انجیل کی تعلیم دی۔“ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد تورات و انجیل کے الفاظ اور معانی و مفاتیح دونوں کی تعلیم مراد ہے۔ ﴿وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”اور جب کہ تم میرے حکم سے گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے۔“ یعنی آپ اللہ کے حکم سے گارے سے پرندوں کی صورت بناتے تھے۔ ﴿فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے، جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے۔“ حکم کا لفظ دوبارہ اور شفاء یا تاکا کہ یہ شہ نہ ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ذاتی طور پر یہ طاقت حاصل تھی۔ یہ لفظ فرما کر واضح کر دیا کہ وہ ایک معجزہ تھا۔ ﴿وَأُخْبِتُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”اور تم اچھا کر دیتے تھے اور زائد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے۔“ اور زائد بینائی بینائی کسی علاج سے حاصل نہیں ہو سکتی اور برص کی بیماری جب پرانی ہو جائے تو اس کا علاج ممکن نہیں رہتا۔ ﴿وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”اور جب تم مردوں کو نکال کھڑا کرتے تھے میرے حکم سے۔“ یعنی وہ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آتے تھے۔ اس لفظ میں اشارہ ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار پیش آیا۔ ﴿وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَهُمْ أَنْ هَذَا لِرَبِّهِمْ يَحْكُمُ﴾ ”اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا، جب تم ان کے پاس لہجیں لے کر آتے تھے، پھر ان میں جو کافر تھے، انہوں نے کہا تھا، یہ تو کسے جادو کے سوا کچھ نہیں۔“ اس سے مراد وہ واقعہ ہے جب دشمنوں نے آپ کو سولی دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے درمیان سے زندہ سلامت اٹھایا اور وہ آپ کا بال بھی پرانہ کر سکے۔

﴿وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ امْنُؤْا وَ يَرْسُولُوا قَالُوا أَمَّا وَ الشَّهْدَاءُ بَنَاءُ مُسْلِمُونَ ﴿

”اور جب میں نے حواریوں کو وحی کی کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم پر سے فرماں بردار ہیں۔“ وحی سے مراد الہام ہے یا رسول کے واسطے سے ان تک وحی پہنچا کر اسے قبول کرنے کی توفیق دینا ہے۔ یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ کا ایک انعام تھا کہ آپ کو مخلص ساتھی میرے آئے جو آپ کے ساتھ مل کر لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت محمد علیہ السلام پر بھی یہ احسان ہوا، اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْنَا الْبَصِيرَ ﴿وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْبَصِيرَ﴾ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْبَصِيرَ﴾ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْبَصِيرَ﴾ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْبَصِيرَ﴾

”وہی تو ہے جس نے تم کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی ہجرت) سے تقویت بخشی اور ان کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی۔ اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے، تب بھی ان کے دلوں میں اُلفت پیدا نہ کر سکتے تھے اللہ ہی نے ان میں اُلفت ڈال دی۔“ (شک و تردید سے دور است اور) نکت والا ہے۔“ (الأنفال: 63/62/8)

مزید ارشاد اُلّٰہی ہے:

ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات اُس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت دیتا ہوں (پھر) جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔ اور اس سے بڑا عالم کون ہے جسے بلایا تو اسلام کی طرف جائے اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھے اور اللہ عالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو مومن سے (چھین کر) بجمادیں حالانکہ اللہ اپنی روشنی پوری کر کے رہے گا خواہ کافر یا مؤمن ہوں۔“ (الصف: 86/61)

مزید ارشاد الہی ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُوبًا عِنْدَهُمْ فِي الْقُبُورِ
وَالْأَنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ لِيُجْزَلَ لَهُمُ الْكُتُبُ عَلَيْهِمُ الْبَرَكَاتُ
وَيُخَوِّعُهُمْ إِنْصِرَافُ أَبْصَارِهِمْ وَالْأَنْجِيلُ الَّذِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِمْ وَعَزَّوْهُ وَتَصَوَّفُوا
وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَلِاحُونَ ۝﴾

”وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی جو نبی آئی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے) میں تھے اتار دیتے ہیں۔ سو جو لوگ اُن پر ایمان لائے اور اُن کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے، اُس کی پیروی کی، وہ میرا پانے والے ہیں۔“ (الأعراف: 157/7)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔“

جب بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیعت ہوئے تو انہوں نے کھڑے ہو کر دھڑکا دیا اور بتایا کہ بنی اسرائیل میں سے نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اب عرب سے نبی آئی پیدا ہوگا جو سلسلہ نبوت کو مکمل طور پر ختم کرنے والا ہوگا اور اس کا نام ”احمد“ ہوگا۔

نزول مائدہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر آپ کی قوم کے لیے آسمان سے دسترخوان نازل فرمایا۔

بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود تھے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ مجرہ ملا، جس سے جادوگر بھی ششدر رہ گئے۔ چونکہ وہ جادو کی تمام باریکیوں سے واقف تھے لہذا وہ فوراً سمجھ گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ”مجرہ“ جادو نہیں بلکہ اللہ کی خاص عنایت اور مدد ہے اور آپ یقیناً رسول ہیں، چنانچہ وہ بلا وقت ایمان لے آئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب و علاج کے عروج کا زمانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے معجزات دیے جو ماہرین طبیبوں کے بس کی بات نہ تھے۔ آپ کو مادور یا دینا کو صحت یاب کرنے کا ”مجرہ“ ملا۔ کوئی ماہر سے ماہر طبیب اور ڈاکٹر قبر میں پڑے ہوئے مردے کو زندہ نہیں کر سکتا۔ اس سے ”مجرے“ کی صداقت اور اس کو ظاہر کرنے والے کی قدرت کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی بعثت اس ماحول اور زمانے میں ہوئی جس میں فصاحت و بلاغت کا دور دورہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ”مجرہ“ بنا کر نازل کیا جس کے مقابلے میں آج تک ایک بھی سورت پیش کرنا ممکن نہیں ہوا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور اللہ کی طرف بلایا تو اکثر لوگوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ چند پاک باز اور نیک لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ آپ کی مدد کی اور آپ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچایا۔ کچھ شریک افراہیے تھے جنہوں نے آپ کی مخالفت کی۔ وقت کے حکمران کو غلط اطلاعات پہنچا دیں حتیٰ کہ آپ کو شہید کرنے اور سولی پر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بچا کر اوپر اٹھالیا۔ آپ کی شکل و شبہات کسی اور شخص کو دے دی تھیں انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکا دیا۔ بہت سے عیسائی بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ صلیب پر لٹکا یا جانے والا شخص مسیح ہے۔ لیکن دونوں فریق غلطی پر ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت دی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ آپ نے لوگوں کو آخری نبی کی بعثت کی خبر دی جس پر نبوت کا سلسلہ ختم ہونے والا تھا۔ آپ نے انہیں نبی علیہ السلام کا نام بھی بتا دیا اور آپ کی واضح علامات بھی بیان فرمائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَنْبَغِي إِسْرَآءِيلُ إِنَّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ الْقُرْآنِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ۚ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكُتُبَ وَهُوَ يَدْعِي إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۚ يُرِيدُونَ لِطُغْيَانِهِمْ تُورِثُوا اللَّهَ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُنِيبٌ تَوْرَةً وَكُتُبًا لِكُفْرَانِهِ ۚ﴾

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فِيمَا نَقُصُّهُمْ وَيُنَاقِظُهُمُ وَنُفِّرُهُمْ بِأَيِّتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَعِبَ اللَّهُ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَن يَكْفُرُوا فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكَوَلِّمُهُمُ عَلَىٰ مِثْمِهِمْ بُهْمًا عَظِيمًا ۖ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظُّلُمِ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۚ وَلَنْ يَمُنَ أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا يُؤْمِنُوا بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۖ﴾

”اُن کے عہد تو دے دینے اور اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کے سبب کے ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں (اللہ نے اُن کو مردود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے اُن پر ہمراہ لگا دی ہے، لہذا یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور اُن کے کفر کے سبب اور مریم پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰؑ مسیح کو جو اللہ کے پیغمبر (کہلائے) تھے، قتل کر دیا ہے (اللہ نے اُن کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سوئی پر چڑھایا بلکہ اُن کو اُن جیسی صورت معلوم ہوئی۔ اور جو لوگ اُن کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور سوائے ظن و گمان کی بیروی کے ان کو اس کا کوئی علم نہیں۔ اور انہوں نے عیسیٰؑ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اور کوئی اہل کتاب نہیں جو کامران کی موت سے پہلے اُن پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن اُن پر گواہ ہوں گے۔“ (النساء: 159-155/4)

ان آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے دشمن یہودیوں نے وقت کے بادشاہ کے دربار میں آپ پر جھوٹے الزامات لگائے اور آپ کو سوئی پر چڑھا کر شہید کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسان پر اٹھالیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا: ”حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے آسان پر اٹھائے جانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ آپ کے ساتھ گھر میں بارہ حواری موجود تھے۔ آپ گھر میں موجود ایک پشتہ سے غسل فرما کر ان کے پاس شریف لائے۔ آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”تم میں ایک ایسا شخص بھی ہے جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ دفعہ اٹھا کر لے گا۔“

پھر فرمایا: ”تم میں سے کون اس بات پر تیار ہے کہ اسے میری شکل و شبہت دے دی جائے اور اسے میری جگہ شہید کر دیا جائے، مجھ (جنت میں) میرے درجے میں میرے ساتھ ہو؟“ حاضرین میں سے سب سے کم عمر جوان نے اُنھ کو کہا: ”میں“ آپ نے اسے فرمایا: ”بیٹھ جا!“ پھر آپ نے حاضرین سے دوبارہ یہی سوال کیا، پھر وہی جوان اٹھا اور کہا:

کے لیے مناسب نہیں کہ قیامت کا ذکر سن کر خاموش رہے۔“ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام نے حواریوں سے فرمایا: ”جس طرح بادشاہوں نے حکمت و دانائی تمہارے لیے چھوڑ دی ہے، تم دُنیا ان کے لیے چھوڑ دو!“ آپ نے فرمایا: ”مجھ سے دریافت کرو! میں نرم دل ہوں اور اپنی نظر میں چھوٹا ہوں۔“

آپ نے حواریوں سے فرمایا: ”جو کئی روٹی کھاؤ، سادہ پانی پیو اور دنیا سے صحیح سلامت اسن و امان کے ساتھ رخصت ہو جاؤ! اُن میں تم سے کچھ کہتا ہوں کہ دنیا کی محاسن آخرت کی نعمتی ہے اور دنیا کی کئی آخرت کی محاسن ہے۔ اللہ کے بندے بیش پسند نہیں ہوتے۔ میں تم سے کچھ کہتا ہوں: سب سے برا شخص وہ عالم ہے جو اپنے علم سے اپنی خواہش کو مقدم رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب لوگ اسی جیسے بن جائیں۔“ آپ فرماتے تھے: ”دُنیا میں سے گزر جاؤ، اسے گھر نہ سمجھو۔“

نیز آپ نے فرمایا: ”دنیا کی محبت گرنا کا سراپہ اور (نا جائز) نظر سے دل میں گناہ کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔“ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام نے فرمایا: ”اے آدم کے کزور بیٹے! جہاں بھی ہو، اللہ سے ڈرنا اور دُنیا میں تمہاری طرح رہو اور مجبور و گھبر بنا لے، اپنی آنکھوں کو رو کر نہ دکھا، جسم کو صبر کی تعلیم دے اور دل کو غور و فکر کی عادت ڈال، ہل کے رزق کا فکر نہ کر، یہ بھی گناہ ہے۔“

رفع آسمانی یا صلیب پر موت؟

کچھ یہودیوں کی چٹیلوں اور سازشوں سے بادشاہ وقت حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کو قتل کرنے پر آمادہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بحفاظت آسان پر اٹھالیا۔ جبکہ یہودی اور عیسائی اس باطل عقیدے پر قائم ہیں کہ انہوں نے اپنے نبی کو سوئی چڑھا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل عقائد کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ الْحَكِيمِينَ ۚ إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَكَارِهًا فَكَرِهَ ۚ وَمَنْطَهَرًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاجْعَلِ الَّذِينَ يَتَّبِعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ ۖ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِهِمْ فَأَنصَرُّكُمْ سِيقَكُمْ فِيمَا لَكُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۖ﴾

”اور وہ (یہودیوں عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور اللہ نے بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) تدبیر کی اور اللہ خوب تدبیر کرنے والا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰؑ میں تمہاری دُنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھا لوں گا اور تمہیں کافروں (کی محبت) سے پاک کر دوں گا اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے اُن کو کافروں پر قیامت تک فائق (اور غالب) رکھوں گا۔ پھر تم سب میرے پاس لوٹ کر آؤ گے تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے، اُسی دن تم میں اُن کا فیصلہ کر دوں گا۔“ (آل عمران: 55/54/3)

”میں۔“ آپ نے فرمایا: ”تم ہی یہ مقام حاصل کرو گے۔“

چنانچہ اس کی شکل و صورت بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہوگئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گھر کے ایک روزن سے نکال کر آسان پر چڑھادیا گیا۔ حلاش کرنے والے یہودی آئے تو آپ کے ہم شکل حواری کو پکڑ کے لے گئے۔ اسے سولی پر لٹکایا اور شہید کر دیا، چنانچہ ان میں سے ایک آدمی نے بارہ دفعہ ایمان سے انکار کیا۔

✪ عیسائیوں کے تین فرقے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفعت کے بعد عیسائیوں کے تین فرقے ہو گئے:

ایک فرقے نے کہا: "خود اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان کچھ عرصہ موجود رہا، پھر آسمان پر چلا گیا۔" یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "اللہ" قرار دیتا ہے۔

دوسرے فرقے نے کہا: ”ہمارے اندر اللہ کا بیٹا کچھ عرصہ موجود رہا۔ پھر جب اللہ نے چاہا، اسے اپنی طرف اٹھالیا۔“ یہ فرقہ ”نسطوریہ“ کہلاتا ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتا ہے۔

ایک فرقے نے کہا: "ہمارے ائمہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہیں۔ عرصہ موجود رہا، پھر جب اللہ نے چاہا اسے اپنی طرف اٹھایا۔" یہ تو حید پرست حضرات تھے۔ پھر دونوں کا فرقہ تو حید پرست فرقے پر غائب آگے اور ان لوگوں کو شیعہ کر دیا۔ اس کے بعد عقیدہ تو حید پرستی دین اسلام پر بھی باقی رہی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو دین حق دے کر مبعوث فرمایا۔^۱

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور ابن اسحاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس بادشاہ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو شہید کرنے کا حکم جاری کیا تھا، اس کا نام داد بن نورا تھا۔ اس نے آپ کو شہید کرنے اور سولی پر چڑھا دینے کا حکم جاری کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں ایک گھر کے اندر تھے۔ انہوں نے اس گھر کا حصار کر لیا۔ یہ جو دار و ہفتہ کے درمیان کی رات تھی۔ جب وہ دوگ داخل ہونے کے قریب تھے، تو آپ کی شکل و شباهت گھر میں موجود ایک آدمی کو دے گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک کھڑکی میں سے نکال کے آسان پر لے جایا گیا۔ جب سپاہی گھر میں داخل ہوئے تو وہاں انہیں وہ نوجوان بی نظر آیا جس کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بنادی گئی تھی۔ انہوں نے اسے عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور سولی پر لٹکا دیا۔ انہوں نے مذاق اڑانے کے لیے اس کے سر پر کمانوں کا تاج بنا کر رکھا۔ جو سپاہی وہاں موجود نہ تھے، انہوں نے یہودیوں کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واقعی مصلوب پر شہید کر دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَأَنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَآ يُؤْمِنُونَ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ ”اے کُل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ ہے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے اُن پر ایمان نہ لائے گا۔“ وہ زمانہ مراد ہے جب قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر ترغیف لائیں گے، خنزروں کو قتل کرس گئے، صلیب توڑ دے گے، جہنم لیمانہ بند کرس دے اور

اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب پر قائم رہنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حضرت وہب بن منبہؓ فرماتے ہیں: حضرت عیسیٰؑ سترہ حواریوں کے ساتھ مکان میں تعریف لائے۔ دشمنوں نے حاصرہ کر لیا۔ جب وہ لوگ اندر داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تمام حواریوں کی شکل حضرت عیسیٰؑ جیسی بنا دی۔ انہوں نے کہا: ”تم لوگوں نے ہمارا مذاق اڑانے کے لیے ایک سی شکلیں اختیار کی ہیں۔ اب یا تو ہمیں بتا دو کہ تم ہیں سے عیسیٰ کون سے ہیں، ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے۔“

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ”آج کون جنت کا خریدار بنے گا؟“ ایک آدمی نے کہا: ”میں۔“ چنانچہ اس نے ہاتھ لٹک کر کہا: ”میں عیسیٰ ہوں۔“

انہوں نے اس کو چکر کوسولی دیا اور شہید کر دیا، اس لیے وہ اس غلط فہمی جتنا اسے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو شہید کیا ہے۔
میسائیسوں نے بھی یہی سمجھا کہ شہید ہونے والے شخص نبی ہے جبکہ حضرت عیسیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صحیح سلامت آسمانوں پر پہنچا دیا۔
حافظ ابن عساکر رافضی فرماتے ہیں: ”حضرت مریم علیہا السلام اس واقعہ کے بعد پانچ سال زندہ رہیں اور تیرہ (53) سال
کے عمر میں فوت ہوئیں۔“

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر لے جایا گیا اس وقت آپ اپنے گھر کے پوچھنیو سال میں تھے۔^{۱۰} اور حدیث میں ہے: ”جتنی جنت جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے جسم کا رنگ خالی ہوں گے، داڑھی مونچھ نہیں ہوگی، آنکھیں سرسبز ہوں گی، تینتیس (33) سال کی عمر کے ہوں گے۔“^{۱۱}

علاوہ ازیں حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ”جب عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا گیا، آپ کی عمر تینتیس (33) سال تھی۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ“
 ”مسیح ابن مریم تغیر ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس سے پہلے بھی بہت سے تغیر ہو چکے ہیں ان کی والدہ ایک
 راست باز عورت تھیں۔“ (المائدہ: 75/5)
 مسیح کو جس اے لیے کہتے ہیں کہ آپ ان زمانے کے فتوں سے محفوظ رہنے کے لیے اور دین کی تبلیغ کے لیے سرزمین

ثواب یاد و طرح کے نیک اعمال کا ثواب ملتا ہے۔“^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس رات مجھے معراج کا شرف حاصل ہوا، میری ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ہوئی۔“ پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”چھریسے بدن والے، سیدھے بالوں والے جیسے قبیلہ شنوہ کے افراد ہوتے ہیں۔“ پھر فرمایا: ”اور میری ملاقات عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ہوئی۔“ پھر آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”درمیان قد، سرخ قام، گویا آپ اچھی تمام سے تشریف لائے ہیں۔ اور میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ کا اولاد میں، آپ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا میں ہوں۔“^② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ عیسیٰ تو سرخ قام، گھٹھے ہوئے بدن والے، چوڑے سینے والے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندی رنگت کے، قد آدرا اور سیدھے بالوں والے تھے۔ جیسے آپ کا قلع [قط] ”جاٹ“ قوم سے ہو۔“^③

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ نے لوگوں کے سامنے دجال کا ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی جوشہیں، اور مسیح دجال دامن آکھ سے کاٹا ہے۔ اس کی آنکھ اس طرح ہے جیسے پھولا ہوا گور ہو۔ اور آج رات میں نے خواب دیکھا کہ میں کعبہ کے پاس ہوں۔ اچانک ایک گندی رنگت کا آدمی نظر آیا۔ اس کی گندی رنگت انتہائی خوب صورت تھی۔ اس کے بال کندھوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ بال سیدھے تھے (گھنگریالے نہ تھے) سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے کعبہ شریف کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے کہا: یہ کیوں ہے؟ بتایا گیا: یہ مسیح ابن مریم علیہ السلام ہیں۔“

آپ کے پیچھے مجھے ایک اور آدمی نظر آیا، اس کے بال انتہائی گھنگریالے تھے، دائیں آنکھ سے کاٹا تھا۔ جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے، ان سب میں اس کی شکل سب سے زیادہ ابن قطن سے ملتی تھی۔ وہ بھی دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے کعبہ شریف کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے کہا: ”یہ کیوں ہے؟“ جواب ملا: ”یہ مسیح دجال ہے۔“^④

نبی کریم ﷺ نے دونوں مسیحوں کا حلیہ بیان فرمایا، ایک سچا ہدایت دینے والا مسیح اور ایک گمراہی والا مسیح، تاکہ جب اللہ کے نبی مسیح علیہ السلام نازل ہوں تو مومن انہیں پہچان سکیں اور ان پر ایمان لے آئیں اور جب جھوٹا مسیح (دجال) ظاہر ہو تو وہ اہل

① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَإِذْ ذَكَرْنَا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ﴾، حديث: 3446 و صحیح مسلم: الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ،.....، حديث: 154

② صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَإِذْ ذَكَرْنَا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ﴾، حديث: 3437

③ صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَإِذْ ذَكَرْنَا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ﴾،.....، حديث: 3438

④ صحیح البخاری: الفتن، باب ذكر الدجال، حديث: 7128 و صحیح مسلم: الإيمان، باب ذكر المسيح ابن مريم ﷺ،.....، حديث: 169

رہتے تھے کیونکہ یہودی آپ کی مخالفت بہت شدت سے کرتے تھے اور آپ پر اور آپ کی والدہ محمد پر طرح طرح کی الزام تراشی کرتے تھے۔ ایک رائے کے مطابق ”مسیح“ کا مطلب (ممسوح القدمین) ہے، یعنی آپ ﷺ کے قدم مبارک ہموار و برابر تھے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر آپ کا ذکر غیر موجود ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آفَاقِهِم بِوَيْلُنَا ۖ وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ ۚ﴾

”ان کے بعد بھی ہم اپنے رسولوں کو پورے پہنچتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا فرمائی۔“ (الحديد: 27/57)

اس کے علاوہ ارشاد ہے:

﴿وَأَتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ﴾

”اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلیلین دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کروائی۔“ (البقرة: 253/2)

صحیحین میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مروی ہے: ”جو بچہ پیدا ہوتا ہے، شیطان اس کے پہلو میں ٹھوکا دیتا ہے تو وہ روئے لگتا ہے، سوائے مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے کے اس نے ٹھوکا دینا چاہا تو پورے میں ٹھوکا دے دیا۔“^①

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص یہ گواہی دے کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور اللہ کی طرف سے (آنے والی) ایک روح ہیں اور جنت حق ہے اور جہنم بھی حق ہے، یعنی واقعی موجود ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کر دے گا خواہ اس کے عمل کیسے (معمولی) ہی کیوں نہ ہوں۔“^②

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب ایک آدمی اپنی لونڈی کی اچھی تربیت کرے، اسے اچھی تعلیم دے، پھر اسے آزاد کرے اس سے نکاح کر لے تو اس کو دو ثواب ملتے ہیں اور جب ایک آدمی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر ایمان لائے، پھر مجھ پر بھی ایمان لائے، اسے بھی دو ثواب ملتے ہیں اور ایک غلام جب اپنے رب سے ڈرتا رہے (گناہوں سے بچتا رہے) اور اپنے آقا کی اطاعت کرتا رہے تو اسے بھی دو ثواب ملتے ہیں (یعنی دگنا

① صحیح البخاری: بدء الخلق، باب صفة إبليس و جنوده، حديث: 3286 و صحیح مسلم: الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام،.....، حديث: 3435 و صحیح مسلم: الإيمان،.....، حديث: 28

حديث: 2366

② صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء، باب قوله تعالى: ﴿بِأَعْيُنِنَا﴾،.....، حديث: 3435 و صحیح مسلم: الإيمان،.....، حديث: 28

باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً، حديث: 28

ہو جائیں گے اور مسلمان آپ کی نماز جنازہ ادا کر کے آپ کو دفن کریں گے۔^①

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں سفید مینار پر نازل ہوں گے جبکہ جرجی نماز کی اقامت ہو چکی ہوگی۔ مسلمانوں کا امام آپ سے عرض کرے گا: ”یا روح اللہ! آگے بڑھ کر نماز پڑھائیے۔“ آپ فرمائیں گے: ”نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ شرف بخشا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے امیر ہیں۔“

ایک روایت میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مسجد سے فرمائیں گے: ”نماز کی اقامت آپ کے لیے کی گئی ہے۔“ چنانچہ آپ اس کی اقتدا میں نماز ادا فرمائیں گے، پھر سوار ہو کر مسلمانوں کے ساتھ منہج دجال کا تعاقب فرمائیں گے حتیٰ کہ لُذ شہر کے دروازے پر اسے چا پکڑیں گے اور اسے خود اپنے دست مبارک سے قتل کریں گے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان چھ سو سال کی مدت ہے۔“^②

عیسائیوں میں عقیدہ تثلیث کب رائج ہوا؟

منہج علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد عیسائیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کچھ لوگ کہنے لگے: ”اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہمارے اندر موجود تھا جو اسان پر تشریف لے گیا۔“ کچھ نے کہا: ”وہ تو خود اللہ تھا، جو انسانی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔“ کچھ کہنے لگے: ”وہ اللہ کا بیٹا تھا۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَائِدًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَاصْبِرُوا لَظُهُورِنَ﴾

”ہم نے مومنوں کی، ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی، پس وہ غالب آ گئے۔“ (الصافات: 14/61)

منہج علیہ السلام سے تین سو سال بعد ایک بڑی مصیبت پیش آئی کہ عیسائی علماء میں سخت اختلافات پیدا ہو گئے۔ ان کا فیصلہ کرانے کے لیے وہ لوگ رومی بادشاہ قسطنطین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے ان لوگوں کا قول پسند کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور تثلیث کے قائل تھے۔ یہ فرقہ مکہ کی کہلائی (جسے آج کل رومن کیتھولک کہتے ہیں)۔

پادری عبد اللہ بن اریس اور اس کے ساتھی جو توحید کے قائل تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ مانتے تھے، بادشاہ نے ان سے سختی کی، چنانچہ وہ لوگ جنگوں اور وادوں میں بکھر گئے اور زہر و قاتل کی زندگی اختیار کر لی۔ یوں وہ لوگ کم

① مسند احمد: 406/2

② لُذ فلسطین کا ایک شہر ہے، جو آج کل یروشلم کے قبضے میں ہے۔ یہاں ایک ہوائی اڈا بھی موجود ہے۔

③ صحیح البخاری: مناقب الأنصار باب إسلام سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ حدیث: 3948

تو حیدر اسے بھی پہچان کر اس سے بچ سکیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا: ”تو نے چوری کی ہے۔“ اس نے کہا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے چوری نہیں کی۔“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اپنی آنکھ کو جھوٹی کہتا ہوں۔“^①

اس سے آپ کا سلیم الفطرت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ جب اس شخص نے قسم کھائی تو آپ نے یقین کیا کہ اللہ کی عظمت کا ذکر کر کے کوئی شخص جھوٹی قسم نہیں کھ سکتا اور آنکھوں دیکھی چیز پر قسم تو بیخ و بن دیتے ہوئے اس کا عذر قبول فرمایا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر (خطبہ کے دوران میں) یہ فرماتے سنا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سنا: ”جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کر کے ان کو حد سے بڑھا دیا تھا، تم میرے بارے میں اس طرح غلو نہ کرنا۔ میں تو صرف ایک بندہ ہوں، تم یہی کہو: اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔“^②

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تمام انبیاء کرام علیہم السلام ایک باپ کی اولاد ہیں، ان کی مائیں الگ الگ ہیں اور ان سب کا دین ایک ہے (جس طرح سوتیلے بھائیوں کا باپ ایک ہوتا ہے، مائیں الگ الگ ہوتی ہیں، اسی طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ایک ہے جو توحید، رسالت، قیامت وغیرہ پر ایمان اور حق، دیانت داری، پاک دامن، اخلاق حسنة وغیرہ پر مشتمل ہے، البتہ شریعتیں الگ الگ ہیں)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے میرا تعلق سب سے زیادہ ہے کیونکہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں، وہ نازل ہوں گے۔ تم انہیں دیکھ کے پہچان لیں۔ آپ درمیان قیامت

اور سرخ و سفید رنگت رکھتے ہیں۔ بال سیدھے ہیں۔ ان کا سر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے بالوں سے پانی کے قطرے پھٹتے ہوں، اگرچہ بالوں کو پانی نہ لگے وہ آپ کے پاس دو چھڑیاں ہوں گی۔ آپ صلیب توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کریں گے۔ تمام مذاہب کو کاغذ مقرر اور دیں گے، چنانچہ آپ کے دور میں صرف اسلام باقی رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے زمانے میں منہج دجال کو تباہ فرمائے گا۔ زمین پر امن و امان کا دور دورہ ہوگا حتیٰ کہ اونٹ اور شیر اکٹھے چریں گے، چیتے اور گائیں، بھیڑیے اور بھیڑیں اکٹھے رہیں گے۔ بچے سانپوں سے کھیلیں گے اور ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے (نہ بچے سانپوں کو ماریں گے، نہ سانپ بچوں کو ڈسیں گے) سو آپ چالیس سال زندہ رہیں گے، پھر فوت

① صحیح البخاری: أحاديث الأنبياء باب قول الله تعالى: ﴿وَأَذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ﴾..... حدیث: 3444 و صحیح مسلم الفضائل: باب فضائل عیسیٰ علیہ السلام حدیث: 2368

② صحیح البخاری: أحاديث الأنبياء باب قول الله تعالى: ﴿وَأَذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ﴾..... حدیث: 3445 و مسند احمد: 47/1

بادشاہ قسطنطین ^۱ نے مسیح علیہ السلام کے مقام پیدائش پر بیت لحم ^۲ کا شہر آباد کیا۔ اس کی ماں میلانہ نے کنیہ قمامہ (یا کنیہ قمامہ) اس شخص کی قبر پر تعمیر کرایا، جسے مسیح علیہ السلام قرورے کر صلیب دیا گیا تھا۔ اس کے بعد عیسائیوں نے گر جاؤں میں تصویریں بنانا شروع کر دیں جب کہ پہلے جیسے باتصویریوں بنانے کا رواج نہیں تھا۔



نتائج وفوائد عبرتیں و حکمتیں

نیک اولاد کے حصول کی دعا کرتا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قصے سے ہمیں نیک اولاد کے حصول کے لیے دعا سنا کر کے کا طریقہ اور تہذیب ملتی ہے۔ اولاد کی محبت فطری ہے۔ اسلام نے ہمارے لیے حضرت ذکر علیہ السلام کا سوۂ حسن پیش کیا ہے۔ حضرت ذکر کیا، حضرت مریم علیہم السلام کی تربیت و پرورش کے دوران میں ان کے پاس سے مومن پھل و کھیتے تھے تو ان کی فطری محبت جاگ جاتی ہے، حالانکہ آپ کی عمر کے خصوصیات اور اداریت چکے تھے اور آپ کی زہدیت مہربانی پورھی ہو چکی تھیں۔ اس وقت آپ نے اسے رب کی طرف متوجہ ہونے اور عرض کی:

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ﴿١٠٠﴾

”اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔“ (آل عمران: 38/3)

آپ کی اس دعا سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ دعا اور التجا ہمیشہ رب العالمین سے کرنی چاہیے۔ ہمیشہ نیک و صالح اولاد کی دعا مانگنی چاہیے، تاکہ یہ اولاد زندگی میں دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنے، نیز وفات کے بعد درجات کی بلندی کا باعث بنے۔ ارشاد رحمت دوعالم ہے:

”جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال تین طرح سے جاری رہتے ہیں: صدقہ جاریہ سے، نفع بخش علم سے اور اے نیک بٹے سے جو اس کے لیے دعا گو رہے۔“^①

حضرت زکریاؑ کا اسوۂ مبارک سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ دعا کی قبولیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ تسبیح و تحمید اور تکبیر اور تحمیل کرنی چاہئیں۔ نیک اولاد کے حصول پر اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ساتھ، اولاد کی بھرتہ تربیت پر بھی بھرپور توجہ دینی چاہیے۔

﴿۵﴾ تقویٰ کے فوائد و ثمرات: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے درمیان رزق کی تقسیم کا راز اپنے پاس رکھا ہے، لہذا جسے چاہتا ہے وافر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگی میں مبتلا کرتا ہے، البتہ مومنوں کو تلاشِ رزق کے لیے محنت اور کوشش کرنے کا حکم دیا ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ

”پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔“ (الجمعة: 10/62)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ رزق کے حصول کے لیے تقویٰ بنیادی اور اہم سبب ہے۔ حضرت

1 قطعیٹیں اعظم (337-274)۔ پہلاروی حکمران احمد جس نے خبیاتیت قبول کی۔ 324ء میں اس نے خبیاتیت گوردی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار دیا۔ 330ء میں اس نے روم (اٹلی) کی بجائے "عظیم تہذیب" کو دارالحکومت بنایا اور اس کا نام کانستینٹیوپولس (قطعیٹیں) رکھا۔ یونانی کھیلایا۔ دہل (Saint) کا بدترتیب ہے۔ (آفسورڈ انٹلکچرل سوسائٹی)

2 بیت لحم بیت المقدس سے 8 کلو میٹر جنوب میں ہے۔ اس کی آبادی 14 ہزار (تخمینہ 1980ء) ہے۔ اس کا ذکر 1400 ق م کے مصری ریکارڈ میں بھی ملتا ہے۔ 330ء میں قطعیٹیں نے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جیندہ جیسے پیکر بنوایا۔ گرجا بنوایا۔ (آفسورڈ انٹلکچرل سوسائٹی)

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَارْفُكَ إِنِّي وَمَلَائِكَتِي مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾

”جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں۔“ (آل عمران: 53/5)

مفسرین کرام کے مطابق اس آیت میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے یعنی ﴿وَارْفُكَ إِنِّي﴾ ”میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔“ کے معنی مستفہم ہیں اور ﴿مَنْ مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”تجھے فوت کرنے والا ہوں۔“ کے معنی متاخر ہیں، یعنی پہلے آپ کو آسمانوں پر اٹھایا جائیگا، پھر آپ قیامت کے قریب تشریف لائیں گے اور اپنی طبیعت پر پوری کر کے فوت ہوں گے۔ یہود کے ہاتھوں آپ شہید نہیں ہوں گے۔

عیسائیوں کے باطل عقائد کا رد: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت تامہ سے کلمہ ”کن“ کہہ کر پیدا فرمایا۔ آپ کی اس معجزانہ ولادت کی وجہ سے عیسائیوں میں مختلف باطل عقائد و نظریات رواج پائے گئے ہیں۔ کچھ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بذات خود اللہ قرار دے دیا تو کچھ نے آپ کی والدہ ماجدہ کو ملا کر تین معبودوں کا عقیدہ اپنایا جسے وہ اقاہم ثلاثہ کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ان باطل عقائد کا رد ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائلین کو درج ذیل جواب دیا گیا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ مَن يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُنْزِلَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَفِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلَهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

”یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور اس کی والدہ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ اختیار رکھتا ہو؟ آسمان و زمین اور دونوں کے درمیان ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (المائدہ: 17/5)

عقیدہ تثلیث یا اقاہم ثلاثہ کے قائلین کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ وَإِن لَّمْ يَلْتَهُمْ عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

”وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں گے انہیں المناک عذاب ضرور پہنچے گا۔“

(المائدہ: 73/5)

جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان دار ہو۔“ (آل عمران: 49/3)

یہودی کبرا علیہا السلام اور سارائیش: یہود ایک ایسی بدکردار قوم ہے جس کی تاریخ حق کی مخالفت، اہل حق کو تکالیف پہنچانے اور انہیں قتل کرنے سے ہمراہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے میں ان کی بداعمالیاں اور سارائیش مزید نکھر کر سامنے آتی ہیں اور تاریخ کا سیاہ باب بن جاتی ہیں۔ یہ لوگ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کچا جانے کے باوجود اذیتیں دیتے رہے اور مریض جسمانی عیوب ان کی طرف منسوب کر کے انہیں تکلیف پہنچاتے رہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی بدترین مخالف ہو گئے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت حق اور آپ کے معجزات کا کوئی جواب ان کے پاس نہ تھا۔ انہوں نے اپنی جھوٹی دینی اور دھاری کو برقرار رکھنے کے لیے آپ کی دشمنی اور عداوت کی روش اختیار کی۔ حاکم وقت کے کان آپ کے خلاف بھڑے تاکہ آپ کو سولی دینے پر راضی ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بحفاظت آسمانوں پر اٹھایا اور یہ مکار لوگ آپ کے ایک ہم عقل کوسولی دے کر خوشیاں مناتے رہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی مدد و تائید فرما کر اپنی سنت کا اتمام کیا کہ وہ ہمیشہ اپنے ماننے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے یہ درس ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ جب وہ کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ فرماتا ہے تو کہتا ہے: ﴿كُنْ﴾ ”ہو جا۔“ ﴿فَيَكُونُ﴾ ”وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔“ (نہج: 83/36)

اس ذات باری تعالیٰ نے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر والدین کے اور حضرت حوا علیہا السلام کو بغیر ماں کے پیدا فرمایا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بابتال کی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِن مَّكَلَّ عِيسَىٰ عَبْدَ اللَّهِ مِثْلًا آدَمَ وَخَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَكُنْ فَيَكُونُ﴾

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ہو یہو آدم کی مثال ہے جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا وہ ہو گیا۔“

(آل عمران: 59/3) اس طرح آپ کی پیدائش اہل ایمان کے لیے عظیم الشان نشانی ہے۔

نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت تشریف لائیں گے اور زمین پر دین اسلام کا بول بالا کریں گے، صلیب توڑیں گے اور جزیہ قبول نہیں کریں گے بلکہ کفار سے جہاد کریں گے۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ٹھیک بصورت دیگر انہیں متوجہ کر دیں گے لہذا ارشادات نبوی علیہ السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھوں بیشتر یہود نصاریٰ قتل ہوں گے۔ آپ کے جہاد و تبلیغ سے زمین پر وسیع و عریض فساد کے بعد امن و امان قائم ہو جائے گا۔ آپ اپنی طبیعتی عمر پوری فرمائیں گے اور اس کے بعد قیامت برپا ہو جائے گی۔ آپ کے نزول کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک میں ہے:

ہوگا تاکہ یہود و نصاریٰ کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ سکیں نیز عذاب الہی سے بچ سکیں۔

❖ قدرت باری تعالیٰ کا الوکھا اظہار: کائنات کا ذرہ ذرہ باری تعالیٰ کی قدرت و عظمت کی گواہی دے رہا ہے۔ بلند و بالا آسمان اور اس میں جگمگ کرتے چاند ستارے، وسیع و عریض سمندر اور پہاڑوں جیسی ابھرتی ہوئی لہریں، سرسبز و شاداب، پھلوں، سبزیوں، پودوں، انسانوں اور رنگ رنگ مخلوقات سے بھرا ہوا کرۂ ارض اور راز و اسرار سے بھرپور خلا اور سیارے، قدرت کاملہ کی کشمہ سازیوں کے منہ بولے ثبوت ہیں۔ مالک ارض و سما کی عظمت و قدرت ہر چیز سے عیاں ہے لیکن وہ مالک اپنی کمال قدرت کا اظہار، بعض دفعہ، انوکھے اور منفرد انداز سے بھی کرتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کو مولود پہنچے کو لے کر قوم کے پاس تشریف لاتی ہیں تو قوم کو حیرت و استعجاب کے علاوہ آپ پر گناہ کی تہمت کا خدشہ بھی تھا۔ اس وقت ان خدشات کا ازالہ مولود پہنچے کی زبانی کرانا، مالک دو جہاں کی کمال قدرت کا شاندار مظاہرہ تھا جسے عقل انسانی محال سمجھتی تھی مگر پھر اس قدرت کا مظاہرہ چشم قلب نے بھی دیکھا اور محال و ناممکن خیال کرنے والے کمزور و ناتواں انسانوں نے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و عظمت کے اس انداز اظہار کو کئی دوسرے مواقع پر واضح کیا ہے۔ ارشاد نبوی علیہ السلام ہے:

”گوارے میں صرف تین بچوں نے کلام کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، عابد جبرج کی گواہی دینے والا پچھو اور بنی اسرائیل کا ایک اور بچہ۔“ (تفصیل کے لیے حوالہ مذکورہ بالا ملاحظہ فرمائیں۔)



❖ مسلمانوں کا دوست کون؟ عیسائی یا یہود؟: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قہ سے جہاں عیسائیوں کے باطل عقائد و نظریات کا رد ہوتا ہے وہاں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عیسائیت، دیگر ادیان کی نسبت اسلام کے ساتھ قریبی اور محبت کا تعلق رکھتی ہے جبکہ یہودی مسلمانوں کے بدترین اور سخت ترین دشمن ہیں۔ موجودہ دور کے حالات و واقعات مؤخر الذکر پر عینی گواہ ہیں:

﴿لَتَجِدَنَّ أُمَّةً فَاتَةً كَانَتْ إِخْوَتَكَ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ وَتَبْتَغِي عَنْكَ الْفَكَّةَ الْأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَجِدُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ يَتَوَلَّوْنَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ ۚ﴾

”یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور نصرانیوں کو پائیں گے اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً انہیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں دانش مند اور گوشہ نشین ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر و تکبر کرتے۔“ (المائدہ: 82/5)

یہودیوں کی اسلام دشمنی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ عناد، اعراض، غرور و تکبر، انبیائے کرام کا قاتل اور ان کی تکذیب اس قوم کا شعار رہا ہے۔ نبی علیہ السلام کے خلاف قتل کی سازشیں ان کے مذہب کا رکن بولتا ثبوت ہیں۔

قدیم اور جدید دور کے مشرکین، خواہ وہ یہود ہوں یا بدھت کے پیروکار یا بے دین مظاہر پرست سب کی کھلی اسلام دشمنی سب کے سامنے ہے۔ عیسائیوں کا جو وصف قرآن مجید نے مندرجہ بالا آیات میں بیان کیا ہے وہ یہود کے مقابلے میں ہے یعنی عیسائی یہودی کی نسبت مسلمانوں کے کچھ قریب ہیں وگرنہ اسلام دشمنی میں دونوں ہی پیش پیش ہیں۔ حالیہ صلیب و ہلال کی جنگیں یہود و نصاریٰ کے گٹھ جوڑ اور ان کی اسلام سے عداوت و دشمنی کا کھلا ثبوت ہیں۔ اسی لیے اسلام نے کفار و مشرکین سے دوستی سے منع کیا ہے خواہ وہ یہود و یہود ہوں یا عیسائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ﴾

”اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔“ (النساء: 144/4)

تیز فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ يَتَوَلَّوْنَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ ۚ﴾

”اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ تو آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔ فلاں کو اللہ تعالیٰ ہرگز براہ راست نہیں دکھاتا۔“ (المائدہ: 51/5)

مندرجہ بالا فرامان باری تعالیٰ کی روشنی میں مسلمانوں کو اپنی دوستی اور محبت کے رشتوں کو سننے سے تہمت دینا

قصۃ الانبیاء

خالق کائنات نے جب بنی آدم کو روئے زمین پر بسایا تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان میں خالص توحید کی جگہ شرک، بت پرستی اور دیگر اخلاقی خرابیاں درآمد ہوئیں۔ انسانیت کو اس کی اصلی راہ پر لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمانی ہدایت ارسال کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور پورے درجے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے۔ یہ نفوس قدسیہ تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں کے پیکر تھے ایک طرف یہ گروہ انبیاء اگر حسن و جمال میں یکتائے روزگار تھا تو دوسری طرف حسن اخلاق، بے مثال سیرت و کردار اور اعلیٰ درجہ کی شجاعت، ہمت اور استقامت سے بھی آراستہ تھا۔

انہوں نے رشد و ہدایت کی راہیں روشن کیں، توحید الہی کا پرچار کیا اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس مقدس فرض کی ادائیگی کی راہ میں انہیں بے شمار مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ کسی نبی کو چلتی ہوئی آگ میں پھینکا گیا، کسی کا سر قلم کیا گیا اور کسی کو آرے سے چیر دیا گیا۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کو اپنی دعوت کی صداقت کا اس قدر یقین اور اپنے رب پر اس قدر پختہ بھروسہ تھا کہ وہ مسکراتے ہوئے ان تمام مصائب کو برداشت کر گئے، مگر ان کے پائے ثبات میں ادنیٰ سی لغزش بھی نہیں آئی۔

قصۃ الانبیاء انہی مثالی انسانوں کا ذکر تمیل اور ان کی پاکیزہ سیرتوں کا گلہ دستہ ہے جسے دارالاسلام نے اپنے روایتی انداز میں حسن طباعت اور حسن معانی کی خوبیوں سے آراستہ کر کے تشنگانِ علم کی سیرابی کے لیے پیش کیا ہے۔

آپ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے بہت سی جدید معلومات اپنے قلب و ذہن میں محفوظ کر لیں گے۔



دارالاسلام

کتاب و سنت کی شامت کا عالمی ادارہ